(خون ، رنگ اور نسل کے خلاف شمشیر عریاں)

شمشیر

قمر اجنالوی

نیو کوالٹی لائبریری سنٹر
مین بازار نزد ... چشتیاں
پروپرائٹر اویس محمد رفیق کنول

مکتبۃ القریش ۰ قذافی مارکیٹ ، اردو بازار ۰ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	●	عبدالحفیظ قریشی
باہتمام	●	محمد علی قریشی
مطبع	●	نیر اسد پرنٹرز
کمپوزنگ	●	خرم آرٹس لاہور
سن اشاعت	●	1999ء
تعداد	●	600
قیمت	●	200 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور

دریچہ

"شمشیر" کی کہانی دراصل ایک کاسٹیوم فلم کے لیے لکھی گئی تھی۔ کاسٹیوم فلمیں عام طور سے کسی ریاستی پس منظر میں تیار کی جاتی ہیں۔ اُن میں کاسٹیوم اور ایکشن تو ہوتا ہے۔ کسی ریاست کی تاریخ نہیں ہوتی۔ اس کہانی میں بھی آپ کو ایکشن ملے گا۔ تاریخ نہیں ملے گی۔ البتہ "شمشیر" کی کہانی اور ایکشن کو قارئین نے بے حد پسند کیا کیونکہ یہ ظلم، جبر، نسلی امتیاز اور ناانصافی کے خلاف ایک مسلسل عمل کی رُوداد ہے۔

دُنیا میں جہاں غربت و امارت کی کشمکش ازل سے چلی آرہی ہے، وہاں نسلی امتیاز اور شاہی خون کی "نجابت و عظمت" کا دعویٰ بھی ہزاروں سال پُرانا ہے۔ جو حاکمانہ اغراض پر مبنی اور نسلِ انسانی میں طبقاتی تقسیم کا سبب بنا۔ اس کے برعکس اِنسانی مساوات سب سے بہتر اصول اور سب سے اعلیٰ نظریہ ہے۔ جس کی بنیاد فطرت پر ہے۔ کوئی شخص نسل اور خون کی وجہ سے بڑا نہیں۔ صرف اپنے حُسنِ عمل اور کردار کی بلندی کے باعث بڑا ہے۔ یہی انسانیت کی معراج ہے۔

موجودہ دَور کی سائنس بھی شرفِ خون اور نسلی امتیاز کو مسترد کرتی ہے۔ سائنس نے انسانی خون کے مختلف گروپ تو دریافت کیے ہیں اور انسانوں میں ایک دوسرے کے خون کا انتقال بھی کامیاب تجربہ ثابت ہُوا ہے مگر یہ نہیں ہُوا کہ اگر کسی شاعر کا خون کسی انجینئر کے بدن میں منتقل ہو گیا تو اس نے انجینئری چھوڑ کر شاعری شروع کر دی ہو، یا کوئی شاعر انتقالِ خون کے نتیجے میں انجینئر بن گیا ہو۔ سائنس نے نسلی امتیاز کے فارمولے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اگر خون کی فضیلت کا دعویٰ درست ہوتا تو ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خون اور نسل کے امتیاز کی نفی نہ فرماتے۔ دراصل انسانی ذہن تعلیم و تربیت اور ماحول کو قبول کرتا اور حالات

(منظر ۱)

جنگل

میلوں تک پھیلا جنگل چاندنی رات میں ہونک رہا تھا۔۔۔!

جھینگروں کی پُرشور اور مسلسل موسیقی جنگل کی وحشت میں اضافہ کر رہی تھی اور ان سنسناتی آوازوں نے رات کے سناٹے کو زیادہ بھیانک اور خوفناک بنا دیا تھا۔ آسمان پر چودھویں کا چاند روشن تھا۔ جس کی سیمیں کرنیں شاخوں سے چھن چھن کر سوئی ہوئی زمین سے ہم آغوش ہو رہی تھیں درختوں کے ٹیڑھے میڑھے سائے اور شاخوں کے چھتنارے دھوپ چھاؤں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ہوا ساکت تھی جس سے فضا میں حبس سا پیدا ہو رہا تھا۔ اچانک جنگل کے وسط میں ایک چوڑا ہموار مگر سانپ کی طرح پیچ و خم کھاتا راستہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے بجنے لگا۔

ایک چھوٹی سی سرسبز پہاڑی اُونٹ کے کوہان کی طرح شرقاً غرباً زمین کی چھاتی پر ابھری تھی۔ اس پہاڑی کی ترائی چھتری دار جھاڑیوں اور کائی کے اُونچے نیچے پودوں سے اٹی پڑی تھی اسی ترائی سے جنگل کا آغاز ہوتا تھا کیونکہ ڈھلان میں جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ درختوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ گنتی کے کُل تیرہ سواروں پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ پہاڑی کا موڑ کاٹ کر اس پتھریلے اور سخت راستے پر نمودار ہُوا جسے اس جنگل کا حاشیہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ڈھلان سے اُتر کر راستہ ایک پٹی کی مانند مشرق سے مغرب کی طرف جاتا اور دیو ہیکل کالی چٹان

سے یک لخت جنوب کی طرف مُڑ کر جنگل میں داخل ہوتا تھا۔ قافلہ اسی راستے جنگل میں داخل ہو رہا تھا۔

چاندنی میں سواروں کی فوجی وردیاں اور ہتھیار چمک رہے تھے۔ جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی شاہی دستہ کے سپاہی ہیں اور چونکہ شمالی ریاست کا ذی شان اور جوان سال شہزادہ خُرم بہ نفسِ نفیس اُن کے ساتھ سفر کر رہا تھا اس لیے ہر سوار بڑا چاق و چوبند اور ہوشیار نظر آتا تھا۔

جب قافلے کا رہنما پہاڑی کا موڑ کاٹ کر جنگل کی طرف بڑھا تو شہزادہ خُرم کے پہلو بہ پہلو چلنے والے محافظ افسر نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور سواروں کو بھی رُکنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"لاچی خان ——! رُک جاؤ۔"

تیس بتیس سال کا راہبر لاچی خاں جو قافلے سے دس بارہ گز آگے اپنی دُھن میں مست چلا جا رہا تھا گھبرا کر مُڑا اور اپنا سیاہ گھوڑا کُداتا شہزادہ خُرم کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔

"کیا حکم ہے سرکار ——!"

محافظ افسر نے کھُردرے لہجے میں پوچھا۔

"تم ہمیں کس راستے پر لے آئے ہو۔ یہ جنگل تو کوسوں پھیلا ہے۔ رات کے وقت کوئی بے وقوف بھی ایسے خطرناک جنگل کا سفر اختیار نہیں کرتا۔"

ایک پل کے لیے لاچی خاں کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے مگر دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل کر بولا۔

"مجھے یہی راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ہم صرف ڈیڑھ میل جنگل میں سفر کریں گے۔ پھر سانگا ندی کے ساتھ ساتھ اُس سڑک پر جا نکلیں گے جو سیدھی دارالحکومت کو جاتی ہے۔ سپہ سالار اپنے مسلح دستہ کے ہمراہ سانگا ندی پر شہزادۂ عالی کا استقبال کریں گے۔"

"سانگا ندی ——" محافظ افسر کے ماتھے پر ایک ناگوار سی شکن نمودار ہوئی "اگر میری یادداشت کمزور نہیں تو سانگا ندی کے آس پاس ہی کہیں شمشیر ڈاکو کا مسکن بھی ہے۔ میں نہیں سمجھتا سپہ سالار رستم خاں نے یہ راستہ کیوں پسند کیا؟"

شہزادہ خُرم کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے لاچی خان نے بڑی شان بے نیازی سے قہقہہ لگایا۔ "بھلا رستم خاں اور محافظ دستہ کی موجودگی میں شمشیر ڈاکو کی بساط ہی کیا ہے کہ وہ ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ وہ یقیناً اپنی جان کا دشمن نہ ہو گا۔"

ایک ساعت کے لیے رُک کر لاچی خاں نے کہا۔

"میں تو صرف سپہ سالار کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ وہ سانگا ندی پر شہزادۂ عالی کے منتظر ہوں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے بے پروائی سے گھوڑا موڑا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اس راستہ پر چل پڑا جو کھُلے درختوں کے درمیان روشن پٹی کی مانند چمک رہا تھا۔ شہزادہ نے محافظ افسر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اضطراب کے سائے لرزاں تھے پھر بے پروائی سے بولا۔

"بہادر ——! پریشان ہونے کی کون سی بات ہے۔ سپاہی کے لیے جنگل اور میدان یکساں حیثیت رکھتے ہیں —— گھوڑا بڑھاؤ۔"

شہزادہ نے باگ اٹھائی۔ محافظ افسر نے بھی تعمیل کی اور سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا مگر حفظِ ماتقدم کے طور پر سواروں نے اپنے افسر کے حکم پر بھالے سنبھال لیے اور پہلے سے زیادہ ہوشیار نظر آنے لگے۔ محافظ افسر بھی شاید خود کو کمزور اور بزدل ثابت نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ بڑی مستعدی سے شہزادہ کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔

جوں جوں وہ آگے بڑھے جنگل گھنا اور تاریک ہونے لگا۔ چند فرلانگ کے بعد چوڑا ہموار راستہ ایک مڑی تڑی پگ ڈنڈی کی شکل اختیار کر گیا جو بجلی پُر پیچ لکیر کی طرح تھوڑی دور تک چمک کر درختوں کے گھنے سایوں میں غائب ہو گئی تھی۔ اس پگ ڈنڈی پر سواروں کا پہلو بہ پہلو چلنا مشکل تھا لہٰذا مجبوراً انہیں آگے پیچھے ایک قطار کی شکل اختیار کر لینا پڑی۔

گھنے جنگل میں اندھیرا بھی بڑھتا چلا گیا اور اس اندھیرے میں شاخوں سے چھن کر آنے والی چاندنی کی شعاعوں سے لہریا سا بن گیا تھا۔ گھوڑے بار بار کنوتیاں بدل رہے تھے۔ جھینگروں اور حشرات الارض کی آوازیں سیٹیوں کی طرح مسلسل گونج پیدا کر رہی تھیں۔ جس نے جنگل کے پُر امن سناٹے میں وحشت اور دہشت کا رنگ بھر دیا تھا۔ کبھی کبھار دور سے آنے والی گیدڑوں کی ہُوانک سنسناتے ہوئے سناٹے کا طلسم توڑ کر ابھرتی اور سواروں کی آنکھیں جنگل کے اندھیروں میں بھٹک جاتی رہتیں۔

سفر خاموشی سے جاری رہا۔ صرف گھوڑوں کی ٹاپیں اور خشک پتوں کے چرمرانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ راہبر لاچی خان نیزہ لہرائے اسی طرح بے پروایانہ

جیسے وہ اسی جنگل کا باسی اور اس خطے کے چپے چپے سے آگاہ تھا
چلا جارہا تھا۔
مڑی تڑی پگ ڈنڈی ایک چھوٹے سے چشمہ پر پہنچ کر غائب ہو گئی جو سانپ کی
طرح بل کھاتا شرقاً غرباً بہہ رہا تھا۔ چشمہ عبور کرنے کے بعد لاچی خان نے گھنے جنگل کے وسطی حصے
کی طرف ہاتھ لہرایا اور بولا۔

"بس سرکار ——— ! اس چشمہ سے ٹھیک نصف کوس کے فاصلہ پر سانگا ندی بہتی
ہے۔ اِدھر جنگل گھنا نہ در ہے لیکن سانگا ندی اِس جنگل کا زیور سمجھی جاتی ہے۔"

قافلہ خاموشی سے رہبر کے پیچھے پیچھے چلتا رہا جو اب گھنے درختوں میں سے گزر رہا تھا
اچانک محافظ افسر چشمہ کے مغرب میں چند ہرنوں کو دیکھ کر چونک اٹھا جو شاید چاندنی رات
میں پانی پینے آنکلے تھے اور گھوڑوں کی ٹاپیں سنتے ہی چوکڑیاں بھرتے جنگل میں غائب ہوگئے
غالباً وہ سوچ رہا تھا جہاں شکار کے لیے ہرن اور پینے کے لیے چشمہ کا پانی موجود ہو وہاں شیر
کو آنے سے کون روک سکتا ہے۔ جنگل کے ایسے ہی مقامات پر وہ شکار کی گھات میں پھرتا
ہے۔ چلتے چلتے اس نے شہزادہ کو بھی اس خیال سے آگاہ کر دیا۔ مگر جواب میں اسے صرف
ایک بے خوف سا قہقہہ سنائی دے سکا۔

"بہادر خاں ——— ! یہ کیوں بھولتے ہو اگر جنگل کا بادشاہ ہرنوں اور چکاروں
کا شکار کھیلتا ہے تو مردوں کے نیزے شیر کا مضبوط جسم تلاش کرتے ہیں۔"

محافظ افسر کھسیانا سا ہو گیا اور خاموشی سے چلتا رہا۔
اندازہ کے مطابق وہ دو اڑھائی میل جنگل کے اندر گھس آئے تھے۔ مگر ابھی تک نہ تو
سانگا ندی دکھائی دی نہ سپہ سالار رستم خان کے مسلح سپاہی نظر آئے جو لاچی خان کے بقول شہزادہ
کی سواری کے منتظر تھے۔ محافظ افسر بہادر خان کے دل میں نہ جانے کیوں بے یقینی کے اندیشے
رینگ رہے تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا۔ آن سے کوئی بھاری غلطی سرزد ہو گئی ہے جس کا
انجام بھگتنے کیا ہو۔ اس بے یقینی کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی لیکن انسان کی چھٹی حس جو آنے
والے خطرات سے آگاہ کرتی ہے اس کے ذہن کے کسی گوشے میں منحوس چمگادڑ کی طرح لٹک کر
رہ گئی تھی۔

جنگل بہرطور جنگل ہے اور یہاں ہر قدم پہ کوئی نہ کوئی خطرہ محوِ خواب ہوتا ہے جو
ہلکی سی آہٹ پاکر جاگ اٹھتا ہے اور پلک جھپکنے میں موت کا بھیانک روپ دھار لیتا ہے۔

بہادر خاں بزدل نہ تھا۔ شہزادہ خرم کی ہمراہی میں اس نے کئی بار شکار کھیلا اور اس
کا نیزہ کئی درندوں کا پیٹ پھاڑ چکا تھا۔ اس کے باوجود آج وہ کچھ اُکھڑا اُکھڑا سا معلوم ہو رہا تھا۔
گھنے جنگل میں جھینگروں کا شور بڑھ گیا تھا۔ شاخوں کے جھرمٹ گھنے چھتناروں کی طرح
سایہ کناں تھے۔ جنہوں نے چاندنی کو اوپر ہی روک لیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہ سب
سیاہ دھبے سے نظر آتے تھے۔ اچانک راہبر لاچی خان نے اپنے حلق سے کوئی عجیب سی آواز
نکالی جو کسی اژدہے کی پھنکار سے ملتی جلتی تھی پھر سمجھانے کیا ہوا۔ قافلہ اچانک رُک گیا۔
گھوڑوں کی باگیں بڑی سرعت سے کھینچی گئیں اور نیزوں کے پھل ایک آن میں سیدھے ہوگئے مگر
دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ گھنے درختوں اور اندھیرے نے ایک ساعت کے اندر بے شمار
سایوں کو جادو کی مانند اُگل دیا تھا اور اس وقت اُن کے اردگرد کم و بیش چالیس پچاس نیزے
اور برچھے چمک رہے تھے۔ جنہوں نے قافلہ کو چاروں سمت سے گھیر لیا تھا۔ ابھی حیرت کا یہ
لمحہ ختم نہ ہوا تھا کہ درختوں کی اوٹ سے متعدد سوار گھوڑے بڑھائے موت کے فرشتوں کی
طرح سر پہ پہنچ گئے۔ ایک لمبا تڑنگا سوار جو غالباً اُن کا سردار تھا۔ منہ پہ سیاہ ڈھاٹا باندھے
گھوڑا کدا کر رہبر کی طرف آیا۔ پھر اندھیرے میں ایک کڑک دار آواز سنائی دی۔

"شاباش لاچی خان ——— ! تو نے اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔"

اس فقرہ نے شہزادہ خرم اور محافظ افسر بہادر خاں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا
شاید سپہ سالار رستم خان اپنے مسلح دستہ کے ہمراہ اُن کا استقبال کرنے آیا ہے۔ مگر استقبال کا یہ
انداز بڑا انوکھا تھا۔ رستم خاں کا فرض تھا وہ جنگل کے اس خوفناک اندھیرے میں مشعلیں روشن کرتا
پھر پیشوائی کے لیے آگے بڑھتا مگر دوسرے لمحہ یہ غلط فہمی دُور ہو گئی اور سردار کی کڑکتی ہوئی
آواز گونجی۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو۔"

شہزادہ خرم گھوڑے کی پشت پر اُچھل سا گیا۔

"کون ہو تم گستاخ ؟"

جواب میں صرف ایک تلوار چمکی جس پر چاند کی کرن رقص کر رہی تھی۔ پھر آواز آئی۔

"شمشیر ہے میرا نام۔"

"شمشیر ڈاکو ؟"

تاریک فضا میں ایک خوفناک قہقہہ شہابِ ثاقب کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا اور اب اُنہیں پتہ چلا کہ وہ شمشیر ڈاکو کے نرغہ میں پھنس چکے ہیں مگر حیرت انگیز بات تو یہ تھی، کہ دارالحکومت سے شہزادہ خرم کی رہبری کے لیے جو شخص آیا وہ بھی شمشیر ڈاکو ہی کا آلہ کار تھا۔ اور وہ کس ہوشیاری سے پورے قافلے کو اس خوفناک درندے کے پھیٹ میں ہانک لایا تھا۔ تو کیا شہزادہ خرم جو بہادری اور شجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس بے بسی کے ساتھ ایک ڈاکو کے سامنے ہتھیار پھینک دے گا؟

مگر شمشیر ڈاکو بھی تو اُس بلائے آسمانی کا نام تھا جس سے بڑے بڑے بہادر کانپتے تھے۔ رعد کی مانند اس کی آواز پھر کڑکی۔

"شہزادہ خرم ——— ! میں اپنے احکام دہرانے کا عادی نہیں۔ تم نے ابھی تک ہتھیار نہیں پھینکے"۔

"شمشیر ——— ! زندگی چاہتے ہو تو راستہ چھوڑ دو"۔

"تمہارے لیے صرف موت کا راستہ کھلا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی شمشیر نے تلوار لہرائی اور مسلح ڈاکو وحشی درندوں کی طرح قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ شہزادہ خرم کے ہمراہ اگرچہ گنتی کے دس سوار تھے مگر حالات کی نزاکت اور حفاظت کے پیشِ نظر اب بر سرِ پیکار ہونا ضروری تھا۔

بہادر خاں نے پلٹ کر آواز دی۔

"بہادرو ——— ! آزمائش کی گھڑی ہے۔ اِن درندوں کا شکار کھیلو"۔

ایک آن کے اندر نیزوں کے پھل جسموں میں اُتر گئے۔ لوہا لوہے سے بجنے لگا۔ وہ حملہ آور جو پیادہ پا تھے شاہی سواروں کو زیادہ زخم نہ لگا سکے بلکہ خود خاک و خون میں تڑپنے لگے مگر فوراً ہی شمشیر اپنے مسلح سواروں کو لے کر جھپٹا اور غرّایا۔

"خبردار ——— ! موت کے گھیرے سے ایک بھی زندہ بچ کر نہ جائے"۔

واقعی وہ موت کا گھیرا تھا۔ سواروں کے پہلے ہی حملہ نے شاہی قافلہ کے پانچ سپاہی موت کی نیند سُلا دیئے، اُن میں محافظ افسر بہادر خاں بھی شامل تھا جو شمشیر پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا لیکن بیک وقت تین نیزے اُس کے جسم کو چھید گئے اور وہ کٹے ہوئے تنے کی طرح گھوڑے کی پشت سے زمین پر آ گرا۔ اندھیرے کے باعث شمشیر اور اس کے ساتھی یہی سمجھے انہوں نے

شہزادہ خرم کو مار گرایا ہے۔ چنانچہ وہ تیزی سے بہادر خاں کے لاشے کو سنبھالنے کے لیے کود پڑے اس اثناء میں شہزادہ خرم ایک سوار کا پیٹ پھاڑ کر آگے بڑھا، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حملہ آوروں کو روندتا ہُوا نکل گیا۔ بھاگتے وقت اگرچہ اُس پر کئی نیزے اور برچھے تیر گئے اور اس کے دونوں شانے بُری طرح زخمی ہوئے تھے لیکن اس کا گھوڑا سوار کا اشارہ سمجھتے ہی سموں کو پھلانگتا ہُوا فضا میں اُبھرا اور ہَوا ہو گیا۔

شمشیر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بہادر خان کی طرف متوجہ تھا۔ اُس نے لاچی خان کو مشعل روشن کرنے کا حکم دیا تاکہ شہزادہ خُرم کی لاش کو دیکھ سکے۔ اس اثناء میں شاہی قافلے کے بچے کھچے سوار بھی موت کے غاروں میں دھکیلے جا چکے تھے۔ حملہ آوروں میں آٹھ دس قتل اور اتنے ہی شدید زخمی ہوئے تھے۔ مگر جب لاچی خان مشعل لے کر آیا تو اس کی روشنی میں بہادر خاں کا خون آلود چہرہ دیکھ کر شمشیر نے اس کا سَر جھٹکے سے ایک طرف پھینک دیا اور تڑپ کر بولا۔

"یہ شہزادہ نہیں"۔

پھر مشعل کی روشنی لاشوں کے چہروں پر تھرتھرانے لگی شمشیر زخمی بھیڑیئے کی طرح غُرا رہا تھا۔

"شہزادہ خرم فرار ہو گیا"۔

غصہ میں اُس نے اپنی تلوار ایک ساتھی کے سَر پہ دے ماری۔

"احمق! تُو نے مجھے دھوکا دیا اور میں بہادر خاں کو شہزادہ سمجھ بیٹھا ورنہ جب وہ بھاگا میں اس کا تعاقب کرتا"۔

ساتھی جو تلوار کی ضرب سے بلبلا اُٹھا تھا یوں کانپنے لگا جیسے اُسے قتل کرنے کا حکم سُنا دیا گیا ہے۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔

"سردار ——— ! وہ دور نہ گیا ہو گا۔ ہم اُسے ڈھونڈ لیں گے"۔

دوسرا کہنے لگا۔

"اگر بھاگنے والا شہزادہ خُرم ہے تو اس جنگل میں اس کی لاش ضرور مِل جائے گی۔ وہ شدید زخمی ہے اور ہو سکتا ہے اس وقت زندگی کے آخری سانس لے رہا ہو"۔

لاچی خاں نے بھی تائید کی۔

"سردار ——— ! وہ جان بچا کر ضرور نکل گیا لیکن موت اُس پہ پھندہ ڈال چکی

ہے۔ اِتنے زخم کھانے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا۔"

شمشیر ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے خُرم کی لاش چاہیئے۔"

ایک لمحہ رُک کر کہنے لگا۔

"اگر وہ زخمی ہے تو ضرور کسی بستی کا رُخ کرے گا اور اس جنگل سے قریب ترین صرف ملاحوں کی ایک بستی سانگا ندی کے اس پار واقع ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس بستی کی طرف جائے۔"

"موت اُسے بستی تک پہنچنے کی مہلت نہیں دے سکتی۔ اس کی لاش ہمیں راستے ہی میں مِل جائے گی۔"

سردار نے اپنے نائب کو حکم دیا وہ لاشوں کو دفن کرنے کے بعد زخمیوں کو حویلی پہنچا دے اور اس کا انتظار کرے پھر وہ لاچی خاں اور آٹھ سواروں کے ہمراہ مفرور شہزادے کی تلاش میں نکل گیا۔

(منظر ۲)

بستی

سانگا ندی کے کنارے ماہی گیروں اور ملاحوں کی بستی قدیم الایام سے قائم تھی۔ جو گھاس پھوس کے جھونپڑوں اور مٹی کے کچے مکانوں پر مشتمل تھی۔ عورتیں اور مرد دن بھر محنت مشقت کرتے اور رات کو قبائلی رقص و نغمہ سے دِل بہلاتے تھے۔ مگر چاند کی ہر چودھویں رات کو بستی میں ایک خاص تقریب ہوتی جس میں سردار قبیلہ کی لڑکی اپنا خاص رقص پیش کرتی تھی۔

یوں تو ماہی گیر اور ملاح قدیم ہی سے رقص و نغمہ کے شیدائی تھے اور اُن کے میلوں ٹھیلوں میں ناچ گانے کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ بسنت بہار کی تقریب پر تو ساری ساری رات لڑکیاں ناچتی گاتی تھیں اور لوگ سُر سنگیت سے شادکام ہوتے تھے لیکن چاند کی چودھویں رات کا رقص گزشتہ بیس بائیس برس سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ ہو رہا تھا اور اب تو یہ رقص قبیلہ کی ایک رسم یا روایت کی شکل اختیار کر گیا تھا جس میں سردار قبیلہ کی لڑکی کو لازمی شرکت کرنا پڑتی تھی۔

چاند کی ہر چودھویں رات کو سانگا ندی کے کنارے یہ رسم ادا کی جاتی تھی۔ بستی میں روایت مشہور تھی کہ بیس برس پہلے ایک شہزادہ چاند کی چودھویں تاریخ کو اُس وقت بستی میں

آیا تھا جب یہاں راگ رنگ کی محفل بپا تھی اور بستی کی لڑکیاں اپنا قبائلی رقص کر رہی تھیں۔ اُن میں سردارِ قبیلہ کی نوجوان اور خوب صورت لڑکی نیلی بھی شامل تھی۔ جس کا اصل نام تو نیلوفر تھا لیکن پیار سے سب لوگ اُسے "نیلی" کہہ کر پکارتے تھے۔

شہزادہ نیلی کا رقص دیکھ کر دل کی بازی ہار بیٹھا اور شکار کے بہانے بستی کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ نیلی بھی شہزادہ کی محبت میں گرفتار ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ بستی میں اُن کے پیار کی داستانیں پھیل گئیں۔ حتیٰ کہ محبت کی یہ کہانی دارالحکومت میں بھی جا پہنچی اور شہر سے شہزادہ کی فوری طلبی کا حکم نامہ آ گیا۔ شہزادہ بادلِ نخواستہ دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا لیکن جاتے ہوئے نیلی سے عہد و پیمان کر گیا کہ بہت جلد واپس آئے گا اسے شاہی محل میں بلا لے گا جہاں وہ میاں بیوی بن کر زندگی گزاریں گے۔ نیلی اسی اُمید پر زندہ رہی کہ اس کا شہزادہ ایک روز اسے لینے آئے گا لیکن اُس کی زندگی میں کبھی نہ آ سکا۔ شہزادہ ہر چودھویں رات کو آتا اور چلا جاتا۔ اچانک اس پر پہرے لگ گئے۔ ایک مرتبہ چاندرات کو جب سانگا ندی کے کنارے پھر رقص و نغمہ کی محفل بپا تھی اور نیلی اپنے محبوب کے انتظار میں گیت گا رہی تھی جنگل کی سمت سے ایک آواز بار بار بلند ہوئی۔ نیلی نے اپنے محبوب شہزادے کی آواز پہچان لی اور بے اختیار دریا کی طرف بھاگی۔

برسات کی وجہ سے سانگا ندی میں طغیانی تھی اور سرکش موجیں وحشی ناگنوں کی طرح لہریں لے رہی تھیں۔ ندی کے دوسرے کنارے نیلی نے اپنے شہزادے کی پرچھائیں دیکھ لیں اور ناؤ کھول کر ندی میں ڈال دی۔ سردار اور بستی کے لوگ چیختے چلاتے رہے کہ نیلی واپس آجائے، وہ اس طغیانی میں ندی پار نہ کر سکے گی لیکن وہ تو شاید بہری ہو گئی تھی اس نے کسی کی ایک نہ سنی اور ناؤ کھیتی وسطِ دریا میں پہنچ گئی جہاں خطرناک بھنور پڑ رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے ناؤ ایک بھنور میں پھنس کر اُلٹ گئی اور نیلی بپھری ہوئی لہروں میں غوطے کھانے لگی۔ شہزادہ تیرتا ہوا وسطِ دریا تک پہنچ گیا اور اسی گرداب میں چکر کاٹ رہا تھا۔ نیلی اُسی کو بچانے آئی اور خود بھنور میں پھنس گئی تھی۔

سردار اور بستی والوں نے یہ خوفناک منظر دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے ایک بہت بڑی کشتی ندی میں اُتار دی لیکن جب تک وہ نیلی اور شہزادہ تک پہنچتے موجیں اُن دونوں کشتگانِ محبت کو بہا کر قعرِ دریا میں لے جا چکی تھیں، وہ سانگا ندی کی گہرائیوں میں ایسے

ڈوبے کہ پھر اُبھر نہ سکے۔ بستی والے کشتی لیے ساری رات ندی میں گھومتے اور اُنہیں تلاش کرتے رہے۔ ملاحوں نے جگہ جگہ جال ڈالے، غوطہ خوروں نے غوطے لگائے لیکن نیلی اور شہزادہ کی لاشیں نہ مل سکیں۔

یہ المناک سانحہ چاند کی چودھویں تاریخ کو پیش آیا تھا۔ اس کے بعد نیلی اور شہزادہ کی یاد میں چاند کی ہر چودھویں رات کو سانگا ندی کے کنارے "جشنِ محبت" منایا جاتا۔ جس میں اُن کی پاک محبت کے گیت گائے جاتے۔ یہ رسم بھی اسی واقعہ کے بعد شروع ہوئی کہ سردارِ قبیلہ کی لڑکی کا نام نیلوفر رکھا جاتا اور اسے آغازِ جوانی ہی سے نیلی کا روپ دھار کر چاند کی ہر چودھویں رات کو مخصوص رقص کرنا پڑتا تھا۔

گویا ماہی گیروں اور ملاحوں کا قبیلہ اس تعلق کی یاد قائم رکھے ہوئے تھا جو نیلی کی محبت کے ذریعے شاہی خاندان سے پیدا ہو گیا تھا۔ سال ہا سال سے یہ رسم ادا ہو رہی تھی۔

آج بھی چاند کی چودھویں تاریخ تھی اور سانگا ندی کے کنارے قبیلہ کے لوگ شعلوں کی روشنی میں سردار کی لڑکی کا رقص دیکھ رہے تھے۔ رقص گاہ کو چونکہ ایک طرح سے تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ اس لیے بستی والوں نے یہاں ایک بہت بڑا چبوترہ تعمیر کر دیا تھا جس کے ساتھ بڑے بڑے ستونوں پر مشعلیں روشن تھیں۔ سردار کی لڑکی ہر ماہ کی چاندرات کو اسی چبوترے پر رقص و نغمہ کا مظاہرہ کرتی۔ بستی کے لوگ جس میں عورتیں اور مرد سبھی شامل ہوتے، چبوترے کے اِرد گرد بیٹھ کر رقص دیکھتے۔ چبوترے کے دائیں جانب ایک سٹیج تھی جس پر بستی کا شیخ جلوہ افروز ہوتا تھا۔ شیخ کو چونکہ مذہبی اور سماجی احترام حاصل تھا۔ وہی نئے سردار کے تقرر کی منظوری دیتا اور بڑے بڑے اہم فیصلے نافذ کرتا تھا اس لیے سردار سمیت کوئی شخص اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں بستی کا سردار دراصل شیخ ہی کا نائب تھا اور اُسے وہی حیثیت حاصل تھی جو کسی مذہبی حکمران کے دنیوی سردار کی ہوتی ہے۔

چاندنی رات میں سانگا ندی کا پانی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ پہاڑی ندی نالے چونکہ خشک پڑے تھے اس لیے ندی بھی اُتری ہوئی تھی اور کنارے کے پانی کے اندر ریت کی ٹیڑھی ترچھی لکیریں تک نظر آ رہی تھیں۔ سال میں صرف اڑھائی تین مہینے ندی

پایاب ہو جاتی اور ماہی گیروں کو مچھلی کی تلاش میں دُور گہرے پانی میں جانا پڑتا تھا۔ لیکن چاندنی کی ہر چودھویں رات وہ جشنِ رقص بڑے جوش و خروش سے مناتے تھے جیسے اگر ندی کا پانی اُتر گیا تو کیا ہُوا اُن کے دلوں میں اُمڈنے والا طوفان تو بدستور تلاطم خیز ہے۔

آج رات بھی ندی کنارے "رقص گاہ" ڈھولک کی تھاپ، بانسلیوں کی موسیقی اور کانسی کے مجیروں کی "چھنک چھنک" سے گونج رہی تھی۔ مشعلوں میں چربی تڑ تڑا رہی تھی۔ کالے اور نیلے دھوئیں کی لہریں پیچ و خم کھاتی کھلی فضا میں تحلیل ہو رہی تھیں۔ اور روشنیوں کے کانپتے عکس چہروں پر لرز رہے تھے۔ چبوترے پر سردار کی نوجوان اور حسین لڑکی پاؤں میں کانسی کے مجیرے پہنے "چاند رقص" میں مصروف تھی اور اُس کا جوان ساتھی ہاتھ میں مشعل اُٹھائے اس کے قدم بہ قدم جنبش کر رہا تھا تاکہ مشعل کی روشنی کا ہالہ رقاصہ کے چہرے کو منور رکھے اور تماشائی اس کے حسین عارضوں پر نمایاں ہونے والے قلبی تاثرات کو دیکھ سکیں۔

جیسے ہی حسین رقاصہ چکر کاٹتی ہوئی مڑتی جوان مشعلچی بھی مشعل کا شعلہ لہراتا اُس کے ساتھ ہی ساتھ گھوم جاتا۔ دونوں کے پاؤں کی ہر جنبش، ہر حرکت گویا ایک ہی عمل اور ایک ہی حکم کی پابند تھی۔ اگر لڑکی رقص میں ماہر تھی تو جوان مشعلچی بھی ہر قدم ناپ تول کر اٹھاتا تھا کبھی کبھی وہ رقاصہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس سرعت سے گھومتا اور چکر کاٹتا تھا کہ گھومتی چکراتی ہوئی مشعل کا شعلہ ایک متحرک تارہ سا بن کر رہ جاتا۔ اس عمل میں بھی مشعل کا ہالہ لڑکی کے چہرے کے گرد قائم رہتا حتیٰ کہ تھرتھراتی روشنی میں اس کی لانبی لانبی پلکیں بھی حرکت کرتی نظر آتی تھیں اور حسین چہرہ تو صبح ستارے کی طرح چمکتا دمکتا تھا۔

چبوترے کے آس پاس قبیلہ کے مرد و زن دم سادھے ناچ میں ہمہ تن کھو گئے تھے۔ بعض تو اس ہوش رُبا نظارہ میں پلک تک جھپکنا بھول گئے۔ سردار جو چند آدمیوں کے درمیان نمایاں جگہ پر بیٹھا تھا بے حد خوش تھا۔ مُسرت اس کی آنکھوں سے روشنی بن کر پھوٹ رہی تھی کیوں کہ آج رات شیخ اُس کی بیٹی کو رقص کا اعلیٰ اعزاز دینے والا تھا جو شیخ کی مسند پہ اپنے تمام تر مذہبی اور قبائلی جاہ و احترام کے ساتھ متمکن رقص دیکھنے میں محو تھا۔ وہ بار بار ہاتھ کی جنبش سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتا جسے دیکھ کر جوان رقاصہ کا جذبۂ عقیدت سرور و خمار کی لذتوں سے ہم آہنگ ہو کر زیادہ سرگرمی دکھاتا اور وہ رقص کے دائرے کاٹتی ہوئی شعلۂ جوالہ بن جاتی تھی۔ کانسی کے مجیرے جھنجھنا رہے تھے۔ ڈھولک کی تھاپ اور بانسلیوں کی موسیقی

مل جل کر ایک طلسم آفریں زیر و بم پیدا کر رہی تھی اور روشنیوں کے لرزتے دائروں میں حسین رقاصہ کے مدھر گیت کی لے ایک نیا جادو پھونک رہی تھی جس نے سب لوگوں کو مسحور سا کر دیا تھا۔

رقص کا آخری توڑا لینے کے بعد اچانک رقاصہ اپنی تمام تر عقیدتوں کے ساتھ شیخ کی مسند کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔ جوان مشعلچی گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ مجیروں کی چھناکوں کے ساتھ ڈھولک کی تھاپ اور بانسلیوں کی موسیقی ایک دم خاموش ہو گئی اور فضا میں ایک تقدس آمیز سکوت بکھر گیا۔

بوڑھا شیخ چاندی کی موٹھ والے بھاری عصا کو لہراتا مسند سے اُٹھا اس نے سردار کی طرف عصا لہرایا اور جوشِ مسرت سے مرتعش آواز میں بولا۔

"سردار! آج سے تیری بیٹی رقص کی رانی ہے"۔

یہ کہہ کر وہ مسند سے اُتر آیا اور آگے بڑھ کر اُس نے نوجوان حسینہ کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا جو بدستور سجدہ ریز تھی۔

"نیلوفر —— ! اُٹھ —— !" شیخ نے محبت و شفقت کے بھرپور لہجے میں کہا۔ "تیری ریاضت کامیاب ہوئی"۔

حسین رقاصہ ہولے ہولے اُٹھی اور شیخ کے حضور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ مشعل کی روشنی کا عکس دونوں کے چہروں پر تھرتھرانے لگا جسے جوان مشعلچی ہاتھ میں لیے سر بہ خم کھڑا تھا سردار بھی اپنی نشست چھوڑ کر قریب آ گیا تھا۔ اُس نے عقیدت سے شیخ کے گھٹنے چھوئے اور بیٹی کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ شیخ نے اپنے لبادے کی سلوٹوں سے سفید و شفاف موتیوں کا ایک سہ لڑا ہار نکالا اور محبت سے لڑکی کی صراحی دار گردن میں ڈال دیا۔

"آج سے نیلی کی یہ امانت تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ وہ ہار ہے جو شہزادہ نے اُسے اپنی محبت کی یاد میں پہنایا تھا۔ یہ ہار شاہی خاندان کی علامت ہے۔ اس کی حفاظت تیرا فرض ہے"۔

یہ کہہ کر شیخ نے لڑکی کے سر پہ ہاتھ پھیرا پھر اپنا عصا لہراتا اور لبادے کو جنبش دیتا چبوترے سے اُترا اور اپنے چند عقیدت مندوں کے جلو میں رخصت ہو گیا۔ اُس کے جاتے ہی قبیلہ کی نوجوان لڑکیوں نے رقاصہ کو گھیر لیا اور اُسے کامیابی کی مبارک باد دینے لگیں۔

سردار اپنی بیٹی کا ہاتھ تھامے ابھی چبوترے کی سیڑھیاں اُتر رہا تھا کہ ایک ساتھ اُن کی نظریں سانگا ندی کے گھاٹ کی طرف اُٹھیں اور وہ چاندنی میں ایک سوار کو گھوڑے کی پیٹھ پر گٹھڑی کی طرح لٹکے ہوئے دیکھ کر چونک اُٹھے۔

گھوڑا پایاب ندی کو عبور کر کے اس گھاٹ پر آیا تھا اور اب آپ سے آپ بستی کی طرف چلا آرہا تھا۔ اس کا سوار یا تو مر چکا یا بے ہوش تھا۔ کیونکہ گھوڑے کی گردن پر اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کے دونوں بازو گردن میں حمائل تھے۔

اس منظر کو دیکھ کر سردار اپنی بیٹی کے ہمراہ جلد از جلد نیچے اُترا اور فوراً گھاٹ کی طرف بڑھا۔ سردار کے حکم پر چند آدمیوں نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو پکڑ لیا اور سوار کو اُتار کر زمین پر لٹا دیا۔ سوار کے کپڑے خون میں لت پت تھے۔ سر ننگا تھا جس پر لہو کے دھبے تھے جسم بے حس و حرکت تھا لیکن مدھم سی نبض ابھی چل رہی تھی۔ سردار فوراً کھڑا ہو گیا۔

"یہ زندہ ہے۔ اسے میرے مکان میں لے چلو۔ ابھی یہ بچ سکتا ہے"۔

تین چار آدمیوں نے زخمی کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھایا اور سردار کے جھونپڑے کی طرف چل دیئے۔ نوجوان رقاصہ باپ کے ساتھ آگے آگے اُڑی جا رہی تھی۔ زخمی کو دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب سی تمنا جاگ اُٹھی تھی۔ "کاش ——— ! مسافر بچ جائے"۔

آج اُس نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی اور "رقص کی رانی" کے خطاب کے ساتھ ایک شاہی ہار بھی انعام میں پایا تھا۔ آج کی رات اُس کی زندگی کی ایک یادگار رات تھی اور اس یادگار رات میں وہ کسی منحوس سانحہ سے دوچار نہ ہونا چاہتی تھی۔ نجانے زخمی کون تھا۔ اُس کا لباس خون میں تھڑا ہوا تھا جس سے اس کی آب و تاب ختم ہو گئی تھی پھر بھی وہ کسی امیر گھرانے کا فرد معلوم ہوتا تھا مگر اس وقت سوال امیر یا غریب کا نہیں بلکہ ایک انسانی زندگی کا تھا جسے تقدیر گھیر کر اس بستی میں لے آئی اور نیلوفر چاہتی تھی اُسے ہر قیمت پر بچا لیا جائے۔ اس نے گھبرائی ہوئی آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بابا! میں جا کر بستر بچھاتی ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ اپنے جھونپڑے کی طرف بھاگ گئی اور سردار زخمی کے ساتھ ساتھ چلتا جسے چار آدمیوں نے گٹھڑی کی طرح اُٹھا رکھا تھا۔

سردار کے مکان میں جو دو کمروں اور ایک چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا زخمی کو ایک چوبی تخت پر لٹا دیا گیا اُس کے خون آلود کپڑے اُتار دیئے گئے جسم پر تلواروں اور بھالوں کے کئی زخم تھے مگر شانے کا زخم کافی گہرا تھا جسے دیکھ کر نیلوفر کانپ اٹھی۔ باپ کے ساتھ مل کر اس نے زخم دھوئے۔ ان میں خشک سفوف بھرا اور پٹیاں باندھ دیں۔ اس دوران میں زخمی بے ہوش پڑا رہا اُس کے حلق سے کبھی کبھار کراہنے کی آواز نکلتی تھی جس سے اس کی اذیت کا احساس ہوتا تھا۔

جب مرہم پٹی ہو چکی، باپ کے اشارے پر نیلوفر گرم گرم دودھ کا کٹورا لے آئی۔ زخمی کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے گئے۔ چند لمحے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت پاش نظروں سے اپنے گرد کھڑے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ نیلوفر دودھ کا کٹورا لے کر اُس کے قریب ہی بیٹھ گئی اور تبسم آلود لہجے میں بولی۔

"گھبراؤ نہیں مسافر! اب تم بچ جاؤ گے۔ تھوڑا سا دودھ پی لو"۔

زخمی نے جو شہزادہ خرم کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ حیرت سے یہ الفاظ سنے اور اپنے قریب بیٹھی اجنبی حسینہ کے سُرخ یاقوتی لبوں پر تبسم کی جھلک دیکھ کر جیسے جی اُٹھا اور کراہتے ہوئے بولا۔

"میں کہاں ہوں ..... تم کون ہو .....؟"

"یہ ماہی گیروں کی بستی ہے۔ تم زخمی تھے۔ ہم نے مرہم پٹی کر دی ہے۔ لو دُودھ پیو"۔

سردار نے ایک آدمی کی مدد سے زخمی کو سہارا دے کر ذرا سا اُٹھایا اور نیلوفر نے دودھ کا کٹورا اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد اُس نے اپنے لب بھینچ لیے۔ "بس ..... جی نہیں چاہتا"۔

"نہیں تمہیں یہ سارا دودھ پی لینا چاہیئے"۔

نیلوفر نے یہ الفاظ کچھ اس طرح ادا کیے کہ وہ انکار نہ کر سکا۔ گرم دودھ پینے کے بعد اُس نے اپنے جسم میں کچھ توانائی محسوس کی جب سردار نے پوچھا، وہ کون ہے اور کس طرح زخمی ہو گیا تو شہزادہ خرم کچھ دیر کے لیے کشمکش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اس نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا۔ اُسے اپنی اصلیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ نجانے حالات...

رُخ بہہ نکلیں، تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ جو المناک حادثہ ہو گزرا تھا۔ اس کے پیشِ نظر خرم نے اپنے آپ کو اجنبی ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔

"میں ایک مسافر ہوں۔ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ دارالحکومت جا رہا تھا کہ جنگل میں اچانک ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ ہم نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بہت زیادہ تھے انہوں نے میرے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور میں بمشکل بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ بدن سے خون بکثرت بہہ جانے سے میرے حواس گم ہونے لگے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کب بے ہوش ہُوا اور یہاں تک کیسے پہنچ گیا"۔

ابھی خرم نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ایک شخص بھاگتا ہُوا جھونپڑے میں داخل ہُوا اور بولا۔

"سردار! آٹھ نو سوار سانگا ندی کو عبور کر کے بستی کی طرف چلے آتے ہیں"۔
یہ خبر سنتے ہی خرم کا رنگ اُڑ گیا۔
"ضرور یہ وہی ڈاکو ہوں گے جو میری تلاش میں آئے ہیں"۔
سردار نے معنی خیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔
"کیا تم ڈرتے ہو؟"
"نہیں ۔۔۔۔۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا، میری خاطر تم لوگ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ اگر تم میری حفاظت نہیں کر سکتے تو مجھے اُن کے پہنچنے سے پہلے نکل جانے دو"۔
"مسافر! تم سردار شاہو کے مہمان ہو اور شاہو اپنے مہمانوں کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے"۔

یہ کہہ کر سردار اپنے آدمیوں سے مخاطب ہُوا۔
"جاؤ، معلوم کرو آنے والے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ انہیں میرے گھر تک نہ پہنچنے دو"۔
سردار کے حکم پر پانچوں آدمی باہر نکل گئے۔

شہزادہ خرم کو جنگل میں تلاش کرنے کے بعد شمشیر ڈاکو نے بستی کا رُخ کیا۔ وہ غصّہ میں پاگل ہو رہا تھا۔ لاچی خاں نے اسے یقین دلایا تھا۔ شہزادہ اگر زندہ بچ نکلا ہے تو ضرور اس نے بستی میں پناہ لی ہو گی۔ ورنہ جنگلی جانور صبح تک اُس کی مُردہ ہڈیاں بھی چبا چکے ہوں گے۔

سانگا ندی کو پار کر کے وہ اپنے مسلح سواروں کے ہمراہ بستی کی طرف بڑھا۔ چہرے پر بدستور سیاہ ٹھاٹھا باندھ رکھا تھا جس میں سے اُس کی چیتے کی مانند چمکتی آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔

شمشیر ڈاکو کا نام ہر شخص نے سُنا تھا۔ یہ نام لوگوں کے دلوں پر دہشت اور ہیبت طاری کر دیتا تھا لیکن اُس کی صورت آج تک کسی نے نہ دیکھی تھی۔ جب کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا اُس کا چہرہ سیاہ ٹھاٹھے میں چھُپا رہتا تھا۔ "رقص گاہ" سے گزر کر جب وہ بستی کے قریب پہنچے۔ سردار کے آدمیوں نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا لیکن شمشیر ڈاکو اُس آندھی کا نام تھا جس نے رُکنا سیکھا ہی نہ تھا۔ لاچی خاں کے اشارے پر جو اس کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔ شمشیر نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔ سب سوار بھالوں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ چاندنی میں ان کے ہتھیاروں کی چمک بجلی کے کوندے کی مانند لپکی اور سردار کے آدمی دم بخود سے رہ گئے۔ اچانک لاچی خاں کی آواز گونجی۔

"کیا تم بتا سکتے ہو بستی کا سردار کہاں رہتا ہے؟"
"تم سردار سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"
"اس کا جواب ہم سردار ہی کو دیں گے"۔
"مگر جب تک تم اپنی آمد کا مقصد بیان نہ کرو سردار سے نہیں مل سکتے"۔
یہ گستاخانہ جواب سُن کر شمشیر مشتعل ہو گیا اور اس سے پہلے کہ لاچی خاں کچھ کہے اس کا کوڑا بج اٹھا اور وہ غضب ناک لہجے میں غرّایا۔
"جاؤ سردار سے کہو، اگر زندگی چاہتا ہے تو باہر آئے"۔
کوڑے کی کڑک اور شمشیر کی گرج نے بستی کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سردار کے مکان کا دروازہ کھُلا اور وہ خود دروازے پر نمودار ہُوا۔
"کون ہے جو سردار کو بُلانے کی جرأت کرتا ہے؟"

سردار شاہو نے یہ الفاظ کچھ اس طرح ادا کیے کہ ایک لمحہ کے لیے شمشیر بھی سکتے میں آ گیا۔ لاچی خاں فوراً گھوڑے سے اُترا اور بولا۔

"معزز سردار ——— ! ہم سرکاری آدمی ہیں اور ایک مجرم کی تلاش میں آئے ہیں جو زخمی ہو کر بستی کی طرف بھاگ آیا ہے"۔

"سرکاری آدمی" کے الفاظ سُن کر سردار بوکھلا سا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اُس کے گھر میں پناہ لینے والا زخمی مجرم ہو سکتا ہے۔ مگر وہ شکل و صورت سے تو مجرم نظر نہیں آتا۔

"کیا سوچنے لگے سردار ! اگر مجرم ہمارے حوالے کر دو گے تو محفوظ رہو گے"۔

اچانک سردار سنبھلا۔

"مجرم ——— لیکن اِس بستی میں کسی مجرم نے پناہ نہیں لی۔ مسافر اور مہمان صرف سردار کے گھر بسیرا لیتے ہیں بستی کا کوئی آدمی کسی اجنبی کو مہمان نہیں رکھ سکتا"۔

"کیا بکتا ہے"۔

شمشیر نے ایک دم گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ اس کے ساتھ دوسرے سوار بھی گھوڑوں سے اُتر آئے اور ہتھیار سنبھالے شمشیر کے پیچھے پیچھے چلے۔ وہ اپنا کوڑا لہراتا سردار شاہو کے عین سامنے پہنچ گیا۔

"اگر بستی کا کوئی آدمی کسی اجنبی کو پناہ نہیں دے سکتا تو ہمارا مجرم تیرے گھر میں ہونا چاہیے"۔

شمشیر کا یہ لہجہ سردار شاہو کے لیے ایک چیلنج تھا۔ اس کے ایک اشارے پر بستی کے لوگ جمع ہو سکتے تھے لیکن لاچی خاں نے "سرکاری آدمی" کا مہرہ پھینک کر سردار کو محتاط رہنے کا سبق دیا تھا۔ وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔

"آج رات میرا گھر خالی ہے۔ میرے اور میری بیٹی کے علاوہ یہاں کوئی نہیں"۔

"ہم تیرے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں"۔

"تمہیں میری زبان پہ اعتبار کرنا چاہیے"۔

"تیری زبان ہماری آنکھوں کو مطمئن نہیں کر سکتی"۔

"اگر میں تلاشی دینے سے انکار کر دوں ؟"

سردار کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر لاچی خاں نے پھر مداخلت ضروری سمجھی اور نصیحت کے انداز میں بولا۔

"سردار ! قانون کو اپنا فرض پورا کرنے دو"۔

"اگر تم حکومت کے آدمی نہ ہوتے تو میں تمہیں اس طرح اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتا"۔

یہ کہہ کر سردار دروازہ سے ہٹ گیا اور شمشیر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا اندر داخل ہوا۔ لاچی خاں اور تین آدمی اُس کے ساتھ بڑھے، باقی باہر کھڑے رہے۔ چھوٹا سا صحن عبور کر کے وہ اُس کمرے میں داخل ہوئے جہاں ایک چوبی تخت بچھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے زخمی اسی تخت پر لیٹا تھا لیکن اب وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہ آتی تھی جو کسی اجنبی کی نشاندہی کر سکتی۔ شمشیر اور لاچی خاں کی آنکھیں بھیڑیئے کی طرح ہر شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مگر کمرے میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں کوئی چھپ سکتا۔ فوراً ہی شمشیر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا اور قدم اندر رکھتے ہی چونک اُٹھا۔

کمرے کی کچی دیوار کے ساتھ زمین پر گھاس پھوس کی ایک چٹائی پڑی تھی جس پر مختصر سا بستر بچھا ہوا تھا۔ سردار کی حسین اور نوجوان لڑکی نیلوفر اُس بستر پہ دراز تھی۔ جونہی شمشیر اندر داخل ہوا نیلوفر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی اور تعجب انگیز نظروں سے جن میں غصّہ کی جھلک بھی شامل تھی آنے والوں کو گھورنے لگی۔ اُس نے جلدی سے بستر کی چادر اُٹھا کر بدن کو ڈھانپ لیا اور احتجاج آمیز لہجے میں بولی۔

"بابا ! یہ لوگ کیا چاہتے ہیں ؟"

"انہیں ایک مجرم کی تلاش ہے بیٹی ——— !" بابا نے پُرسکون آواز میں جواب دیا۔ سردار کے الفاظ شمشیر کا تمسخر اُڑا رہے تھے۔

شمشیر کمرے کو معجوب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہاں ایک معمولی سی کھاٹ اور مچھلیاں پکڑنے کے جال کے سوا اور کچھ نظر نہ آ سکا جو ایک کونے میں لٹک رہا تھا۔ گھر کے چند برتن تھے یا کچھ کپڑے جو رسّی پر آویزاں تھے۔ یہی دو کمرے سردار کے گھر کی کل کائنات تھے۔ ان کے سوا تیسرا کوئی کمرہ نہ تھا اور ان دونوں کمروں میں کوئی ایسی جگہ دکھائی نہ دیتی تھی جہاں کسی مفرور کو چھپایا جا سکے۔ شمشیر کی نگاہیں کمرے کا جائزہ لینے کے بعد نیلوفر پر

[illegible] جو بدن کو چادر میں لپیٹے گٹھڑی سی بنی بیٹھی تھی ۔ اُس کے لبوں پر ندامت آمیز مسکراہٹ تیر گئی اور اپنی خجالت پر پردہ ڈالنے کے لیے بولا ۔

" سردار ——— ! ہمارا مجرم تو واقعی یہاں نہیں لیکن تم نے اپنے گھر میں ایک قیامت ضرور چھپا رکھی ہے ۔"

یہ سنتے ہی سردار کے تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ غصّے سے زمین پر پاؤں پٹخ کر بولا ۔ " معلوم ہوتا ہے تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جانا چاہتے ۔"

شمشیر نے چونک کر سردار کی طرف دیکھا جس کا ہاتھ اپنے خنجر پر پہنچ چکا تھا ۔ لاچی خاں نے آنکھوں میں واپسی کا اشارہ کر دیا ۔ وہ سردار کو تیز نگاہوں سے گھورتا ہوا پلٹا اور کوئی جواب دیئے بغیر باہر چلا گیا ۔ سردار بھی اُن کے پیچھے ہی پیچھے چل دیا ۔ اُن کے جانے کے بعد نیلوفر نے چادر اُتار پھینکی اور زیر لب مسکرانے لگی ۔ پھر وہ لپک کر اس چھوٹے سے غرفے کے قریب پہنچ گئی جو گلی کی طرف کھلتا تھا ۔ دوسرے لمحے بستی کا سناٹا گھوڑوں کی ٹاپوں سے جاگ اُٹھا ۔ شمشیر اپنے سواروں کے ہمراہ رخصت ہو رہا تھا ۔

جب سوار دُور نکل گئے نیلوفر تیزی سے چٹائی کی طرف بڑھی جس پر وہ بستر بچھائے لیٹی تھی ۔ اُس نے بستر سمیت چٹائی کو لپیٹ دیا تو زمین پر لکڑی کا ایک چھوٹا تختہ دکھائی دیا ۔ جو زمین میں پیوست تھا ۔ اُس نے چوبی تختہ کی ننھی سی کنڈی پکڑ کر اسے اُوپر اُٹھا دیا ۔ نیچے ایک گہرا گڑھا تھا جس کی دیواروں کو چکنی مٹی سے لیپ دیا گیا تھا ۔ زخمی اپنے خون آلود کپڑوں سمیت گڑھے کے اندر بیٹھا تھا ۔ نیلوفر مسکرا کر بولی ۔

" باہر آجاؤ مسافر! خطرہ ٹل گیا ۔"

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور زخمی خرّم اس کا سہارا لے کر گڑھے سے باہر آ گیا ۔ اس کی نظریں نیلوفر پر مرتکز تھیں ۔

" مَیں تمہارا احسان مند ہوں ۔ تم نے دوسری مرتبہ میری جان بچائی ہے ۔"

" میرا نہیں تمہیں اس گڑھے کا احسان مند ہونا چاہیے جو ہم نے گندم رکھنے کے لیے بنایا اور تمہاری جان بچانے کے کام آیا ۔ اگر یہ گڑھا نہ ہوتا تو شاید تمہاری خاطر بابا کو کشت و خون کرنا پڑتا ۔"

" تمہارے بابا آدمی نہیں فرشتہ ہیں ۔"

اسی لمحے بابا ہاتھ میں عریاں خنجر لیے کمرے میں داخل ہُوا ۔ اُسے یوں آتے دیکھ کر دونوں چونک اُٹھے ۔ سردار خرّم کے عین سامنے پہنچ کر رُکا اور اُسے غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا ۔

" مَیں نے تیرے خون کی سُرخی اور چہرے کی بے گناہی پر یقین کر لیا لیکن تُو نے مجھے دھوکا دیا اور اپنا جُرم چھپایا ۔ بول تُو کون ہے اور حکومت کے سپاہی تجھے کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ۔"

خرّم سردار کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر دم بخود رہ گیا ۔

" حکومت کے سپاہی ——— ؟"

" ہاں ——— وہ اپنے آپ کو سرکاری آدمی کہتے تھے اور اسی لیے مَیں نے اُنہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی ۔ وہ کہتے تھے تو ایک مفرور مجرم ہے اور ستاروں کو تیری تلاش ہے ۔"

خرّم کے ہونٹوں پر ایک معصوم سا تبسم تیر گیا ۔

" بابا ! یقین کرو ، نہ مَیں مجرم ہوں نہ وہ حکومت کے آدمی تھے محض مجھے تلاش کرنے کے لیے اُنہوں نے جھوٹ بولا اور تمہیں فریب دیا ۔"

سردار تیز نگاہوں سے اُسے گھورنے لگا ۔

" پھر اُنہیں تیری تلاش کیوں تھی ؟"

" کیا تم نے کبھی شمشیر ڈاکو کا نام سُنا ہے ؟"

اس فقرے پر سردار چونک اُٹھا ۔

" تمہارا مطلب کیا ہے ؟"

" صرف یہ بتانا چاہتا ہوں ۔ تھوڑی دیر پہلے تم اپنے گھر میں شمشیر ڈاکو سے گفتگو کر رہے تھے ۔"

" نہیں ———" سردار کے لہجے میں بے یقینی کی جھلک تھی ۔

" مَیں اس کے سوا اور کچھ نہیں بتا سکتا کہ میرے قافلہ پر شمشیر ڈاکو ہی نے حملہ کیا تھا ۔"

" اور تُو کون ہے ؟"

"میں کچھ بھی سہی لیکن مجرم نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر اعتماد کرو بابا! میں ایک شریف آدمی ہوں، مفرور اور مجرم کبھی شہر کا رُخ نہیں کرتے اور میری منزل دارالحکومت ہے اگر تم کل کسی طرح مجھے شہر پہنچا دو تو میں تمہارے اس احسان کا بدلہ بھی اُتار سکوں گا۔"

سردار نے اُسے بھرپور نظروں سے دیکھا پھر خنجر میان میں اُڑس لیا اور کھاٹ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"اگر وہ شمشیر ڈاکو تھا تو مجھے تیری بے گناہی پر یقین ہے۔ تو صورت سے بھلا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

منظر ۳

حویلی

شمشیر گھوڑا کُداتا بجلی کی طرح حویلی میں داخل ہوا۔ سواروں نے پھاٹک ہی میں گھوڑے روک لیے صرف لاچی خاں اُس کے ساتھ تھا۔

یہ حویلی جو دراصل ایک قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی جنگل کے ایسے حصّہ میں واقع تھی جو تین اطراف سے قدرتی حصار میں گھرا ہوا تھا۔ دائیں طرف سانگا ندی کا چوڑا اور گہرا پاٹ بائیں طرف بانسوں کا گھنا اور ناقابلِ عبور جنگل جسے آدمی تو کیا درندے بھی پار نہ کر سکتے تھے عقب میں ڈیڑھ دو سو فٹ بلند عمودی چٹانوں کا سلسلہ ایک دیوار کی طرح قائم تھا۔ صرف سامنے کا حصّہ کھلا تھا مگر جنگل کے اس حصّہ میں جو ڈیڑھ دو میل طویل تھا۔ جنگلی جانور آمد و رفت نہ رکھتے تھے اگر قسمت کا مارا کوئی درندہ اس طرف آ بھی نکلتا تو شمشیر کے وحشی ساتھی اس کا خاتمہ کر دیتے کیونکہ یہی حصّہ دشت اُن کی پناہ گاہ کا کام دیتا اور وہ جنگل کی بھول بھلیوں کا غائب ہو کر حویلی تک پہنچ جاتے تھے۔

اسی قدرتی حصار کا نتیجہ تھا کہ حویلی جنگل میں ہونے کے باوجود جنگل کے خطرات سے محفوظ تھی۔

شمشیر کا جتھا شروع شروع میں دس بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا جو لوٹ مار کر کے جنگل

میں غائب ہو جاتے تھے۔ ابتداء میں حویلی بھی کچھ اتنی مضبوط اور محفوظ نہ تھی کیونکہ امتدادِ زمانہ اور مسلسل بارشوں سے اس کی کئی چھتیں بیٹھ گئی تھیں مگر شمشیر نے پَر پُرزے نکالتے ہی سب سے پہلے حویلی کی مرمت کرائی اور اسے ایک قلعہ نما میں تبدیل کر دیا۔ اب وہ ایک حصار کا کام دیتی تھی۔ جہاں کم و بیش پچاس آدمی وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

سانگا جنگل اٹھارہ بیس کوس تک پھیلا ہوا بڑا دشوار گزار، ناقابلِ عبور اور خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ اس جنگل کے بارے میں عجیب و غریب روایتیں اور حکایتیں مشہور تھیں۔ ایک طرف جہاں جنگلی درندوں کا خوف لوگوں کو دُور ہی دُور رکھتا وہاں دوسری طرف یہ بات بھی عام مشہور ہو چکی تھی کہ یہاں بھوت پریت اور بدروحوں کا مسکن ہے۔ بھوتوں اور بدروحوں کی کہانی کو ڈاکوؤں نے ہوا دی اور لوگ خوف کے مارے ادھر کا رُخ نہ کرتے تھے۔

اس طرح شمشیر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بے خوف و خطر جنگل میں رہتا۔ اس کا پیشہ ہی لوٹ مار تھا۔ مال و دولت کے علاوہ غلہ اناج ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی حتیٰ کہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تک لوٹ کر لے آتا اور حویلی میں قلعہ بند ہو جاتا۔ وحشت و بے رحمی نے اُسے بلا کا سنگدل اور خونی بنا دیا تھا۔ لوگوں کی زندگیاں چھین لینا اب اس کے نزدیک کھیل تماشے کی حیثیت رکھتا تھا مگر اس بہیمیت و درندگی کے باوجود اُس کے کردار کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے آج تک کسی عورت پر ہاتھ اُٹھایا نہ کسی لڑکی کو اغوا کیا۔ اگر اُس کے ساتھیوں میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرتا تو شمشیر اُسے بدترین سزا دیتا۔ اس کے نزدیک عورت پر ہاتھ اُٹھانے کا جرم ناقابلِ معافی تھا۔ کبھی کبھی اس کی انسانیت اس حد تک بیدار ہو جاتی کہ کسی عورت کی درخواست پر وہ لوٹا ہوا سامان تک چھوڑ آتا۔ کئی ساتھی اس کمزوری پر اُس کا مذاق بھی اُڑا چکے تھے، وہ کہتے۔

"سردار عورت سے ڈرتا ہے۔ حالاں کہ دنیا میں فساد کی اصل جڑ عورت ہے۔"

شمشیر اُن کے طعنے سُنتا اور خاموش رہتا۔ کردار کی یہ عجیب و غریب خوبی اُس کی سب سے بڑی کمزوری سمجھی جاتی تھی۔ یہی کمزوری یا خوبی اس کی زندگی میں ایک حسین و خوشگوار انقلاب بن کر نمودار ہوئی۔

ایک رات وہ اپنے دس بارہ ساتھیوں کو لے کر شہر کے ایک ایسے رئیس کے گھر ٹوٹ پڑا جس کی کنجوسی، بد دماغی اور بے انتہا دولت کے افسانے مشہور تھے۔ کئی ظالم اور

م آدمی اس کے نوکر اور محافظ تھے جن کی ظالمانہ طاقت پر رئیس لوگوں کی عزت و آبرو سے ں جاتا تھا۔ شمشیر نے یہ بھی سُن رکھا تھا رئیس کا گھر عورتوں کا باڑہ ہے جنہیں وہ بھیڑ بکریوں ح خریدتا اور کچھ عرصہ اپنے عیش کا سامان بنا کر بیچ دیتا ہے۔

رات کے بھیانک اندھیروں میں شمشیر بڑے خوفناک ارادے لے کر اس کے محل میں داخل ا۔ خونخوار ساتھیوں نے جاتے ہی قتل و خون کا بازار گرم کر دیا۔ کم و بیش آٹھ آدمی قتل ہوئے۔ ئیس بھی مارا گیا۔ جب ڈاکو مال و اسباب کے لشتارے باندھ کر رخصت ہو گئے اور شمشیر لاجی خان ساتھ غلام عورتوں کی تلاش میں عمارت کے اندر گھوم رہا تھا اس کی نظر ایک خوب صورت حسینہ کی پر پڑی جو اپنی ماں کی لاش پر آنسو بہا رہی تھی۔ مرنے والی رئیس کی بیوی تھی جب اس کا شوہر ہوا وہ آگے بچانے کے لیے بڑھی مگر ایک ڈاکو کی تلوار کا لقمہ بن گئی۔

جونہی شمشیر کمرے میں داخل ہوا، نوجوان لڑکی اپنے باپ کی تلوار لے کر اُس پر جھپٹی۔ شمشیر ے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وار اوچھا پڑا اور لڑکی خود ہی ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ تلوار اس کے ہاتھ ے چھوٹ گئی۔ شمشیر نے لڑکی کو اُٹھایا اور تلوار اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

"ایک بار پھر کوشش کرو۔"

لڑکی شمشیر کو اس روپ میں دیکھ کر دیوانی ہو گئی اور اس کے قدموں سے لپٹ کر بولی۔

"خدا کے لیے مجھے قتل کر دو۔ اب دُنیا میں میرا کوئی نہیں اور میں تنہا نہیں جینا ا ہتی ——!"

شمشیر ساکت و صامت کھڑا رہا۔ لڑکی روتی رہی۔ اچانک اس نے لڑکی کا ہاتھ تھام رلیا —— "میرے ساتھ چلو گی؟"

لڑکی نے اشکبار آنکھوں سے اُسے دیکھا پھر بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔ شمشیر نے اُسے گود میں اٹھایا اور باہر آ گیا۔ لڑکی خود اس کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوئی اور شمشیر اُسے حویلی میں لے آیا۔

یہیں سے شمشیر کی نئی زندگی کا آغاز ہوا اور سلطانہ (یہی نام تھا اس رئیس زادی کا) اس کی نئی دلچسپیوں کا مرکز بن گئی۔

سلطانہ حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک تھی۔ اُس نے شمشیر کو بتایا اُس کا باپ بھی شمشیر

کی طرح عورتوں کی عزت کرتا تھا۔ اس کی ہوس پرستی کے سب افسانے جھوٹ تھے حقیقت صرف یہ تھی رئیس مظلوم اور غلام عورتوں کو خرید کر آزاد کر دیتا اور ان بدنصیبوں کو بہو بیٹیوں کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ اُس کی دولت کا کثیر حصّہ ایسی ہی بدقسمت عورتوں کی امداد میں صرف ہوتا جو بردہ فروشوں کی بے رحمی کا شکار ہو کر عزیز و اقارب سے بچھڑ جاتی تھیں۔

اس انکشاف کے بعد شمشیر کئی دن روتا اور سر پیٹتا رہا۔ اس نے قسم کھائی وہ سلطانہ کو زندگی کا ہر سکھ بخشے گا مگر سلطانہ کے نزدیک تو شمشیر کی قربت و محبت ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا آرام تھا اور وہ اسے دیوانہ وار پیار کرنے لگی۔ اپنی محبت کی خاطر اس نے شہر پر جنگل کی زندگی کو ترجیح دی اور ڈاکوؤں کے ساتھ حویلی میں رہنے لگی۔

قریباً ایک سال تک شمشیر سلطانہ کے حسن و عشق میں کھویا رہا' لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی وارداتیں کم ہونے لگیں۔ سلطانہ کی طرح کچھ دوسری عورتیں بھی اس زندگی میں ڈاکوؤں کی شریک تھیں مگر سلطانہ کی حیثیت ان کے درمیان کسی شہزادی یا خود مختار ملکہ سے کم نہ تھی جو بعض اوقات شمشیر پر حکم چلاتی تھی۔

ایک سال کے بعد شمشیر کی پُرانی وحشت پھر عود کر آئی۔ امن و سکون کے ایام اُونگھتے ہوئے سارسوں کی طرح اچانک پرواز کر گئے اور شمشیر کی چیرہ دستیوں کا نیا دور شروع ہوا۔ اب وہ پہلے سے بہت بدلا بدلا نظر آتا اور ہر وقت اپنا چہرہ ایک پٹکے میں چھپائے رکھتا تھا۔ قریباً ڈیڑھ سال سے ساتھیوں نے بھی اُس کا پورا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

یہ "نقاب پوشی" بعید از فہم تھی۔ بالخصوص جب وہ لوٹ مار کے لیے نکلتا اپنی آنکھوں کے سوا پُورا چہرہ ڈھانپ لیتا تھا۔ ساتھیوں کا خیال تھا۔ وہ خوبصورت ہے اور عورتیں اس پر بہت جلد فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے "ٹھاٹھا" باندھ کر نکلتا ہے۔ اور سلطانہ کے بعد کسی دوسری عورت کو قبول نہ کر سکے گا۔ سیاہ ٹھاٹھا شمشیر کے لباس کا جزو بن گیا تھا۔

سانگا جنگل کے ڈاکو درندوں سے مختلف نہ تھے۔ قلعہ نما حویلی کے اندر عقبی چٹانوں کے اُس طرف وہ جانوروں کے غرّانے اور درندوں کے دہاڑنے کی لرزہ خیز آوازیں سنتے تھے۔ رات کے تاریک سناٹوں میں یہ آوازیں اور زیادہ وحشت انگیز ہو جاتی تھیں۔ کبھی کبھار تو پورا جنگل گونج اٹھتا اور حویلی کے مکین یوں محسوس کرتے جیسے اُن کے وحشی

وسی" رزم آرائی کے لیے للکار رہے ہوں مگر ایک طرف بلند عمودی چٹانوں کی دیوار تھی۔ دوسری سمت سانگا ندی کا گہرا اور چوڑا پاٹ تھا اور تیسری جانب گھنے بانسوں کے ناقابلِ عبور جھنڈ تھے۔ یہی قدرتی حصار انسانوں اور درندوں کے درمیان گویا حدِ فاصل کا کام دیتے تھے۔

شمشیر نے جنگل کو شاید اسی لیے مسکن بنایا تھا کہ جانوروں کے پڑوس میں رہ کر اس کے ساتھی بھی وحشت و درندگی میں طاق ہو جائیں مگر انسان بجائے خود ایک ایسا درندہ ہے جو خطرناک جانوروں کو بھی شکار کرتا اور بے ضرر آدمیوں کے خون میں بھی ہاتھ بھرتا ہے۔

شروع شروع میں کسی کو بھی ڈاکوؤں کے ٹھکانے کا پتہ نہ چل سکا۔ وہ رات کے اندھیروں میں چھلاووں کی مانند غائب ہو جاتے اور اتنے ہوشیار تھے۔ کہ اپنے پیچھے کوئی نشان تک نہیں چھوڑتے تھے۔ جس سے اُن کے مسکن کا کھوج مل سکتا لیکن گزشتہ ایک برس سے لوگوں کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ شمشیر ڈاکو سانگا جنگل میں روپوش ہوتا ہے۔

"سانگا جنگل" دہشت و ہیبت کی ایک ایسی خوفناک اور لرزہ خیز زمین کا نام تھا جہاں "بھوت پریت اور بدروحوں" کے دوش بدوش خونخوار درندے اور جنگلی جانور بستے تھے پھر بھلا کس میں حوصلہ تھا کہ وہ موت کی اس بھیانک وادی کا رُخ کرتا جس کے درختوں کی شاخیں بھی اندھیرے میں ناگنوں کا روپ دھار کر لہرایا کرتی تھیں۔

چند سال پہلے دارالحکومت صفدر نگر سے ایک امیرزادہ جس کی شجاعت کے افسانے دُور دُور تک مشہور تھے اسی جنگل میں شکار کھیلنے آیا تھا۔ اس کی رکاب میں دس نامور تیر انداز اور نیزہ باز تھے جن کی شہسواری کی دھوم تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی زندہ لوٹ کر نہ جا سکا۔ وہ امیرزادہ کے ساتھ شکار کرنے آئے تھے خود درندوں کا شکار ہو گئے حتیٰ کہ بچارلوں کی ہڈیوں کا نام و نشان تک نہ مل سکا۔ دارالحکومت میں کئی روز اُن کا سوگ منایا گیا۔ لوگ سہمے ہوئے لہجے میں ان "بدروحوں" کی کہانی سنایا کرتے تھے جو "سانگا جنگل" میں امیرزادہ اور اس کے ساتھیوں کو چٹ کر گئیں اس کے بعد پھر کسی شکاری کو بھی ادھر آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ مگر جب سے شمشیر ڈاکو کے بارے میں یہ خبر آڑی تھی کہ اس نے سانگا جنگل" کو اپنا مسکن بنا لیا ہے اُس وقت سے لوگ شمشیر کو بھی "بدروح" سمجھنے لگے تھے۔ بھلا کوئی انسان ایسے خوفناک مقام پر کیسے رہ سکتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر موت سانس لیتی اور اپنے شکار کی

تلاش میں گھومتی ہے۔ درندوں اور بدرُوحوں کے درمیان کوئی بھوت احمق ہی گذر بسر کر سکتا ہے۔

یہی وہ خوف تھا جس نے لوگوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی تھیں اور وہ سانگا جنگل کا نام ہی سُن کر بید مجنوں کی طرح کانپ کانپ جاتے تھے۔ خوف کی یہی دیوار شمشیر کے حق میں "سدِ سکندری" کا کام دیتی اور وہ جنگل کے وحشت انگیز ماحول میں ایک مطلق العنان حکمران کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

شمشیر ـــــــ اس مافوق البشر ہستی کا نام ہے جو ناقابلِ شکست سمجھی جاتی ہے۔

لاچی خاں کے ساتھ گھوڑا کدا تا جب وہ حویلی کی غلام گردش کے قریب پہنچا ایک آدمی نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر لگام تھام لی اور وہ حسبِ عادت کُود کر نیچے اُترا۔

ویرانی غلام گردش سے تند بگولے کی طرح گزرتا وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوا جہاں قندیلوں کی روشنی میں تین آدمی اُس کے منتظر تھے۔ شمشیر کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ شمشیر کا چہرہ بدستور سیاہ ڈھاٹے میں چھپا ہوا تھا لیکن آنکھوں کی خوفناک چمک اور بازوؤں کی بے اضطراری جنبش اس کے اشتعال کی غمازی کر رہی تھی۔ ساتھیوں پر کچھ کہے بغیر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اُن کا سردار اپنے مقصد میں ناکام لوٹا ہے اور شہزادہ خرم ہاتھ نہیں آسکا جسے وہ قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

شمشیر اپنے ہاتھ جھٹکتا آگے بڑھا اور ایک چوبی تخت پر جو قالین سے آراستہ تھا گر سا گیا۔ غصّہ، جوش اور ناکامی کی جھنجھلاہٹ سے اُس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

"وہ اتنے بہادروں کے درمیان سے موت کا گھیرا توڑ کر نکل گیا اور ابھی تک ہاتھ نہیں آیا۔ مجھے جواب دو اُسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"

شمشیر کی برہم آواز نے کمرے کی خاموش فضا میں گونج پیدا کر دی۔ لاچی خاں بھی یوں متاسف کھڑا تھا جیسے اس کی ساری محنت رائیگاں گئی اور وہ جس شکار کو اتنی ہوشیاری سے گھیر کر لایا وہ عین ہاتھ میں آ کر اُڑ گیا ہو۔ اُس نے بڑبڑاتے ہوئے انکشاف کیا۔

"خرم بستی میں نہیں گیا۔"

ایک قوی ہیکل آدمی جو سب میں ممتاز نظر آتا اور ابھی ابھی آیا تھا شمشیر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سردار ـــــــ! بستیوں میں زندہ آدمی پناہ لیتے ہیں مُردہ نہیں۔"

شمشیر نے گردن موڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب تیمور! کیا خرم کی لاش مِل گئی؟"

"لاش تو نہیں ملی لیکن اُس کی موت کے ثبوت ضرور مِل گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر قوی ہیکل تیمور نے شہزادہ خرم کی کلغی دار کلاہ اور ایک مُرصع تلوار پیش کرتے ہوئے بتایا۔

"یہ شاہی کلاہ اور تلوار جنگل سے ملی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے جب بدنصیب شہزادہ نے گھوڑے کی پُشت پر دم توڑا تو ہاتھ سے تلوار اور سر سے یہ کلاہ زمین پر گر گئی۔ غالباً اس کی لاش گھوڑے کی گردن پر لٹک گئی ہو گی۔ تھکا ہارا اور پیاسا جانور پانی کی تلاش میں دریا کی طرف بڑھا اور جب اس نے پانی پینے کے لیے گردن جھکائی تو شہزادہ کا مُردہ جسم بھی ندی میں جا گرا ہو گا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے سانگا ندی کے قریب اس کا خالی گھوڑا بھی مِل گیا اور اس وقت باہر کھڑا ہے۔ گھوڑے کا زین خون سے لتھڑا ہوا ہے۔ گردن اور ایال پر بھی لہو کے دھبے ہیں۔"

یہ کہانی سُن کر شمشیر فرطِ مسرت سے کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔

"تیمور! اگر یہ بیان درست ہے تو مشکل آسان ہو گئی۔"

"اب خرم کی موت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ اس کی تلوار اور کُلاہ آپ کے سامنے پڑی ہے۔ گھوڑا باہر کھڑا ہے۔ اور لاش مچھلیوں کی ضیافت بن رہی ہو گی۔"

تیمور نے یہ بات اتنے وثوق سے کہی کہ لاچی خاں کو بھی تائید کرنا پڑی۔

"اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور بستی میں پناہ لیتا۔ یقیناً غرقِ دریا ہو چکا ہے ورنہ بے سوار گھوڑا سانگا ندی کے کنارے نہ بھٹکتا۔"

شمشیر ایک ساعت لاچی خاں کے بیان پر غور کرتا رہا پھر خوشی سے بولا۔

"خُرم کی موت نے ہمیں نئی زندگی بخش دی ہے۔ ہم صبح دارالحکومت کی طرف کُوچ کریں گے۔ لاچی خاں ـــــــ! تیمور ـــــــ! تم ہمارے ساتھ چلو گے۔ سارخان فی الحال یہیں رہے گا۔ چند روز کے بعد ہم اُسے بھی دارالحکومت بلا لیں گے۔ جاؤ سفر کی تیاری کرو۔"

یہ کہہ کر شمشیر خود بھی عقبی دروازے کی طرف گھوما اور ایک ہی جست میں دروازہ پار کر گیا۔ لاچی خاں، تیمور نے سفر کی تیاری کے لیے باہر نکلے۔ طوطے کی سی لمبی اور خمدار ناک

والا سار خاں اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔

شمشیر تیز قدموں سے راہداری عبور کر کے ایک آراستہ کمرے میں داخل ہُوا جہاں ایک حسین و جمیل عورت شب خوابی کے لباس میں شاید اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔ قدموں کی آہٹ سُن کر مڑی۔ اس اثنا میں شمشیر قریب پہنچ چکا تھا۔ ایک عجیب سی خوشی نے اُسے نیا انسان بنا دیا تھا۔ مسکراتے ہوئے لہجے میں گویا ہُوا۔

"سلطانہ —— ! ہماری زندگی ایک نیا چولا بدل رہی ہے۔ صفدر نگر کا شہزادہ خُرم تقدیر کی تلوار کا لقمہ بن گیا اور مجھے نئی زندگی دے گیا۔ کل سُورج کی پہلی کرن کے ساتھ میں دارالحکومت کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور چند روز کے بعد تمہیں بھی شاہی محل میں بُلا لوں گا۔"

اگرچہ شمشیر کے جسم میں ایک نیا خون دوڑنے لگا اور اس کے ہر مُوئے بدن سے مُسرّت پھُوٹ رہی تھی لیکن پیکرِ جمال سلطانہ کو وہ پہلی بار اجنبی سا لگا۔ اُس کی آنکھوں میں بے یقینی کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی پھر بھی اس نے اپنے محبوب کی خوشی میں شریک ہونا ضروری سمجھا اور اس کا ہاتھ تھام کر ادائے ناز سے بولی۔

"شمشیر —— ! تمہاری خوشی میری زندگی ہے۔ تمہیں پہلی بار دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہُوا تھا تم صرف حکومت کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔"

"حکومت ایک لونڈی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی مگر یہ لونڈی صرف تلوار کی زبان سمجھتی ہے —— دل کی نہیں۔"

"دل کی زبان سمجھنے لگے تو لونڈی نہ رہے۔"

"یہ زبان تو صرف تم سمجھتی ہو۔"

اس کے ساتھ ہی شمشیر کا ہاتھ اُس کی ٹھوڑی پر رینگ گیا مگر جب سلطانہ کا چہرہ اوپر اُٹھا تو شمشیر نے اُس کی پلکوں کی اوٹ میں تیرتے ہوئے پانی کی چمک دیکھ لی۔ اس کے چہرے کی حالت اچانک متغیر ہو گئی اور اسی کیفیت میں ہاتھ لٹک کے رہ گیا۔

"سلطانہ —— ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں میں صفدر نگر کا بادشاہ بن جاؤں گا۔"

"مجھ سے زیادہ خوشی اور کسے ہو گی۔"

"پھر تمہاری آنکھوں میں یہ پانی کیسا ؟"

"خوشی سے آنکھ بھر آئی ہے۔"

"نہیں —— تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"چھُپانے کے لیے میرے پاس ہے ہی کیا۔"

یہ کہتے کہتے سلطانہ کی پلکوں سے دو آنسو ٹوٹ کر عارضوں پہ بہنے لگے اور دُوسری طرف سے گھوم کر سہری کے ساتھ جا لگی۔

"حکومت کی مصلحتیں کبھی کبھی دِل کی خوشیاں چھین لیا کرتی ہیں۔ ڈرتی ہوں یہ لونڈی جسے تم اپنی تلوار سے زیر کر رہے ہو کہیں تمہیں بھی مجھ سے نہ چھین لے۔"

سُلطانہ کے یہ الفاظ خنجر کی نوک بن کر شمشیر کے دِل میں اُتر گئے۔ وہ نرم قدموں سے چل کر عقب میں پہنچ گیا اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم ابھی تک شمشیر کو نہیں سمجھ سکیں۔ ایک لونڈی اپنے آقا کے دِل پر حکومت نہیں کر سکتی۔ دِل کی ملکہ تو صرف تم ہو۔"

"مگر تمہارے بغیر میں اس حویلی میں کیسے رہ سکوں گی، میری دُنیا تم ہو۔ تم چلے گئے تو یہ حویلی اُجڑ جائے گی۔"

"صرف چند روز کی بات ہے۔ حالات کو قابو میں لیتے ہی میں تمہیں دارالحکومت بُلا لوں گا پھر تم میرے ساتھ صفدر نگر کے تخت پر بیٹھو گی۔"

"حکومت کا خواب تو ہمیشہ خُوب صُورت ہوتا ہے۔"

"اس کی تعبیر خواب سے بھی زیادہ خُوب صُورت ہو گی۔"

"بس یہی ڈر ہے کہیں میں خواب ہی دیکھتی نہ رہ جاؤں۔"

"آج تمہیں میری باتوں پر یقین کیوں نہیں آ رہا۔"

شمشیر نے ایک جھٹکے سے سلطانہ کو اپنی طرف موڑ لیا اور اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"شمشیر کے وعدے کبھی غلط نہیں ہوتے۔ میں جو حکومت اپنی تلوار اور تدبیر سے حاصل کر رہا ہوں اُسے تمہارے قدموں میں جھکا دوں گا۔ جب تک میں تمہیں دارالحکومت نہیں بُلاتا سار خاں دس آدمیوں کے ساتھ یہیں رہے گا۔ پھر میری طرح تم بھی یہ حویلی چھوڑ دو گی۔"

یہ کہہ کر شمشیر نے حسین سلطانہ کو اپنے مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں جکڑ لیا اور وہ اُس

کے چوڑے سینے پر سر رکھ کر نئی زندگی کے تصور میں ڈوب گئی ——— دُور کہیں شیر کے دھاڑنے کی آواز گونجی اور جنگل کا سناٹا تھرتھرا کر رہ گیا۔

دوسرے روز سورج کی پہلی کرن کے ساتھ حویلی سے پچاس سواروں کا ایک قافلہ صفدر نگر کی طرف روانہ ہوا جس کے آگے آگے شمشیر لباس فاخرہ پہنے اور شہزادہ خرم کی تیغ و کلاہ زیب بدن کیے شاہانہ وقار سے چلا جا رہا تھا۔ پہلے کی طرح اس وقت بھی اس نے اپنے چہرے پر سیاہ پٹکا لپیٹ رکھا تھا۔ یہی پٹکا اسے شہزادہ سے مختلف ظاہر کر رہا تھا۔ ورنہ شاہی لباس اور کلاہ و دستار سے شہزادہ خرم ہی کا دوسرا روپ نظر آتا تھا۔

سواروں کے بدن پر وہی خاص وردی تھی جو گزشتہ روز شہزادہ کے محافظ سپاہیوں کے جسم پر دیکھی گئی تھی۔ صرف اُن کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ لاچی خان اس کے نائبِ خاص اور تیمور محافظِ دستہ کے سالار کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔ اس عجیب و غریب ڈرامے میں سب سے اہم کردار لاچی خاں نے ادا کیا اور اسی نے شمشیر کو کچھ ضروری معلومات فراہم کی تھیں جن سے وہ دارالحکومت پہنچ کر دوچار ہونے والا تھا۔ سارخاں دس بارہ آدمیوں کے ہمراہ حویلی ہی میں رہ گیا۔ اُسے صرف شمشیر کے حکم ثانی تک جو شہزادہ خرم کا روپ دھار چکا تھا۔ حویلی میں رہنا اور سلطانہ اور دوسری عورتوں کی حفاظت کا فرض سر انجام دینا تھا۔

حسین سلطانہ نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ شمشیر کو رخصت کیا تھا اس وقت بھی جب وہ اپنے سواروں کے ہمراہ جنگل کے نشیب میں گم ہو رہا تھا حویلی کی فصیل پر کھڑی قافلہ کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے کوئی منجم آسمان کی وسعتوں میں اپنے نصیب کے ستارے کو دیکھ رہا ہو۔

(منظر ۴)

دارالحکومت

صفدر نگر دلہن کی طرح آراستہ تھا۔

آج ریاست کا ولی عہد شہزادہ خرم ذیشان پانچ برس کی عسکری اور سیاسی تعلیم و تربیت کے بعد پہاڑی قلعہ سے لوٹ رہا تھا۔ جہاں اس نے اپنے بوڑھے اتالیق کی نگرانی میں فنونِ سپہ گری اور رموزِ سلطنت حاصل کیے اور اب کاروبارِ حکومت اور اپنی موروثی سلطنت کے اختیارات سنبھالنے کے لیے دارالحکومت میں واپس آ رہا تھا۔

شہزادہ خرم کو صفدر نگر سے گئے پانچ سال کی مدت بیت گئی تھی۔ اس دوران میں اُس کی بوڑھی ماں ملکہ جہاں اُس کی طرف سے اُمورِ سلطنت کی نگرانی اور وفادار وزیرِ مملکت شبانی خان کے ذریعے حکومت کے فرائض ادا کرتی تھی۔ بیٹے کی واپسی کے تصور ہی سے ملکہ جہاں عجیب سے جذبات سے دوچار تھی۔ اُسے خرم سے بے حد پیار تھا۔ وہ نہ صرف وارثِ تخت بلکہ ملکہ جہاں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جسے اس نے بڑے لاڈ پیار سے پالا اور جوان کیا اگر حکومت و سلطنت کی مصلحتیں درپیش نہ ہوتیں تو ملکہ اپنے بڑھاپے کے سہارے اور نورِ نظر کو ایک پل کے لیے بھی آنکھوں سے دور نہ ہونے دیتی مگر شاہی آئین و دستور کی رُو سے ضروری تھا کہ وارثِ تخت و تاج شہزادہ پانچ برس تک پہاڑی قلعہ میں

تعلیم و تربیت حاصل کرے اور اپنے اتالیق سے کامیابی کی سند پانے کے بعد تختِ حکومت پر رونق افروز ہو۔

شاہی خاندان میں یہ رسم قدیم سے چلی آ رہی تھی اور پہاڑی قلعہ کی تعلیم و تربیت ہر ولی عہد کی حاکمانہ قابلیت اور شاہانہ صلاحیت کی دلیل سمجھی جاتی تھی اسی دستور کی پابندی کی خاطر ماں نے پورے پانچ سال تک بیٹے کی جدائی کا صدمہ جھیلا اور اسے دارالحکومت سے دُور رکھا تھا۔ ورنہ وہ ایسی ماں تھی جو اولاد کی راحت و آسائش کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دیتی۔ شہزادہ پانچ سال بعد واپس آ رہا تھا۔ ملکہ جہاں کے حکم پر شہر کو اس کے شاہانہ استقبال کے لیے کئی دن سے سجایا جا رہا تھا تاکہ نوجوان شہزادہ محسوس کر سکے کہ وہ ایک ایسا پھول ہے جس کے شوقِ دیدار میں سارا چمن چشم براہ ہے۔

شاہی محلات کی آرائش و زیبائش کا تو یہ عالم تھا جیسے پورے مُلک کی بہاروں کو یہیں سمیٹ لیا گیا ہو۔ باغات میں رنگ رنگ کے پھولوں کی کیاریاں لہلہا رہی تھیں۔ روشوں کو تراش خراش کر سنوارا گیا تھا۔ جگہ جگہ فوارے چھُٹے تھے۔ شاخوں اور پتوں پر پانی کے قطرے جواہرِ شبنم کی طرح جھلملا رہے تھے۔ غلام گردشوں کی ہلالی محرابوں میں زریں و سیمیں تاروں کی جھالریں آویزاں تھیں جو سورج کی روشنی میں کرنوں کی طرح چمک دمک رہی تھیں اور ہَوا سے جب اُن میں جنبش پیدا ہوتی تو شعاعوں کے تیرنے کا گمان ہوتا تھا۔

شاہی محلات میں کنیزوں کے جُھرمٹ بھی جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ ملکہ جہاں کا کمرۂ خاص تو یوں آراستہ تھا جیسے کسی دلہن کی سیج سجائی جاتی ہے۔ جھاڑ فانوس آئینے کی طرح شفاف تھے۔ کمروں اور دریچوں پر اطلس و دیبا کے پردے لہرا رہے تھے اور فرش خوش رنگ قالینوں سے فرہنگِ ایران کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ جس پر ملکہ جہاں چلتے پھرتے کنیزوں کو مختلف قسم کی ہدایات دے رہی تھی۔ کنیزیں اپنے پسندیدہ لباس پہنے تتریوں کی مانند اِدھر اُدھر اُڑتی پھرتی تھیں جیسے شہزادہ خُرم نہیں اس کی بارات آنے والی ہے۔

خوشبو دانوں میں عنبر و عود سُلگ رہے تھے اور ملکہ جہاں بیٹے کے انتظار میں ہمہ تن شوق بنی پھر رہی تھی کہ کنیزِ خاص نے وزیرِ مملکت شبانی خاں کے لیے اجازت طلب کی۔

اطلاع کے مطابق شہزادہ خرم پہاڑی قلعہ سے روانہ ہو چکا تھا اور اب کوئی دم میں یہاں پہنچنے والا تھا اس لیے ملکہ جہاں وزیرِ سلطنت کو بُلا کر یہ اطمینان کرنا چاہتی تھی آیا شہزادہ

ذی شان کے استقبال کی تیاریوں میں کوئی کسر تو نہیں رہ گئی۔ جونہی بوڑھا وزیر شبانی کمرۂ خاص میں داخل ہوا ملکہ جہاں نے یہی سوال کیا اور جب اس نے جواب دیا کہ شہزادۂ عالی کا فقید المثال استقبال کیا جائے گا تو بوڑھی ملکہ جہاں کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی۔

شبانی نے بتایا کہ سپہ سالار رستم خاں اپنے دستۂ خاص کے ہمراہ شہر سے باہر شہزادہ کو سلامی دے گا اور اُن کے جلوس میں شریک ہو کر شہر پناہ کے دروازہ تک آئے گا جہاں وزیرِ سلطنت امراء و رؤسا کے ساتھ خیر مقدم کے لیے موجود ہو گا۔

ان اطلاعات کے بعد شبانی نے بتایا۔ شہزادہ کی سواری کی بروقت اطلاع کے لیے قاصد آ جا رہے ہیں اور اس وقت شاہی قافلہ شہر سے صرف ایک میل دُور ہے لہٰذا وہ ملکہ جہاں سے اجازت چاہتا ہے تاکہ شایانِ شان استقبال کا بندوبست کر سکے۔

یہ سنتے ہی کہ شہزادہ خُرم کی سواری قریب آ پہنچی ہے خوشی سے ملکہ جہاں کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے اور اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں وزیر کو رخصت کیا۔

سپہ سالار رستم خاں اپنے دستۂ خاص کے ہمراہ جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا شہر پناہ سے باہر صف آرا تھا کہ اچانک فصیل کی بلند ممٹی پر قرنا پھونکی گئی۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ شہزادہ کی سواری شہر کی حدود میں داخل ہو چکی اور کوئی دم میں آیا ہی چاہتی ہے۔

شہر پناہ پر لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو قرنا کی آواز کے ساتھ ہی دُور اُڑتی ہوئی دھول کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ غبار کے بگولے دم بدم قریب آ رہے تھے اور فصیل پر قرنا کی آواز کے ساتھ شہنائیوں کی موسیقی اور نوبت کی "دھوں دھوں" بھی شامل ہو گئی تھی۔ دروازے پر وزیرِ سلطنت شبانی سرداروں اور امیروں کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ شہزادہ خُرم کے استقبال کے لیے لوگ دیوانہ وار اُمڈ آئے تھے اور ڈھول تاشوں کی آوازوں نے اُن کا شوق دوچند کر دیا تھا۔

اچانک گرد و غبار کا دامن چاک ہوا اور دُور سے شہزادہ کا سُرخ رنگ کا علمِ خاص لہراتا نظر آیا۔ اس کے ساتھ محافظ سواروں کے جلو میں شاہی سواری نمودار ہوئی اور فصیل پر نوبتیں زور زور سے بجائی جانے لگیں۔ شہنائیوں کی آواز بلند ہو گئی اور قرنا چیخ چیخ کر شہزادہ کی آمد کا اعلان کرنے لگی۔

وہی سوار جو سانگا جنگل کی حویلی سے روانہ ہوئے تھے بڑی چابک دستی سے گھوڑے بڑھائے چلے آ رہے تھے۔ اُن کے آگے آگے سردار شمشیر کا گھوڑا تھا جس پر سُرخ بنات کی مرصع اور حاشیہ دار چادر جھول رہی تھی۔ لاچی خاں کچھ فاصلے پر علم خاص اُٹھائے چلا آ رہا تھا۔ پیچھے پیچھے تیمور سالار دستہ کی حیثیت سے چاق و چوبند دکھائی دیتا تھا۔ شمشیر نے بدستور چہرے پر سیاہ پٹکا لپیٹ رکھا تھا۔

مگر جونہی وہ شہر پناہ کے قریب پہنچا اور سپہ سالار رستم نے گرجدار آواز میں سلامی کی رسم ادا کی جس پر دستۂ خاص کے سواروں نے یک جنبش تلواریں بلند کیں تو شمشیر نے مُسکرا کر چہرے سے پٹکا کھینچ لیا۔

شاید چشمِ فلک نے بھی ایسی مکمل مشابہت کبھی نہ دیکھی ہوگی جو شہزادہ خُرم اور شمشیر ڈاکو کی شکل میں پائی جاتی تھی۔ وہی آنکھیں، وہی ناک، وہی عارض، وہی ٹھوڑی ہوبہو وہی شکل وہی صورت یوں معلوم ہوتا تھا دونوں ایک ہی تصویر کے دو عکس ہیں اگر کوئی فرق تھا تو صرف اتنا کہ خُرم کے چہرے پر ہمہ وقت تبسم سا کھلا رہتا تھا اور اس کے برعکس شمشیر کے چہرے پر درشتی اور کرختگی کے آثار فطری تھے۔ اس کے علاوہ اُن کی شکلوں میں کوئی فرق نہ تھا بلکہ شمشیر کو دیکھ کر یہ شبہ ہوتا تھا۔ شاید شہزادہ خُرم ماہی گیروں کی بستی سے اُٹھ کر سالارِ قافلہ بن گیا ہے۔

غالباً یہی وہ مشابہت تھی جس نے شمشیر کے دل میں حصولِ سلطنت کا جذبہ پیدا کیا۔ اور ایک خطرناک منصوبہ بنا کر اُس نے شہزادہ خرم کو عین اُس وقت بزعمِ خود قتل کر دیا جب وہ پانچ برس کی تعلیم و تربیت کے بعد دارالحکومت کی طرف لوٹ رہا تھا۔ ان حالات میں شہزادہ کی بدنصیبی پر کیسے افسوس نہ ہوگا جسے ایک عیار اور بے رحم ڈاکو نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنے راستہ سے ہٹا کر اس کی جگہ سنبھال لی اور خود شہزادہ کا رُوپ دھار کر صفدر نگر میں آ دھمکا تھا۔

رستم خاں سلامی کی رسم ادا کر چکا تو غلاموں نے آگے بڑھ کر شمشیر کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اسے نیچے اُترنے میں مدد دینے لگے۔ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ شمشیر رکاب میں پاؤں رکھ کے نیچے اُترا، ورنہ وہ تو گھوڑے کی پُشت ہی سے کُود جانے کا عادی تھا۔ اسی آن وزیرِ سلطنت شبانی خاں پھولوں کے ہار لیے آگے بڑھا۔ اُس نے کورنش کے ساتھ سلام پیش کیا اور پھولوں کے ہار شمشیر کی گردن میں ڈال کر بولا۔

شہزادۂ عالی اپنے پُرانے وفادار شبانی خاں کو نہ بھولے ہوں گے۔"

شمشیر کے کرخت چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہُوا۔

"خُرم اپنے وفاداروں کو کبھی نہیں بھولتا۔"

پھر اس نے مصافحہ کے لیے بڑھے ہوئے بوڑھے ہاتھ تھام لیے۔ وزیرِ سلطنت اُسے ...مرا کے پاس پہنچا اور سب سے پہلے ایک سفید ریش بزرگ کے سامنے رُک گیا۔ غالباً ...ی خاں نے جو شہزادہ کا علم خاص اُٹھائے پیچھے ہی پیچھے چلا آتا تھا شمشیر کو اس سفید ریش ...ڑھے کے متعلق کوئی اطلاع نہ دی تھی کہ وہ کون ہے اور سلطنت میں اس کا کیا رُتبہ ہے۔ ...وجہ تھی کہ بوڑھے کو دیکھ کر شمشیر جھجک سا گیا۔ گویا اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس پر ...ھے نے مُسکرا کر کہا۔

"حضور ــــــ! آپ سلطنت کے پرانے وکیل اور قاضی القضاۃ فارانی کو ...ل گئے۔ انہوں نے تو حضور کو ولی عہدی کی دستارِ فضیلت پہنائی تھی۔"

شمشیر کے لبوں پر ایک کھسیانی سی ہنسی نمودار ہوئی اور اس نے فوراً جواب دیا۔

"ہم بھولے نہیں، صرف یہ سوچ رہے تھے بزرگ فارانی پانچ برس کے عرصہ میں ...ضعیف ہو گئے ہیں۔"

اس پر وزیر کے چہرے پر استعجاب کی ایک جھلک نمودار ہوئی۔

"مگر یہ تو پہلے سے کافی صحت یاب ہو چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا جب آپ پہاڑی ...میں تشریف لے گئے فارانی بہت بیمار اور کمزور ہو چکے تھے۔ پانچ سال کے عرصہ میں ...ی صحت بحال ہو گئی ہے۔"

"او ــــــ ہاں ــــــ ہم ان کی بیماری کو بھول ہی گئے تھے۔ واقعی ...پہلے سے تندرست معلوم ہوتے ہیں۔" شمشیر نے معاملہ گول کرنے کی کوشش کی۔

اس پر بوڑھے فارانی نے بھی شہزادہ کا شکریہ ادا کیا اور وہ آگے بڑھا۔

دوسرے نمبر پر دیوانِ سلطنت فیضیاب سے ملاقات ہوئی۔ شمشیر نے فیضیاب کا ...اور عہدہ تو سُن رکھا تھا مگر لاچی خاں نے اس کی صورت کا جو نقشہ بیان کیا تھا وہ اس کے ...ن سے محو ہو چکا تھا۔ جب فیضیاب نے سلام عرض کیا تو شمشیر خاں نے بے اختیار کہا۔

"آپ کو کہیں پہلے بھی دیکھا ہے۔"

فیضیاب حیران ہوا پھر مُسکرا کر بولا۔

"شاید حضور نے خواب میں دیکھا ہو گا۔"

"کیا مطلب" شمشیر کسی قدر برہم ہو کر کہنے لگا۔ "کیا اب ہمارا حافظہ اتنا خراب ہو گیا کہ ہم تمہاری شکل بھی یاد نہ رکھ سکیں؟"

اس پر فیضیاب اور وزیرِ سلطنت شبانی کے چہروں پر بیک وقت حیرت کے آثار اُمڈ آئے۔ وزیر جواب دیا۔

"حضور کو یقیناً مغالطہ ہوا ہے۔ فیض یاب کو ولایت اودھ سے آئے صرف تین سال ہوئے ہیں۔ انہیں ملکہ عالیہ نے دیوان کے عہدے پر متعین کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے جانے کے دوسرے سال پرانے دیوان صاحب فوت ہو گئے تھے —— غالباً حضور کو اس واقعہ کی اطلاع بھیج دی گئی تھی۔"

اس انکشاف پر شمشیر نے خجالت اور برہمی کی نگاہوں سے لاچی خاں کی طرف دیکھا اور پوچھا —— "لاچی خاں —— ! تم نے ہمیں اس تبدیلی کی اطلاع کیوں نہیں دی؟"

لاچی خاں نے فوراً جواب دیا۔

"جن دنوں یہ واقعہ ہوا، حضور شکار پر گئے ہوئے تھے۔ بہر حال آج سے قبل میں نے فیض یاب کے بارے میں عرض کر دیا تھا۔"

شمشیر کی طبیعت اچانک مکدر نظر آنے لگی۔ اُسی لمحے شاہی محل کا ایک چوبدار حاضر ہوا اور وزیرِ سلطنت شبانی کو سلام کر کے بولا۔

"حضور! ملکہ عالیہ نے فرمایا ہے۔ اگر شہزادہ ذی شان اُمرائے سلطنت کی ملاقات سے فارغ ہو گئے ہوں تو انہیں جلد محل میں لے آئیے۔ ملکہ جہاں اُن سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔"

وزیر نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ شمشیر کہنے لگا۔

"شبانی خاں —— ! اُمرا کو ہم دربار میں شرفِ ملاقات بخشیں گے۔ اس وقت ہم امی حضور سے ملنا چاہتے ہیں۔"

یہ کہہ کر شمشیر نے دوسرے ملاقاتیوں سے جان چھڑائی اور وزیرِ سلطنت کے ہمراہ شہر پناہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ فصیل پر ابھی تک ڈھول اور دمامے پیٹے جا رہے تھے۔ شہنائیاں گونج رہی تھیں اور خلقت کا اژدہام اُمڈا پڑا تھا۔ جب شہزادہ کی سواری شہر پناہ میں

داخل ہوئی لوگوں نے پھول برسائے۔ "مبارک سلامت" کا شور اُٹھا اور —— شہزادہ خرم ذی شان —— زندہ باد" کے نعرے بلند ہونے لگے۔

ملکہ جہاں اپنے کمرۂ خاص میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہی تھی اور شاہی محل کی کنیزیں اُسے ایک ایک پل کی خبریں پہنچا رہی تھیں۔

"شہزادہ خرم کی سواری آ پہنچی ——"

"رستم خاں کا دستۂ خاص اُنہیں سلامی دے رہا ہے۔"

"اب وہ وزیرِ سلطنت شبانی خاں سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔"

"شہزادۂ عالی قاضی القضاۃ فارانی سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

"پھر وہ دیوانِ مال فیضیاب سے ملیں گے۔ پھر شاہی طبیب حکیم شفائی سے پھر کوتوال شہر سے پھر فلاں سے پھر فلاں سے ....."

اور اس اطلاع پر ملکہ جہاں نے تنگ آ کر کہا تھا۔

"اس طرح تو خرم شام تک فارغ نہ ہو سکے گا۔ جاؤ شبانی خاں سے کہو شہزادہ کو لے کر شاہی محل میں پہنچ جائے۔"

چوب دار اُسی وقت شہر پناہ کی طرف بھاگ اُٹھا تھا۔ جہاں شمشیر عرف شہزادہ خرم کے روپ میں پہلی مرتبہ اُمرائے سلطنت سے متعارف ہو رہا تھا۔ شہر پناہ کے دروازے پر ملاقاتوں کا ناگوار سلسلہ ختم کر کے وہ شاہی محل کی طرف بڑھا اور اب کنیزیں ملکہ جہاں کے حضور اس قسم کی اطلاعات عرض کر رہی تھیں۔

"حضور —— ! شہزادۂ عالی شہر پناہ سے چل دیئے ہیں۔"

"وہ شاہی محلات کی فصیل تک آ پہنچے ہیں۔"

"اس وقت وہ شاہی حوض سے گزر رہے ہیں اور کنیزیں اُن کے قدموں میں پھول برسا رہی ہیں۔"

آخری اطلاع یہ تھی۔

"ملکہ حضور —— ! شہزادۂ عالی شرفِ باریابی چاہتے ہیں۔"

اس اطلاع کے ساتھ ہی ملکہ جہاں تیزی سے مڑی اور دروازہ کی طرف بڑھی۔ اس اثنا میں شمشیر وزیرِ سلطنت شبانی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ بیٹے کو دیکھتے

ہی ملکہ جہاں اُنہی قدموں رُک گئی اور اس کی نگاہیں شمشیر کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ شمشیر نے آدابِ شاہی کے مطابق جُھک کر کورنش کی رسم ادا کی اور ملکہ جہاں نے وفورِ مسرت میں —— "بیٹا" —— ! کہہ کر اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ شمشیر نے جلدی سے ملکہ جہاں کا بوڑھا ہاتھ تھام لیا اور "امی حضور !" کہتا ہُوا اُس کے قدموں پر گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

دوسرے لمحے ملکہ جہاں نے تیزی سے اپنا ہاتھ شمشیر کے ہاتھوں سے ہاتھ کھینچ لیا اور کسی قدر خفگی کے لہجے میں بولی۔

"خُرم —— ! کیا پانچ سال کے اندر تُو اپنی ماں سے ملاقات کے آداب بھی بھول گیا"

شمشیر نے گھبرا کر ملکہ جہاں کی طرف دیکھا اور وہ کہنے لگی۔

"کیا تجھے یاد نہیں رہا۔ جب ملاقات کے وقت میں اپنا ہاتھ بڑھایا کرتی تھی تو میرا ہاتھ چوم لیا کرتا تھا۔

شمشیر ابھی کچھ کہنے کے لیے الفاظ ہی ڈھونڈھ رہا تھا کہ وزیرِ سلطنت نے اُس کی مشکل آسان کر دی اور کہا۔

"ملکہ حضور —— ! شہزادۂ عالی اب جوان ہو چکے ہیں اور آپ اُنہیں لڑکپن کی باتیں یاد دِلا رہی ہیں"۔

یہ سنتے ہی ملکہ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم بکھر گیا۔ بوڑھا وزیر کہہ رہا تھا۔

"اب تو حضور کو ان کی شادی کی فکر کرنی چاہیے"۔

شادی کے تذکرے پر شمشیر نے گھبرائی ہوئی نظروں سے پہلے وزیر پھر ملکہ جہاں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"امی حضور —— ! ابھی شادی کی اتنی جلدی کیا ہے ......"

ممکن ہے شمشیر کچھ اور بھی کہتا مگر ملکہ جہاں کے بوڑھے چہرے پر ایک بار پھر حیرت و استعجاب کی سلوٹیں نمودار ہوئیں اور وہ ٹھٹکی ہوئی آواز میں بولی۔

"خرم —— ! یہ تیری آواز کو کیا ہو گیا۔ پہلے تو تیری آواز اتنی کھُردری اور بھاری نہ تھی —— ؟"

شمشیر کے حواس پر جیسے بجلی سی گری۔

"ہاں —— میں نے بھی محسوس کیا تھا۔ شہزادۂ عالی کی آواز کچھ بدلی بدلی معلوم [ہو]تی ہے لیکن بے ادبی کے خیال سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور یہ سوچ کر چُپ رہا شاید [سفر] کی کوفت اور راستے کے گرد و غبار سے گلا خراب ہو گیا ہو"۔

وزیرِ سلطنت کی بات سن کر شمشیر کو کچھ حوصلہ ہُوا۔ اس نے اپنے منتشر حواس پر [قا]بو پا لیا اور کھانستا ہُوا بولا۔

"امی حضور —— ! وہ ..... بات ..... دراصل یہ ہے کہ پہاڑوں کی [آ]ب و ہَوا مجھے راس نہیں آئی۔ پہاڑی قلعہ میں جاتے ہی میرا گلا اتنا سُوج گیا تھا کہ آواز بمشکل [نکل]تی تھی۔ کئی مہینے علاج کرانا پڑا"۔

"مگر تیرے آتالیق نے تو اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں بھیجی تھی۔ اگر مجھے خبر ملتی تو میں [فو]راً نگر سے شاہی طبیب روانہ کرتی"۔

"آتالیق کو دراصل میں نے منع کر دیا تھا کہ وہ آپ کو میری بیماری کی اطلاع نہ [ب]ھیجیں ——"

"حالانکہ میرا حکم تھا وہ تیری صحت و بیماری کے متعلق باقاعدہ اطلاع دیتا رہے"۔

"میرا خیال تھا۔ بیماری کی خبر سُن کر آپ پریشان ہو جائیں گی"۔ پھر ایک لمحہ ٹھہر کر [بو]لا —— "اب تو مجھے بالکل آرام آ چکا ہے"۔

"لیکن تیری آواز مجھے اجنبی معلوم ہوتی ہے"۔

"امی حضور —— ! آواز اجنبی سہی میں تو اجنبی نہیں"۔

پھر شمشیر ملکہ جہاں کا ہاتھ چُومتا ہُوا بڑی سعادت سے کہنے لگا۔

"میں تو پہاڑی قلعہ میں آپ کی صورت دیکھنے اور آواز سُننے کو ترس گیا تھا۔ آپ جیسی شفیق و رحیم ماں کے بغیر پانچ برس کی مدت پانچ صدیاں معلوم ہونے لگی اب میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا"۔

شمشیر نے یہ الفاظ کچھ ایسے گداز لہجے میں ادا کیے کہ ملکہ جہاں کا دِل بھی بھر آیا اور وہ محبت سے بولی۔

"اب تو جا بھی کہاں سکتا ہے۔ چند روز میں تیری تاجپوشی اور تخت نشینی کا جشن ہونے والا ہے۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور کاروبارِ سلطنت کی مزید نگرانی نہیں کر سکتی"۔

پھر اُس نے وزیرِ سلطنت کی طرف ہاتھ اُٹھایا۔

"یہ تو تیرے شبانی بابا کی ہمت اور دیانت ہے کہ اس عمر میں بھی شب و روز جاگتے اور پوری ذمہ داری سے امورِ سلطنت کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اب تُو خود حکومت کرنے کا اہل ہو چکا ہے۔ تخت و تاج کی ذمہ داری تیرا انتظار کر رہی ہے۔ اپنے اختیارات سنبھال اور مجھے اور اپنے شبانی بابا کو آرام کرنے دے۔"

شمشیر نے تشکر آمیز نظروں سے وزیرِ سلطنت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مَیں شبانی بابا کا ممنون ہوں وہ میرے بعد بڑی خوش اسلوبی سے کاروبارِ حکومت چلاتے رہے لیکن امی حضور ——— ! آپ بزرگوں کی مدد کے بغیر مَیں اکیلا یہ بوجھ کیسے اُٹھا سکوں گا۔"

"خُرم ——— ! تخت و تاج تیری امانت ہیں۔ ہم تو صرف اس امانت کے نگہبان تھے۔ اپنی تاجپوشی کے بعد یہ فرض تجھی کو ادا کرنا ہے۔"

اچانک شبانی خاں نے توجہ دلائی۔

"ملکہ جہاں ——— ! شہزادۂ عالی مسلسل دو دن سفر کرتے رہے ہیں۔ یقیناً تھک چکے ہوں گے۔ میرا خیال ہے اب انہیں آرام کرنا چاہیے۔"

"ہاں ———" ملکہ جہاں تبسم آلود آواز میں بولی۔ "شوقِ ملاقات میں مجھے خرم کے آرام کا خیال ہی نہیں آیا پھر کوئی اور بھی تو اس سے ملنے کے لیے بے چین ہوگا۔ پانچ سال کے بعد لوٹ کر آیا ہے۔ یہاں کتنی آنکھیں اُسے دیکھنے کے لیے ترستی ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے پیار سے شمشیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اب تجھے اپنے کمرے میں جانا چاہیے۔ گلبانو نے اُسے دُلہن کی طرح آراستہ کر دیا ہے۔ غنچہ ! شگوفہ ——— ! ! شہزادۂ عالی کو اُن کے کمرے میں پہنچا دو اور آرام کا پورا خیال رکھو۔"

دونوں کنیزیں جو دروازہ کے دائیں بائیں کھڑی تھیں کمر تک جھک گئیں شمشیر ملکہ جہاں کے پاؤں چھوتا ہوا دروازے کی طرف مُڑا۔ کنیزوں نے حریری پردہ ہٹایا اور وہ شاہانہ وقار سے چلتا کمرے سے نکل گیا۔ دونوں کنیزیں ہاتھ باندھے، سر جھکائے پیچھے پیچھے چلیں۔ شمشیر جا چکا تو ملکہ جہاں وزیرِ سلطنت سے کہنے لگی۔

"شبانی بابا ——— ! خرم کی صحت تو پہلے سے بہت بہتر ہے۔ وہ کہتا ہے اسے پہاڑ کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ حالانکہ صفدر نگر کی بجائے پہاڑی قلعہ میں رہ کر اس کا جسم بھر گیا اور اب وہ پورا جوان نظر آتا ہے لیکن اُس کی آواز میں اجنبیت سی پائی جاتی ہے یُوں لگتا ہے وہ پانچ سال میں بہت بدل گیا ہے۔"

"پانچ سال کی مُدت تھوڑی نہیں ہوتی ملکہ حضور ——— ! بچے نوجوان اور نوجوان جوان ہو جاتے ہیں پھر اسی عمر میں نوجوانوں کے عادات و اطوار بدلتے اور خیالات نیا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے تخت نشینی کی رسم کے ساتھ ہی شہزادۂ عالی کی شادی کا فرض بھی ادا کر دینا چاہیے۔"

"تم نے میرے مُنہ کی بات چھین لی۔ مَیں بھی یہی چاہتی ہوں۔ اس فرض سے جلد سبکدوش ہو جاؤں۔" ایک لمحہ ٹھہر کر ملکہ نے کہا۔

"شبانی خاں ——— ! تم چند روز کے اندر دربارِ عام کا اعلان کر دو تاکہ اُمرأ اور مصاحب اپنے ہونے والے بادشاہ سے ملاقات کر سکیں۔ خُرم بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے۔ اسی عرصہ میں اُس کی شادی کی منظوری حاصل کر لوں گی اور تاجپوشی کی تقریب ہی نغمۂ شادی میں تبدیل ہو جائے گی۔"

وزیرِ سلطنت نے تعمیلِ ارشاد میں گردن جھکا دی۔

"آج سے ٹھیک پانچ روز کے بعد دربارِ عام منعقد کر دیا جائے گا۔"

"پانچ روز تیاری کے لیے بہت ہیں لیکن یہ خرم کے جشنِ آمد کا دربار ہوگا۔ ہر رات شہر میں چراغاں ہو اور پانچویں دن جشنِ عام منایا جائے۔"

بوڑھے شبانی نے کورنش ادا کی اور اُلٹے قدموں باہر نکل گیا۔ ملکہ جہاں اپنے بیٹے کے تصور میں ڈوب گئی۔ وزیر کو رخصت کر کے پلٹی تو شاہی محل کی کنیزِ خاص دلارام عقب میں خاموش کھڑی تھی ملکہ جہاں اُسے دیکھ کر چونک سی گئی۔

"دلارام ——— ! تجھے تو اس وقت خرم کی حاضری میں ہونا چاہیے تھا۔ آج سے میری حاضری ضروری نہیں۔ تو شہزادہ کی خادمۂ خاص ہے۔"

دلارام افسردہ سے لہجے میں بولی۔

"ملکہ حضور ! شہزادہ عالی نے تو کنیز کو پہچاننے ہی سے انکار کر دیا جب وہ شاہی

محل میں تشریف لائے سب سے پہلے میں ہی کورنش بجالائی تھی لیکن انہوں نے یوں دیکھا جیسے نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ کچھ بدل سے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کنیز کی حاضری پسند نہ فرمائیں۔"

"نہیں ——— وہ تجھے کیسے بھول سکتا ہے۔ ممکن ہے سفر کی تھکاوٹ کا اثر ہو اور اس نے تجھے غور سے دیکھا ہی نہ ہو۔ بہر حال تو اُسی کی حاضری دے گی۔ جا اور اس کے آرام کا بندوبست کر۔"

دلارام نے گردن جھکائی اور چپ چاپ دروازہ کی طرف چلی۔ شاہی محل کے باہر ابھی تک شہنائیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

(منظر ۵)

انوکھا پیار

○

ساگا ندی کے کنارے قبائلی رقص گاہ کے سنگی ستون خاموش و مہرِ لب دیوتاؤں کی طرح گم صُم کھڑے تھے۔ جن کے وسطی اُبھار شعلوں کے دھوئیں سے سیاہ پڑ گئے تھے۔ اور دھوئیں کا سیاہ ہالا بتدریج ہلکا ہوتا اوپر تک چلا گیا تھا۔ سُرخ ستونوں پر جگہ جگہ چربی اور تیل کے دھبّے جم گئے تھے۔

مستطیل چبوترے تک پہنچنے کے لیے جو تقریباً پندرہ فٹ طویل اور دس فٹ عریض تھا پتھر کی چھوٹی چھوٹی پانچ سیڑھیوں کا ایک زینہ بنا ہُوا تھا۔ زینہ اُس مسند کے پاس پہنچتا تھا جو بستی کے شیخ اور روحانی پیشوا کی نشست کے لیے مخصوص تھا۔ رقص کی رات وہ اسی مسند پر بیٹھ کر رقص دیکھتا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتا تھا۔ چبوترا پتھر کی ہموار سِلوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ شیخ کی مسند دراصل ایک قسم کی شہ نشین تھی۔ جس کی پُشت سنگھاسن کا نقشہ پیش کرتی تھی۔

گزشتہ رات اسی جگہ چاند کی چودھویں تاریخ (پورنماشی) کا روائتی رقص کیا گیا۔ گزری ہوئی محفلِ رقص کے کچھ نشان ہنوز باقی تھے۔ مشعلوں میں تڑتڑانے والی چربی کے دھبّے، باسی اور مُرجھائے ہوئے پھولوں کی پتیاں جو اِدھر اُدھر بکھری تھیں۔ مشعلوں کی راکھ۔

خشک کائی، پیال اور گھاس پھوس جس پر بیٹھ کر قبیلہ کے مرد وزن راگ رنگ سے شاد کام ہوتے اور اپنی قبائلی روایات تازہ کرتے تھے۔

شہزادہ خرم جس کے سر اور بازو پر پٹیاں بندھی تھیں آہستہ آہستہ چلتا رقص گاہ میں داخل ہوا اور چھوٹی چھوٹی آڑی ترچھی دیواروں، بلند ستونوں، سِلوں کے چبوترہ اور شہ نشین کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا زینے کی طرف بڑھا۔ بستی کے ماحول میں یہ رقص گاہ ایک عجوبہ تھی۔ خرم اس کے مصرف سے آگاہ نہ تھا۔ سوچ رہا تھا ممکن ہے یہ کوئی معبد ہو جہاں بستی کے لوگ عبادت کی خاطر جمع ہوتے ہوں مگر یہ کیسا معبد ہے؛ نہ مسجد نہ مندر نہ صومعہ، یہاں کسی پیش امام کا حجرہ ہے نہ کسی سادھو مہنت کی کٹیا۔ اگر مندر ہوتا تو کسی دیوی دیوتا کی مورتی ضرور نصب ہوتی لیکن یہاں تو صرف سُرخ پتھر کے چند گونگے ستون کھڑے تھے جو اپنی زبان سے کچھ نہ بتا سکتے تھے صرف ''شہ نشین'' کی عقبی دیوار پر کوئلے کی سیاہی سے ایک قبائلی لڑکی کی شبیہ بنائی گئی تھی۔ جو رقص کے انداز میں گویا مائل بہ پرواز نظر آتی تھی۔

خرم شہ نشین کے قریب پہنچ کر رُک گیا اور رقاصہ لڑکی کی بے ڈھنگی سی شبیہ کو دیکھنے لگا۔ لڑکی کو رقص کے انداز میں دیکھ کر سوچنے لگا شاید یہ کوئی تماشہ گاہ ہے جہاں بستی والے راگ رنگ کے لیے جمع ہوتے ہوں گے۔ اس نے سُن رکھا تھا صفدر نگر کے شمال میں ماہی گیروں کی ایک قدیم الایام بستی گونا رقص و نغمہ کے لیے مشہور ہے۔ اس بستی سے شاہی محل کا ایک حیرت انگیز افسانہ بھی وابستہ ہے جس پر اس کا خاندان ہمیشہ ناگواری اور خجالت کا اظہار کرتا تھا۔ کہیں یہ گونا بستی ہی تو نہیں؟

ابھی اِسی بات پر غور کر رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ سُن کر چونک اُٹھا۔ جب رات کے وقت محافظ سواروں کی ہمراہی کے باوجود اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ محافظ بڑی صفائی سے موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے اور اجل کا فرشتہ شمشیر ڈاکو کا روپ دھار کر اُس کے تعاقب میں بستی تک چلا آیا تو اس کا دن کے اُجالے میں یوں باہر نکلنا اور کھلے بندوں ندی کے گھاٹ پر گھومنا یقیناً خطرہ سے خالی نہ تھا، ہو سکتا ہے موت آج بھی اُس کی تلاش میں ہو اور کسی جگہ چھپ کر بیٹھی اُسے دیکھ رہی ہو۔

اس خیال کے آتے ہی شہ نشین کے سہارے تیزی سے پلٹا اور اس کی نگاہیں ایک حسین و دلفریب نظارہ میں کھو کے رہ گئیں۔

سردار شاہو کی نوجوان اور خوب صورت لڑکی نیلوفر اپنے سُرخ لہنگے کو لہراتی چھلکاتی بھاگم بھاگ چلی آ رہی تھی۔ شاید اس نے دُور ہی سے خرم کو چبوترے پر دیکھ لیا تھا۔ سیدھی اسی طرف اُڑی آئی اُس تقدیر کی طرح جو اپنا راستہ نہیں بدلتی۔

رقص گاہ کے کھلے دہانے پر پہنچ کر کیونکہ یہاں کوئی دروازہ یا چوکھٹ نہ تھی۔ نیلوفر رُک گئی اور اپنے ہاتھ میں جنگلی پھولوں کی چھڑی لہرا کر بولی۔

''پردیسی ——— ! کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں؟''

خرم نے حیرت و دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت وہ بالکل ایک آسمانی اپسرا معلوم ہو رہی تھی جو پھولوں کی چھڑی گھماتی نیلے آسمان کی بلندیوں سے زمین پر اُتر آئی ہو۔ اس نے اپنے دل میں ایک عجیب سی دھمک محسوس کی۔ محبت کی وہ خلش آفریں دھمک جو حُسن کی اچانک جلوہ آرائی سے پیدا ہوتی اور جوانی کو سحر و طلسم کے خوابوں میں ڈھال دیتی ہے۔

رات بھی جب نیلوفر اُس کی تیمارداری کرتی اور بار بار اُس کے قریب آتی تھی خرم نے اپنے دل میں ایک عجیب سی بیقراری کو کروٹ بدلتے دیکھا تھا لیکن رات اُس کا ذہن جنگل کے خونیں حادثہ کی سنگینی اور زخموں کی اذیت سے اس قدر ماؤف ہو چکا تھا کہ اسے نیلوفر کی تیمارداری پر خواب کا سا گمان ہوتا تھا۔ تلخ حقائق کا سام اور زہرناک حقیقت ناگن کی طرح بار بار اس کے خیالوں کو ڈس رہی تھی اور وہ یہی سمجھنے سے قاصر تھا، اُس کے قافلے پر قاتلانہ حملہ کیوں کیا گیا؟ بلا سے شمشیر ڈاکو ہلاکت و رہزنی کا فرستادہ سہی لیکن حملہ کا مقصد اگر صرف لوٹ مار تھا تو قاتل رات کو اُسے ڈھونڈتے بستی تک کیوں آئے۔ اُنھوں نے اسے ایک ''مفرور مجرم'' اور خود کو ''سرکاری آدمی'' کیوں ظاہر کیا؟ آخر وہ اس کی جان کے دُشمن کیوں بن گئے۔

رات اسی قسم کے بیسیوں سوالات، بیسیوں اندیشے ذہن کے تیرہ و تار گوشوں میں سرسراتے رہے تھے اور وہ اس خواب آگیں حقیقت پر زیادہ توجہ نہ دے سکا جو ''نیلوفر'' کی شکل میں اس کے آس پاس منڈلاتی رہی تھی لیکن اس وقت وہ گزشتہ رات کی خوفناک یادوں کو ذہن سے جھٹک کر زندگی کی اُس رعنائی کو دیکھنے ندی کنارے آ گیا تھا جسے پچھلی رات اُس سے زبردستی چھین لینے کی کوشش کی گئی۔

تھوڑی دیر پہلے وہ سردار کے گھر سے نکل کر ندی کی طرف چلا تو خیال آیا تھا۔ بے رحم قاتلوں نے اس کی ہلاکت کا باقاعدہ منصوبہ بنایا اور الچی خاں کو دارالحکومت کا قاصد و رہبر بنا کر

محض اسی لیے آگے بھیجا تھا کہ اُسے فریب دے کر موت کے مُنہ میں لا پھینکے۔ حملہ آوروں نے اُنہیں کس طرح اچانک گھیر لیا تھا اور بظاہر موت کے اس گھیرے سے بچ نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ تمام محافظ ڈاکوؤں کے تیروں اور برچھیوں کا شکار ہو گئے لیکن وہ تن تنہا موت کے چنگل سے نکل آیا۔

اگرچہ وہ بھاگتے وقت گھوڑے کی پُشت پر بے ہوش ہو گیا تھا اور اُس کی زندگی صرف قدرت کے رحم و کرم پر تھی لیکن اس حالت میں بھی تقدیر اس کا ہاتھ پکڑ کر بستی میں لے آئی اور سردار شاہو کا گھر اس کی زندگی کا امین و محافظ بن گیا۔ خُونی شمشیر موت کے ہرکارے لے کر سردار کے گھر میں آ دھمکا مگر قدرت نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا اور شمشیر اُس کے سر پر کھڑا رہنے کے باوجود ناکام لوٹ گیا۔

حالات و واقعات کے اس تجزیے کے بعد اُس نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ قدرت اس کی زندگی چاہتی ہے ورنہ ختم ہو چکا ہوتا۔ یہی احساس، یہی جذبہ اُس کا سہارا بن گیا اور وہ بے خوف سانگاندی کی طرف چلا آیا تھا۔

نیلوفر اُسے ڈھونڈتی ہوئی اِدھر آئی تھی۔ اس کے چہرے کی کیفیت اور آنکھوں کی غیر معمولی چمک سے صاف ظاہر تھا وہ کافی پریشان ہے۔ رقص گاہ کے دہانے میں کھڑے کھڑے اُس نے خُرم کے سراپا کا بغور جائزہ لیا اور اُس کے مردانہ حُسن سڈول جسم اور دلکش خدوخال میں ڈوبتی چلی گئی۔

خُرم بھی چبوترے پر کھڑا اُسے مسحور نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ چند ثانیوں تک اُن کی آنکھیں چار ہوئیں، نگاہیں ملیں پھر احساسِ حیا سے زمین پر آ رہیں۔ دونوں ایک لذت آفریں سی خلش سے دوچار تھے۔

اچانک نیلوفر نے محسوس کیا۔ وہ پردیسی کو ڈھونڈنے آئی تھی اور اس وقت جب وہ مل گیا ہے خود کہیں کھوئی جا رہی ہے اس احساس کے ساتھ ہی اس نے ایک لطیف سی جھرجھری لی اور ساحرانہ انداز میں آگے بڑھی۔

"گھر سے نکلتے وقت تُو نے یہ بھی نہ سوچا۔ بابا تیرے لیے پریشان ہوں گے"۔

"مگر اس میں پریشان کی کون سی بات ہے۔" خرم کے لہجے میں سادگی تھی۔ نیلوفر اب چبوترے کے قریب پہنچ چکی تھی اور خُرم زینے پر آ گیا تھا۔

"تیرے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں؟"

"اگر کوئی بات ہے تو سمجھا دے نا۔"

"اچھا سُن۔"

نیلوفر اپنی انگلی کی پوروں پر نمبروار گننے لگی۔

"پہلی بات، تو زخمی ہے اور چلنے پھرنے سے تیرے زخم بگڑ جائیں گے۔ دوسری بات ——— تیرے بدن سے بہت سا خون جا چکا ہے اور تو کمزور ہے ایسی حالت میں تجھے پھرنا نہیں چاہیے ——— اور تیسری بات ——— تیرے دُشمن کل رات تجھے ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اگر وہ تجھے اس حالت میں دیکھ لیں تو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اب تو نے سمجھ لیا بابا کیوں پریشان ہوں گے۔"

یہ کہہ کر نیلوفر نے آنکھیں اُٹھائیں اور نظریں خُرم پر جما دیں۔ وہ مسکرا کر زینہ ہی پر بیٹھ گیا اور اُسی طرح اُنگلی کی پور پر گننے لگا۔

"ایک، مَیں زخمی ضرور ہوں مگر زخم گہرے نہیں۔ دو، میرے بدن سے خون واقعی بہت جا چکا ہے لیکن بستر پر لیٹنے سے خون نہیں بنتا۔ تین، دُشمنوں سے جس خدا نے مجھے کل بچایا تھا وہ آج بھی زندہ ہے۔ اس لیے مَیں کہتا ہوں بابا کو پریشان ہونا چاہیے ——— نہ تجھے ———"

نیلوفر نے ایک بار پھر اُسے حیرت سے پھر مسکرا کے دیکھا اور اُس کے قریب ہی زینے پر بیٹھ گئی۔

"پردیسی ——— ! تُو نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میرا نام خُرم ہے۔"

"خرم ———؛ یہ نام مَیں نے پہلے بھی کہیں سُنا ہے مگر کہاں؛ اس وقت یاد نہیں آ رہا۔"

یہ کہہ کر خیالوں میں کھو گئی جیسے اپنے حافظہ کی لوح پر "خُرم" کا نام تلاش کر رہی ہو۔ اچانک اپنی مدوّر اور سڈول کلائی گھماتے ہوئے بولی۔

"ارے ہاں ——— ابھی کل ہی تو شیخ نے بتایا تھا۔ صندر نگر کا شہزادہ خُرم پورے پانچ برس کے بعد شہر واپس آ رہا ہے . . . تو تیرا نام بھی خُرم ہے"

"کیوں —— تجھے یہ نام پسند نہیں؟"

"نام میں کیا رکھا ہے —— مجھی کو دیکھ لے۔ بابا نے میرا نام نیلوفر رکھا مگر سب بستی والے مجھے نیلی کہتے ہیں اور میں نیلی ہوں نہ پیلی ....."

لڑکی آپ سے آپ ہنسنے لگی۔

"تیرا نام گلابی ہونا چاہیئے۔"

"کیوں؟" نیلی یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔

"تو گلاب کی طرح خوب صورت ہے نا۔"

نیلی نے شرمائی، لجائی نظروں سے خرم کو دیکھا اور ہولے سے کہنے لگی۔

"خوب صورت تو تو بھی ہے۔"

اچانک خرم کو کوئی بات یاد آ گئی۔ اُس نے پوچھا۔

"اچھا نیلی! یہ تو بتا اس بستی کا نام کیا ہے؟"

"گونا بستی ——"

نام سن کر خرم وحشی ہرن کی طرح چونک کر کھڑا ہو گیا اور نیلی نے حیرت سے پوچھا

"ارے —— کیا ہوا تجھے ——؟"

"یہ وہی بستی ہے جہاں کئی سال پہلے محبت کی ایک داستان ادھوری رہ گئی تھی۔"

"کیا تجھے وہ کہانی یاد ہے؟" نیلی بھی کھڑی ہو گئی پھر آپ سے آپ حیرت پاش لہجے میں کہنے لگی۔

"پر تو نے وہ کہانی کہاں، کب اور کس سے سنی؟ اسے تو صرف بستی والے جانتے ہیں لوگوں میں اس کہانی کا چرچا نہیں کیونکہ وہ ایک شہزادہ تھا جس نے بستی کی لڑکی کے لیے بادشاہ سے جھگڑا کیا اور ناراض ہو کر شاہی محل چھوڑ آیا تھا۔ چاند کی چودھویں رات کو وہ دونوں سانگا ندی میں ڈوب مرے تو دوسرے دن شاہی سواروں نے بستی کو گھیر لیا۔ کہتے ہیں بستی والوں پر وہ دن بڑے سخت گزرے۔ کئی لوگ قید کر لیے گئے پر مرنے والے تو صرف اپنے پیار کی یاد چھوڑ گئے تھے —— بادشاہ کو حقیقت معلوم ہوئی تو اس نے قیدی تو چھوڑ دیئے مگر سردار کو حکم دیا۔ وہ اس کہانی کا چرچا نہ ہونے دے۔ لوگوں کی زبانوں پر شاہی حکم کے تالے ڈال دیئے گئے پر شہزادہ اور نیلی کے پیار کی داستان تو دلوں میں پرورش پا رہی تھی۔ بادشاہ

زبانیں بند کر سکتا ہے دلوں پر پہرہ نہیں بٹھا سکتا۔"

نیلی یہ سب باتیں کہہ چکی تو خرم کی طرف مڑی جو سحر زدہ کھڑا اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"تو نیلی نام تھا اُس لڑکی کا؟"

"ہاں —— اُس کی موت کے بعد بستی والوں نے فیصلہ کیا۔ ہر سردار کی لڑکی کا نام نیلی رکھا جائے۔"

"یہ کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔ میرا بھی نام نیلی ہے۔ میں سردار کی لڑکی ہوں نا۔ نیلی اور شہزادہ کی یاد میں چاند کی ہر چودھویں رات کو مجھے ناچنا پڑتا ہے۔"

پھر حیرت اور مسرت کے ملے جلے تاثر سے مسحور سی ہو کر بولی۔

"پردیسی ——! کل بھی پورن ماشی کی رات تھی، میں یہاں ناچ رہی تھی بستی والے بیٹھے تھے۔ جب ناچ ختم ہوا اور شیخ لوگوں کے ساتھ چلا گیا تب تو اپنے گھوڑے پر بے سدھ دھر پڑا آیا۔ سب سے پہلے میں نے تجھے دیکھا اور بابا کو لے کر تیرے پاس پہنچی۔ اگر کل چاند رات نہ ہوتی تو نجانے تیرا گھوڑا تجھے کہاں کہاں لیے پھرتا پر تیری قسمت اچھی تھی گھوڑا تجھے گونا بستی میں لے آیا۔"

"ہاں —— یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔ میں تیرا اور تیرے بابا کا بہت احسانمند ہوں ——"

"ہم بستی والے احسان کیا جانیں۔ کسی زخمی کی جان بچانا اور پردیسی کی خدمت کرنا تو ہر آدمی کا فرض ہے۔"

نیلی اب چبوترے کی مینڈھ سے لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"تو نے یہ تو بتایا نہیں شہر میں کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے؟"

"یہ باتیں تیرے پوچھنے کی نہیں۔"

"کیوں ——؟" نیلی کی لانبی پلکیں تن گئیں۔

"اس لیے کہ صفدر نگر میں صرف دو ہی خرم رہتے ہیں۔ ایک شہزادہ خرم اور دوسرا یہ دیوانہ خرم ——"

یہ کہتے ہوئے خرم نے انگشت شہادت سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر دیا ۔

’ تو تیرا اصل نام دیوانہ خرم ہے ‘۔ نیلی کے سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی اور حسین عارضوں میں چھوٹے چھوٹے خوب صورت سے گڑھے نمودار ہوئے ۔

’ مگر تو دیوانہ کس کا ہے ؟ ‘

’ تیرا ——— ‘

یہ کہہ کر خرم نے پیار سے نیلی کا ہاتھ تھام لیا اور بے اختیار اُسے ہونٹوں تک لے گیا ۔ اُس کے گرم لبوں کے ارتعاش اور راحت آگیں لمس نے نیلی کے بدن میں سرور و کیف کی لذت انگیز ، سحر زا رَو دوڑا دی ۔ اُس نے جھکی جھکی نظروں سے خرم کو ہاتھ کا بوسہ لیتے دیکھا اور ذرا قریب کھسک آئی ۔ چاہتی تھی کائنات کی گردش بس یہیں تھم جائے اور خرم کا بوسہ ابدیت کا رُوپ دھار لے مگر دوسرے ہی لمحے خرم کا چہرہ بلند ہوا اور اس کی بے تاب نگاہیں نیلی کے چہرے پر مرتکز تھیں ۔

’ نیلی ——— ! تُو نے بُرا تو نہیں مانا ؟ ‘

وفورِ جذبات سے اُس کی آواز کپکپا رہی تھی ۔

’ میں ایک پردیسی ہوں جس کے بارے میں تُو کچھ بھی نہیں جانتی ۔ کل چاندکی چودھویں رات تھی اور سانگا جنگل میں ڈاکوؤں نے مجھ پر حملہ کیا تھا میں نہیں جانتا وہ میری جان کیوں لینا چاہتے تھے لیکن کیا یہ تقدیر کا فیصلہ نہیں کہ جب میں گھوڑے کی پیٹھ پر بے ہوش ہو گیا تو قسمت کا گدھریا اُسے گونا بستی میں ہانک لایا جہاں بیس برس پہلے چاندکی چودھویں رات ہی کو محبت کی ایک داستان ادھوری رہ گئی تھی پھر تُو نے میری جان بچائی ، مجھے اپنے گھر میں چھپایا اور اس طرح محبت کی اُس دل کش مگر ادھوری داستان کا نیا باب شروع ہوا جسے لوگ شاید بھول چکے ہیں ‘۔

نیلی وحشی ہرنی کی مانند خرم کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا ۔

’ تجھے دیکھتے ہی نجانے کیوں میرے دل میں ایک عجیب سی لہر جاگ اُٹھی ہے ۔ یوں محسوس ہوتا ہے ورد کی یہ لہر ——— محبت کی یہ آگ کئی سال سے ارمانوں کی راکھ میں دبی پڑی تھی ۔ تیری نگاہوں نے یہ راکھ ٹٹولی اور محبت کی دبی ہوئی چنگاری چمک اُٹھی ۔ میرے دل میں ایک آگ سی سلگنے لگی اور میں پاگلوں کی طرح سانگا ندی کے کنارے

…نے لگا ۔

خرم نے جذبات سے مجبور ہو کر اُس کا گداز ہاتھ پھر تھام لیا ۔

’ نیلی ——— ! میں نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے ۔ میں تجھے سالوں سے جانتا ہوں …حض تیرے لیے تقدیر مجھے گونا بستی لے آئی ہے ۔ تو وہی نیلی ہے ۔ میں وہی شہزادہ ہوں …بیس برس پہلے چاند رات کو سانگا ندی کی لہروں میں کھو گئے تھے ۔ مگر قدرت نے ہمیں …یا جسم ، نیا رُوپ ، نیا زمانہ دیا ہے ۔ ہمارے جسم بے شک وہ نہیں لیکن ہماری روحیں وہی …ں جو پیار کی ادھوری کہانی کو مکمل کرنے کے لیے پھر ایک دوسرے سے آملی ہیں ۔ …یقین رکھ ——— ! اس بار میں تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا ۔ نہ ہمارے جسموں کو سانگا ندی وحشی موجیں ہضم کر سکیں گی بلکہ اس رُوپ میں ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے اور …ت کی ادھوری داستان اپنے حسین انجام کو پہنچے گی ‘۔

نیلی حیرت و استعجاب میں گم صُم کھڑی تھی ۔ اس کا ذہن خیالات کے بھنور میں لٹو کی مانند گھوم رہا تھا ۔ آنکھوں کے سامنے ننھے مُنّے ستارے ناچ رہے تھے اور دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی تھی جیسے وہ اُچھل کر سینے سے باہر آ جائے گا ۔

یہ سب بالکل اچانک ، یکایک اور غیر متوقع طور سے ظہور میں آیا تھا ۔ وہ گھر …سے صرف اس لیے نکلی تھی کہ پردیسی مہمان کو ڈھونڈ کر واپس لے جائے مبادا کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش …آجائے مگر کیا معلوم تھا جب وہ اسے تلاش کرتی رقص گاہ میں آئے گی مہمان عشق کا روپ دھار …کر تقدیر کی طرح اس کا منتظر ہو گا ۔ نیلی اور شہزادہ کے پیار کی گزری ہوئی داستان کے نقوش نہیں …کیف و محبت کی اس وادی میں لے جائیں گے جہاں زندگی صرف پیار کا نام ہے ۔ خود نیلی کی کیفیت …خرم سے مختلف نہ تھی اُس نے بھی جب سے اُسے دیکھا تھا ، بے تابانہ ، والہانہ اُس کی طرف …کھنچی جا رہی تھی ۔

نجانے وہ کون سی پُراسرار زبردست اور اَن دیکھی طاقت تھی جس نے ان دونوں کو ایک ہی کیفیت ، ایک ہی جذبہ ، ایک ہی احساس کی ریشمی ڈور میں جکڑ دیا تھا ۔ نیلی اگر چاہتی ، کوشش کرتی اور خرم کے اقرارِ محبت کے جواب میں انکار کے پہلو ڈھونڈتی ، تو بھی وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکتی ۔ اس کے دل میں تو پردیسی مہمان کے تصور ہی سے ایک آگ سی روشن ہو جاتی تھی جس میں اس کا انگ انگ سلگنے لگتا تھا اور ایسی آگ تھی وہ جس

میں جلنے سُلگنے سے اُسے ایک عجیب اور ناقابلِ بیان سُرور مل رہا تھا پھر انکار کیسے کر سکتی تھی۔ اس درخشاں حقیقت کو کس طرح جھٹلا سکتی تھی جو سورج کی روشنی کی طرح آنکھوں کے سامنے جلوہ گر تھی محبت ایک ایسے نوجوان مرد کے رُوپ میں نمودار ہوئی تھی جس کا ہر سانس اسے نئی دعوت دے رہا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے سوال بن کر کھڑے تھے۔ اُن کی مضطرب نگاہیں پوچھ رہی تھیں۔ یہ شعلہ کیا ہے جو ہمارے دِلوں میں آپ سے آپ بھڑک رہا ہے جس کی آنچ جذبات کو پگھلائے دیتی ہے جو ہماری مادی قوتوں کو سلب کیے دیتا اور قلب و رُوح میں نئی طاقتیں پھونک رہا ہے۔

کہیں یہ محبت تو نہیں ؛ ہمارے دِلوں کے پیمانے اوندھے پڑے تھے۔ یہ آپ سے آپ سیدھے کیسے ہوگئے اور یہ کیا شے ہے جو گرم لاوے کی طرح سرسراتی ہماری شریانوں میں دوڑنے لگی ہے۔

ہاں یہ سب کیا ہے ؟

وہ تحیر کے عالم میں خاموش کھڑے شاید قدرت سے جواب کے منتظر تھے۔

جاؤ ——— ان دیوانوں سے کہدو ——— محبت ایک ایسی شراب ہے جسے قدرت اپنے ہاتھ سے دِل کے پیمانوں میں انڈیلتی ہے اور انسان نئی زندگی ——— نئی قوتوں سے روشناس ہوتا۔

محبت کبھی نہیں مرتی ——— وہ ہمیشہ زندہ رہتی ، سورج کی طرح مغرب میں ڈوبتی اور مشرق سے طلوع ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسا عزم محکم ہے جو انسانوں کے وجود کو قائم رکھتا اُن کے حال کو ماضی سے ملاتا اور مستقبل کو منور کرتا ہے۔

جب محبت خود ظاہر ہو جائے تو وساوس کی تاریکیاں اور اوہام کے شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔

خرم نے جو کچھ کہا جس اسلوب سے کہا اُسے نیلی کے قلب و ذہن نے جوں کا توں قبول کر لیا۔ وہ جرح نہ کرنا چاہتی تھی۔ گونا بستی کی آزاد فضاؤں میں پل کر جوان ہونے والی لڑکی قدرت کے اُن اسرار کو کیا سمجھتی جو مکڑی کے جال کی طرح اس کے اردگرد اپنے دام پھیلا چکے تھے۔ اُسے تو پردیسی اچھا لگا تھا۔ اُس کی صورت دِل پر نقش ہوگئی اور

[...]تیں رُوح کی گہرائی میں اُتر گئی تھیں۔ اپنے انجام سے بے پروا ہو کر خرم کا ہاتھ تھام لیا اور طلسم زدہ رُوح کی طرح اُس کے ساتھ لگ گئی پھر یاقوتی ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

"پردیسی ——— ! تُو نے آتے ہی مجھ پر جادُو کر دیا ہے۔ تیری باتیں شہد کی طرح میٹھی ہیں ——— تو اس جھنڈے کی مانند ہے جسے شیخ سال میں صرف ایک بار چاند کی چودھویں رات کو کھولتا ہے۔"

خُرم نے جو جذباتِ محبت کی شدت سے دوچار تھا نیلی کو اپنے زخمی بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور اس کا حسین چہرہ اپنے بالمقابل لا کر کہنے لگا۔

"نیلی ——— ! تُو حیران ہوگی ، یہ سب کچھ کیسے ہوگیا ؟"

"ہاں۔" اُس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"مگر تجھے اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہیئے۔ بعض باتیں آپ سے آپ ہو جاتی ہیں۔ اُن میں انسان کا نہیں تقدیر کا دخل ہوتا ہے۔ مجھے اتنا بتا دے۔ اگر میں تیرے بابا سے تجھے مانگ لوں وہ انکار تو نہ کر دے گا۔"

"بابا مجھ سے پوچھے گا جب میں ہاں کہہ دوں گی تو انکار نہیں کرے گا۔"

"تجھے یقین ہے نا۔"

"ارے ——— تُو میرے بابا کو نہیں جانتا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے اور میری کسی بات کو ٹال نہیں سکتا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ میں شہر سے آ کر تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"مگر تو شہر کیا لینے جائے گا۔ اب یہیں رہ نا بستی میں ہم اپنا گھر بنا لیں گے۔"

"تو نہیں سمجھتی نیلی ! مجھے شہر ضرور جانا ہے۔ آج ہی بابا سے رخصت لوں گا۔"

"مگر بابا تجھے اتنی جلدی نہ جانے دے گا۔ ابھی تیرے زخم بھی نہیں بھرے۔ تجھے ٹھیک ہوتے آٹھ دس روز لگ جائیں گے۔"

"آٹھ دس روز ؟"

خُرم ایک اذیت ناک تصور سے تھرا سا گیا۔

"مگر میں اتنے دِن یہاں نہیں رہ سکتا ؟"

اچانک نیلی کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم بکھر گیا۔

"ایک بات میرے دھیان میں آئی ہے"۔

پھر وہ آپ سے آپ کہنے لگی۔

"تین چار دن میں مَیں بھی بابا کے ساتھ شہر جانے والی ہوں۔ تُو ہمارے ساتھ چلنا شہر میں بابا تیرا مکان بھی دیکھ لے گا"۔

اس بات پر خرّم گھبرا سا گیا۔

"تُو شہر کیوں جا رہی ہے؟"

نیلی نے مسکراتی کھنکتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"مَیں نے تجھے بتایا ہے نا۔ شہزادہ خرّم پانچ برس کے بعد شہر واپس آ رہا ہے۔ اس کی خوشی میں جشن ہو گا اور مَیں دربار میں ناچنے جاؤں گی ——"

خرّم کے ذہن پر تحیّر کی ایک بجلی سی گری۔

"تُو دربار میں ناچے گی؟"

"ہاں —— تُو نے میرا ناچ نہیں دیکھا۔ میں بہت اچھا ناچتی ہوں۔ ابھی کل رات شیخ نے مجھے "رقص کی رانی" کا خطاب دیا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا رقص شہزادہ کو خوش کر دے گا اور اس خوشی کی بدولت گونا بستی شاہی عتاب سے نکل آئے گی جو آج بھی ہم پر مسلط ہے"۔

"شاہی عتاب؟"

خرم نے بے چین ہو کر اسے شانوں سے پکڑ لیا اور جھنجھوڑتا ہُوا بولا۔

"نیلی مجھے تفصیل سے بتا —— گونا بستی پر شاہی عتاب کس نے مسلط کیا ہے؟"

"بہت دنوں کی بات ہے" —— نیلی کہنے لگی۔ "شہزادہ کے ڈوب جانے کے بعد بادشاہ نے بستی کے اُن لوگوں کو تو چھوڑ دیا جنہیں قتل کے شبہ میں پکڑا گیا تھا پر ساتھ ہی حکم جاری کر دیا۔ آج کے بعد گونا بستی کا کوئی آدمی دارالحکومت میں داخل نہیں ہو سکتا چنانچہ بادشاہ کا یہ حکم آج بھی قائم ہے اور ہمارا کوئی آدمی شہر میں نہیں جا سکتا۔ شیخ کہتا ہے بادشاہ فوت ہو چکا ہے اور اب شہزادہ خرّم تخت پر بیٹھے گا۔ اُس نے کہا ہے۔ اس موقع پر مَیں بابا کے ساتھ شہر جاؤں اور دربار میں ناچوں۔ شہزادہ میرا ناچ دیکھ کر ضرور خوش ہو گا اور جب وہ مجھے انعام دینا چاہے تو مَیں صرف یہ کہوں۔ گونا بستی کے لوگوں سے شاہی عتاب ہٹا لیا جائے۔

[ش]یخ کا خیال ہے شہزادہ خرّم شاہی حکم واپس لے لے گا اور اس طرح گونا بستی پھر آزاد ہو جائیگی"۔

"تُو بستی کو آزاد کرانے کی خاطر شہزادہ کے سامنے رقص کرے گی؟"

"کیوں نہ کروں —— صفد رنگر یہاں سے پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے مگر [بس]تی کا کوئی آدمی وہاں نہیں جا سکتا۔ مَیں چاہتی ہوں شہزادہ ہمیں شہر میں آنے جانے کی [اجاز]ت دے دے —— اس طرح ہماری بستی کے لوگ خوشحال ہو جائیں گے"۔

"اگر شہزادہ کو تیرا رقص پسند نہ آیا ——؟"

"واہ —— پسند کیسے نہیں آئے گا۔ مَیں چھوٹی سی تھی جب سے ناچ گانا سیکھ رہی [ہو]ں۔ دربار میں ایسا ناچوں گی کہ سب دیکھتے رہ جائیں گے"۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر شہزادے کے مزاج کا کیا بھروسا۔ اگر بگڑ گیا اور اُس [نے تی]ری گرفتاری کا حکم دے دیا پھر کیا ہو گا؟"

خرّم کے لہجے میں لگاوٹ کی جھلک تھی۔ مسکراتی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ [بیچ]اری نیلی کیا جانتی تھی۔ جس شہزادہ کے سامنے اُسے رقص کرنا ہے وہ اس وقت بہ نفسِ [نفی]س اُس کے سامنے کھڑا محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

ایک لمحہ کے لیے کچھ سوچتی رہی پھر شرارت سے بولی۔

"اگر شہزادہ نے مجھے گرفتار کر لیا تو آ کر چھڑا لینا"۔

"ارے رے رے رے ..... کہاں شہزادہ کہاں میں —— بھلا مَیں [اُ]س کا مقابلہ کیسے کر سکوں گا؟"

"پھر میرا دیوانہ کیوں بنتا ہے؟"

اچانک خرّم سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور پُر رعب آواز میں بولا۔

"شہزادہ خرّم کی ایسی تیسی —— وہ ہوتا کون ہے تجھے گرفتار کرنے والا اگر اُس [ن]ے یہ حماقت کی تو ایسا سبق سکھاؤں گا ....."

"جیسا کل تُو نے ڈاکوؤں کو سکھایا تھا —— ہے نا؟"

خرّم محجوب سا ہو کر رہ گیا۔ نیلی نے دُکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی۔ یک لخت [اُ]س کے چہرے پر شاہی عظمت کا نشان سا کھل گیا اور پُر عزم لہجے میں بولا۔

"نیلی —— ! شمشیر نے کل رات جو کھیت بویا ہے وہ اسے کاٹنا پڑے گا اور

Books

اس سے میرے بے گناہ ساتھیوں کے قتل کا انتقام لیا جائے گا۔"

خرم نے یہ الفاظ کچھ ایسی پُر شوکت آواز میں ادا کیے تھے کہ نیلی دم بخود رہ گئی۔ وہ سوچنے لگی شاید وہ شمشیر ڈاکو ایسے خونی بھیڑیے سے بھڑ جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ پیار سے خرم کا ہاتھ تھام لیا اور ہولے سے بولی۔

"شمشیر سے انتقام بھی لیتے رہنا مگر اب گھر چل۔ بابا پریشان ہوگا۔ کہے گا میں تجھے ڈھونڈنے نکلی تھی نجانے خود بھی کہاں کھو گئی ہوں۔"

یہ کہہ کر نیلی نے اُسے کھینچ لیا اور وہ چُپ چاپ اُس کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے نیلی بولی۔

"ایک بات سُن! بابا سے ابھی کچھ نہ کہنا۔"

"کیا نہ کہوں؟" خرم انجان سا بن گیا۔

"اپنا سر —— اور کیا ——"

"اچھا —— اچھا —— سمجھ گیا —— مگر تجھے مانگنے والی بات تو میں شہر سے واپس آکر کروں گا۔"

گونا بستی سانگا ندی کے کنارے شمالاً جنوباً پھیلی تھی۔ جس کے خاکستری مکان اور گھاس پھوس کے جھونپڑے سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ کہیں کہیں دھواں اُٹھ رہا تھا جس کی پُر پیچ موجیں فضا میں گھُل مل رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے ننگ دھڑنگ بچے کوڑے کرکٹ کی ڈھیریوں کے آس پاس بھاگے پھرتے تھے اور عورتیں انہیں پکڑ پکڑ کر اپنے جھونپڑوں میں کھینچ رہی تھیں۔

ایک آدمی جال کندھے پر ڈالے ندی کی طرف چلا جاتا تھا۔ اُس نے نیلی کو ایک اجنبی کے ساتھ دیکھ کر تعجب سے پلکیں جھپکائیں اور چُپ چاپ آگے بڑھ گیا۔

سردار شاہو کے مکان پر مُرغِ باد نما کے ساتھ ایک تکونی جھنڈا ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ یہی دو نشان سردار کے گھر کی علامت تھے۔

منظر ۶

ضمیر کی خلش

○

صفدر نگر کے تخت و تاج تک پہنچنے کے لیے شمشیر نے جو منصوبہ بنایا جو فریب کھیلا وہ بڑی خوش اسلوبی سے پورا ہوا۔ دارالحکومت کے لوگوں نے اُسے شہزادہ خرم کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ کسی کو شُبہ تک نہ ہو سکا۔ شہزادہ کے رُوپ میں دراصل اُس بلائے آسمانی کا استقبال کیا گیا ہے جسے دُنیا شمشیر ڈاکو کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔

اس وقت وہ شاہی محل کے کمرۂ خاص میں جو اُس کے لیے مخصوص تھا ایک محراب کے نیچے کھڑا لاچی خاں سے مصروفِ سرگوشی تھا جس کو اُس نے فوراً ہی کمرے میں طلب کر لیا تھا۔ کنیزیں اور چوب دار ہٹا دیے گئے تھے۔ اُنہیں حکم تھا وہ اطلاع کے بغیر اندر نہ آئیں۔

لاچی خاں کا خیال تھا اگرچہ اُمرائے سلطنت سے ملاقات کے وقت چند ناخوشگوار باتیں ضرور ہوئیں پھر بھی تمام مرحلے بخیر و خوبی طے پا گئے۔ اب صفدر نگر کا تخت اس کے قدموں کا منتظر ہے۔

"مگر ملکہ جہاں سے مل کر میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا ہوں۔"

شمشیر کے چہرے پر واقعی اضطراب کے سائے منعکس ہو رہے تھے۔

لاچی خاں نے حیرت پاش نگاہوں سے سردار کے چہرے کی اس تبدیلی کو دیکھا اور پوچھا۔ "خیریت باشد ـــــ کہیں ملکہ جہاں کو شبہ تو نہیں ہو گیا؟"

"تُو نے مجھے اُن کی حاضری کے آداب کے متعلق کچھ نہ بتایا تھا۔ جب ملکہ نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا میں نے اُسے تھام کر ازراہِ عقیدت گھٹنوں کے بَل جُھک گیا حالاں کہ مجھے وہ ہاتھ چُوم لینا چاہیئے تھا۔"

اس انکشاف پر لاچی خاں کے چہرے کا رنگ بھی بدلنے لگا شمشیر کہہ رہا تھا۔

"سب سے پہلے ملکہ جہاں نے میری آواز پر اعتراض کیا اور پوچھا۔ تیری آواز کو کیا ہو گیا۔ میں تو گھبرا ہی گیا تھا لیکن عین وقت پر آب و ہوا کی تبدیلی، بیماری اور گلے کی خرابی کا بہانہ سُوجھ گیا اور بات ٹل گئی....."

"پھر تو واقعی بڑی خیریت گذری ہے۔"

"لاچی خاں ـــــ! میں نے محسوس کیا ہے ملکہ جہاں اپنے بیٹے کو دیوانہ وار چاہتی ہے۔ اگر کسی وقت اُسے معلوم ہو گیا میں خرم نہیں بلکہ اس کا ہم شکل شمشیر ٹھاکو ہوں اور خرم میرے ہی ہاتھوں سانگا جنگل میں موت کے گھاٹ اتر چکا ہے تو جانتا ہے کیا ہو گا ملکہ جہاں شدتِ غم سے تڑپ کر گرے گی اور مجھے منحوس بدُعا دے کر دُنیا سے رخصت ہو جائے گی۔ جب سے میں اسے ملا ہوں نجانے کیوں بار بار مجھے یہی محسوس ہو رہا ہے جیسے خُرم کی رُوح میرے پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے اور ایک روز وہ چپکے سے ملکہ جہاں پر میری حقیقت واضح کر دے گی۔"

لاچی کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ شمشیر کے جذبات کو سمجھنے سے انکار کرتا یا انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

"سردار ـــــ! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ بھلا ایسی بیکار باتیں سوچنے سے کیا حاصل ـــــ آپ کو خوش ہونا چاہیئے صرف شہزادہ خرم اور اُس کے گنتی کے دس گیارہ محافظوں کو قتل کر کے آپ صفدر نگر کے بادشاہ بن گئے ورنہ تخت و تاج کی خاطر تو لہو کی ندیاں بہہ جایا کرتی ہیں۔"

"تُو نہیں جانتا لاچی خاں ـــــ! صفدر نگر میں آنے تک مجھے اس بات کا وہم و خیال بھی نہیں تھا کہ میں خُرم کا قاتل ہوں لیکن ملکہ جہاں کی ملاقات کے بعد نجانے

اچانک یہ خیال کہاں سے میرے ذہن میں گھس آیا کہ شہزادہ کی رُوح میرا پیچھا کر رہی ہے۔ میں نے اس تصور سے نجات حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔"

لاچی خاں نے بڑی بے پروائی سے پُوچھا۔

"کیا میں اس سردار شمشیر سے گفتگو کر رہا ہوں جس نے بیسیوں قتل کیے اور لاشوں کو روندتا گزر گیا۔ آج وہ ایک شہزادہ کے قتل پر پریشان اور پشیمان ہو رہا ہے۔"

"تجھے معلوم ہے آج تک میری تلوار انہی لوگوں کے سر قلم کرتی رہی جو مال و دولت کے نشہ میں فرعون بن گئے تھے۔ مجھے ان کے قتل پر ذرا بھی افسوس نہیں تھا نہ میں اُن کی رُوحوں سے خوف زدہ ہوں۔ بُرے لوگوں کی روحیں شمشیر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں لیکن ملکہ جہاں کی محبت کو دیکھ کر مجھے خُرم کی رُوح کا خیال بُری طرح پریشان کر رہا ہے۔"

لاچی خاں عجیب سے احساسات میں کھو گیا مگر ایک لمحہ سوچ کر اس نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔

"سردار ـــــ! روحیں صرف ویرانوں اور بیابانوں میں بھٹکتی ہیں۔ شہروں میں نہیں آتیں۔ اگر شہزادہ خُرم کی رُوح پریشان بھی ہوئی تو سانگا جنگل سے باہر نہ نکل سکے گی۔ کہتے ہیں روحیں عموماً اُنہی مقامات پر پھرتی ہیں جہاں ان کے جسم دفن کیے جاتے یا جلائے جاتے ہیں۔ اس لیے آپ کو پریشان نہ ہونا چاہیئے۔"

لاچی خاں کی یہ دلیل سُن کر شمشیر کسی قدر مطمئن نظر آنے لگا۔ اگر ایک ظالم اور سفاک لٹیرا تھا لیکن پرلے درجے کا ضعیف الاعتقاد بھی، بچپن ہی سے اُس کے ذہن پر توہمات کے سائے لرزنے لگے تھے۔ کیونکہ اس نے بد رُوحوں کے بارے میں کئی عجیب کہانیاں سُنی تھیں مگر لاچی خاں نے اس کے ذہن کو دوسری طرف لگا دیا۔

"آپ کو جلد از جلد حکومت پر قبضہ کر کے اپنے آدمیوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دینا چاہیئے پھر شہزادہ خرم کی رُوح بھی آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔"

"خود ملکہ جہاں اور وزیرِ سلطنت شبانی خاں بھی یہی چاہتے ہیں میں کاروبارِ سلطنت فوراً سنبھال لوں لیکن جب تک مجھے حکومت کے اختیارات نہیں مِل جاتے میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"سُنا تھا، تاجپوشی کی تقریب پر ملکہ جہاں آپ کو اختیارات سونپ دیں گی۔"

"وہ چار دن میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا" شمشیر نے کہا۔ "فی الحال میں سپہ سالار رستم خاں کو حکم بھیج دوں گا۔ تیمور میرے محافظ دستے کا سالار رہے گا اور تُو میرے مشیر کی حیثیت سے کام کرے گا۔ تجھے محل میں رہ کر میری حفاظت کرنا ہو گی۔ ملکہ جہاں سے کہہ کر میں تیری رہائش کا انتظام بھی کر دوں گا"

پھر اس نے لاچی خاں کو ضروری ہدایات کے ساتھ رخصت کر دیا اور تاکید کی کہ تیمور اپنے آدمیوں پر کڑی نظر رکھے۔ اُنہیں بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا۔ کہیں اُن کے مُنہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو راز فاش کر دے۔ اگر کسی سے ایسی غلطی سرزد ہوئی تو زندہ نہ رہے گا۔

اس کے جانے کے بعد شمشیر بے قراری سے قالین پر ٹہلتا رہا۔ دھیان بار بار ملکہ جہاں کی طرف پلٹ جاتا اور اُس کی صُورت کا تصور آتے ہی بدن میں جھرجھری سی پیدا ہو جاتی۔ وہ شہزادہ خرم کی ماں تھی جو اپنے بیٹے سے والہانہ پیار کرتی۔ یہی ممتا شمشیر کے کلیجے کی پھانس بن گئی تھی۔ جب وہ سوچتا میں ملکہ جہاں کا بیٹا نہیں بلکہ اس کا قاتل اور خُرم کے روپ میں ایک ماں کی ممتا کو فریب دے رہا ہوں، دِل و دماغ میں پُر اسرار دھماکے سے ہونے لگتے۔

"کچھ بھی ہو، اب تو میں شہزادہ خُرم کی جگہ حاصل کر چکا مجھے خُرم بن کر جینا ہو گا میرا فریب ہی ایک ماں کی ممتا کو سکون بخش سکتا ہے۔ میں اُسے معلوم نہ ہونے دوں گا کہ خرم مر چکا ہے ....."

یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک کنیزِ خاص دلآرام بگولے کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور کورنش ادا کر کے بولی۔

"بغیر اجازت آنے کی معافی چاہتی ہوں حضور ——— ! دراصل یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ ملکہ جہاں شہزادۂ عالی کے کمرے میں تشریف لا رہی ہیں"

شمشیر نے فوراً سنبھل کر پوچھا۔

"امی حضور ہمارے کمرے میں تشریف لا رہی ہیں ——— کیوں ——— ؟"

"کنیز کچھ نہیں جانتی مگر وہ برہم معلوم ہوتی ہیں"۔

ملکہ جہاں کی برہمی کا ذکر سُن کر شمشیر کے ہوش اُڑ گئے اور سوچنے لگا کہیں کسی کنیز نے چُھپ کر لاچی خاں سے اُس کی گفتگو تو نہیں سُن لی۔ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ملکہ جہاں شاہی

وقار سے چلتی کمرے میں داخل ہوئی اور دروازہ کے قریب ہی رُک کر دلآرام سے مخاطب ہوئی۔ "دلآرام ——— ! تخلیہ ——— "

کنیز بجلی کے کوندے کی طرح لپکتی جھپکتی کمرے سے نکل گئی تو ملکہ جہاں تیوری چڑھائے آنکھوں میں غصّہ کی چنگاریاں لیے شمشیر کی طرف بڑھی۔

"خُرم ——— میں صرف یہ پوچھنے آئی ہوں کیا تُو میری حاضری کے آداب کے ساتھ اپنے خاندان کے دستور اور اخلاق بھی پہاڑی قلعہ میں بھول آیا ہے"؟

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا امی حضور ——— !"

"تو اخلاق کا مطلب نہیں سمجھا یا اتنا خُود سر ہو گیا ہے کہ صفدر نگر آنے کے بعد تجھے شہزادی گلبانو سے ملنا بھی گوارا نہیں ہُوا ——— "

شمشیر نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑ رہی تھیں۔ ملکہ جہاں بدستور خفگی کے لہجے میں بولی۔

"وہ تیرے مرحوم چچا شہریار کی لڑکی اور تیری منگیتر ہے۔ بچاری پانچ برس تک تیری راہ دیکھتی رہی۔ آج صبح سے اپنے کمرے میں سراپا انتظار بنی بیٹھی ہے۔ ہمارے خاندان کا یہی دستور ہے جب کوئی سفر سے آئے حسب مراتب سب سے باری باری ملے۔ میں نے تجھے اسی لیے جلد رخصت کر دیا تھا کہ میرے بعد تو سیدھا گلبانو سے ملنے جائے گا۔ تجھے محل میں آئے ایک پہر ہو چکا اور مجھے ابھی ابھی معلوم ہُوا ہے تو گلبانو سے ملنے نہیں گیا۔ تجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے میں تیری ماں ہی نہیں سلطنت کی ملکہ بھی ہوں اور اپنے خاندانی دستور کی حفاظت کرنا میرے فرائض میں شامل ہے"۔

شمشیر کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔ شاہی محل میں اُس کی کوئی منگیتر بھی ہو گی اِس بارے میں نہ تو لاچی خاں نے کچھ بتایا تھا نہ کسی دوسرے ذریعے سے شہزادی گلبانو کے بارے میں کچھ علم ہو سکا۔ ملکہ جہاں نے اپنی ملاقات کے دوران اگرچہ اشارہ کیا مگر شمشیر سمجھا وہ کوئی کنیز ہو گی جو اس کے کمرہ کی دیکھ بھال کرتی اور اس کے آرام کا دھیان رکھتی ہو گی۔ مگر اب اس پر ایسا لرزہ خیز انکشاف ہُوا جس نے رُوح میں زلزلہ سا ڈال دیا۔ چہرے پر بیک وقت تاسف و پشیمانی کے سائے کانپنے لگے۔ اُسے ملکہ جہاں کے تصور ہی سے خوف آنے لگا تھا لیکن اس وقت وہ خفگی و برہمی کا پیکر بنی شمشیر کے سامنے کھڑی تھی اور یوں محسوس کر رہا تھا جیسے کرے

کا فرش اُس کے قدموں کے نیچے تیزی سے گردش کر رہا ہو۔

وہ گھبراہٹ سے زیادہ بوکھلاہٹ کے عالم میں بولا۔

"امی حضور ——! آپ پریشان نہ ہوں۔ مَیں ابھی شہزادی گلبانو سے ملنے جاؤں گا۔ دراصل سفر کی وجہ سے میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ سوچا ذرا آرام کر لوں تو اطمینان سے ملاقات کر سکوں گا۔"

"طبیعت خراب ہوگئی ——"

ملکہ جہاں کا ہاتھ فوراً شمشیر کے ماتھے پر رینگ گیا۔ سفر اگرچہ اُس کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ کئی کئی روز گھوڑے کی پُشت پر گزار دیتا اور شکاری چیتے کی طرح گھومتا رہتا تھا لیکن تخت و تاج کے تصوّر، نئی زندگی، نئے فرائض اور ان سب سے بڑھ کر ایک بوڑھی اور رحیم و کریم ماں کی تڑپتی ہوئی ممتا کے خیال نے اس کے قلب و ذہن میں عجیب سے احساس کی بجلیاں دوڑا دی تھیں اور نئی پریشانیوں نے اس کی نبضوں کا لہو گرم کر دیا تھا۔ ملکہ جہاں کا ٹھنڈا اور بوڑھا ہاتھ اس کی گرم پیشانی پر پڑا تو بوڑھی ماں بیٹے کی ناساز طبیعت کے خیال سے تڑپ اُٹھی اور ایک دم چلّا کر بولی۔

"ہائے اللہ —— تیرا ماتھا تپ رہا ہے۔ تُو نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔"

پھر ملکہ جہاں تیزی کے ساتھ دروازہ کی طرف مڑی اور بلند آواز میں بولی۔

"دلارام! غنچہ! شگوفہ!"

ایک لمحہ کے اندر تینوں کنیزیں بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں اور گردنیں خم کر کے کھڑی ہوگئیں۔

"دلارام —— شہزادۂ عالی کی طبیعت ناساز ہے فوراً حکیم شفائی کو حاضری کا حکم دو۔"

دلارام آندھی کے جھونکے کی مانند رخصت ہوگئی اور ملکہ جہاں دوسری کنیزوں سے مخاطب ہوئی۔

"غنچہ! تُو مسہری کی چادر ٹھیک کر دے۔ شہزادۂ عالی آرام کریں گے اور شگوفہ! تو شہزادی گلبانو کو خبر کر دے۔ خرّم ابھی اُس سے ملنے نہیں آ سکتا۔ اس کی طبیعت اچانک ناساز ہوگئی ہے۔"

شمشیر نے حیرت و پریشانی سے ملکہ جہاں کی طرف دیکھا جو اس کی ناسازئ طبع کے ساتھ ہی اپنی تمام خفگی اور برہمی بھول کر اس وقت تصویرِ اضطراب بنی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارہ سے شگوفہ کو رُکنے کا حکم دیا اور ملکہ جہاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"امی حضور —— ! آپ خواہ مخواہ پریشان ہوگئیں۔ میری طبیعت اتنی خراب نہیں کہ مسہری پر لیٹ جاؤں اور حکیم صاحب میری نبض دیکھ کر نسخے لکھنے بیٹھ جائیں۔ بس سفر کی تھکاوٹ سے بدن ذرا گرم ہوگیا ہے۔ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے پہاڑ سے منقدر نگر آنے اور آب و ہوا تبدیل ہونے سے تو پھر بیمار ہو جائے۔"

ملکہ جہاں کا لہجہ فکر مندانہ تھا —— "تُو نے خود ہی بتایا ہے پہاڑی قلعہ میں جاتے ہی تیرا گلا خراب ہوگیا اور کئی ماہ بیمار پڑا رہا۔ اس بیماری نے تیری آواز بدل دی۔ ڈرتی ہوں نئی بیماری کہیں تیری صورت نہ بدل دے۔ آب و ہوا کی تبدیلی بعض اوقات تکلیف دہ ہوتی ہے ——"

"آپ تو وہم میں مبتلا ہوگئی ہیں، مَیں بھلا چنگا ہوں۔"

"نہیں —— جب تک حکیم شفائی آ کر تجھے دیکھ نہ لے گا۔ مَیں مطمئن نہیں ہو سکتی۔"

پھر اس نے شمشیر کا گرم گرم ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے مسہری کی طرف کھینچنے لگی۔

"تجھے بستر پر آرام کرنا چاہیے۔"

"مَیں آرام کر چکا ہوں۔ پہلے سے میری طبیعت ٹھیک ہے۔ مجھے شہزادی گلبانو سے ملاقات کرنے جانا ہے، بیچاری منتظر ہوگی۔"

"حکیم شفائی کے آنے سے پہلے تو کہیں نہیں جا سکتا۔"

پھر اچانک اس کی نظر کنیز شگوفہ پر جا پڑی جو دروازہ کے پاس ہی سر جھکائے کھڑی تھی۔

"شگوفہ! تو ابھی تک یہیں ہے۔ مَیں نے کہا تھا جا کر گلبانو کو خبر کر دے شہزادۂ عالی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔"

"شگوفہ کو مَیں نے روک لیا ہے امی حضور!"

"کیوں؟"

"گھلا تو میری بیماری کاٹنے گی تو خواہ مخواہ پریشان ہوگی۔ شگوفہ کے ساتھ میں خود ہی اس کے کمرے میں جاؤں گا۔"

اُسی وقت ملازم شاہی طبیب حکیم شفائی کی حاضری کا پیغام لے کر داخل ہوئی ملکہ جہاں نے فوراً حکیم کو اندر بُلا لیا۔ اُس نے آتے ہی کورنش ادا کی۔ شمشیر کو یاد آیا۔ ایک پہر قبل اس نے بوڑھے حکیم کو شہر پناہ کے قریب سلطنت کے ان امراء و مصاحبین میں کھڑا دیکھا تھا جو اُس کے استقبال کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ملکہ جہاں بوڑھے حکیم سے مخاطب ہوئی۔

"حکیم صاحب! آب و ہوا کی تبدیلی سے شہزادہ کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے ذرا دیکھئے کہیں بیماری کا خطرہ تو نہیں۔"

حکیم شفائی گردن ہلاتا آگے بڑھا۔ شمشیر سہری کے قریب ہی ایک مُرصع چوبی کُرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ بوڑھے نے کھُردرے ہاتھ بڑھایا۔

"شہزادۂ عالی ذرا اپنی نبض دکھائیے۔"

پھر بوڑھے کی اُنگلیاں شمشیر کی کلائی پر جم گئیں۔ چند لمحے ساکت و صامت کھڑا نبض کی رفتار گِنتا رہا جو اس کی بوڑھی اُنگلیوں کے نیچے مچھلی کی مانند تڑپ رہی تھی۔ کمرے میں سناٹا طاری تھا۔ اچانک حکیم کی کپکپاتی آواز نے سکوت کی مہر توڑ دی۔

"ملکہ حضور ——! اس سفر نے شہزادۂ عالی کے دشمنوں پر بُرا اثر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ حضور کے دل و دماغ کسی خلافِ معمول حادثہ سے بے چین اور پریشان ہیں۔ نبض کی رفتار قلبی اضطراب کا پتہ دیتی ہے . . . . !"

حکیم شفائی کے الفاظ سُن کر شمشیر کا مضبوط و بے رحم دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ اُسی لمحے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔

"خلافِ معمول حادثہ"۔ ملکہ جہاں زیادہ پریشان نظر آنے لگی۔ "خُرم ——! تجھے سفر میں تو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا؟"

"نہیں . . . . . امی حضور ——! بالکل نہیں۔"

شمشیر تصور کی نظروں سے اس وقت وہ خوفناک منظر دیکھ رہا تھا جب سانگا جنگل میں اس کے مسلح ڈاکوؤں نے شہزادۂ خُرم کے قافلہ کو گھیر لیا تھا اس کے چاروں طرف

نیزوں کے پھل اور برچھوں کے دھارے چمک رہے تھے پھر اندھیرے میں اُسے زخمی شہزادہ کا ہیولیٰ نظر آیا جو گھوڑے کو ایڑ لگا کر حملہ آوروں کے سروں کو پھلانگتا موت کا گھیرا توڑ کر نکل گیا تھا لیکن موت سائے کی طرح اس کے ساتھ ہی ساتھ لپکی تھی۔ حویلی میں اُسے شہزادہ خُرم کی شاہی کلاہ اور مرصع تلوار پیش کی گئی۔ بے سوار کا خون آلود گھوڑا دکھایا اور یقین دلایا گیا۔ صفدر نگر کے ولی عہد اور ہونے والے بادشاہ خُرم کی لاش سانگا ندی میں غرق ہو گئی ہے۔ تصور کی اس بے رحم شعبدہ کاری نے بے رحم و سفاک ڈاکو کے دل پر حیرت انگیز اثر ڈالا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ جس تصور —— جس خیال سے بچنا چاہتا تھا وہی ذہن کے گرد خون آشام یادوں کا ایک جال سا بنتا جا رہا تھا اور شمشیر رہائی کی کوشش کے باوجود اُس کے پُرپیچ حلقوں میں اسیر ہوا جاتا تھا۔

ملکہ جہاں نے اُس کے چہرے پر بدلتے ہوئے آثار دیکھے۔ پیشانی پر نمودار ہونے والے عرقِ ندامت کے ننھے مُنّے قطروں پر نگاہ ڈالی۔ شمشیر کے روحانی اضطراب کا جائزہ لیا جس سے وہ دوچار تھا اور گھبرا کر بولی۔

"خُرم ——! معلوم ہوتا ہے تو کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

اس فقرے پر شمشیر قریباً اُچھل سا گیا۔

"نہیں تو امی حضور ——!"

"پھر یہ گھبراہٹ —— یہ پریشانی کیوں۔ یاد رکھ! تو میرے تجربے کی دانائی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ حکیم صاحب غلط نہیں کہتے۔ ضرور سفر میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ جس نے تیری طبیعت پر بُرا اثر ڈالا۔ اگر تو نہیں بتاتا تو مَیں اسی وقت تیرے محافظ دستہ کے سالار کو بُلا کر پوچھے لیتی ہوں ——"

اس کے ساتھ ہی ملکہ جہاں کنیز خاص ملازم کی طرف مُڑی اور ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ شمشیر نے آگے بڑھ کر ملکہ کا ہاتھ تھام لیا اور کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔

"امی حضور ——! مَیں یقین دلاتا ہوں مجھے کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ بس واپسی پر سانگا جنگل کا سفر ذرا مشکل سے کٹا تھا . . . . ."

"سانگا جنگل ——؟" حیرت و استعجاب سے ملکہ جہاں کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔ "مگر تو نے سانگا جنگل کا راستہ کیوں اختیار کیا۔ پہاڑی قلعہ کا راستہ تو سرو ہی جھیل

سے سیدھا پڑتا ہے۔"

"ہمارا راہبر غلطی سے سانگا جنگل کی طرف ہولیا تھا۔"

"میں نے سنا ہے سانگا جنگل کو آج کل شمشیر ڈاکو نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے کہیں جنگل میں ڈاکو سے تو مڈبھیڑ نہیں ہوگئی تھی؟"

ملکہ جہاں کی زبان سے اپنا نام سن کر شمشیر کے ہوش و حواس پر بجلی سی گری۔ دماغ سنسنا کر رہ گیا اور دل کی دھڑکن لوہار کی دھونکنی کی طرح تیز ہوگئی۔ اس اچانک —— غیر متوقع اور قطعی خلافِ اُمید ذکر نے شمشیر کو گویا کوئلوں کی دہکتی بھٹی میں جھونک دیا اور جسم کا ہر عضو جل اُٹھا۔ خوفزدہ اور بدحواس آدمی کی طرح جس پر خطرناک سانپ نے بے خبری میں یکایک حملہ کر دیا ہو۔ تڑپ کر مسہری کی طرف پلٹا اور ملکہ جہاں کے ساتھ حکیم شفائی اور کنیزیں بھی اس اچانک تبدیلی پر دم بخود رہ گئیں۔

ضمیر کی خلش اور اندھی تقلید نے کس نازک موقع پر وار کیا تھا۔ شمشیر کو یوں محسوس ہوا جیسے واقعی شہزادہ خرم کی روح سانگا جنگل کے اندھیروں سے نکل کر صندر نگر میں داخل ہوچکی اور شاہی محل کی مضبوط فصیل میں سیندھ لگا کر چوروں کی مانند گھس آئی ہے۔ اس وقت وہ اپنا مجرم چہرہ چھپانا چاہتا تھا جسے قدرت کا ہاتھ شاید بے نقاب کرنے پر تُل گیا تھا۔

شمشیر کی اس اضطراری حرکت اور مجرمانہ کیفیت کو دیکھ کر ملکہ جہاں حیران و ششدر سی اس کی طرف بڑھی۔ دم بدم بدلتی ہوئی رفتارِ خون اور پسینے سے شمشیر کا بدن ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ جب ملکہ جہاں نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور چہرے پر پسینے کی نمی دیکھی گھبرا کے رہ گئی۔

"خرم —— ! یہ کیا ہوگیا تجھے؟"

ملکہ جہاں کا رندھا ہوا لہجہ تند و تیز آرے کی طرح شمشیر کا دل چیرتا ہوا نکل گیا۔ جی میں آئی ملکہ جہاں کے قدموں پر سر رکھ دے اپنے جرم کا اقرار کرے اور کہہ دے وہ اُس کا بیٹا نہیں بلکہ وہی بے رحم سنگدل اور لعنتی ڈاکو شمشیر ہے جس نے سانگا جنگل میں شہزادہ خرم کی زندگی چھین کر اُسے موت کے اندھیروں میں گم کر دیا اب اُس وقت تک اس کی روح کو سکون میسر نہ ہوگا جب تک ملکہ جہاں اس کا جرم معاف نہیں کر دیتی۔ وہ اُس منحوس بددعا کو روک دینا چاہتا تھا جو بیٹے کی لرزہ خیز موت کا ذکر سُن کر ماں کے بوڑھے ہونٹوں پر تھرتھرانے

[…]الی تھی مگر اچانک خیال آیا۔ ملکہ اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی اور قدرت […]نے اس کی صورت کو شہزادہ خرم کی جو شباہت بخشی ہے وہ اس کے قریب کا شکار ہوچکی […]ے۔ اب وہ اپنے جرم کی تلافی اسی طرح کر سکتا ہے کہ خود کو شہزادہ خرم ظاہر کرے اور بوڑھی […]کی اندھی ممتا کا سہارا بنا رہے۔

ملکہ جہاں نے ایک جھٹکے سے شمشیر کو اپنی طرف موڑ لیا۔

"خرم —— ! خرم —— ! خدا کے لیے اپنی بوڑھی ماں کو کسی امتحان میں نہ ڈال […]تجھے کچھ ہو گیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ تیرے دل کا اضطراب بجلی بن کر مجھے پھونک دے […]۔ بولتا کیوں نہیں۔ بتاتا کیوں نہیں تجھے کیا واقعہ پیش آیا۔ میری روح کا بوجھ ہلکا کر دے بیٹے!"

ملکہ جہاں کے دُکھ بھرے الفاظ سن کر شمشیر کا پتھر دل پگھل گیا۔ غیر اختیاری، غیر ارادی […]طور سے اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"ماں ..... !"

اور ملکہ جہاں نے وفورِ محبت میں اُسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

"میرے بچے! ڈرتا کیوں ہے، ماں تیری سب بلائیں اپنے سر پر اُٹھا لے گی۔ […]ب بتا تو سہی تجھے کیا ہوا کس نے تجھے تکلیف دی۔ اگر شمشیر ڈاکو نے تیرا راستہ کاٹا اور تجھے […]ئی دُکھ پہنچایا ہے تو کل ہی صندر نگر کی فوج سانگا جنگل کو گھیر لے گی اور وہ سفاک ڈاکو تیرے […]حضور پابہ زنجیر کھڑا ہوگا ....."

شمشیر نے جلدی سے اپنا ہاتھ ملکہ جہاں کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ وہ ڈرتا تھا اس […]ی زبان سے شمشیر ڈاکو کے حق میں کوئی ایسی بددعا نہ نکل جائے جس کی پاداش میں اُسے ساری […]ایڑیاں رگڑنا اور سسک سسک کر مرنا پڑے۔ سنبھلی ہوئی آواز میں بتانے لگا۔

"امی حضور —— ! آپ ناحق پریشان ہو رہی ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی حادثہ […]پیش نہیں آیا کہ سانگا جنگل میں اچانک شمشیر سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ وہ لٹیرا یہ سمجھ بیٹھا میں […]گرفتار کرنے آیا ہوں ....."

شمشیر رُک کر سوچنے لگا۔ وہ ڈاکوؤں کے متعلق کون سی کہانی بیان کرے جس […]یقین کر لیا جائے ملکہ جہاں اُسے رُکتے دیکھ کر بولی۔

"پھر کیا ہوا؟"

"ہوتا گیا ——— اُس نے کہا ہے آئندہ امن کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر اُسے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو صفدر نگر میں تباہی پھیلا دے گا۔ اس دھمکی کو سن کر میں نے تلوار کھینچ لی اور ہمارے درمیان لڑائی ٹھن گئی۔ ڈاکو زیادہ تھے اور ہم تھوڑے۔ اس کے باوجود میرے ساتھی اتنی بہادری سے لڑے کہ شمشیر بھاگ اُٹھا اور اپنے لٹیروں کے ساتھ جنگل میں روپوش ہو گیا۔ میرا خیال ہے اب وہ کبھی سر اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

یہ سُن کر ملکہ جہاں نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔

"تو اِس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی کون سی بات تھی تو نے آتے ہی کیوں نہ بتا دیا ———"

"مَیں نے سوچا شاید اپنے بیٹے کی یہ جرأت آپ کو پسند نہ آئے۔"

"خُرم بیٹے ——— ! تُو نے کسی بزدل ماں کا دُودھ نہیں پیا۔ تیرا یہ کارنامہ تو میرے لیے باعثِ فخر ہے۔"

اِن الفاظ کے ساتھ ہی ملکہ جہاں نے شمشیر کی پیشانی چُوم لی اور حکیم شفائی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

حکیم صاحب ! خُرم شروع ہی سے میرا بہت اَدب کرتا اور مجھ سے ڈرتا ہے شاید اس کی رُوح پر یہی خوف مسلط تھا کہ شمشیر ڈاکو سے جھڑپ کا ذکر سن کر مَیں ناراض ہو جاؤں گی مگر اب یہ جوان ہو چکا اور اِسے خود سلطنت کا کاروبار سنبھالنا ہو گا۔ ماں سے اِتنا ڈرنا نہیں چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر خرم کے ذہن پر آب و ہوا کی تبدیلی کا اثر ہو تو کوئی دَوا دے دیجیے۔"

"اور تو کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ شہزادۂ عالی کے اعصاب پر صرف خوف کا اثر تھا۔ پھر بھی مَیں دَوا بھیج دوں گا۔ طبیعت کی کسلمندی دُور ہو جائے گی۔"

شمشیر اس دَوران میں نہ صرف اپنے منتشر حواس پر قابو پا چکا بلکہ ملکہ جہاں کی باتیں سُن کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اُس نے کہا۔

"امّی حضور ——— ! مَیں تو پہلے ہی کہتا تھا صرف سفر کے باعث طبیعت ذرا خراب ہے خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔"

"خدا کا شکر ہے ورنہ مَیں تیری حالت دیکھ کر ڈر گئی تھی۔"

ملکہ جہاں نے ایک بار پھر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا لیکن اب شمشیر کے خیالات اعتدال [پا] چکے اور خون کی وہ حدّت کم ہو گئی تھی جو شہزادہ خرم کے رُوح فرسا تصور سے بھڑک اُٹھی [تھ]ی۔ حکیم شفائی کو رخصت کرنے کے بعد ملکہ جہاں نے بتایا۔

[ٹھ]یک پانچ روز کے بعد جشن کا دربار منعقد ہو گا۔ جس میں وہ اپنے اُمرائے سلطنت [او]ر مصاحبینِ دربار سے تعارف حاصل کر سکے گا۔ اِس جشن کے ایک ماہ بعد جلوس تخت [ک]ی تقریب ہو گی۔ خاندانی دستور کے مطابق ہر بادشاہ اپنی ملکہ کے ساتھ تخت پر جلوہ [اف]روز ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے اس مُبارک تقریب سے پہلے اُس کی شادی کا [ف]رض ادا کر دیا جائے۔ شادی کے ذکر پر شمشیر پریشان سا ہو گیا۔

"امّی حضور ——— ! شادی کی اِتنی جلدی کیا ہے ؟"

"جلدی کیوں نہیں ——— سلطنت کے دستور و آئین کے مطابق بادشاہ کا شادی شُدہ ہونا ضروری ہے۔ رعایا کسی کنوارے شہزادے کو حکمران تسلیم نہیں کرتی۔"

ملکہ جہاں مسکرا کر کہنے لگی۔

"تیری دُلہن گھر میں موجود ہے۔ تو چھوٹا سا تھا جب عالی جاہ نے گلبانو سے [ت]یری منگنی کر دی اور اُس موقع پر صفدر نگر میں شادی کا سا ہنگامہ ہوا تھا۔ شادی پر تو [سا]رے شہر میں چراغاں ہو گا۔ مَیں چاہتی ہوں جلوس تخت نشینی سے ایک روز پہلے [ش]ادی کی رسم ادا ہو جائے تاکہ تو اپنی ملکہ کے ساتھ تخت پر بیٹھے۔"

شمشیر گردن جھکائے سنتا رہا۔ دِل میں ایک ہلچل سی بپا تھی۔ وہ سلطانہ کو کیا [ج]واب دے گا جس سے وعدہ کر آیا تھا کہ اسے صفدر نگر کی ملکہ بنائے گا ؛ مگر چہرے کے [تاث]رات سے اپنے دِل کی بے چینی کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر ملکہ جہاں یہی [س]مجھی شاید گلبانو سے ملنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ اس نے مسکراتی آواز میں کہا۔

"تو ابھی تک گلبانو سے ملنے نہیں گیا۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اس کا دل ٹوٹ جائے۔"

یہ کہہ کر ملکہ جہاں اٹھی اور شمشیر کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ اُس کے [جا]تے ہی وہ سر پکڑ کر کُرسی پر بیٹھ گیا۔ صفدر نگر کا تخت اُس کے لیے کانٹوں کی سیج [ب]نتا جا رہا تھا۔ سلطانہ اگرچہ اس کی باقاعدہ بیوی نہیں تھی لیکن حویلی میں وہ میاں بیوی کی طرح رہتے تھے۔ شمشیر نہ صرف اُسے چاہتا اور اپنی بیوی سمجھتا بلکہ وہ اس کے ہر راز میں

شریک تھی۔ اب اگر انس نے گلبانو کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا جو قانونی طور سے شہزادہ خرم کی منگیتر اور ہونے والی ملکہ تھی تو عین ممکن ہے حالات بگڑ جائیں اور اُسے شاہ مرحوم کا نافرمان قرار دیا جائے۔ اس انکار سے یقیناً ملکہ جہاں کو بھی صدمہ ہوگا۔ اگر وہ گلبانو سے شادی کرتا اور اُسے اپنی ملکہ قرار دیتا ہے تو سلطانہ کا بگڑ جانا لازمی امر ہے جو اس کی محرم راز اور ناراض ہو کر اُسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتی ہے شمشیر کی حالت عجیب تھی۔ "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" کا مضمون درپیش تھا، کرے تو کیا۔ اس وقت دو کشتیوں کا سوار تھا اور کسی ایک کو ترک کرنا ممکن نہ تھا۔

اس کا دماغ جھنجھلا کر رہ گیا جس حکومت کو راحتِ جاں سمجھ کر صفدر نگر میں آیا تھا وہ اس کے لیے وبالِ جان بنتی جا رہی تھی۔ اچانک پریشان سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ گلبانو سے ملاقات بہرطور ضروری تھی لیکن یہ بھی نہ جانتا تھا وہ کس قصر میں رہتی ہے اُسے کیسے مل سکتا ہے اس اندھیرے میں دلآرام روشنی کی ایک کرن بن کر چمکی۔ اسی کو طلب کیا اور بولا۔

"دلآرام ذرا ہمارے ساتھ شہزادی گلبانو کے قصر تک چلو۔"

کنیز نے گردن جھکا دی اور شمشیر کے ہمراہ قصرِ گلبانو کی طرف چل دی۔

منظر،

حسین دعوت

"قصرِ گلریز" ــــ شہزادی گلبانو کی قیام گاہ تھی۔ شہزادہ خرم کی آمد کی خوشی میں تمام شاہی محلات آراستہ و پیراستہ کیے گئے تھے مگر خرم شہزادی گلبانو کا منگیتر اور محبوب تھا اس لیے "قصرِ گلریز" کی آرائش و زیبائش دوسرے محلوں اور قصروں سے ممتاز تھی۔ اس قصر کی غلام گردشیں، ہلالی محرابیں اور مدور ستون جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا فردوسِ بریں کا کوئی خوب صورت محل ہے۔

"گلریز" کا عقبی دریچہ پائیں باغ میں کھلتا جس کے کنارے پر شاہی فوارہ تھا۔ ایک پہر پہلے جب وہ کنیزوں اور چوبداروں کی دو رویہ قطاروں کے درمیان اس فوارہ سے گزرا حسین گلبانو نے اسی دریچے سے اس کی ایک جھلک دیکھی اور خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔ اس کا خیال تھا ملکہ جہاں سے ملاقات کے بعد سیدھا اسی سے ملنے آئے گا۔ اس نے اپنی کنیز کو ہدایت کر دی تھی جونہی شہزادہ ملکہ جہاں کے کمرہ سے نکلے اُسے فوراً مطلع کر دیا جائے لیکن جب معلوم ہوا وہ ملکہ سے ملاقات کے بعد سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا ہے۔ اس کے دل پر ایک دھچکا سا لگا۔ اس کے باوجود وہ انتظار کرتی رہی، شاہی دستور اور خاندانی رواج کے مطابق شہزادہ کا فرض تھا اس سے ملنے آتا مگر انتظار کی گھڑیاں طویل

ہوتی چلی گئیں اور کنیزوں نے یہ اطلاع دی۔

"شہزادۂ عالی اپنے کمرۂ خاص میں معتمدِ خاص لاچی خاں سے باتیں کر رہے ہیں جو پہاڑی قلعہ سے اُن کے ساتھ آیا ہے۔ شہزادہ کا حکم ہے کوئی اندر نہ آئے۔"

یہ سنتے ہی شہزادی گلبانو کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کا یہ مطلب تھا شہزادہ خرم اُسے بھول چکا یا اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس سے ملنے آتا۔ کچھ عرصہ پہلے پہاڑی قلعہ سے خبر آئی تھی شہزادہ اپنے لیے ایک ایسی ملکہ چاہتا ہے جس سے وہ محبت کر سکے۔ اگرچہ گلبانو خرم سے والہانہ پیار کرتی تھی لیکن خرم کی طرف سے ایسی وارفتگی کا کبھی اظہار نہیں ہوا تھا اور گلبانو اس اذیت ناک خیال سے پہروں روتی رہی تھی۔ ملکہ جہاں نے اُسے سمجھایا وہ اُس کے بچپن کا ساتھی اور منگیتر بھی ہے۔ بھلا اُسے کیوں پسند نہیں کرے گا۔ اُس کی خاموشی یا تجاہل کو ناپسندیدگی سے تعبیر کرنا مناسب نہیں۔ چونکہ تعلیم و تربیت میں مصروف ہے فنونِ سپہ گری اور رموزِ سلطنت سیکھ رہا ہے اس لیے مصروفیت کے باعث اس کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ مگر تنہائی کے لمحوں میں اُسے ضرور یاد کرتا ہوگا۔ وہ گلبانو کے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتا۔

اس تسلی سے شہزادی کو کچھ ڈھارس ہوئی اور وہ اپنے محبوب کی سلامتی اور بخیریت واپسی کے لیے دعائیں کیا کرتی تھی لیکن پانچ برس کی طویل مدت کے بعد آج جب شہزادہ دارالحکومت میں لوٹ آیا اور گلبانو اُس سے ملنے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی وہ اپنے کمرۂ خاص میں بیٹھا لاچی خاں سے مصروفِ گفتگو تھا۔ یعنی اُس نے شہزادی گلبانو کو قابلِ توجہ نہ سمجھا تھا۔

یہ رُوح فرسا اور دل شکن احساس کہ شہزادہ کے نزدیک وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور وہ اُس پر لاچی خان کی ملاقات کو ترجیح دیتا ہے۔ نازک مزاج شہزادی کا محبت بھرا دل پاش پاش کر دینے کے لیے کافی تھا۔

آج اُس نے کتنے چاؤ سے سنگار کیا اور خرم کا پسندیدہ لباس زیب تن کیا تھا۔ مشاطہ کتنی محنت اور توجہ سے اس کی زلفیں اور کاکل سنوارتی رہی تھی کہ شہزادہ پہلی ہی نظر میں اسیرِ زلف ہو جائے اس نے اپنے شفاف گلابی عارضوں پر کتنی اُمنگوں سے غازہ ملا، لبوں پر سُرخی لگائی، آنکھوں کی کٹوریوں میں کاجل بھرا اور حسین و رنگین لباس پہنا تھا۔ جس

میں وہ بالکل کوہ قاف کی پری معلوم ہوتی تھی۔

ہار سنگھار کے بعد اُس نے آئینے میں اپنے حسن و شباب کا عکس دیکھا تو مطمئن تھی کہ خرم اُسے دیکھتے ہی دِل تھام کر رہ جائے گا لیکن اس کی تمام اُمنگیں عدم توجہی کی ایک ہی ضرب سے ٹوٹ کر چور چور ہو گئیں اور جب وہ ایک پہر گزرنے کے بعد بھی اس سے ملنے نہ آیا تو گلبانو سورج مکھی کے اُس پھول کی طرح مرجھا کر رہ گئی ہو جو آفتاب ڈھل جانے کے ساتھ ہی اپنی توانائی کھو دیتا ہے۔ مبہم انتظار کی رُوح شکن اذیت اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا رُوپ دھار کر بہہ نکلی اور وہی کاجل جو اُس نے اپنے محبوب کو مسحور کرنے کے لیے آنکھوں میں بھرا تھا اب اشکوں میں گھُل کر عارضوں پر بکھرنے لگا۔

گلبانو نے غصہ میں تمام کنیزوں کو رخصت کر دیا تھا تاکہ کوئی عورت اُس کی شکستِ محبت کا نظارہ نہ کر سکے۔ اُسے تڑپتے۔ جلتے۔ سُلگتے۔ پگھلتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

وہ کتنی لمحے غلام گردش کی محرابوں میں ستونوں سے لپٹ کر کھڑی رہی تھی کہ شاید اپنے محبوب کے آنے کی ایک جھلک دیکھ سکے لیکن جب اُس کی اُمید یاس میں بدل گئی اور یقین ہو گیا اب وہ نہیں آئے گا گلبانو آندھی کے آوارہ جھونکے کی طرح لڑکھڑاتی، ڈگمگاتی کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے چیختی آواز میں کنیزوں کو چلے جانے کا حکم دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ تنہائی میں خوب صورت لباس آتار پھینکا اور روزمرہ کے کپڑے پہن لیے پھر غمزدہ رُوح کی طرح بال نوچنے لگی اور مسہری پر اوندھے مُنہ لیٹ کر سسکیاں بھرتی رہی۔

اس نے اپنی آنکھوں سے محبت کی شکست دیکھ لی تھی۔ اب کسی کے سمجھانے اور تسلیاں دینے سے بھی کام نہ چل سکتا تھا۔ وہ جس محبوب کے لیے پانچ سال تک تڑپتی رہی اب اُس کے دل سے اُتر چکی تھی۔

شکستِ دِل کا یہ المناک حادثہ ایک ایسی لڑکی کے لیے معمولی نہ تھا۔ جس نے شاہی محل کی فضاؤں میں پرورش پائی اور جب سے ہوش سنبھالا صرف ایک ہی مرکز ایک ہی محور پر گھوم رہی تھی۔ جس کی تمنا، محبت، زندگی فردِ واحد سے وابستہ تھی جیسے چھوٹی عمر ہی سے ایک محبوب کے تصور کی تعلیم دی گئی تھی مگر وہی محبوب، وہی فردِ واحد، وہی محور و مرکز اُس سے گریزاں تھا۔

گلبانو دیر تک اپنی شکست و ناکامی پر آنسو بہاتی، روتی رہی، محبت کی ناکامی

ایک ایسا صدمہ ہے جسے کوئی عورت برداشت نہیں کر سکتی ۔ گلبانو کے ساتھ بھی یہی سانحہ پیش آیا تھا ۔ اس کی مثال اُس کونج سے مختلف نہ تھی جو اپنے محبوب کے انتظار میں سالوں فضا میں پرواز کرتی اور اُس کی راہ دیکھتی رہی لیکن طویل عرصہ بعد محبوب پردیس سے لوٹ کر آیا تو اُس کی طرف دیکھے بغیر گذر گیا ــــــ روتے روتے اس کی آنکھوں کے پپوٹے سُوج گئے اور آنسو آپ سے آپ خشک ہو گئے ۔

چند لمحے پہلے اُس نے آئینہ میں اپنا عکس دیکھا تو آنکھوں کا کاجل بہہ چکا ۔ عارضوں کا غازہ اُجڑ چکا اور ہونٹوں کی سُرخی قدرتی لالی میں تبدیل ہو چکی تھی ۔ اُس نے کپڑا لے کر چہرہ صاف کیا اور ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کسی کنیز کو بُلا کر ملکہ جہاں کے حضور جائے اور اپنی حالت دکھائے کہ اسی لمحے دلآرام لپکتی جھپکتی کمرہ میں داخل ہوئی اور اس نے اطلاع دی ۔

"شہزادی حضور ــــــ ! شہزادۂ عالی ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں"۔

دلآرام کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر گلبانو دنگ رہ گئی ۔ کنیز اس کی پریشانی کو دیکھ کر آپ سے آپ وضاحت کرنے لگی ۔

"سفر سے آتے ہی شہزادۂ عالی کی طبیعت اچانک ناساز ہو گئی تھی ۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے حکیم شفائی نے ان کی نبض دیکھی ۔ ملکہ جہاں تو بے حد پریشان ہو گئی تھیں ۔ اور انہوں نے شگوفہ کو حکم دیا تھا وہ آپ کو شہزادہ کی ناسازیٔ طبع کی خبر کر دے لیکن خود عالیجاہ نے اُسے روک لیا ۔ ان کا خیال تھا ، آپ اس ناشدنی اطلاع سے پریشان ہو جائیں گی ۔ وہ آپ کو پریشان نہ کرنا چاہتے تھے ۔

گلبانو حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ باتیں سُنتی رہی گویا اُس کے سب وسوسے سب اندیشے غلط تھے ۔ شہزادۂ عالی اُسے بھُولے نہ تھے ۔ وہ کتنی بیوقوف اور دیوانی ہے ۔ ان کی طبیعت کے بارے میں کچھ دریافت کیے بغیر جلتی اور سُلگتی رہی حالانکہ شہزادہ کو اُس کا اِتنا خیال تھا کہ اُسے ناسازیٔ طبع کی اطلاع سے بھی پریشان نہ کرنا چاہتا تھا ۔ اچانک گلبانو شاخِ بہار کی مانند کھِل اُٹھی ۔

آہ ــــــ عورت کی سیماب پا فطرت بھی کتنی جلدی رنگ بدلتی ہے ۔

"دلآرام ــــــ ! اب کیسی طبیعت ہے اُن کی ــــــ تُو نے مجھے پہلے کیوں نہ خبر کی ۔ مَیں خود اُن کی عیادت کے لیے روانہ ہوتی ــــــ"

"اب وہ ٹھیک ہیں"۔

اسی لمحے غلام گردش میں قدموں کی چاپ اُبھری اور دلآرام بولی "۔

"لیجئے ــــــ شہزادۂ عالی تشریف لے آئے"۔

"ہائے اللہ ــــــ ! وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گے ــــــ"

پھر اُسی حالت میں دروازے کی طرف لپکی ۔ اِس اثنا میں دلآرام نے زربفت کا پردہ [اُٹھ]ایا تھا ۔ شمشیر نرم قدموں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور گلبانو کی شکل میں حُسن و بہار کے [م]جسمہ کو دیکھ کر نقشِ حیرت بن گیا ۔

گلبانو نے جھک کر کورنش کی رسم ادا کی جو صرف شہزادی کے لیے مخصوص تھی ۔ اُسے [گ]ردن خم کر کے ہاتھ کو صرف ایک مرتبہ پیشانی تک لانا تھا جب کہ کنیزیں ۔ مصاحب اور [ام]را کے لیے ضروری تھا وہ کمر تک جھُک کر تین بار آداب بجا لائیں ۔ گلبانو نے اپنی لانبی صراحی [دا]ر گردن اُوپر اُٹھائی جس میں آویزاں ہار اُس نے تھوڑی دیر پہلے نوچ کر پھینک دیئے تھے [ت]و شمشیر حیران رہ گیا ۔ اس نے حسن و جمال کی ایسی مکمل تصویر آج تک نہ دیکھی تھی شمشیر کے [د]ل و دماغ پر ایک زلزلہ سا طاری ہو گیا اور وہ دل ہی دل میں اپنی قسمت پر رشک کرنے [ل]گا جس کی شادی ایک ایسی "شاخِ بہار" سے طے پا چکی تھی ۔

اُسے خاموش دیکھ کر (شمشیر کی یہ خاموشی دراصل اُس کے اُڑتے اور گم ہوتے [ہو]ئے ہوش کی دلیل تھی) گلبانو بولی ۔

"مجھے ابھی ابھی دلآرام نے خبر دی ہے ۔ آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی"۔

یہ کہہ کر اُس نے دلآرام کی طرف نظر اُٹھائی تو وہ کمرے سے جا چکی تھی ۔ ہوشیار کنیز [نے] اُن کی تنہائی میں مخل ہونا پسند نہ کیا تھا ۔

شمشیر کہنے لگا ۔

"بانو ــــــ ! ہم معذرت خواہ ہیں ، طبیعت کی اچانک خرابی کے باعث [ت]م سے ملنے نہ آسکے مگر ہمیں یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی ہے ۔ تم مسلسل ہمیں یاد کرتی رہی ہو"۔

یہ الفاظ جو بڑے محبت آفرین پیرایہ میں ادا کیے گئے دراصل آبِ حیات کے وہ [ق]طرے تھے جن کی رُوح نواز پھوار سے گلبانو جی اُٹھی اور اس کے دل میں محبت کا وہ سوتا آپ سے آپ اُبل پڑا جس پر تھوڑی دیر پہلے حوادث کا گرد و غبار جم گیا تھا ــــــ آہ ــــــ !

یہی وہ الفاظ تھے جنہیں سننے کے لیے وہ مدت سے تڑپ رہی تھی۔ اب اسے وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے اپنے محبوب کا شکریہ ادا کرتی۔

گلبانو کو خاموش دیکھ کر شمشیر پھر بولا۔

"کیا حُسن کی سرکار نے اپنے مجرم کو معاف نہیں کیا؟"

اُف —— وفورِ مسرت سے شہزادی گلبانو کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ خدایا وہ کیا کرے۔ اپنے محبوب کی ستائش کے لیے الفاظ کہاں سے لائے وہ تو آج اُس کے پنج سالہ دردِ فراق کا صلہ چکائے دے رہا تھا اور اُسے ایسے شیریں اور پیارے خطاب سے پکار رہا تھا جو اس کی محبت کا حاصل تھے —— "حُسن کی سرکار ——!"

ہائے —— یہی لقب تو اس کا سرمایۂ حیات ہے۔ اُس نے آج تک خُرم کی زبان سے ایسی بیباک گفتگو نہ سُنی تھی۔ حالاں کہ وہ آرزو کیا کرتی تھی وہ اُسے ایسے ہی حسین و رنگین القاب سے یاد کیا کرے لیکن خرم گفتگو میں بڑا محتاط واقع ہُوا تھا۔ اُس نے کبھی گلبانو کے حُسن کی تعریف نہ کی تھی۔ کبھی اُسے محبت آفریں اور شیریں الفاظ سے یاد نہ کیا تھا —— مگر آج —— آج اُس کی ایک دیرینہ تمنا، ایک حسین آرزو آپ سے آپ پُوری ہو رہی تھی اور اس کا محبوب اُسے "حُسن کی سرکار" کے نام سے یاد کر رہا تھا۔ کہیں وفورِ مسرت سے وہ پاگل نہ ہو جائے۔

"گلبانو —— ! ذرا اپنی حسین پیشانی کے خط کھول کر ہماری طرف نظر اُٹھاؤ ہم تمہارے جواب کے منتظر ہیں۔ کیا ہمیں معاف نہ کرو گی ——؟"

اب گلبانو میں تابِ ضبط باقی نہ رہی۔ آہستہ سے آگے بڑھی اور خلافِ توقع اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"میرے محبوب! —— میرے سرتاج! بار بار معافی کا ذکر کر کے آپ مجھے گناہ گار کیوں کرتے ہیں۔ بھلا میں آپ سے ناراضی کا تصور بھی کر سکتی ہوں؟"

جونہی گلبانو شمشیر کے قدموں میں گری وہ بوکھلا سا گیا۔ اُس نے فوراً شہزادی کو بازوؤں سے پکڑ کر اوپر اُٹھایا۔ وقت اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ حالات سفارش کر رہے تھے کہ وہ ایک نوجوان اور پیکرِ رعنائی شہزادی کے جذبات پر اپنی محبت کی ضرب لگائے۔ اس نے جرأت آمیز الفاظ میں کہا۔

"اگر تم ہم سے ناراض نہیں تو ہماری آمد پر تم نے لباس کیوں نہیں بدلا، بال کیوں نہیں سنوارے، تمہاری یہ جادوگر آنکھیں ظاہر کرتی ہیں تم روتی رہی ہو۔ کیا اپنے محبوب کی آمد پر آنسو بہائے جاتے ہیں ——؟"

فرطِ مسرت سے سچ مچ گلبانو کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں اور آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر عارضوں پر بہنے لگے۔ شمشیر حیرت زدہ رہ گیا اور گلبانو کہنے لگی۔

"آج مَیں اتنی خوش ہوں کہ اپنی خوشی آنکھوں میں ضبط نہیں کر سکی"۔

پھر اُس نے بتایا۔ تھوڑی دیر پہلے جب وہ اُس کی آمد سے مایوس ہو گئی تھی، تو اُس نے صدمہ کے مارے لباس اُتار پھینکا۔ بال نوچ لیے اور رو رو کر آنکھوں کا کاجل بہا دیا تھا۔ یہ خیال ہی اس کے لیے بڑا تکلیف دہ اور رُوح فرسا تھا کہ وہ صفدر نگر میں پہنچ کر بھی اُسے فراموش کر چکا اور ملنے نہیں آیا لیکن جب دلآرام کی زبانی اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ اس کے دشمنوں کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اپنی بے وقوفی اور جلدبازی پر بے حد ندامت ہوئی۔ اُسے چاہیے تھا۔ سب سے پہلے کسی کنیز کو بھیج کر حقیقتِ حال دریافت کرتی لیکن وہ خُرم سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اُس کی چھوٹی سی بے اعتنائی، معمولی سی بے رُخی بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

شمشیر نے جب گلبانو کی زبانی اپنے پیار کی داستان سُنی دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہُوا۔ دراصل شاہی محل میں داخلے سے پہلے اُسے کسی ایسی ہستی کے امکان پر بھی سوچ بچار کر لینا چاہیے تھا جو اُس کی شریکِ حیات بننے والی تھی لیکن وہ تو سلطانہ کے طلسم میں اس طرح اسیر ہو چکا تھا کہ اس مسئلہ پر سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کیونکہ جب وہ حویلی سے شہزادہ خُرم کا رُوپ دھار کر رخصت ہوا تو سلطانہ سے عہد و پیمان کر آیا تھا۔ اُسے چند روز میں شہر بلا لے گا اور صفدر نگر کی ملکہ بنائے گا لیکن اب شہزادی گلبانو کے حُسن و شباب نے اُس کے خیالوں پر ایک نیا طلسم پھونک دیا جس کے سامنے سلطانہ کا تصور دھواں بن کر اُڑنے لگا تھا۔

"بانو —— ! ہم تو پہاڑی قلعہ میں بھی تمہیں یاد کرتے رہے"۔ شمشیر نے شہزادی کو اپنے پیار کا یقین دلانا چاہا۔ "تمہارے بغیر ہمیں یہ سلطنت بھی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔"

"میں ڈرتی تھی کہیں آپ مجھے بھول نہ گئے ہوں۔"

"وہ دن ہماری زندگی کا آخری دن ہوگا جب تمہیں بھول جائیں گے۔"

"کیا میں اتنی خوش نصیب ہوں۔"

"محبت عورت کی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے بانو ——— !"

پھر وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"بعض عورتوں کے نصیب پر مقدر کے ستارے بھی فخر کرتے ہیں۔"

گلبانو اس کی باتیں سُن کر خوشی سے دیوانی ہوئی جاتی تھی۔ زندگی میں یہ پہلا دن تھا جب اُسے محبت کی معراج نصیب ہوئی۔ اس نے کپکپاتی، مرتعش آواز میں کہا۔

"آپ کی باتیں مجھے دیوانہ بنادیں گی۔"

"اور ہمیں دیکھو، کب سے تمہارے دیوانے ہوچکے ہیں۔"

شہزادی کے دل میں مہتابیاں سی چل رہی تھیں۔ آج اُس کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وفورِ انبساط میں لہراتی ہوئی دروازے کے قریب آئی پھر اُس نے دلآرام کو آواز دی اور اُس کے کان میں کچھ پھونک کر مسکراتی ہوئی لوٹ آئی۔

شمشیر ابھی تک کھڑا تھا۔ شہزادی ایک مخملیں کرسی کی طرف اشارہ کرتی بولی۔

"کیا تشریف نہ رکھیے گا ——— آپ کھڑے کھڑے تھک جائیں گے۔"

"شہزادی! ——— محبت کا وہ لمحہ جو تمہارے حضور کھڑے کھڑے گذر جائے عمرِ جاوداں سے زیادہ قیمتی ہے۔"

گلبانو نے ایسی ستائش پہلے کب سُنی تھی۔ دیوانی سی ہوگئی۔

"آپ مجھے گناہگار کیے دیتے ہیں۔"

پھر شہزادی کے اصرار پر شمشیر کو بیٹھنا ہی پڑا۔ دراصل خود حُسن کی قربت سے شادکام ہونا چاہتا تھا۔ اسی لمحے گلبانو کی دو کنیزیں سیمیں طشتریاں اُٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں جن میں صراحی، دو پیمانے اور قسم قسم کے فواکہات موجود تھے۔ کنیزوں نے سامانِ دعوت شمشیر کے سامنے میز پر سجادیا اور خود جادو کی پُتلیوں کی مانند چُپ چاپ کمرے سے نکل گئیں۔ شہزادی نے پیمانوں میں دارو انڈیلا اور ایک پیمانہ شمشیر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"میری خاطر۔"

شمشیر نے مسکرا کر پیمانہ اُٹھالیا اور اچانک اس کی نگاہیں ایک ہوشربا نظارہ میں اُلجھ کر رہ گئیں۔ شہزادی کی فرمائش پر حسین دلآرام ایک چھوٹی سی خنجری تھرتھراتی رقص کے زاویے بناتی کمرے میں داخل ہوچکی تھی۔ اس نے طالب و مطلوب کے سامنے رقص کا بھاؤ کاٹ کر ایک دلکش، دلاویز نغمہ چھیڑ دیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔

یہ دعوت حسیں ہے
یہ محفل جواں ہے
نہ پینے سے انکار کرنا
کرم آج سرکار کرنا

شمشیر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ سحر و خواب کی دُنیا میں نکل آیا ہو۔ دلآرام کا رقص نغمہ اور شہزادی گلبانو کی حسین دعوت طلسم و خیال کے نظارے معلوم ہوتے تھے۔ وہ حُسن محبت کی رنگینیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

منظر ۸

پُراسرار شیخ

شہزادہ خرم کو گونا بستی میں چوتھا دن تھا۔

یہ چار دن اس کی زندگی کے حسین ترین، کیف آور اور سرور انگیز دن تھے۔ اُس نے نہ صرف نیلی کی محبت پالی بلکہ اس کے دل میں بھی اپنے پیار کی دھڑکنیں پیدا کر دی تھیں اور وہ سب کچھ بھول کر خرم کی محبت میں کھو گئی تھی۔

دونوں سانگا ندی کے کنارے پہروں رقص گاہ میں بیٹھے پیار بھری باتیں کرتے اور مستقبل کے بارے میں عجیب و غریب منصوبے بناتے رہتے۔ خرم نے اپنا شاہی راز آشکار نہ کیا۔ نیلی اُسے بدستور صفدر نگر کا ایک اجنبی مسافر سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنی لانبی لانبی پلکیں اُٹھا کر خرم سے کہتی۔

"میں چاہتی ہوں ندی کنارے ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہو۔ بستی کے جوانوں کی طرح تو بھی جال کندھے پر ڈال کر مچھلیاں پکڑنے جایا کرے اور میں گھر میں بیٹھی تیری راہ دیکھتی رہوں شام ڈھلے جب تو ڈھیر سارا مچھلیاں لے کر لوٹے میں بھاگ کر تیرے کندھے کا بوجھ خود اٹھا لیا کروں پھر ہم دونوں اپنے گھر میں خوشحال زندگی بسر کرنے لگیں۔"

نیلی کی باتیں سن کر خرم مسکرا دیتا۔

"اری ——— ہمیں مچھلیاں پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"مچھلیاں نہیں پکڑے گا تو کرے گا کیا؟"

"دنیا میں صرف مچھلیاں پکڑنا ہی تو دھندا نہیں اور بھی بہت کام ہیں۔ پھر میں تو ایک سوداگر کا بیٹا ہوں۔ شہر میں سوداگری کروں گا اور تجھے بھی اپنے ساتھ شہر لے جاؤں گا۔"

شہر کے ذکر پر نیلی کے تصور میں خوش رنگ غنچے سے کھل جاتے اور وہ سرور و کیف کے جھولے میں لہرانے لگتی۔ اُس نے آج تک شہر نہ دیکھا تھا۔ اُس کی طرح گونا بستی کے کتنے ہی جوان لڑکے اور لڑکیوں نے اُس جنتِ ارضی کا نظارہ نہ کیا تھا۔ جسے بڑے بوڑھے "شہر" کے حسین و ولولہ انگیز نام سے یاد کرتے تھے۔ اُن کی طرح نیلی نے بھی صرف شہر کی باتیں ——— عجیب و غریب کہانیاں ہی سنی تھیں۔ اُسے شہر دیکھنے کی بڑی آرزو تھی جب خرم کہتا وہ اُسے اپنے ساتھ شہر لے جائے گا۔ اُس کا ذہن رنگین جھلملیوں کے تصور میں ڈوب جاتا مگر جب وہ سوداگر کا ذکر کرتا، نیلی طرح طرح کے اوہام و وساوس کا شکار ہو جاتی۔

"میں نے سنا ہے سوداگر دیس دیس شہر شہر پھرتے اور مہینوں گھر سے غائب رہتے ہیں۔ میں تجھے سوداگری نہیں کرنے دوں گی۔ اگر تو گھر سے چلا گیا تو میں اکیلی کیا کروں گی۔"

خرم اس کی بے چینی سے لطف اُٹھاتا اور بتاتا۔

"سب سوداگر گھر سے نہیں جاتے بلکہ کئی اپنے ہی شہر میں دوسرے سوداگروں کا مال خریدتے اور نفع پر بیچ دیتے ہیں۔ میں صفدر نگر میں تیرے لیے ایک عالی شان محل بنواؤں گا، تیری خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام ہوں گے اور تو شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرے گی۔"

نیلی حیرت پاش نظروں سے اُس کی طرف دیکھتی۔

"کیا تو میرے لیے محل بنوائے گا؟"

پھر وہ آپ سے آپ ہنس دیتی اور خرم کا مذاق اُڑاتی۔

"ارے کیسی باتیں کرتا ہے تو ——— محل تو بادشاہ بنواتے ہیں۔ اُن میں شہزادیاں رہتی ہیں۔"

"کیا تو کسی شہزادی سے کم خوبصورت ہے ۔ تجھے دیکھ کر تو شہزادیاں بھی حسد کرنے لگیں "۔

یہ بات سن کر نیلی دل ہی دل میں جھوم اٹھتی لیکن بظاہر منہ بنا کر کہتی ۔

"تو ٹھٹھا کرتا ہے مجھ سے ۔ بھلا میرا ان کا کیا مقابلہ "۔

"کہیں اس غلط فہمی میں نہ رہنا ۔ تجھے دیکھ کر تو کوہ قاف کی پریاں بھی دنگ رہ جائیں "۔

"سچ ــــــ ؟"

"تیری قسم !"

"جھوٹا ــــــ"

اور نیلی مسکرا کر پھولوں کی چھڑی خرم پر دے مارتی اور بھاگ نکلتی ۔ یہ گویا اس بات کی دعوت ہوتی کہ وہ اسے پکڑنے کی کوشش کرے اور زبردستی اپنی باہوں کے شکنجے میں جکڑ لے ۔ نیلی کو اس چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق میں بڑا مزا آنے لگا تھا ۔ کبھی کبھی تو جان بوجھ کر خرم کے چٹکی لیتی اور شرارت سے بھاگ اٹھتی ۔ خرم اس کے پیچھے لپکتا اور گھیر کر دبوچ لیتا کئی بار نیلی کی سیاہ لانبی چوٹی جو پشت پر لہراتی تھی خرم کے ہاتھوں میں آ کر کھل جاتی ۔ زلفیں بکھر جاتیں اور وہ اسی حالت میں بے سدھ سی ہو کر خرم کے بازوؤں پر گر جاتی ۔ جب دو جوانیوں کے جذبات آفریں اتصال سے عشق کا شعلہ بھڑکتا اور خرم کے تپتے پیاسے ہونٹ نیلی کے عنابی لبوں کی طرف جھکتے وہ گھبرا کر کہتی ۔

"ہٹ پرے ــــــ کوئی دیکھ لے گا "۔

پھر مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل جاتی اور الگ کھڑی چوٹی گوندھنے میں مصروف ہو جاتی تھی ۔

چار دن میں زندگی نے پیار کی کتنی ہی منزلیں طے کر لی تھیں ۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنے گھل مل گئے تھے کہ ایک پر دوسرے کا شبہ ہوتا ۔ خرم کی بے لوث محبت نے نیلی کے دل میں نہ بجھنے والی شمع روشن کر دی ۔ اس کی روشنی میں وہ نہ جانے کیسے کیسے حسین خواب دیکھتی ۔ کیسی کیسی انہونی باتیں سوچتی اور خود پروانے کی طرح اس شمع محبت کے گرد گھومتی تھی جس نے اس کی زندگی میں کیف اور اجالے بکھیر دیئے تھے ۔

دونوں پہروں دیوانوں کی طرح رقص گاہ میں بیٹھے باتیں کرتے یا پھر سانگا ندی

کے کنارے گھومتے رہتے ۔ ندی کے اس پار جب خرم سانگا جنگل کی طرف نظر اٹھاتا جو بھیانک اور خوفناک پرچھائیوں کی طرح میلوں تک پھیلا تھا اور جہاں کبھی کبھار رات کے سناٹے میں درندوں کی آوازیں ابھرتی تھیں اسے وہ رات یاد آ جاتی جب اپنے سواروں سمیت شمشیر ڈاکو کے چنگل میں پھنس گیا تھا ۔ وہ بھالے اور برچھے بجلی کے کوندوں کی مانند نگاہوں میں لپکنے لگتے جو اس کے ساتھیوں کی زندگی چاٹ گئے تھے اور خود بھی بڑی مشکل سے اس کے اجل گرفتہ دائرے سے نکل پایا تھا ۔

اس کے زخم اب مندمل ہو چکے تھے ۔ سردار شاہو نے ایسا مرہم لگایا تھا کہ دو روز کے اندر سب گھاؤ بھر گئے ۔ پھر نیلی کی تیمارداری اور محبت نے اس کی نبضوں میں نیا خون بھر دیا ۔ اب وہ سفر کے قابل ہو گیا تھا ۔

شیخ نے فیصلہ کر دیا ۔ شہزادہ خرم کے جشن آمد پر نیلی اپنے بابا کے ساتھ صفدر نگر جائے گی اور دربار میں رقص و نغمہ سے اسے خوش کر کے گنا بستی کے لیے شاہی انصاف طلب کرے گی ۔ نیلی اس فیصلے پر بے حد خوش تھی ۔ اس بہانے ایک تو اس کو شہر جانے کا موقع مل رہا تھا ۔ دوسرے وہ اپنے فن رقص سے بستی والوں کو اس عتاب سے نجات دلا سکے گی جو سالہا سال سے ان پر مسلط تھا ۔ سب سے بڑھ کر خوشی اس بات کی تھی کہ وہ اپنے بابا کے ساتھ اپنے پردیسی محبوب کا شاندار گھر بھی دیکھ لے گی ۔ خرم نے بتایا تھا وہ ایک بڑے سوداگر کا بیٹا ہے اور صفدر نگر میں اس کی حویلی شاہی محل کا مقابلہ کرتی ہے ۔ ضرور بابا اس شاندار حویلی کو دیکھ کر خوش ہو گا اور جب پردیسی محبوب اس سے نیلی کو مانگ لے گا بابا انکار نہ کر سکے گا ۔

یہی وہ حسین تصورات تھے جن کے سنہرے حلقوں میں نیلی پرواز کر رہی تھی ۔

بستی میں خرم کا آخری دن تھا ۔ اس وقت جب سورج کا رتھ دور سانگا جنگل کے اوپر نیلے آسمان پر تیر رہا تھا اور اس کی ابھرتی ترچھی شعاعیں ندی کی رواں دواں لہروں پر چمک رہی تھیں ۔ خرم نیلی کے ہمراہ رقص گاہ کے چبوترے کی مینڈھ سے ٹیک لگائے خاموش وارفتہ نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا ۔ نیلی نے بتایا تھا آج دوپہر کے بعد وہ صفدر نگر کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور شام کا اندھیرا اترنے سے پہلے ہی شہر پہنچ جائیں گے ۔

صفدر نگر سے باہر ایک پرانی سرائے تھی جہاں مسافر بسیرا لیتے تھے ۔ یہ سرائے

بادشاہ کے چھوٹے بھائی شہزادہ اورنگ شہریار نے مسافروں کے آرام کی خاطر اس وقت بنوائی تھی جب اٹھارھویں سالگرہ پر اُسے ولی عہدی کا خطاب دیا گیا لیکن چند ہی سال کے بعد شہریار شکار کھیلنے جنگل کی طرف آیا اور اس نے گونا بستی کے قریب سانگا ندی کے کنارے خیمے لگوائے تو بستی کے سردار کی جوان اور حسین لڑکی نیلی کی محبت کا شکار ہو گیا۔ سیر و شکار کو بھول کر اُس کا زیادہ وقت پیار کی گھاتوں میں صَرف ہونے لگا۔ پھر وہ نیلی سے محبت کے عہد و پیمان کر کے شہر لوٹ گیا اور شاہی محل میں اس کے پیار کی کہانی سن کر بادشاہ بے حد برافروختہ ہو گیا۔ اس نے اورنگ شہریار کی عرضِ محبت ٹھکرا دی اور اعلان کر دیا۔

"اگر شہریار مچھیرن لڑکی کے خیال سے باز نہ آیا تو اُسے حقِ ولی عہدی سے محروم کر دیا جائے گا۔"

بھائی کے اِس فیصلے پر شہزادہ پیچ و تاب کھاتا اور تڑپتا رہ گیا پھر چند روز کے بعد اُس نے بادشاہ سے شکار کی اجازت طلب کی اور چند سواروں کے ہمراہ سانگا جنگل کی طرف چل دیا۔ جنگل میں اس کے شکاریوں کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا؟ اس کے بارے میں کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ چند روز کے بعد سانگا جنگل میں ان کی ہڈیوں کے پنجر ضرور دیکھے گئے۔ خود شہزادہ کس طرح ندی تک آیا اور جنگل کے خونی حادثے سے کس طرح بچ گیا؟ یہ کہانی بھی آج تک رازِ سربستہ تھی۔ لوگ بس اِتنا ہی جانتے تھے۔ وہ چاند کی چودھویں رات تھی اور گونا بستی کے لوگ ندی کنارے اپنا قبائلی جشن منا رہے تھے جب سردار کی لڑکی نے اپنے محبوب کی آوازیں سُنیں اور دیوانہ وار سانگا ندی کی طرف بھاگ گئی۔ دوسرے کنارے پر شہزادہ اُسے پکار رہا تھا۔ نیلی نے ایک ناؤ کھولی اور ندی کی طوفانی لہروں پر کھیتی اپنے محبوب کی طرف چل دی۔ یہ اُن کی زندگی کی آخری رات تھی۔ سانگا ندی کی بپھری ہوئی موجیں اُنہیں زندگی کے ساحل سے موت کے طوفانوں میں لے اُڑیں اور تلاشِ بسیار کے باوجود ان کی لاشیں تک نہ مِل سکیں۔

صفدر نگر کی سرائے شہریار نے تعمیر کروائی تھی۔ اس کی موت کے بعد یادگار کے طور پر اُس کا نام "سرائے شہریار" رکھا گیا اور سرکاری خزانہ سے مسافروں کے قیام و طعام کا بندوبست کیا جانے لگا۔ حکومت کی طرف سے سرائے کے منتظم کو ہدایت کر دی گئی۔ گونا بستی کا کوئی آدمی شہر میں داخل ہو سکتا ہے نہ سرائے میں ٹھہر سکتا ہے۔

اس کے باوجود بستی کے شیخ کے سردار شاہو کو ہدایت کی وہ اپنی بیٹی کے ہمراہ "سرائے شہریار" ہی میں قیام کرے اور خود کو گونا بستی کا باسی لکھوائے۔ سردار شاہو حیران ہو کر بولا تھا۔

"گونا بستی کے نام پر سرائے کا سرکاری منتظم مجھے قیام کی اجازت کیوں دینے لگا۔ ہو سکتا ہے وہ کوتوال سے شکایت کر دے اور مجھے بیٹی سمیت گرفتار کر لیا جائے۔"

یہ سُن کر شیخ نے سردار کو ایک خط دیا اور ہدایت کی تھی۔ یہ خط سرائے کے منتظم کو دے دے۔ پھر اس کے قیام پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ سردار نے خط بحفاظت اپنی صدری میں چھپا لیا تھا۔ نیلی نے بتایا۔ شیخ نے میرِ دربار کے نام بھی ایک خط دیا اور کہا ہے اس خط پر نیلی کو دربار میں حاضری اور رقص کی اجازت مل جائے گی۔ اس پر خرم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جب صفدر نگر میں شیخ کے جاننے والے موجود ہیں اور میرِ دربار بھی اُس کے خط پر تجھے دربار میں حاضری کی اجازت دے سکتا ہے پھر ملکہ جہاں یا شہزادہ خرم سے کہہ کر وہ شاہی حکم کیوں منسوخ نہیں کرا دیتا؟"

"شیخ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

نیلی نے حیرت انگیز سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وہ زبردست روحانی قوتوں کا مالک ہے۔ اگر چاہے تو صفدر نگر کے شاہی محلات کو اپنے قہر و عتاب کی بجلیوں سے پھونک دے لیکن اُسے تباہی و بربادی سے نفرت ہے۔ امن، محبت اور سچائی چاہتا ہے۔ اُس نے کہا ہے، وہ میرے ذریعے شاہی حکم منسوخ کرائے گا۔ میری کامیابی کی خوشخبری بھی دے چکا ہے۔"

خرم شیخ کی عجیب و غریب شخصیت کے بارے میں سوچنے لگا۔ چار دن کے اندر شیخ کو دیکھنے یا مِلنے کا اتفاق نہ ہُوا تھا مگر اس کے متعلق کئی حیرت انگیز باتیں ضرور سُنی تھیں۔ بستی کے لوگوں کی اندھی عقیدت حیران کن تھی۔ کوئی شخص شیخ کی حکم عدولی کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اہلِ بستی اُس کا یوں ادب و احترام کرتے جیسے وہ انسانوں سے کوئی ماورا ہستی ——— کوئی مافوق البشر مخلوق تھی۔ جب خرم نے نیلی کی زبانی خبر سُنی کہ شیخ نے سردار شاہو کو سرائے شہریار میں قیام کرنے کا حکم دیا اور منتظم سرائے اور میرِ دربار کے نام خط بھی دیئے ہیں جن کے ذریعے اُسے سرائے میں ٹھہرنے بلکہ دربار میں حاضر ہونے کی اجازت مِل جائے گی تو خرم کے لیے اُس کی پُراسرار شخصیت ایک ناقابلِ فہم معما بن گئی۔

"کیا واقعی وہ رُوحانی قوتوں کا مالک ہے اور گونا بستی کے علاوہ اس کا حکم صفدر نگر میں بھی واجبِ التعمیل سمجھا جاتا ہے؟"

نیلی اُسے یوں گم صُم اور متحیر دیکھ کر بے اختیار مسکرا دی۔

"ارے ——— تجھے کیا معلوم شیخ کا حکم ہر جگہ چلتا ہے۔ اس کی نافرمانی کرنے والے کبھی سُکھ نہیں پا سکتے۔"

پھر نیلی اُس کی رُوحانی قوت کی ایک عجیب و غریب کہانی سنانے لگی۔

"کئی برس پہلے کی بات ہے۔ صفدر نگر کا ایک سرکاری افسر بستی میں آدھمکا اور زبردستی تمام مچھلی خچروں پر لاد کر شہر لے گیا۔ بستی کے لوگ روتے پیٹتے رہ گئے۔ اُس نے کسی کو پھوٹی کوڑی بھی ادا نہ کی۔ اُس کے ہمراہ چند سپاہی تھے۔ سردار بھی کچھ نہ کر سکا اور لوگ رو پیٹ کر چُپ ہو گئے۔ ٹھیک سات روز کے بعد وہی افسر پھر سپاہی اور خچر لے کر آ گیا اور پہلے کی طرح پھر تمام مچھلی ٹوکروں میں بھرنا شروع کر دی۔ اس پر بابا چند آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھا اور بولا۔

"جناب یہ ظلم ہے آپ یہ ظلم نہیں کر سکتے۔"

بس اتنی سی بات پر اس مردود کا کوڑا بابا کی پیٹھ پر پڑا اور بھیڑیے کی طرح غرّا کر بولا۔

"خبردار ——— ! اگر کسی نے چوں چرا کی تو مارے کوڑوں کے کھال اُدھیڑ دی جائے گی۔ کان کھول کر سُن لو۔ صفدر نگر کی کسی عدالت یا شاہی دربار میں گونا بستی کی کوئی شکایت سُنی نہ جائے گی۔ تم لوگ شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

یہ کہہ کر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور اُن کے کوڑے حرکت میں آ گئے۔ بستی کے نہتے لوگ جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ سپاہی بابا پر کوڑے برساتے رہے جو نڈھال ہو کر گر گیا تھا۔ اُسی وقت ایک آدمی بھاگ کر شیخ کے پاس پہنچا اُسے سب واقعہ سنایا وہ غیظ و غضب کے مارے دیوانہ ہو گیا اور عصا لہراتا حجرے سے نکلا۔ اتنی دیر میں سپاہی تمام مچھلی سمیٹ کر خچروں پر لاد چکے اور سرکاری افسر گھوڑے پر سوار اُنہیں چلنے کا حکم دے رہا تھا۔

شیخ نے آتے ہی افسر سے کہا۔ وہ تمام مچھلی لوٹا دے یا اُس کے دام ادا کرے۔ اس

…سر نے شیخ کا ٹھٹھا اُڑایا اور شوخی سے بولا۔

"بڈھے ——— ! زندگی چاہتا ہے تو چُپ چاپ لوٹ جا ورنہ اس مچھلی کے …تو تجھے بھی ٹوکرے میں بند کر کے خچر پر لاد دیا جائے گا اور صفدر نگر کی منڈی میں پہنچ کر تیرا …ن سے جُدا کر دیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے سواریاں سانگا ندی کے پایاب گھاٹ کی طرف بڑھا دیں۔

شیخ نے اپنا عصا بلند کیا اور پُرجلال آواز میں کہا۔

"مردود ——— ! تو سانگا ندی پار نہ کر سکے گا۔"

افسر نے طیش میں آ کر سواریاں ندی میں ڈال دیں اور خود گھوڑے کو ایڑ لگاتا آگے …چلا۔ ندی کا یہ حصّہ پایاب تھا۔ اسی راستے لوگ گھوڑوں، خچروں پر پار جاتے تھے۔ …تیاں صرف طغیانی کے مہینوں میں چلتی تھیں۔ جب سانگا ندی کی لہریں کناروں سے اچھل …ل جاتیں۔

بستی کے سب لوگ لٹے ہوئے قافلے کی طرح چُپ چاپ کھڑے اس لوٹ مار کو …رہے تھے اور لٹیرے ان کے سارے دن کی پُونجی لُوٹ کر لیے جاتے تھے۔

اگر شیخ حکم دیتا تو بستی کے لوگ اِن ڈاکوؤں کو روک لیتے مگر اُس کی اجازت کے …کوئی قدم نہ اُٹھانا چاہتے تھے۔

افسر سواریوں کے آگے آگے چلا جا رہا تھا کہ اچانک اُس کا گھوڑا ایک گڑھے …اوندھے منہ گرا ساتھ ہی وہ بھی پانی میں لڑھک گیا۔ اُس کی ایک مکروہ چیخ فضا میں …ری اور خاموشیوں میں ڈوب گئی۔ پانی میں چھپاکا ہُوا۔ بلبلے اُٹھے اور افسر کا جسم غائب …یا۔ گھوڑا تو ٹانگیں چلاتا اُبھرا اور تیرتا ہُوا نکل آیا لیکن افسر ایسا گرا کہ اُبھر نہ سکا۔ …ہی خچروں کو چھوڑ کر اُس طرف بھاگے دو تین آدمیوں نے گڑھے میں چھلانگیں لگا دیں۔ …افسر کو تلاش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں اُس کا جسم باہر نکال لیا گیا۔ لیکن رُوح جسم …چھوڑ چکی تھی۔ سپاہی اُس کی لاش کے ساتھ سواریاں بھی اُسی گھاٹ پر نکال لائے جہاں …تھوڑی دیر پہلے اُنھوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا تھا۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھے جیسے …کی موت کا حکم جاری کر دیا گیا ہو۔ اپنے افسر کی لاش گھاٹ پر ڈال کر وہ شیخ کی طرف …لگے اور اس کے قدموں میں لیٹ کر رونے لگے۔

بستی والے اس عجیب حادثے پر حیران تھے۔ سپاہیوں نے مچھلیوں کے ٹوکرے اُتار کر زمین پر رکھ دیئے اور شیخ سے معافی مانگنے لگے۔

شیخ نے کہا۔

"اگر تم مچھلی کی قیمت ادا کر سکتے ہو تو لے جاؤ مگر یاد رکھو تمہیں پچھلے ہفتے کی مچھلی کے دام بھی چکانا ہوں گے"۔

سپاہیوں نے ایک ایک پائی ادا کر دی اور شیخ کے حکم پر مچھیوں کے ساتھ اپنے افسر کی لاش بھی اُٹھا کر لے گئے۔ اِس کے بعد صفدر نگر کا کوئی افسر گونا بستی میں نہیں آیا—یہ ہے شیخ کی نافرمانی کا انجام"۔

"جب کوئی افسر یہاں نہیں آتا اور بستی کے لوگ شہر نہیں جا سکتے تو تم مچھلی کہاں بیچتے ہو"۔

نیلی کہنے لگی۔

"شیخ نے ہمارے کاروبار کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ شہر کے کچھ بیوپاری دو دن تیسرے دن بستی میں آتے اور مچھلی خچروں پر لاد کر لے جاتے ہیں۔ انہی بیوپاریوں کے ذریعے ہم اپنے استعمال کی چیزیں حاصل کرتے یا دوسرے دیہات سے لے آتے ہیں"۔

"تعجب ہے تم لوگ سالہا سال سے مصیبت کی زندگی گذار رہے ہو اور شیخ اپنی زبردست رُوحانی طاقت کے باوجود شاہی عتاب منسوخ نہیں کرا سکا"۔

"شیخ نے کہا تھا۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ تھوڑے دِنوں میں اِس ظلم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اُسے یقین ہے۔ میرا رقص دیکھ کر شہزادہ نہ صرف خوش ہو گا بلکہ شاہی حکم واپس لے لے گا اور بستی والوں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت مِل جائے گی۔ اُس نے بابا کو خوشخبری سُنائی ہے کہ میرے ذریعے بستی کی تقدیر بدلنے والی ہے"۔

خرم نے چونک کر نیلی کی طرف دیکھا۔ اُسے پُراسرار شیخ کی رُوحانی طاقت پر یقین سا آنے لگا تھا۔ اہلِ بستی حتیٰ کہ نیلی کو کیا علم تھا کہ جس شہزادے کو خوش کرنے کی حسین تدبیریں سوچ رہے ہیں وہ چار دن سے بستی کا مہمان اور خود نیلی ہی اُس کی تیمارداری کا فرض ادا کر رہی ہے۔ اُس نے شہزادے کا دِل اپنی زلفوں میں گرفتار کر لیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا۔ شیخ کو نیلی کی بدلتی ہوئی تقدیر کا راز کیسے معلوم ہو گیا اور وہ کون سی

...رار طاقت ہے جس نے قبل از وقت اُسے پیش آنے والی حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے ...واقعی کسی غیبی قوت کا مظہر اور اپنی روحانی طاقت سے مستقبل کے اندھیروں میں ...ک سکتا ہے؟"

اُسے خاموش دیکھ کر نیلی پوچھنے لگی۔

"تُو کیا سوچنے لگ گیا ہے"۔

خُرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی تیر گئی۔

"سوچ رہا ہوں، تُو شہر جا رہی ہے۔ دربار میں رقص کرے گی۔ اگر شہزادہ نے ...ی میرا رقص پسند کیا اور رقص کے ساتھ کہیں تُو بھی اُسے بھا گئی تو کیا ہو گا؟"

"کبھی تو کہتا ہے۔ شہزادہ مجھے قید کر لے گا کبھی کہتا ہے میں اُسے بھا جاؤں گی۔ ...میں تیری کس بات کا جواب دوں"۔

"صرف اِتنا بتا دے۔ اگر شہزادہ نے رقص کے ساتھ تجھے بھی پسند کر لیا تو کیا کرے گی؟"

نیلی سوچ میں پڑ گئی پھر شرارت سے بولی۔

"اچھا تُو ہی بتا دے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"کیا میرا کہنا مان لے گی"۔

"ہوں——" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"میں کہتا ہوں۔ تجھے شہزادہ کی عرضِ محبت قبول کر لینی چاہیئے"۔

نیلی نے وحشی ہرنی کی طرح چونک کر خرم کی طرف دیکھا اور اس کی تیوری پر کئی بل پڑ ...ے لیکن اس نے خرم کی آنکھوں میں شریر سی مسکراہٹ دیکھی تو بے اختیار اُس پر ہاتھ چلا ... اور رو ہانسی سی ہو کر کہنے لگی۔

"مجھے تُو نے کوئی بکاؤ مال سمجھ لیا ہے"۔

"نہیں——" خُرم شرارت سے بولا—— "تُو سانگا ندی کی ایک سنہری ...مچھلی ہے"۔

یہ کہہ کر خرم نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اپنی انگلی سے ہیرے کی شاہی انگوٹھی ...اُتار کر اُسے پہنانے لگا۔ نیلی کو کیا علم تھا اس وقت وہ محض ایک انگوٹھی نہیں بلکہ صفدر نگر ...کی پوری سلطنت اُس کی اُنگلی میں پرو رہا ہے۔ یہ ولی عہد حکومت کی خاص مہر تھی جو اُسے

وارثِ تخت وتاج کی حیثیت سے پہنائی گئی تھی ۔ یہ مہر اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلی آرہی تھی ۔

ہر بادشاہ جلوسِ تخت نشینی کے بعد شاہی مہر اپنے ولی عہد اور سلطنت کے وارث کو پہنایا کرتا تھا ۔ جس کے ہیرے میں ' ولی عہد ' کے خاص حروف ' و ع ' بڑی نفی چابکدستی سے کندہ کیے گئے تھے ۔ نیلی نے پہلے کبھی کوئی ہیرا کہاں دیکھا تھا ۔ وہ اُسے محض ایک خوب صورت گینہ سمجھ کر خوش ہوگئی اور بولی ۔

' یہ سنگریزہ تو خوب چمکتا ہے ۔ '

' جبھی تجھے پہنا رہا ہوں ۔ خوب صورت انگوٹھی خوبصورت ہاتھ میں بھلی لگتی ہے ۔ مگر دھیان رکھنا یہ میری محبت کی یادگار ہے ۔ اگر تُو نے کھودی تو میں سمجھوں گا تجھے مجھ سے پیار نہیں ۔ '

نیلی اپنی لانبی لانبی پلکیں اُٹھا کر اُسے گھورنے لگی ۔

' اور سُن ——— ! یہ محض سنگریزہ نہیں بلکہ قیمتی ہیرا ہے ۔ حکومت کے خزانے میں بھی کوئی ایسی قیمتی انگوٹھی نہ ہوگی ۔ اس انگوٹھی کے عوض صفدر نگر کی پوری سلطنت خریدی جا سکتی ہے ۔ '

' اور تُو نے اس ہیرے کے بدلے مجھے خرید لیا ہے ——— ہے نا ۔ '

نیلی کے لہجے میں ایک لطیف سی طنز تھی خرم تڑپ کے رہ گیا ۔

' پگلی ——— ! تُو میری جان کے مول بھی سستی ہے ۔ ہیرے تیری قیمت کہاں ادا کر سکتے ہیں ۔ ہو سکتا ہے مجھے چند روز کے لیے تجھ سے جدا رہنا پڑے ۔ یہ انگوٹھی تجھے میری یاد دِلاتی رہے گی ۔ '

' مگر میں تجھے جدا کیوں ہونے دوں گی ! '

نیلی کسی قدر خفگی کے انداز میں کہنے لگی ۔

' تو ہمارے ساتھ شہر جائے گا ۔ وہاں ایک دو دِن ٹھہر کر تجھے بھی میرے ساتھ ہی بستی میں لوٹنا ہوگا ۔ '

' ہو سکتا ہے میں تیرے ساتھ نہ لوٹ سکوں ۔ '

' کیوں ——— ؟ '

' تجھے بابا سے مانگنے کے لیے کیا اپنے گھر والوں سے بات چیت نہیں کرونگا ۔ '

نیلی نے شرما کر گردن جھکا لی ۔ اسی لمحے نیلی کا رقاص ساتھی جو ہنگامِ رقص شعل ... کر اُس کے ساتھ گھومتا اور چکّر کاٹتا تھا تیز قدموں سے چلتا رقص گاہ میں داخل ہوا ۔ ... پردیسی مہمان کو نیلی کا ہاتھ تھامے اُس کے ساتھ جڑ کر بیٹھے دیکھتے ہی ٹھٹھک کر کھڑا ہوگیا ... دونوں نے ایک ساتھ نظریں اُٹھائیں اور اُسے دیکھ کر گھبرا سا گئے ۔ نیلی جلدی سے کھڑی ہوگئی ۔

' کیا بات ہے جامی ——— ! تُو رُک کیوں گیا ۔ آگے آجاؤ ۔ '

جامی خرم کو حسد و رقابت کی نظروں سے گھورتا آگے بڑھا ۔

' یہاں زخمی مہمان کی تیمارداری کر رہی ہے تُو ؟ '

اس کے لہجے میں خنجر کی سی کاٹ تھی ۔ نیلی نے غصّہ میں اپنی گردن جھٹک دی ... اپنے رقاص ساتھی کو کاٹ پھینکا ہو ۔ پھر بولی ۔

' تُو کیا لینے آیا ہے ؟ '

' اوہو ——— واقعی مجھے نہیں آنا چاہیئے تھا ۔ پہ کیا کروں تیرے بابا نے بھیجا ... کہ تجھے کہیں سے ڈھونڈ لاؤں ۔ وہ بچارا سفر کا سامان باندھے تیار بیٹھا ہے اور تُو ... پردیسی کے زخموں پہ مرہم لگا رہی ہے ——— کچھ یاد بھی ہے آج تجھے شہر جانا ... ۔ سورج سر پہ آگیا ۔ شیخ کا حکم ہے تُو شام سے پہلے صفدر نگر پہنچ جائے ۔ '

' جانا تو مجھے ہے مگر تُو کیوں اتنا بے کل ہے ۔ '

پھر اُس نے خرم کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگی ۔

' چل ——— بابا ہماری راہ دیکھ رہا ہوگا ۔ '

اور خرم کا ہاتھ تھامے اس شانِ بے نیازی کے ساتھ جامی کے پاس سے گذر گئی کہ ... م بحود کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا ۔ نیلی نے رسماً بھی اُسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے نہ کہا تھا جس پر ... کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی اور جب وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ۔ رقص گاہ ... نکل کر اس پگڈنڈی پر ہو لیے جو سردار شاہو کے گھر کو جاتی تھی جامی غصّہ میں زمین پر پیر پٹخ ... بڑبڑایا ۔ ' واہ رے پردیسی ——— ! تیری قسمت ۔ آگ لینے کے لیے آیا اور گھر ... بن بیٹھا پر میں بھی تو دیکھوں گا تو کب تک ساتھ دیتا ہے ۔ آخر نیلی کا ہاتھ میرے ہاتھ ... آئے گا ۔ ' پھر جامی بھی تیز قدموں سے اُن کے پیچھے پیچھے ہولیا ۔

منظر ۹

اجنبی شہر

○

سردار شاہو واقعی رختِ سفر باندھے تیار بیٹھا تھا۔ دروازہ کے باہر تین گھوڑے کھڑے تھے۔ نیلی اور خرم اُسی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اندر داخل ہوئے اور سردار جو صحن میں گٹھری باندھ رہا تھا انہیں اس بے تکلفی سے آتے دیکھ کر چونک سا گیا۔ خرم نے اگرچہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش بھی کی لیکن نیلی کی گرفت مضبوط تھی۔ سردار نے خشمگیں نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ اُس کی ناراضگی سے بالکل بے نیاز ——— بے پروا اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

"بابا ——— ! دیکھ پردیسی نے مجھے ہیرے کی انگوٹھی پہنائی ہے۔"

"ہیرے کی انگوٹھی ؟"

سردار کے ماتھے پر حیرت کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔

"ہاں ———" نیلی بدستور چہکنے لگی ——— "یہ کہتا ہے۔ شاہی خزانے میں بھی ایسی قیمتی انگوٹھی نہ ہوگی۔"

سردار نے ایک نظر انگوٹھی پر ڈالی جو سورج کی روشنی میں جھلمل جھلمل کر رہی تھی پھر خرم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تجھے معلوم ہے جب کسی لڑکی کو انگوٹھی پہنائی جاتی ہے اُس کا کیا مطلب ہوتا ہے ؟"

خرم نے گھبرا کر گردن جھکا دی۔

"جانتا ہوں سردار ——— !"

"اور یہ جاننے کے باوجود تُو نے انگوٹھی پہنا دی ؟"

"بے شک یہ گستاخی مجھ سے سرزد ہوئی مگر میں نیلی کو اپنا ایمان سمجھ بیٹھا ہوں۔"

سردار نے خرم کے الفاظ کا وزن محسوس کیا پھر بیٹی کو دیکھنے لگا جس کی خوبصورت آنکھوں میں تیرتی زندگی کی نئی اُمنگ اور گلابی عارضوں پہ حیا کی سُرخی اپنے حسین جرم کا اقرار کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ سردار کچھ کہتا نیلی نے فیصلہ کر دیا۔

"بابا ——— ! میں خرم کو پسند کرتی ہوں۔"

سردار کو اپنی بیٹی کے کردار ہی پر بھروسہ نہیں بلکہ اس کی پسند کو بھی بڑی اہمیت دیتا اُسے یقین تھا۔ اُس کی بیٹی کسی غلط نوجوان کا انتخاب نہیں کر سکتی پھر بھی اس نے جواب دیا۔

"نیلی ——— ! مجھے تیری پسند سے انکار نہیں لیکن تیری زندگی کی ڈور، تیری تقدیر کی باگ شیخ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تو دربار میں کامیاب ہو گئی تو شہر سے واپسی کے بعد میں شیخ کو تیری پسند سے آگاہ کر دوں گا۔"

جامی دروازے پر کھڑا یہ سب باتیں حیرت و تعجب سے سن رہا تھا۔ اچانک اپنے جسم کو نفرت انگیز جھٹکا دیتا ہوا آگے بڑھا اور سردار سے کہنے لگا۔

"سردار ——— ! شیخ اس کی منظوری ہرگز نہیں دے گا۔ یہ مجھ سے سن لو۔ پردیسی ایک نامعلوم شہری ہے اور نیلی گوٹھ بستی کی رونق۔ ہم اپنی بستی کی رونق شہر کو کیوں سونپنے لگے ؟"

اس خلافِ اُمید دخل اندازی پر سردار نے قہر آلود نگاہوں سے جامی کی طرف دیکھا اور غصہ سے کہا۔

"تجھ سے کس نے پوچھا شیخ منظوری دے گا یا نہیں ؛ تجھے اس سے کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیے۔"

پھر وہ خرم سے مخاطب ہوا۔

" تو نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب شہر سے واپسی پر مل جائے گا۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ صفدر نگر پندرہ کوس پر ہے۔ سورج ڈوبنے سے پہلے ہمیں شہر پہنچنا ہے۔"

رقاص نوجوان سردار کی جھاڑ سنتے ہی نو دو گیارہ ہو گیا۔ وہ تینوں سفر کے لیے تیار تھے۔ خرم نے اپنے خون آلود کپڑے بھی گھوڑے کی خرجی میں ڈال لیے اور تین سواروں کا یہ مختصر سا قافلہ گونا بستی سے چل دیا۔

سورج افقِ مغرب پر خونِ کبوتر کی سی سرخیاں بکھیر کر آخری سسکیاں لے رہا تھا۔ جب انہوں نے اپنے گھوڑے سرائے شہریار کے پھاٹک پر روک لیے۔

شہر کے قریب پہنچ کر خرم نے اپنے چہرے پر ایک پٹکا سا لپیٹ لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا شہر کے لوگ اُسے اس حالت میں دیکھ پائیں۔ اگر کسی نے پہچان لیا اور اس کا شاہی راز آشکار ہو گیا تو نیلی سے اس کی ملاقات کا سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا جب وہ صفدر نگر کے شہزادہ ذی شان خرم کی پُرجلال حیثیت میں اچانک اس کے سامنے آئے گا اُس وقت نیلی کی گھبراہٹ کتنی پُرلطف اور سرور انگیز ہو گی جب اُسے یک لخت پتہ چلے گا کہ اس کا محبوب تو ملک کا ہونے والا بادشاہ ہے۔

سردار شاہو سرائے کے منتظم سے ملا اور شیخ کا خط اُسے دے دیا۔ کئی سال پہلے ایک افسوسناک واقعہ سے مشتعل ہو کر بادشاہ نے برہمی کے عالم میں حکم نافذ کر دیا تھا کہ گونا بستی کا کوئی آدمی شہر میں نہیں آ سکتا۔ اس وقت سردار شاہو اور نیلی صریح طور سے حکم عدولی کے مرتکب ہوئے اور سرائے شہریار میں پہنچ گئے تھے۔ خرم دیکھنا چاہتا تھا شیخ کا خط پڑھنے کے بعد منتظم کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اصولی طور پر وہ انہیں سرائے میں ٹھہرانے کا مجاز نہ تھا۔ خرم کو یقین تھا۔ وہ شاہی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ البتہ شیخ کی روحانی پیشوائی کا احترام کرتے شاید انہیں پولیس کے حوالے نہ کرے اور لوٹ جانے کا مشورہ دے۔ اُس نے سوچ لیا تھا جب منتظم واپسی کا مشورہ دے گا وہ اُسے تنہائی میں بلا کر حکم دے گا کہ سردار اور اس کی بیٹی کو عزت و احترام سے ٹھہرایا جائے لیکن اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب اس نے شیخ کا خط پڑھنے کے بعد منتظم کو بُری طرح چونکتے —— حیران ہوتے ——

پھر خط کو بوسہ دیتے ہوئے پایا۔ وہ فوراً ہی سردار کی طرف مڑا اور بولا۔

" زہے نصیب! مجھے شیخ کی خدمت کا موقع ملا۔ گھوڑے اصطبل میں پہنچا دیے جائیں گے۔ آپ اپنی بیٹی کے ہمراہ دوسری منزل پر تشریف لے جائیں۔"

پھر اس نے ایک غلام کو حکم دیا۔

" مہمانوں کو اُوپر لے جاؤ اور ان کے آرام کا خیال رکھو"

خرم حیرت پاش نگاہوں سے منتظم کے چہرے کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے اس ...ت پر حیرت تھی گونا بستی کا شیخ کیسی روحانی طاقت رکھتا ہے کہ اُس کے سامنے مرحوم بادشاہ ...حکم بھی بے معنی ہو کر رہ گیا۔ سرائے شہریار کے منتظم نے خط کو بوسہ عقیدت دے کر ...ں کے حکم کی یوں تعمیل کی کہ خرم کا ذہن چکرا گیا۔

اب اسے شیخ کی روحانی طاقت اور اُن کہانیوں پر یقین کرنا پڑا جو اس کے مخفی ...لال کے متعلق مشہور تھیں۔

غلام کی راہنمائی میں وہ تینوں گول زینہ عبور کر کے دوسری منزل پر پہنچ گئے۔ خرم ...مداً جلد اُن سے رخصت لے کر شاہی محل میں پہنچنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کئی باتوں نے اُسے ...ریشان کر رکھا تھا۔ اوّل تو یہی معما اس کی سمجھ سے بالا تھا کہ جب وہ ابھی تک دارالحکومت ...نہیں پہنچا تو اُس کی آمد کا جشن کیا معنی رکھتا تھا؟

خرم کے نقطۂ نظر سے جشن کی بجائے اس کی تلاش کا ہنگامہ بپا ہونا چاہیے تھا۔ پہاڑی ...سے روانگی کے وقت ایک قاصد دارالحکومت کی طرف دوڑا دیا گیا تھا تاکہ وہ ملکہ جہاں اور ...انِ دولت کو شہزادہ کی آمد سے مطلع کر سکے لیکن جب وہ اطلاع کے مطابق دارالحکومت میں ...پہنچ سکا یقیناً لوگ پریشان ہوں گے اور ملکہ جہاں نے فوراً بیٹے کی تلاش میں سواروں کو دوڑا ...ہو گا۔ اس اعتبار سے صفدر نگر کو اس وقت تک غم و تاریکی کا شہر بن جانا چاہیے تھا جب ...ب وہ خود "شعاعِ نور" بن کر نہیں پہنچ جاتا۔ اس کے برعکس کل دربارِ جشن منعقد ہو رہا ...جس میں نیلی کو رقص کرنا تھا۔

اُسے یقین تھا۔ "دربارِ جشن" کی اطلاع ضرور غلط ہو گی کیونکہ اُس کی پُراسرار ...دگی کے سبب شاہی محلات میں تو سوگ اور افسردگی کی فضا طاری ہو گی۔ اُسے ملکہ ...ں کی پریشانی کا بھی احساس تھا جو بیٹے کے صدمے میں ماہیِ بے آب کی مانند تڑپ رہی

ہوں گی ۔ اس لیے خرم نے سردار سے رخصت چاہی ۔ اُس نے بخوشی اجازت دے دی ۔ وہ رخصت ہوتے ہوئے بولا ۔

" میرا خیال ہے ۔ کل دربار جشن نہ ہو سکے گا ۔ اس لیے میں سویرے ہی اپنے غلام کو سرائے میں بھیج دوں گا ۔ وہ تمہیں ' غریب خانہ " تک پہنچا دے گا ۔

سردار نے وعدہ کیا ۔ اگر کل دربار نہ ہُوا تو وہ ضرور اُس کے گھر پہنچے گا خرم رخصت ہونے لگا تو نیلی دروازہ تک چھوڑنے آئی اور بولی ۔

" غلام کی بجائے کل سویرے تجھے آنا ہوگا ۔ میں انتظار کروں گی ۔ "

اور حُسن کی اس فرمائش پر اُسے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا ۔ نیلی دہلیز میں کھڑی دھڑکتے دل اور مسکراتی آنکھوں سے اُسے جاتے دیکھتی رہی ۔

خرم گول زینہ اُتر کر نیچے آیا تو شام کے اندھیرے اپنے مٹیالے پر پھیلا چکے تھے اور سرائے شہریار کی فصیل پر دو غلام چراغ روشن کرنے میں مصروف تھے جو فصیل پر چاروں طرف جگنوؤں کی مانند ٹمٹما رہے تھے ۔ قطار اندر قطار سینکڑوں چراغوں کی روشنی ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی ۔ خرم نے اس چراغاں کو تعجب سے دیکھا ۔ روشنی کی رینگتی ہوئی لہروں کے درمیان مُنہ چھپائے پھاٹک کی طرف بڑھا جہاں اُس کا گھوڑا کھڑا تھا ۔ ابھی غلام گردش سے گزر رہا تھا کہ سرائے کے منتظم کو آتے دیکھا اور غیر ارادی طور سے اُس کے قدم رُک گئے ۔

" کیوں جناب ! آج یہ چراغاں کس خوشی میں ہو رہا ہے ؟ "

" شہزادۂ عالی کی آمد پہ ہر رات چراغ روشن کیے جاتے ہیں آج چراغاں کی چوتھی رات ہے ۔ "

منتظم کا جواب سُن کر خرم چونک اُٹھا ۔

" مگر شہزادہ کے بغیر چراغاں کیسا ؟ "

" مَیں آپ کا مطلب نہیں سمجھا ؟ " منتظم حیران نظر آ رہا تھا ۔

" سیدھی سی بات ہے ۔ جب شہزادہ خرم ابھی تک دارالحکومت میں نہیں پہنچ سکا تو چراغاں کرنے سے کیا فائدہ ——— ؟ "

اس کے جواب میں منتظم نے جن تحیّر افزا معلومات کا اظہار کیا وہ شہزادہ خرم کے

خرمنِ ہوش پر بجلیاں بن بن کر گرتی رہیں ۔ جھکی سا منتظم مسکراتے ہوئے بولا ۔

" آپ کو کیا علم جناب ! شہزادۂ عالی تو چار دن ہوئے دارالحکومت میں پہنچ بھی چکے ہیں ۔ ایسا عظیم الشان استقبال ہُوا تھا اُن کا کہ صفدر نگر کی تاریخ اُس کی مثال پیش نہیں کر سکتی ۔ میں نے زندگی میں اِتنا بڑا ہنگامہ آج تک نہیں دیکھا ۔ اگر آپ اس روز صفدر نگر میں موجود ہوتے تو یقیناً دنگ رہ جاتے ۔ جب شہزادۂ عالی کی سواری پہنچی شہر پناہ کے آس پاس انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور سپہ سالار رستم خاں کے دستہ کی شان تو اُس روز دیکھنے والی تھی جس نے شہزادۂ عالی کو ننگی تلواروں سے سلامی دی ——— کیا عرض کروں ——— یوں معلوم ہوتا تھا فضا میں بجلیاں کوندگئی ہیں بجلیاں ——— واہ وا ——— کیا شاندار نظارہ تھا پھر اُسی روز اعلان کیا گیا " شہزادۂ ذی شان " کی آمد کی خوشی میں مسلسل پانچ راتیں چراغاں کیا جائے اور رات کو پورا شہر روشنیوں سے جگمگا اُٹھا ۔ گھر گھر میں چراغ جلائے گئے تو جناب آج چراغاں کی چوتھی رات ہے ۔ کیا عرض کروں ۔ صفدر نگر میں کئی من تیل " شہزادہ " کی آمد پہ روشنی بن کر جل چکا ہے ۔ بھلا ہم غریبوں کی کیا بساط ۔ بڑی مشکل سے صرف پانچ سو چراغ جل سکے مگر ذرا شاہی محل کی طرف جا کر دیکھئے ہزاروں چراغ روشن ہیں ہزاروں ۔ بالکل دن کا سا اُجالا ہو رہا ہے ۔ سوئی پھینکو اور پل بھر میں ڈھونڈ لو ——— ایسا چراغاں کم از کم مَیں نے تو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور کل ——— کل تو دربارِ جشن منعقد ہو رہا ہے ۔ وہ رقص ہوگا ——— وہ گانا ہوگا کہ بس کیا عرض کروں ۔ میرا خیال ہے آپ بھی جشن دیکھنے آئے ہیں ——— جی ؟ "

باتونی ——— چرب زبان منتظم جوں جوں بولتا جا رہا تھا خرم کے ہوش اُڑتے جا رہے تھے ۔ یہ کیسا حیرت انگیز ——— تحیّر خیز واقعہ تھا ۔ وہ مسلسل چار دن گمنامی میں زخمی رہنے کے بعد آج ہی دارالحکومت میں آیا تھا اور " شہزادۂ عالی " چار دن پہلے ہی تشریف فرما ہو چکے تھے ——— یا حیرت ——— للعجب ——— !!

کیا وہ کوئی چھلاوہ تھا یا خرم کا ہمزاد جو اس کی عدم موجودگی میں آ دھمکا ۔ اب یا تو اس منتظم کا دماغ چل گیا اور بے پر کی ہانک رہا ہے یا اُس کا اپنا ذہن محور کے بغیر بے مقصد گھومے جاتا ہے ۔ خرم حیرت زا لہجے میں بولا ۔

" بڑے میاں ! کہیں تمہیں غلط فہمی تو نہیں ہوئی کیا واقعی شہزادہ خرم آ چکے ؟ "

"تو جناب کا خیال ہے میں اتنی دیر سے ان کی آمد کے جو قصیدے پڑھ رہا ہوں وہ سب بکواس ہیں؟" منتظم کے چہرے پر کبیدگی کے آثار ظاہر تھے۔

"کیا تم نے شہزادہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا؟"

"ہاں —— ہاں —— میں نے "شہزادہ عالی" کو اپنی انہی دو آنکھوں سے دیکھا۔ مجھے خوب یاد ہے جب وہ وزیرِ سلطنت شبانی خاں کے ہمراہ اُمراء و مصاحبین سے ملاقات کر رہے تھے، لاچی خاں عَلمِ خاص اُٹھائے اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔"

"کیا کہا لاچی خاں ——؟"

یہ نام سُن کر خرم یوں اُچھلا جیسے اُس کے پاؤں پر کسی انتہائی زہریلے بچھو نے ڈنک چلا دیا ہو۔

"تو لاچی خاں "شہزادہ" کے ساتھ تھا؟"

"ہاں —— بھئی ——! وہی تو شہزادہ کا عَلم بردار تھا۔"

"اور لوگوں نے شہزادہ کو قبول کر لیا؟"

"کیوں نہ کرتے —— وہ پانچ سال کے طویل عرصہ کے بعد دارالحکومت میں واپس آئے تھے۔ اس موقع پر لوگوں نے ایسا فقید المثال استقبال کیا کہ کیا عرض کروں۔"

"میرا مطلب ہے "شہزادہ" کی شکل و صورت پر کسی نے اعتراض نہیں کیا؟"

"واہ بھئی واہ —— عجیب آدمی سے پالا پڑا ہے۔"

منتظم تنگ آکر اب بے تکلفی پر اُتر آیا۔

"ارے بھائی! جب اُن کی شکل بدلی نہ صورت بگڑی پھر کوئی اعتراض کیوں کرتا۔ مجھے تو تم کوئی شکی آدمی معلوم ہوتے ہو۔ معاف کرنا میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر منتظم آگے بڑھ گیا اور خرم کا ذہن ورطۂ حیرت میں غوطے کھانے لگا۔ کتنی حیران کن بات تھی۔ ایک اجنبی شخص شہزادہ کا بھیس بدل کر آتا ہے اور کوئی اُسے پہچان نہیں سکتا۔ سب دھوکا کھا گئے۔ خُرم کا ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا لیکن اس حقیقت نے تو چراغاں کی شکل اختیار کر لی تھی اور یہ چراغاں صرف سرائے شہریار میں نہیں پورے شہر میں ہو رہا تھا۔

خُرم بڑی بے دلی سے گھوڑے پر سوار ہُوا اور اپنے چہرے پر پٹکا مضبوط کرتا سرائے

کے پھاٹک سے نکلا۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ یہ روشنیاں خُرم کے دِل کو سانپ بن کر ڈسنے لگیں۔ وہ حیران تھا۔ ایک اجنبی شخص اس کا رُوپ دھار کر اُن لوگوں کو تو فریب دے سکتا ہے جنہوں نے شہزادہ خُرم کو قریب سے نہیں دیکھا لیکن جہاں دیدہ وزیرِ سلطنت شبانی خاں اور اس کی بوڑھی ماں ملکۂ جہاں کی آنکھوں میں دُھول کیسے جھونک سکتا ہے۔"

اب یہ راز تو آشکار ہو چکا تھا۔ لاچی خاں اسے سانگا جنگل میں کیوں گھیر کر لے گیا —— اس پر قاتلانہ حملہ کیوں ہُوا —— محافظ سپاہی کیوں مارے گئے —— اور شمشیر فرشتۂ اجل کی طرح تعاقب کرتا گونا بستی تک کیوں جا پہنچا تھا یقیناً وہ اُسے قتل کر کے خود شہزادہ کا رُوپ دھارنے اور صفدر نگر کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا لیکن حیرت افزا بات یہ تھی۔ شبانی خاں ایسے جہاں دیدہ تجربہ کار آدمی کی آنکھیں کیسے دھوکا کھا گئیں —— ملکہ جہاں بھی اُسے کیوں پہچان نہ سکیں ——؟

سوچنے لگا ضرور کوئی ایسا طلسم ہوا یا شمشیر نے کوئی ایسا فریب کھیلا ہے جس نے بوڑھی، تجربہ کار آنکھوں میں بھی سحر کی دھول جھونک دی ہے۔ ورنہ سرائے شہریار کے "خبطی" منتظم کی طرح سب لوگ فاتر العقل نہیں ہو سکتے۔

اُس کا گھوڑا ہولے ہولے چلتا شہر پناہ میں داخل ہُوا۔ صفدر نگر کے اندر ہر دیوار، ہر مکان، ہر حویلی، ہر ممٹی، ہر بُرجی پر قطار اندر قطار چراغ روشن تھے۔ اُن کی روشنیوں سے پُورا شہر بقعۂ نور بن رہا تھا۔ ہر سمت ایک ہنگامۂ مسرت بپا تھا ہر جانب چہکتے مہکتے لوگ رواں دواں تھے۔ اس طرب آگیں، ہنگامہ بدوش، درخشاں رات میں خرم کا بجھا ہُوا دِل گیلی لکڑی کی مانند سلگ رہا تھا۔ وہ شہر کے ہنگاموں، نظاروں اور ہر طرف جھلملاتے ہوئے چراغوں کو دیکھتا شاہی محلات کی طرف ہو لیا۔

پانچ برس پہلے جب وہ اس شہر سے پہاڑی قلعہ کی طرف روانہ ہوا اُس کے در و دیوار سے رخصت ہوتے وقت دِل میں عجیب و غریب جذبات موجزن تھے۔ پہاڑی قلعہ میں پہنچ کر بھی اُسے صفدر نگر کے شاہی محلات اور کوچہ و بازار اکثر یاد آتے تھے۔ وہ اسی شہر میں پیدا ہُوا، یہیں کھیلا کُودا، یہیں جوان ہُوا تھا۔ اس شہر کے ہر ذرّے سے مہر و محبت کی کہانی وابستہ تھی۔ اس سرزمین کی مٹی میں ایک عجیب سی مہک تھی جو اُس کے مشامِ رُوح کو معطر کر دیتی تھی پہاڑوں پر پانچ برس کے طویل عرصہ کے دوران بھی وہ صفدر نگر کو

فراموش نہ کر سکا تھا بلکہ جُوں جُوں واپسی کے دِن قریب آتے گئے اس کے دِل میں اس شہر حسین کو دیکھنے کی تمنا کروٹیں لے کر بیدار ہوتی گئی۔ وہ اپنی جنم بھومی ——— اپنے مولد ومسکن ——— اپنے وطن کی مہکتی زمین ——— اور اپنے شہر کے کوچہ و بازار کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گیا، جانتا تھا پانچ سال کی واپسی کے بعد اُس کا شاندار استقبال کیا جائے گا۔ شہر میں جشن منایا جائے گا۔ چراغاں ہوگا۔ مسّرت وانبساط کے ہیولے رقص کریں گے اور جیسا اُس نے سوچا تھا سب کچھ ویسا ہی تھا بلکہ سرائے کے منتظم سے شہزادہ کے فقید المثال استقبال کی جو رُوداد سنی وہ حیرت افزا تھی، اس وقت شہر میں چراغاں کے جو منظر دیکھ رہا تھا وہ ہوش رُبا تھے مگر یہ سب کچھ کسی اور کے لیے ہُوا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کا بھیس بدل کر پُوری سلطنت کو دھوکا دیا اور اس کی خوشیاں چھین لی تھیں۔

خرّم اُداس وغمزدہ رُوح کی مثال چُپ چاپ زیرِ لب چلا جا رہا تھا۔ آج رات یہی روشنیاں اُس کے دِل کو ڈسے جا رہی تھیں۔ یہی کوچہ و بازار جو اُس کی تمناؤں کا حاصل تھے اُسے کاٹنے کو دَوڑ رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا وہ بے رُوح کا پیکر استخواں ہے۔ ایک ایسا خالی جسم ——— ایک ایسا خالی برتن جس کی زندگی یا شراب، رُوح کسی دُوسرے پیمانے میں منتقل ہو چکی ہے۔

جھلملاتے چراغوں کی روشنی میں گھوڑے پر سوار ——— بھٹکی ہُوئی رُوح کی طرح چہرہ چھپائے ——— افسردہ وحزیں ——— کھویا کھویا ——— ڈوبا ڈوبا یہ کون چلا جا رہا ہے؟ اسے کیف وانبساطِ زندگی کے مہرے بدل چکے۔ اس کے گلشنِ حیات کی بہاریں ایک ڈاکو نے لُوٹ لیں۔ شاہی محل اور ایوانِ دربار میں نئے شاہ و فرزین متمکن ہو گئے اور جیتے جی اُس کی رُوح قالبِ خاکی کو چھوڑ کر نیا جسم اختیار کر چکی۔ اب وہ ایک ہارا ہُوا جواری ——— ایک لُٹا ہُوا راہی ——— ایک بجھا ہُوا چراغ ہے جس کی لَو سے روشنی کی بجائے صِرف دھوئیں کی لہر بلند ہوتی ہے۔

شاہی محلات کی بلند و بالا فصیل اور پُرہیبت برنجی پھاٹک کے بُرج کے سامنے پہنچ کر اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔

قطار اندر قطار ہزاروں جھلملاتے چراغ جیسے اُس کے دِل کے داغوں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ جو شاہی محلات کے درو دیوار پر روشن تھے فصیل کے اندر

[...]روں سمت تہا یاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ غلاموں، کنیزوں اور خدامِ شاہی کے قہقہے [...]ور جیسے خنجر کی دھار بن کر دِل میں اُترنے لگے۔ محلات کے اندر جشنِ چراغاں منایا جا رہا [...]چاروں طرف روشنیوں کا سیلِ نور بہہ رہا تھا۔

گھوڑے کی پُشت پر بیٹھے بیٹھے خرم نے برنجی پھاٹک کے پہرداروں کو دیکھا [...]ہوڈھی چراغوں سے بقعۂ نُور بن رہی تھی، چند چوبدار بلند آواز سے خوش گپیوں [...]یں مصروف تھے۔ خرم نے ان کے چہرے اور لہجے پہچان لیے۔ وہ ان پہرداروں کو [...]جانتا تھا جو اُسے دیکھتے ہی بجلی ایسی سُرعت سے " با ادب، با ملاحظہ " ہو کر تعظیم دیا [...]کرتے تھے۔ بالخصوص پہرداروں کے افسرِ اعلیٰ سردار مہروز کو تو اچھی طرح جانتا تھا جو اس [...]ے لڑکپن سے اس خدمت پر مامور اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں بڑی شہرت رکھتا [...]تھا۔ اس وقت وہ ماتحتوں کے درمیان گھِرا ان انعامات کا ذکر کر رہا تھا جو اُسے شہزادۂ [...]عالی نے پہاڑی قلعہ سے واپسی کے بعد گزشتہ تین چار دِن میں عطا کیے تھے۔ اُس کی آواز [...]کی لہر خرم کے کانوں میں زہر گھول رہی تھی۔ اس نے کہا۔

" کل دربارِ جشن ہے اور میں شہزادۂ عالی کی خدمت میں نذر پیش کروں گا۔ [...]انہوں نے وعدہ کیا تھا وہ مجھے ترقی دے کر داروغۂ محلات مقرر کر دیں گے۔ کل میرے [...]ے عہدہ کا اعلان کر دیا جائے گا۔"

خرّم کے دِل میں آئی وہ مہروز کو بُلا کر اُس لٹیرے کے متعلق کچھ معلومات حاصل [...]کرے جس نے اُس کی زندگی ہی میں اُسے شاہی حیثیت سے گرا دیا اور اس کا مقام خود [...]چھیا لیا تھا مگر اُسی لمحے مہروز کی آواز سُن کر چونک اُٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

" جانتے ہو جب شہزادۂ عالی پہاڑی قلعہ سے لوٹ رہے تھے سانگا جنگل [...]یں اُن کا سامنا شمشیر سے ہو گیا۔"

" شمشیر ڈاکو ———؟"

ایک ساتھ کئی خوفزدہ آوازیں اُبھریں۔

" شمشیر ڈاکو تو قہر و ہلاکت کا دیوتا ہے۔"

" مگر شہزادۂ عالی کے سامنے وہ گیدڑ کی طرح دُم دبا کر بھاگ نکلا۔ میں نے سُنا ہے جنگل میں جب شمشیر سے مقابلہ ہُوا شہزادۂ عالی بجلی بن کر ٹوٹ پڑے اور انہوں

نے کئی ڈاکوؤں کو جہنم رسید کر دیا۔"

پھر مہروز رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"لاچی خاں نے مجھے بتایا ہے ڈاکوؤں میں اس نے ایک ایسے آدمی کو بھی دیکھا جس کی شکل و صورت حیرت انگیز طور پر شہزادۂ عالی سے ملتی جلتی تھی۔ خیال ہے اس لڑائی میں زخمی ہونے کے بعد وہ بھی مر چکا ہوگا۔ اگر بچ گیا تو ضرور اپنے سردار کا انتقام لینے صفدر نگر میں آئے گا۔ ممکن ہے خود کو شہزادہ ظاہر کر کے شاہی محل میں گھسنے کی کوشش کرے۔ اس لیے اس نے حکم دیا ہے ہم ہوشیار رہیں اور اگر شہزادۂ عالی کے کسی ہم شکل کو دیکھ لیں تو دھوکا نہ کھائیں بلکہ اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیں۔ شہزادۂ عالی کا فرمان ہے جو پہریدار اس آدمی کو ہلاک کرے گا اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائیگا۔"

یہ راز کی بات بتا کر مہروز کہنے لگا۔

"ہو سکتا وہ ڈاکو جس کی شکل و صورت شہزادۂ عالی سے ملتی ہے، زندہ ہو اور کسی روز موت اسے صفدر نگر کی طرف کھینچ لائے۔ اس لیے تم سب اپنی آنکھیں کھلی رکھو اور جس شخص کو شاہی محلات کی فصیل کے آس پاس مشتبہ حالت میں دیکھو فوراً گرفتار کر لو۔ اگر وہ ڈاکو شہزادہ کا ہم شکل ہے تو جو شخص اس کا سر لے کر شہزادۂ عالی کی بارگاہ میں داخل ہوگا بہت بڑا انعام اور اعزاز پائے گا۔ مجھے امید ہے تمہاری وفاداری وہ انعام حاصل کر سکے گی۔"

مہروز کی زبان سے یہ کہانی سن کر شہزادہ خرم کے ذہن میں اس خوفناک سازش کی کڑیاں ابھرنے لگیں جو اس کے خلاف کی گئی تھی۔ اب اسے خیال آیا ممکن ہے شمشیر ڈاکو ہی اس کا ہم شکل ہو اور اسی مشابہت کی بنا پر شمشیر نے اسے قتل کرنے اور خود اس کا روپ دھار لینے کا منصوبہ بنایا ہو۔ سمجھا ہوگا مفرور شہزادہ اتنے زخم کھا چکا ہے کہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب اس کے سامنے خرم کی تلوار، شاہی کلاہ اور گھوڑا پیش کیا گیا واقعی یہی سمجھا کہ شہزادہ موت کے سفر پر روانہ ہو چکا اور اس کی لاش سانگا ندی میں غرق ہو چکی اس کے باوجود ہوشیار لاچی خاں نے شہزادہ کے ہم شکل ڈاکو کا افسانہ محض اس لیے گھڑا تھا کہ اگر شہزادہ بچ گیا ہو (جس کی امید نہیں تھی) اور کسی وقت شاہی محلات کا رخ کرے تو محافظ سپاہی اسے شہزادہ کا ہم شکل ڈاکو سمجھ کر فوراً موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اس خدمت کے عوض پہریداروں کو انعام و اکرام کا لالچ دیا گیا تھا۔

اب خرم شمشیر کی پوری سازش سے آگاہ ہو چکا اور قدرت کی اس ستم ظریفی پر حیران و دم بخود تھا جس نے ایک شہزادہ سے اس کا مرتبہ، اس کا جاہ و جلال چھین لیا اور اس کی جگہ ایک ظالم، بے رحم اور سفاک ڈاکو کو تخت و تاج کا وارث بنا دیا تھا۔ مہروز کی باتیں سن کر اسے محسوس ہوا اس کا شاہی محلات کے آس پاس پھرنا خطرے سے خالی نہیں۔ معلوم نہیں کب اور کس وقت کوئی پہریدار اس کے چہرے کا نقاب الٹ دے اور اسے شہزادہ کا ہم شکل ڈاکو سمجھ کر موت کے گھاٹ اتار دے۔ وہ اپنی قسمت، اپنی حکومت، اپنی زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ بے رحم تقدیر نے اس کے اردگرد موت کے دام بچھا دیئے تھے۔ خرم نے مہروز سے ملاقات کا ارادہ ترک کیا اور اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی۔

صفدر نگر کے کوچہ و بازار اس کے لیے اجنبی بن چکے تھے۔ اب اس شہر میں اس کی زندگی پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔ چپ چاپ شہر پناہ کی طرف چلتا رہا۔

(منظر ١٠)

دربار

○

صفدر نگر میں مسلسل چار راتیں چراغاں کیا گیا۔ پانچویں روز دربار جشن کی کشش تمام اُمراء، رؤسا، مصاحبین اور وفادارانِ سلطنت کو دربار میں کھینچ لائی۔

شمشیر نے اس اثنا میں شاہی محلات پر اپنا حکم نافذ کر دیا۔ اُن کمزوریوں کی تلافی کر دی جو روزِ اوّل اُس سے سرزد ہوئی تھیں۔ وہ شہزادہ خرم کے رُوپ میں ملکہ جہاں کو اپنی غیر معمولی سعادت اور شہزادی گلبانو کو اپنی غیر فانی محبت کا یقین دلانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ گزشتہ چار دن میں اس نے بہت سی معلومات حاصل کر لیں اور ایک طرح اختیاراتِ حکومت کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ جلوسِ تخت نشینی سے پہلے اس کی حیثیت ایک ولی عہد سے زیادہ نہیں تھی اور کاروبارِ سلطنت ملکہ جہاں کے ہاتھ میں تھا لیکن سب لوگ جانتے تھے بہت جلد وہ شہزادگی کا چولا اُتار کر قبائے شہریاری زیب تن کرنے والا ہے اس لیے سبھی بے چون و چرا اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔

ان ایام میں اصل شہزادہ بھی شہر کی طرف نہ آیا۔ نہ شمشیر کو اس کے متعلق کوئی خبر مل سکی جس سے یہ خیال یقین کو پہنچ گیا کہ وہ ہلاک ہو چکا، لاش سانگا ندی میں غرق ہو گئی۔ یا جنگل جانوروں کی خوراک بن چکی ہے، شمشیر مطمئن تھا۔ اُس کی رُوح پر چھایا ہُوا غیبی خوف

کافور ہو گیا اور اپنی نئی زندگی کے ہنگاموں میں کھو گیا۔

اس کی آمد پر جو فقید المثال جشنِ چراغاں ہُوا۔ آج اُس کا پانچواں اور ہنگامہ آفریں دن تھا۔ صفدر نگر کا شہر دلہن کی طرح آراستہ پیراستہ تھا۔ شاہی دربار، امراء و مصاحبین، اعیانِ دولت اور ان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہُوا جنہیں دربار میں حاضری کا شرف حاصل تھا۔ سٹیج پر تختِ شاہی کے دائیں بائیں سُرخ مخمل اور کمخواب سے مرصع کُرسیاں بچھی تھیں۔ تین سیڑھیاں نیچے وزیرِ سلطنت شبانی خان کی نشست تھی۔ پھر درجہ بدرجہ قاضی القضاۃ۔ امیر الامرا۔ دیوان میر دربار، سپہ سالار اور چند اعلیٰ امراء اور بڑے رؤسا اپنی نشستوں پر متمکن تھے۔ ان کے علاوہ دربار میں کسی شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ سب اپنے اپنے رتبہ و درجہ کے مطابق صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔

دربارِ شاہی وسیع و عریض فنِ تعمیر اور شاہی جلال و ہیبت کا بہترین نمونہ تھا۔ بڑے بڑے مدوّر ستونوں کے ساتھ چاندی کے خوشبو دانوں میں عنبر و عود سُلگ رہے تھے۔ اسٹیج رنگین قالینوں سے آراستہ تھا۔ عقبی محرابوں پر ریشمی پردے جھول رہے تھے۔ تختِ شاہی کے سنہری زینہ کے نیچے جہاں اُمرائے دربار کی نشستیں ختم ہوتی تھیں۔ گلابی سنگِ مرمر کا فرش آئینے کی مانند صاف اور روشن تھا جس کی شفاف سطح پر پُورے دربار کا منظر منعکس ہو رہا تھا۔ امرائے دربار اپنی جگہوں پر متمکن تھے۔ اُن کے نئے رنگین اور زرّیں و سیمیں تاروں سے کشیدہ لباس اور اُن کے رنگوں کی بوقلمونی دربار میں قوسِ قزح کا سا نظارہ پیش کر رہی تھی۔

اچانک قرنا کی آواز سے فضا تھرتھرا اُٹھی۔ باوردی چوب دار اور محافظین دربار سنبھل گئے۔ اہلِ دربار کی نگاہیں اُس راہداری کی طرف گھوم گئیں جو سٹیج کے عقب میں واقع تھی۔ نقیب نے ملکہ جہاں اور شہزادہ خرم ذیشان کی آمد کا اعلان کیا اس کے ساتھ ہی سب سے اوّل ملکہ اس کے بعد شمشیر پیچھے پیچھے شہزادی گلبانو کی صورت نظر آئی۔ عقب میں چند کنیزیں تھیں۔ اہلِ دربار سرنگوں ہو گئے۔

ملکہ جہاں شاہانہ وقار سے چلتی تختِ زرّیں پر متمکن ہو گئی۔ شمشیر اور شہزادی گلبانو دائیں بائیں بیٹھے اور کنیزانِ خاص نے عقب میں ایک ہلالی دائرہ سا بنا لیا۔ جب وہ اپنی اپنی نشست پر بیٹھ چکے حاضرین نے گردنیں اُٹھائیں لیکن ان کے سر بدستور احترام

سے جھکے ہوئے تھے ۔ وزیرِ سلطنت شبانی خاں کے اشارہ پر میرِ دربار نے پُرشوکت الفاظ میں دربار کے انعقاد کا مقصد بیان کیا ۔ شہزادہ خرم ذیشان کی مسرت افروز مراجعت پر مبارک بادپیش کی اور اس تقریبِ شاہی کا آغاز رقص و نغمہ کے نشاط انگیز اعلان سے کیا ۔

اُسی لمحے گونگ پر ضرب پڑی اور ابھی اس کی گونج بھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ دربار کے بغلی دروازہ کا ریشمی پردہ تھرتھرایا اور گونا بستی کے سردار کی حسین و جوان بیٹی نیلی اپنے خوب صورت قبائلی لباس میں تتلی کی مانند جیسے ہوا میں اُڑتی داخل ہوئی اور اس دائرۂ رقص میں آ پہنچی جس کی شفاف سطح پر اب ایک حسین و رنگین عکس کا اضافہ ہو گیا تھا ۔

نیلی اتنی سُرعت، اتنی تیزی، اتنی پھرتی اور فنی مہارت کے ساتھ نمودار ہوئی تھی کہ اس کی آمد پر سحر و طلسم کا گمان ہوتا تھا ۔ لوگ پلک جھپکنا بھول گئے اور جادو کی مانند گھومتی اس ساحرۂ رقص کے جلوۂ حسن میں کھو گئے ۔ اُس نے آتے ہی دربار میں یکے بعد دیگرے ایک ہی دائرہ میں دو چکر لیے اور تیسرے چکر کے ساتھ ہی تختِ شاہی کے عین سامنے سیمیں زینہ کے قریب کمر تک جُھک گئی پھر اُس نے آدابِ شاہی کے مطابق کورنش کی رسم ادا کی ۔ تیسری بار اس کا ہاتھ پیشانی کی طرف اُٹھا صراحی دار گردن بھی ہولے ہولے سیدھی ہوئی اور نگاہیں تختِ زریں کی طرف اُٹھیں ۔

وہ لمحہ نیلی کی زندگی میں حیرت و استعجاب کا ایک ایسا بابِ رنگین، طلسم ہوشربا کا ایک ایسا گوشۂ بہاریں تھا جس کے عقب میں اُسے اپنی پوری زندگی ایک ہیولے کی صورت میں تھرتھراتی دکھائی دی ——— اُس نے کئی بار اپنی لانبی لانبی پلکیں جھپکیں اور سوچنے لگی، کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی ۔ کہیں تقدیر اُس کے ساتھ کوئی مذاق تو نہیں کر رہی لیکن یہ خواب نہ تھا ۔ سحر و طلسم نہ تھا ۔ اُس نے ہوش و حواس کی تمام شہادتوں کے ساتھ اپنے پردیسی محبوب خرم کو ملکۂ جہاں کے پہلو میں متمکن پایا اور فرطِ تحیر سے اُچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی ۔ آنکھیں تارہ بن گئیں جن سے حیرت و تعجب کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور ایک لفظ ——— ایک نام ——— "خُرم" ——— اُس کے ذہن کے نیلے، تاریک آسمان پر شہابِ ثاقب کی مثال روشنی کی لکیر کھینچتا اُڑا چلا جا رہا تھا ۔

جس طرح رات کے بازوؤں پر شاعروں کے دل بیدار ہوتے ہیں ۔ ستاروں کی چمک پر نجموں کی غیبی قوتیں مرتعش ہوتی ہیں اُسی طرح شمشیر کو دیکھ کر نیلی کے ذہن میں پردیسی محبوب

کی وہ ذو معنی باتیں جاگ اُٹھیں جن پر اُس نے پہلے کبھی توجہ نہ دی تھی ۔ جب وہ اُس کے رُو برو بستی کی رقص گاہ میں بیٹھی تھی کیا کہا تھا اس نے ۔

" تُو وہی نیلی ہے ——— میں وہی شہزادہ ہوں جو بیس برس پہلے چاندرات کو سانگا ندی کی لہروں میں کھو گئے تھے ——— "

نیلی کے ذہن پر روشنی سی بکھر گئی ۔ اُس نے سوچا ۔ وہ اپنے متعلق مسلسل اشارے کرتا اور اپنی شاہی حیثیت بار بار یاد دلاتا رہا لیکن وہی اس کے اشاروں کنایوں کو نہ سمجھ سکی ۔

گونا بستی کے جھونپڑوں اور صفدر نگر کے شاہی محلوں کے درمیان جو طویل اور ناقابلِ عبور فاصلہ تھا نیلی اس کے تصور ہی سے کانپ اُٹھی لیکن فوراً ہی اُس کے حافظہ پر روشنی کی ایک لکیر جگمگا اُٹھی ۔ اُسے خُرم کے الفاظ یاد آئے ۔

" اس رُوپ میں ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے اور محبت کی ادھوری داستان اپنے انجام کو پہنچے گی ۔ "

نجانے وہ کون سی غیبی قوت تھی جس کے زیرِ اثر نیلی نے اپنے پردیسی محبوب کی ہر بات پر یقین کر لیا تھا اور اس وقت بھی جب وہ دربار میں کھڑی اُسے تختِ شاہی پر جلوہ فرما دیکھ رہی تھی نیلی کو اپنے محبوب کی کوئی بات عجیب اور اَن ہونی معلوم نہ ہوئی ۔ وہی یقین اب بھی قائم تھا جس نے اس ہوش رُبا نظارہ کے بعد ایک تبسم کی شکل اختیار کر کے نیلی کے لب و عارض پر محبت کا جادو بکھیر دیا ۔ یہ حسین اور لطیف سی مسکراہٹ اس کی زندگی پر زہرہ ستارے کی مانند طلوع ہوئی تھی ۔

گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی کو دربار میں دیکھ کر شمشیر بھی یوں چونک اٹھا تھا جیسے اُس کے دِل پر پہاڑوں کا بوجھ آ گرا ہو ۔ آخر اس خیال نے ڈھارس بندھائی کہ سردار کی بیٹی نے اس کی شکل ہی کب دیکھی تھی ۔ وہ اُسے شہزادہ خرم کی حیثیت سے جانتی نہ شمشیر ڈاکو کے رُوپ میں پہچانتی ہے کیونکہ جب وہ مفرور شہزادہ کی تلاش میں گونا بستی پہنچا اور سردار کے گھر داخل ہوا اُس نے چہرے پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا لیکن پہلی نظر میں نیلی کو دیکھ کر شمشیر نے جس حیرت کا اظہار کیا وہ نیلی کے لیے بھی تعجب خیز تھی ۔ بہر حال دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں اور ایک ثانیہ کے بعد جب حسین رقاصہ کے سُرخ ہونٹوں پر تبسم کی کرن نمودار ہوئی شمشیر کے دل پر ایک قیامت سی بیت گئی اور غیر ارادی طور سے مسکرا بھی دیا ۔ یہ مسکراہٹ گویا ایک پیغام

تھا جسے صرف نیلی سمجھ سکتی تھی۔

اگر شہزادی گلبانو نے شمشیر کے ہونٹوں پر یہ مسکراہٹ دیکھ لی ہوتی تو جانے اُس کے دل پر کیسی بجلیاں ٹوٹ پڑتیں مگر خیریت گزری شہزادی نے صرف نیلی کا استعجاب دیکھا پھر تبسم اور وہ یہی سمجھی شاید یہ بھی رقص کا کوئی انداز ہے جسے نگاہوں کی حیرت اور لبوں کی مسکراہٹ سے ادا کر رہی ہے۔

نیلی کی دنیا میں ایک حسین انقلاب آ گیا۔ اس نے ایک بار پھر کورنش کی رسم ادا کی اور مسکراتی، لجاتی، شرماتی رقص کی بجلیاں برساتی پھر حرکت میں آئی اور ناچ کے بھاؤ کاٹنے لگی۔ ساتھ ہی اس کی مترنم آواز نے دربار پر ایک جادو سا کر دیا اور لوگ اُس کی آواز کے طلسم میں گم ہونے لگے۔ نیلی نے ایسا نغمہ چھیڑ دیا جس نے دلوں کے تار ہلا دیئے۔ دماغ کے آئینہ خانے روشن کر دیئے وہ نغمہ، اس کی تان، نیلی کی آواز اور رقص کا انداز کچھ ایسا بے باکانہ تھا کہ اہلِ دربار کے ساتھ خود شمشیر کے ہوش بھی اُڑنے لگے۔ جب وہ اُس سے نظریں چار کر کے نغمے کے بول اٹھاتی اور رقص کا توڑا کاٹتی یوں محسوس ہوتا جیسے اُس کے ساتھ پوری کائنات رقص کر رہی ہو۔

نیلی نے پورے دربار پر جادو کر دیا۔ خود ملکہ جہاں بھی مسرور و شادماں نظر آ رہی تھی۔ اُس نے آج تک ایسا رقص دیکھا نہ ایسا سحر انگیز گانا سُنا تھا جس میں شہزادہ خرم کو زندگی کی دُعائیں دی گئی تھیں۔ شاید رقص و نغمہ سے اس لیے خوش ہوئی کہ اُسے اپنے بیٹے کی سلامتی اور ترقیٔ اقبال کی جھلکیاں نظر آئی تھیں۔ شاید یہی سبب تھا جب نیلی نے اپنا رقص ختم کیا اور ایک بار پھر سیمیں زینہ کے قریب سربسجود سی ہو گئی۔ ملکہ جہاں فرطِ مسرت میں بولی۔

"لڑکی —— ! تُو نے بہترین رقص کیا اور بہترین گانا گایا ہے۔ ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے —— بتا کیا چاہتی ہے —— ؟"

ملکہ جہاں کے یہ الفاظ سُن کر نیلی جیسے ازسرِنو زندہ ہو گئی۔ اُس نے عرض کیا۔

"حضور —— ! سب سے پہلے جان بخشی چاہتی ہوں۔"

ان الفاظ پر ملکہ جہاں چونک سی گئی لیکن اُس نے جان بخشی کا وعدہ کر لیا۔

"اب بتا —— تیری خواہش کیا ہے؟"

نیلی نے ایک لمحہ رُک کر اپنے حواس درست کیے پھر بولی۔

"ملکہ عالیہ —— ! آپ کو یاد ہو گا۔ بیس برس پہلے ایک شہزادہ شکار کی غرض سے نکلا اور اُس نے گونا بستی کے قریب قیام کیا تھا . . . ."

"گونا بستی —— ؟"

ملکہ جہاں کی زبان پر الفاظ جیسے شعلوں کی مانند تھرتھرائے۔

"لڑکی —— ! تُو کیا کہنا چاہتی ہے۔"

اگرچہ اس کے لہجے میں سرزنش تھی مگر جانتی تھی رقاصہ کی جان بخشی کا وعدہ کر چکی ہے۔ نیلی نے گردن جھکا دی اور بولی۔

"ملکہ عالیہ کو یہ بھی یاد ہو گا بیس سال پہلے گونا بستی کے باشندوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ عالی جاہ کے فرمان کے مطابق بستی کا کوئی آدمی صفدر نگر میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ بیس برس کے بعد وہ حکم آج بھی قائم ہے اور ہماری بستی کے لوگوں نے اس کی نافرمانی نہیں کی۔ اگر حضور مجھے کچھ انعام دینا منظور ہے تو گونا بستی کے لوگوں پر رحم فرماتے ہوئے یہ حکم منسوخ کیجیے اور ہمیں شہر میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔"

نیلی کی زبان سے یہ الفاظ سُنتے ہی ملکہ جہاں شعلے کی مانند بھڑک اُٹھی اور غیض و غضب کی حالت میں کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ عمائدین سلطنت جو کرسیوں پر بیٹھے تھے بطورِ احترام اپنی نشستیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ شمشیر اور شہزادی گلبانو کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ نیلی کی عرضِ تمنا گویا کوندے کی لپک یا شعلے کی چمک تھی جس نے ایک پل کے اندر پورے دربار کو ہلا دیا۔ ہر شخص نے یہی اندازہ لگایا اگر ملکہ جہاں سرِ دربار جان بخشی کا وعدہ نہ کر چکی ہوتی تو شاید اس وقت لڑکی کی لاش تڑپ رہی ہوتی۔ اس کے باوجود وہ شاہی عتاب سے بچ نہ سکے گی۔ سردار شاہو جلدی سے آگے بڑھا اور نیلی کے قریب پہنچ کر سرنگوں ہو گیا اُس کا بدن کانپ رہا تھا اور چہرے پر خوف و ہراس کے سائے لرزاں تھے۔

ملکہ جہاں محراب کے ستون پر ہاتھ رکھے خاموش، مہر بلب کھڑی تھی اور شمشیر کا ذہن حیرت و استعجاب کے بھنور میں چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا گونا بستی کے سردار کی بیٹی نے ایک معمولی سی تمنا کر کے کون سے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس نے ملکہ جہاں کو ایک آن کے اندر پیکرِ عتاب بنا دیا ہے؟

دربار پر خوف انگیز سناٹا طاری تھا۔ سب لوگ دم بخود سے حسین رقاصہ کے انجام کے متعلق سوچ رہے تھے۔ نجانے اس کی عرضِ تمنا کا جواب کس خوفناک سزا کی شکل میں دیا جائے ــــــ لوگوں کے ہجوم سے دُور قوی ہیکل، مقدّر ستون کے عقب میں ایک شخص اپنے چہرے کو دستار کے پلّو سے یُوں چھُپائے کھڑا تھا کہ صرف آنکھیں اور ستواں ناک کا تھوڑا سا حصّہ نظر آتا تھا۔ اس کی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں ایک ایسا تحیّر ــــــ ایسا اضطراب ــــــ ایسا جنون کروٹیں لے رہا تھا جس نے پورے جسم کو پتھر کے ساکت و جامد مجسمہ میں بدل دیا تھا۔ انتہائے حیرت سے آنکھیں تارہ سی بن گئی تھیں لیکن اس کی توجّہ کا مرکز گونالبتی کی حسین رقاصہ تھی نہ ملکہ جہاں جس کے چہرہ پر قہر و غضب کے شعلوں کا عکس تھرتھرا رہا تھا بلکہ اس کی حیران و ششدر نگاہیں شمشیر کے چہرے پر مرتکز تھیں۔ وہ شکل و صورت کے اعتبار سے شہزادہ خرّم سے ایسی کامل مشابہت رکھتا تھا کہ اگر وہ چہرے سے نقاب ہٹا کر اُس کے رُوبرو کھڑا ہو جاتا تو تمام اہلِ دربار فرطِ تحیّر سے دم بخود رہ جاتے اور خود ملکہ جہاں بھی شناخت نہ کر سکتی کہ دونوں میں سے اس کا بیٹا اور صفدر نگر کے تخت و تاج کا وارث کون ہے؟

یہ نوجوان جو ستون کے عقب میں منہ چھُپائے تصویرِ حیرت بنا پیکرِ سنگ کی طرح ساکت و صامت کھڑا تقدیر کی ستم ظریفی کا نظارہ کر رہا تھا، شہزادہ خرّم تھا جو دربار میں صرف یہ دیکھنے چلا آیا تھا کہ آخر شمشیر کی صورت میں وہ کون سا جادو ہے جس نے تمام لوگوں کو مسحور کر دیا حتیٰ کہ اس کی ماں کی آنکھوں میں بھی دھول جھونک دی مگر دربار میں جب اُس نے شمشیر کو اپنے ہی رُوپ میں دیکھا قلب و ذہن پر کوندے سے لپک گئے۔ فہم و شعور کی تمام قوتیں دم توڑنے لگیں، جسم کے اندر خون رُک رُک کر چلنے لگا۔

کچھ لمحوں کے لیے اُسے یقین ہی نہ آسکا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے کسی طلسم ہوش رُبا کا شکار ہو گیا یا حقیقت کی دُنیا میں کھڑا ہے۔ یہ حقیقت اتنی عُریاں اور مشابہت اتنی کامل تھی کہ خود خرّم کو اپنے وجود پر شبہ ہونے لگا ــــــ کہیں وہی کوئی پیکرِ خواب نہ ہو؛ مگر حقیقت برہنہ شمشیر بن کر موت کی طرح اُس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ اگر وہ جذبات کی رَو میں اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ کر تخت شاہی کے سامنے پہنچ جاتا تو اس سے پہلے کہ لوگوں کی نظریں اس حیرت انگیز نظارہ سے دوچار ہوتیں، لالچی خاں کی تلوار اصل خرّم کا سَر

کاٹ کر پھینک دیتی جو شمشیر کے قریب ہی فرشتۂ اجل کی طرح ہوشیار و مستعد کھڑا تھا۔ حقیقت کو تحویل میں غسل دے کر اُسے شہزادہ کا ہم شکل ڈاکو ثابت کیا جاتا جس کے ساتھ سانگا جنگل میں مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس طرح جھُوٹ سچ اور سچ جھُوٹ بن جاتا۔

خرّم نے محسوس کیا اُس کی زندگی کا ہر لمحہ موت کے سایوں میں گھِر چکا ہے معمولی سی غفلت بھی قیامت آفریں ثابت ہو گی۔ اُس نے فیصلہ کیا، اب ایک خاموش تماشائی بن کر قسمت کی ستم ظریفی کا نظارہ کرے گا جو اُس سے شاہی مرتبہ چھین کر ایک ڈاکو کے حوالے کر چکی اور خود حالات کے دام بچھا کر دُور کھڑی مسکرا رہی ہے۔

اُس کی محبوبہ بھی اس وقت اسی بے رحم تقدیر کے چنگل میں گرفتار تختِ شاہی کے سامنے سرنگوں کھڑی تھی لیکن اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیں کا ہلکا سا عکس بھی نظر نہ آتا تھا۔ آنکھوں سے عزم و یقین کی روشنی پھُوٹ رہی تھی اور گونالبتی کی رقاصہ کی بجائے اس وقت ایک پیکرِ لاہوتی معلوم ہوتی تھی جو اپنی گم گشتہ رُوح کے انتظار میں خاموش اور پُر سکون ہو۔ جیسے یقین ہو کہ اپنی زندگی کے حسین انجام کو پہنچنے والی ہے۔ خلافِ اُمید ــــــ نیلی کے اس صبر و سکون نے اہلِ دربار کو حیران سا کر دیا تھا۔ خود ملکہ جہاں بھی اس کے چہرے پر اس رُوحانی اطمینان کو دیکھ کر چونک اُٹھی۔

سردار خوف سے کپکپا رہا تھا۔ اُس نے مرتعش آواز میں رحم کی درخواست کی۔

"ملکۂ عالیہ ــــــ! میری بیٹی بے گناہ ہے ......"

اچانک ملکہ جہاں نے بازو لہرایا اور انگشتِ شہادت رقاصہ کی طرف سیدھی کر دی۔

"کیا نام ہے تیرا ــــــ؟"

"نیلی ــــــ نیلوفر ــــــ"

ملکہ جہاں کے ذہن پر ایک بجلی سی گری۔

"اُس کا نام بھی نیلی تھا ــــــ نیلوفر ــــــ؟"

یہی الفاظ دُہراتی ہوئی وہ پھر تخت پر متمکن ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی شمشیر گلبانو، وزیرِ سلطنت شبانی اور دوسرے اعیانِ دولت جو کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے دوبارہ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ملکہ جہاں کے عارضوں پر کسی ناقابلِ بیان اضطراب کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ شمشیر ابھی تک حیران تھا۔ اُس نے قریباً سرگوشی

کرتے ہوئے کہا۔

"امی حضور —— ! آپ کو اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔"

ملکہ جہاں فیصلہ کن لہجہ میں بولی۔

"نیلی —— ! ایک بھولی بسری کہانی یاد دلا کر تُو نے ہمارے زخم پھر ہرے کر دیے لیکن ہمارے بیٹے کو زندگی کی دُعا دی اور اس کے اقبال کی تمنا کی ہے اس لیے ہم تیرا قصور معاف اور تیری خواہش منظور کرتے ہیں۔ ہم نے وہ حکم منسوخ کر دیا جو سلطان مرحوم نے جاری فرمایا تھا۔ گونا بستی کے لوگ ہماری رعایا ہیں اور انہیں شہر میں آمد و رفت کی اجازت دی جاتی ہے۔"

سردار کا کپکپاتا ہوا جسم مسرت سے جھوم گیا۔ نیلی کے چہرے پر بہاریں سی کھِل اُٹھیں۔ اس نے وفورِ انبساط سے جھک کر ایک بار پھر کورنش ادا کی اور مرتعش آواز میں بولی۔ "سرکار نے گونا بستی کو نئی زندگی بخش دی ہے۔"

سردار شاہو کی بیٹی نے بیس برس کے بعد گونا بستی کے باشندوں کو شاہی عتاب سے نجات دلائی۔ نیلی کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال، ایک ہی تصور تھا اور وہ تصور اس کے روحانی اُستاد اور بستی کے رہنما شیخ کا تھا جس نے تقریب سے کئی روز پہلے اپنی مخفی قوتوں کے ذریعے کامیابی کی بشارت دی اور یقین دلایا تھا وہ اہل بستی کے لیے نئی زندگی اور نئی مسرتیں لے کر لوٹے گی۔ جب اس کی عرضِ تمنا سن کر ملکہ جہاں اچانک برافروختہ ہو گئی اور اہلِ دربار ملکہ کو مغضوب الغضب دیکھ کر نیلی کے بھیانک انجام کے بارے میں سوچ رہے تھے اس وقت بھی یہی بشارت، یہی یقین دہانی اس کی روح پر طاری تھی۔ اور وہ اس امید سے سرشار تھی کہ شیخ کی بات بہر طور پوری ہو کر رہے گی۔ اسی غیبی قوت نے اسے پیکرِ یقین بنا دیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی جب دربار میں ملکہ جہاں ناراض ہو کر کوئی قہر آلود حکم نافذ کرنے والی تھی، گونا بستی کے حجرہ میں بیٹھا شیخ اس پر روحانی توجہ ڈال رہا تھا کہ وہ اپنے بھیانک ارادہ سے باز رہے اور نیلی کی عرضِ تمنا کو شرفِ قبول بخشے —— سو دربار میں جو کچھ بھی ہوا وہ شیخ کی اس غیبی اور مخفی طاقت کا کرشمہ تھا جس کے ذریعے وہ صفدر نگر کی پوری سلطنت کو تہس نہس کر سکتا ہے مگر وہ تو امن و محبت کا پرستار ہے۔ تباہی و بربادی سے نفرت کرتا ہے۔ زندگی چاہتا ہے۔ امن چاہتا اور سب

[ل]وں کو پیار و محبت کا سبق سُناتا ہے۔ یہ اُسی کا فیض ہے کہ اس نے زندگی کی بشارت پائی اور گونا بستی [سے] عتاب کے منحوس سائے ہٹا دیے گئے۔

ملکہ جہاں کے اِشارے پر میرِ دربار نے نیلی اور سردار شاہو کو دو قیمتی خلعت پیش کیے اور [بط]ورِ انعام اشرفیوں کا ایک توڑا بخشا۔ باپ بیٹی شاہی نوازشات سے سرفراز ہوئے اور آئندہ کے [لیے ا]نہیں حاضریٔ دربار کا شرف بخشا گیا۔

نیلی اور سردار ہٹے تو ایک پل کے لیے شہزادہ خرم نے ان پر نظر ڈالی۔ پھر شمشیر کی طرف [متو]جہ ہو گیا —— اس اثنا میں وزیرِ سلطنت شبانی خاں کھڑا ہوا اور اس نے اعلان کیا۔

"ملکہ جہاں چاہتی ہیں "ولی عہد شہزادہ خرم ذی شان" چونکہ فنونِ سپہ گری اور رموزِ [سلطن]ت کی تعلیم مکمل کر چکے ہیں اس لیے سلطان جنت مکانی کی وصیت کے مطابق انہیں اختیاراتِ [حک]ومت دیے جائیں اور وہ تخت و تاج سنبھال لیں لہٰذا آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد شہزادہ [عا]لی کے جلوسِ تخت نشینی اور تاجپوشی کی مبارک رسم ادا کی جائے گی اور دربارِ جلوس برپا ہو گا۔ [ش]اہی خاندان کے دستور و آئین کے مطابق ایک ماہ کے بعد چونکہ شہزادہ ذی شان "سلطانِ [عا]لی" کا اعزاز حاصل کریں گے۔ اس لیے ضروری ہے اس سے قبل ان کی شادی کی پُر مسرت تقریب [بھ]ی پوری ہو جائے۔ لہٰذا ملکہ جہاں نے مجھے اختیار دیا ہے کہ خانہ زاد اعلان کر دے سلطانِ [ج]نت مکانی کی وصیت کے مطابق شہزادہ خرم ذی شان کا عقد شہزادی گلبانو سے کیا جائے گا [جو] ان کی منگیتر ہیں۔ ملکہ جہاں کے فرمان کے مطابق شادی کی مبارک تقریب تخت نشینی سے دو روز [قب]ل اسی دربار میں منعقد ہو گی اور وکیلِ سلطنت قاضی القضاۃ فارانی نکاح خوانی کی رسم ادا [ک]ریں گے۔"

اس اعلان پر اُمرا نے مسرت کا اظہار کیا اور دربار کی فضا —— "مبارک —— سلامت" [کی] آوازوں سے گونج اُٹھی۔ لوگوں کے چہروں پر خوشیاں رقص کرنے لگیں۔ یہی وہ نشاط افروز [تق]ریبات ہوتی ہیں جن میں ارکانِ دولت اور وفادارانِ سلطنت کو انعام و اکرام ملتے اور ان [ک]ے رُتبے اور مرتبے بڑھائے جاتے ہیں مگر خوشی کے اس موقع پر پورے دربار میں سردار شاہو [کی] بیٹی نیلی کی آنکھوں میں پانی کی چمک نظر آ رہی تھی۔ خود سردار بھی نقشِ حیرت بن گیا تھا۔ [ا]س نے بیٹی کے چہرے پر دل کی تحریر پڑھ لی جو شہزادہ خرم کی شادی کا اعلان سنتے ہی اُبھر آئی تھی۔ وزیرِ سلطنت شبانی خاں کے بیان و اعلان کا ہر فقرہ، ہر لفظ گویا ہتھوڑے کی ضرب

تھی جس نے نیلی کا دل پاش پاش کر دیا تھا۔

ابھی ایک ہی رات پہلے شہزادہ خرم ــــ اُس کا پردیسی محبوب سہانے شہر یار سے رخصت ہوا تو نیلی کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے یقین دلایا تھا صبح وہ آئے گا اور اسے اپنے گھر لے جائے گا۔ وہ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ انتظار کی گھڑیاں گننے لگی ــــ ہر آہٹ پر چونک اُٹھتی ــــ ہر کھٹکے پہ اپنے محبوب کی آمد کا گمان ہوتا لیکن وہ خود پہنچا نہ کوئی غلام ہی پیغام لے کر آیا۔ حتیٰ کہ اس انتظار میں دربار کی ساعت آ پہنچی اور اس کی اطلاع کے برعکس دربار منعقد ہو رہا تھا۔ نیلی کا بے چین دل زخمی کبوتر کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا ــــ نجانے پردیسی کیوں لوٹ کر نہیں آیا؛ جب اس نے اپنے پردیسی محبوب کو شہزادہ خرم کے روپ میں ملکہ جہاں کے پہلو بہ پہلو دیکھا تو فرطِ حیرت اور وفورِ مسرت سے سب گلے شکوے بھول گئی۔ پھر ایسے جذبہ ایسے ولولہ سے رقص کیا کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔

ایک سرور انگیز، کیف آگیں سانشہ تھا جو اس کے انگ انگ میں لہریں لے رہا تھا۔

ایک روح نواز مستی تھی جو رقص کے دوران اُس پر چھائی رہی حتیٰ کہ اُس کی عرضِ تمنا پر جب دربار کا رنگ بگڑ گیا اور ملکہ جہاں شعلۂ قہر بن گئی وہ پھر بھی پُرسکون اور مطمئن رہی۔ اُسے یقین تھا "خرم" کی موجودگی میں کوئی طاقت اُس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی اور اس کا بال بیکا ہوا بھی نہیں تھا۔ عرضِ تمنا ہوئی تھی لیکن جونہی وزیرِ سلطنت نے "شہزادہ خرم" کے جلوسِ تخت نشینی اور شہزادی گلبانو سے شادی کا اعلان کیا نیلی کے قلب و ذہن پر ہزاروں بجلیاں ٹوٹ پڑیں صبر و سکون کا محل جیسے زلزلہ کے قیامت آفریں جھٹکوں سے ڈگمگانے لگا۔ ایک طوفانِ بلا تھا جو اچانک اُمڈ پڑا اور پُرشور موجوں میں حقیر تنکے کی مانند ڈوبنے اُبھرنے لگی۔ سارا دربار اُس کی نگاہوں کے عمق میں ڈول رہا تھا۔ فرش و سقف ایک ہوئے جاتے تھے اور دیواریں "دھڑام ....." بیٹھنے لگی تھیں پھر بھی اس روح فرسا اور ہلاکت آفریں طوفان میں ایک اُمید چراغِ دشت کی مانند روح کے اندھیروں میں تھر تھرا رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا۔

"ابھی شہزادہ خرم" اُٹھے گا اور اپنے شاہی حقوق کی طاقت کے بل بوتے اہلِ دربار کو بتائے گا۔ وہ شہزادی گلبانو سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ محبت نے اُس کی دلہن کے لیے گونابستی کا انتخاب کیا ہے ــــ یا ــــ اگر کوئی مصلحت اس اظہار و انکشاف کے مانع ہوئی تو بھی اپنی شادی کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دے گا مگر نیلی کی یہ توقع بھی پوری نہ ہو سکی۔ "شہزادہ" نے

بھی قسم کا کوئی اعلان ــــ کوئی عذر پیش نہ کیا۔ اس کے برعکس جب ملکہ جہاں نے کہا کہ "شہزادہ خرم" اور شہزادی گلبانو اہلِ دربار کے روبرو اعلانِ شادی کی تائید کریں تو دونوں مسکراتے ہوئے اٹھے اور انہوں نے وزیرِ سلطنت کے بیان کی تصدیق کر دی۔ اُس وقت نیلی کا محبت بھرا دل ٹوٹ کر اُس اشکِ غم میں تبدیل ہو گیا جو کچھ دیر پلکوں میں اٹکا رہا پھر تارے کی طرح ٹوٹ کر عارض پر گرا۔

ٹھیک اسی لمحے ملکہ جہاں کو گونابستی کی حسین رقاصہ یاد آئی اس نے ایک بار پھر اپنا بازو اٹھایا اور انگشتِ شہادت کو تیر بناتی ہوئی بولی۔

"نیلی ــــ! ہم نے تیری عرضِ تمنا ہی قبول نہیں کی تجھے دربار کی حاضری کا شرف بھی بخشا ہے۔ ہمیں اُمید ہے "شہزادہ خرم ذی شان" اور شہزادی گلبانو کی شادی پر تُو اپنے بہترین رقص کا مظاہرہ کرے گی اور اپنے نغمہ سے محفلِ شادی کی رونق دوبالا کرے گی۔"

نیلی نے فوراً خود کو سنبھالا، آنسو پی لیے اور گردن جھکا دی۔

"شادی کے روز کنیز حاضر ہو جائے گی۔"

سردار شاہو اپنی بیٹی کی قوتِ ضبط پر حیران تھا۔ نیلی اس کے پہلو میں گم صم سی کھڑی تھی۔ باپ بیٹی کے علاوہ دربار میں ایک اور بھی ہستی موجود تھی جو شادی کے اعلان پر دم بخود ہو گئی ــــ وہ تھا شہزادہ خرم۔ جسے تقدیر نے بیکار مہرے کی طرح اقتدار کی بساط سے اٹھا کر پرے پھینک دیا تھا۔

ایک ڈاکو نے انتہائی بے رحمی اور سفاکی سے اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا۔ بزعم خود شہزادہ خرم کو قتل کر کے اُس کی جگہ خود سنبھال لی اور اقتدار کی مسند تک جا پہنچا۔ وہ صرف تخت و تاج پر قبضہ نہ کر رہا تھا، اُس کے گستاخ ہاتھ شاہی خاندان کے دامن تک جا پہنچے تھے اور عنقریب شہزادی گلبانو سے اُس کی شادی ہونے والی تھی ــــ ایک ڈاکو ــــ ایک لٹیرا ــــ عفت مآب شہزادی کی آبرو لوٹنے والا تھا۔ خاندان کے ناموس پر بجلی ٹوٹنے والی تھی اور کوئی نہ جانتا تھا شیطان نے انسان کا روپ دھار لیا ہے۔

یہ ایک ایسا صدمہ، ایسا قلق ایسا غم تھا جس نے خرم کے دل کو ہلا دیا۔ نبضوں میں غیرت کی بجلیاں بھر دیں۔ کچھ دیر پہلے اس نے "خاموش تماشائی" بنے رہنے کا جو فیصلہ کیا تھا اُسے بدلنا پڑا۔

اُس کی غیرت یہ برداشت نہ کر سکتی تھی خاندان کی شریف، پاک دامن اور انجان لڑکی ایک ڈاکو کی ہوس کا نشانہ بنے۔ اُس کا ہاتھ تلوار کے دستہ پر رینگ گیا اور بجلی ایسی تیزی سے دروازے کی طرف پلٹا ـــــــ تقدیر نے اُسے شمشیر ڈاکو سے نبرد آزما ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

(منظر ۱۱)

دوست

○

خرم دربار سے نکلا تو سورج سر پر آ چکا اور سائے ڈھل گئے تھے۔ صفدر نگر کے کوچہ بازار میں زندگی اپنی تمام تر رنگینیوں اور دلچسپیوں کے ساتھ رقص فرما تھی اور لوگ ہنسی خوشی روزمرہ کے ہنگاموں میں مصروف تھے لیکن خرم بجھے دل کے ساتھ اس ہنگامہ رستا خیز سے بے پرواہ شہر پناہ کی طرف ہو لیا۔

وہ اپنے ہی شہر میں غریب الدیار اور اجنبی بن گیا اور منہ لپیٹے خاموش چلا جا رہا تھا۔ دربار سے شمشیر کے ساتھ نبرد آزما ہونے کا عزم لے کر نکلا تھا اور اب اُس کی منزل اپنے دوست ظریف کمان دار کی جاگیر تھی جو اس کے پہلے اتالیق کا بیٹا اور اس کا ہم سبق تھا۔

چند سال پہلے جب خرم نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی اُس کے اُستاد کو بطور انعام ایک چھوٹی سی جاگیر بخش دی گئی تھی جو صفدر نگر سے ایک دن کی مسافت پر تھی۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے پہاڑی قلعہ کو روانہ ہوا تو اس کا کمان دار دوست بوڑھے باپ کے ہمراہ اپنی جاگیر میں جا بسا تھا ابھی جاگیر کا انتظام سنبھالے بمشکل دو سال ہوئے تھے کہ بوڑھا اتالیق چل بسا۔ باپ کے بعد ظریف ہی خاندان کا سرپرست تھا اس لیے جاگیر کے انتظامی امور اُسی کو سنبھالنا پڑے۔ چند اہلکاروں کا خیال تھا یہ کھلنڈرا لڑکا جو شب و روز لطیفہ گوئی میں مصروف رہتا ہے۔ جاگیر کے معاملات

کر کیا سمجھ سکے گا وہ اُسے اپنے ہاتھوں میں کٹ پُتلی بنا کر نچائیں گے لیکن ظریف کماندار نے جاگیر کا نظم و نسق سنبھالا تو اُن اہلکاروں کو خود ناچنا پڑا۔ خوش مزاج لڑکا فی الواقع ایک اچھا کمان دار ثابت ہوا اور ہنسی ہنسی میں اپنا مطلب نکال لیتا تھا مگر جس وقت شہزادہ خرم پہاڑی قلعہ سے لوٹا اور ظریف کماندار کو اپنے دوست کی واپسی کے بارے میں خبر ملی اُن دنوں بسترِ علالت پر تھا جی چاہتا تھا اُڑ کر صفدر نگر پہنچ جائے اور خرم کے استقبال میں شریک ہو لیکن بیماری اور کمزوری نے اجازت نہ دی کہ اپنی حویلی سے نکل سکے۔

دربار میں خرم کی نگاہیں مسلسل اُسے تلاش کرتی رہیں لیکن اُس کی صورت دکھائی نہ دی تو ہمت کر کے ایک پُرانے چوبدار سے پوچھ ہی لیا۔

"کیوں بھائی ——— ! شہزادۂ عالی پانچ برس کے بعد واپس آئے لیکن اس جشن میں اُن کا پُرانا دوست ظریف کماندار کیوں نظر نہیں آتا ———؟"

"کئی دنوں سے بیمار پڑا ہے ورنہ وہ ایسی مجلس سے کب چُوکنے والا تھا۔"

یہ سُن کر خرم نے اطمینان کا سانس لیا کہ ظریف کماندار واحد شخص ہے جو شیشے میں نہیں ڈھل سکا اور اس وقت جب تقدیر بھی اُس کا ساتھ چھوڑ چکی ہے صرف اسی دوست پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اُس نے ظریف سے ملنے کا فیصلہ کر لیا اور شہر پناہ سے نکلتے ہی گھوڑے کا رُخ اُس کی جاگیر کی طرف موڑ دیا۔

جب وہ منزل پر پہنچا سائے طویل ہو گئے تھے۔

گھوڑا پسینے میں شرابور تھا۔ اُس نے ایک دن کا سفر گھنٹوں میں طے کیا تھا۔ حویلی کے دروازے پر گھوڑا رکا تو ڈوبتے سورج کی آخری شعاعیں دو منزلہ کھڑکیوں پر چمک رہی تھیں۔

خرم نے بتایا وہ شہزادہ کا ذاتی قاصد اور ظریف کماندار کے لیے صفدر نگر سے ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہے۔ اس اطلاع کے بعد بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ ظریف خود بھاگا بھاگا نہ آتا یا قاصد کو اپنے کمرے میں نہ بلاتا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ظریف کماندار اپنے بستر پر شاہی قاصد کا استقبال کر رہا تھا۔ جب خادم کمرہ سے باہر جا چکا تو قاصد نے کہا۔

"میں شہزادۂ عالی کی طرف سے ایک خفیہ پیغام لے کر آیا ہوں اس لیے اپنے نوکروں سے

وہ ہماری گفتگو کے دوران وہ کمرے میں نہ آئیں۔"

بیمار نے چونک کر قاصد کی طرف دیکھا پھر خادم کو تاکید کر دی جب تک آواز نہ دی جائے کمرے میں کوئی نہ آئے۔ اُس کی حیرت دم بدم بڑھ رہی تھی۔ قاصد کے انداز نے اُسے پریشان کر دیا تھا۔ ایک لمحہ خاموش رہ کر بولا۔

"قاصد اپنے چہرے چھپایا نہیں کرتے۔"

"آنکھیں انسان کے دل کی ترجمان اور رازدار ہوتی ہیں۔ اُنہیں تم دیکھ رہے ہو۔"

ظریف کماندار اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنی حیرت پاش نظریں مخاطب کی آنکھوں میں ڈال دیں اور بولا۔

"یقین نہیں آتا اس نقاب میں چھپا ہوا چہرہ شہزادۂ عالی کا ہو لیکن میری سماعت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"تمہاری سماعت پر آفرین ہے دوست! واقعی اُس نے دھوکا نہیں دیا۔"

یہ کہہ کر خرم نے چہرے سے نقاب کھینچ لیا۔ اب ظریف کمان دار کے سامنے اُس کا پُرانا ہم سبق ——— دوست ——— اور شہزادہ خرم ذیشان بیٹھا تھا لیکن پریشان حال اور ایک عام آدمی کے لباس میں ——— بیمار دوست ——— اور شہزادہ خرم ذیشان بیٹھا تھا۔ لیکن پریشان حال اور ایک عام آدمی کے لباس میں ——— بیمار دوست ——— "شہزادہ عالی" ——— کہہ کر لپکا اور بے اختیار خرم سے لپٹ گیا۔ خرم نے اُسے پھر بستر پر بٹھا دیا۔

"بہت کمزور معلوم ہوتے ہو۔"

"لیکن آپ نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ نہ بدن پر شاہی لباس نہ سر پہ کلاہ و کلغی نہ رکاب میں محافظ سوار ——— تعجب ہے آپ نے اس حال میں سفر کیوں کیا؟"

"تمہارے پاس چھپ کر آیا ہوں۔"

"قربانت شوم۔"

"مگر یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہاری عیادت کے لیے آیا ہوں۔ دراصل تقدیر مجھے گھسیٹتی پھر رہی ہے ———"

ظریف نے اس کی بات کو مذاق میں اُڑانے کی کوشش کی۔

"تو یہ بات ہوئی۔"

" نہیں   وہ بات ہوئی کہ سن کر دنگ رہ جاؤ گے "۔

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولا ۔

" میرے دوست   ! میں صرف تم پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ تمہارے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہونا چاہیئے کہ قاصد کے روپ میں دراصل میں یہاں موجود ہوں "۔

ظریف نے ایک دفعہ پھر چونک کر دیکھا ۔

" آپ کے الفاظ سے خطرے کی بو آ رہی ہے "۔

" اور میں خطرے میں ہوں دوست ! "

" ابھی تک آپ کا مطلب نہیں سمجھا "۔

" اگر صفدر نگر میں خبر پہنچ گئی شہزادہ خرم ابھی زندہ اور اسے تمہاری حویلی میں دیکھا گیا ہے تو اجل کے سوار اس حویلی کو گھیر لیں گے اور میرے ساتھ تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گے "۔

بیمار دوست بستر پر اچھلا اور گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا ۔

" خدا کے لیے مجھے اصل بات بتائیے شہزادہ عالی   ! کہیں ..... کہیں ..... "

اس کی زبان گنگ سی ہو گئی لیکن بڑی اذیت کے ساتھ اس نے فقرہ پورا کیا " میرے منہ میں خاک   کہیں صفدر نگر میں بغاوت تو نہیں ہو گئی بلکہ جہاں اور شہزادی گلبانو کہاں ہیں "

" گھبراؤ نہیں ' امی حضور اور شہزادی گلبانو شاہی محل میں بخیریت ہیں۔ صرف تقدیر نے مجھے فریب دیا ہے۔ اب میں شہزادہ خرم نہیں ' قسمت کا روندا ہوا ایک حقیر انسان ہوں جو اپنے وجود کو اپنا نہیں کہہ سکتا "۔

خرم کی ہر بات ایک معما تھی۔ ظریف کماندار کے چہرے پر حیرت ' غم اور پریشانی کے سائے منعکس ہوئے ۔

" شہزادہ عالی   ! "

خرم نے فوراً اس کی بات کاٹ دی ۔

" میری زندگی چاہتے ہو تو مجھے شہزادہ کہہ کر نہ پکارو صرف دوست کے نام سے خطاب کرو "۔

" مگر جب تک مجھے حقیقت معلوم نہ ہو میں اپنے دوست کی مصیبت اور پریشانی کا

علاج نہیں کر سکتا "۔

" تمہیں پوری کہانی سناتا ہوں جو طلسم ہوش ربا سے زیادہ حیرت انگیز ہے "۔

یہ کہہ خرم نے اپنی روداد غم شروع کی ـــــ کس طرح وہ پہاڑی قلعہ سے رخصت ہوا' لالچی خاں رہبر کے دھوکے میں اسے سانگا جنگل میں لے گیا ۔ کیسے شمشیر ڈاکو کے ساتھیوں نے اچانک ...ہیں گھیر لیا ۔ محافظ سوار بڑی سفاکی سے قتل کر دیئے گئے مگر وہ تنہا بچ نکلا ۔ کس طرح بے ہوشی کے ...م میں گونا بستی پہنچا جہاں سردار شاہ ہوا اس کی بیٹی نیلی نے اس کی جان بچائی ۔ کیسے شمشیر ڈاکو وہاں ...ی تعاقب کرتا آ پہنچا مگر وہ پھر بچ گیا ۔ بستی میں تین دن کس عالم میں گزارے اور جب چوتھے روز سردار اور نیلی کے ہمراہ شہر آیا تو جبرا خاں دیکھ کر چونک اٹھا ۔ پھر کس طرح اس پر انکشاف ہوا کہ ...شمشیر ڈاکو شہزادہ خرم بن کر محل میں پہنچ چکا ہے ۔ وہ حیران تھا امرائے سلطنت کیسے دھوکا کھا گئے ...حضور کیوں خاموش ہیں لیکن آج دربار میں جب اس نے شمشیر کو دیکھا تو خود اپنے وجود پر شبہ ہونے ...لگا کیوں کہ وہ ہوبہو اس کا ہم شکل ہے ۔ یہ حقیقت کھل گئی کہ کیوں شمشیر ڈاکو اسے گھیر کر قتل کر ...دینا چاہتا تھا ۔ محض اس لیے کہ شہزادہ خرم بن کر تخت و تاج پر قبضہ کر لے اور جو کچھ وہ ...چاہتا تھا وہی ہو گیا ۔

یہ تحیر خیز داستان سن کر ظریف کماندار ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا ۔

خرم نے اسے اپنا خون آلود لباس دکھایا جسے وہ گھوڑے کی خرجی میں ساتھ لیے پھرتا ...تھا ۔ اپنے سر اور شانوں کے زخم دکھائے جن پر ابھی تک پٹیاں بندھی تھیں۔ اسے یہ باور کرانے کی خاطر ...کہ واقعی وہ شہزادہ خرم ہے ۔ پانچ برس پہلے کی وہ باتیں دہرائیں جن سے صرف وہی دونوں ...واقف تھے ۔ ظریف نے فرطِ جذبات میں جواب دیا ۔

" مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ۔ میری سماعت دوست کی آواز پہچانتی ہے ۔ میرا ...دل دوست کی محبت کو سمجھتا ہے "۔

" میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں دوست ! تم نے اس برے وقت میں جب تقدیر میرا ساتھ چھوڑ چکی مجھے پہچان کر میری محبت اور دوستی کا حق ادا کر دیا ہے "۔

یہ کہتے ہوئے خرم کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھوں میں پانی تیرنے لگا ۔ ظریف تڑپ اٹھا اور جذبات آفریں لہجے میں بولا ۔

" ماں کی ممتا دوست کی محبت سے زیادہ گداز ہوتی ہے ۔ میں کل تمہارے ساتھ

شاہی محل میں چلوں گا اور ہم اس ڈاکو کا فریب آشکار کر دیں گے"۔

"کاش یہ بات اتنی آسان ہوتی جتنی تم نے سمجھ لی ہے"۔

"کیا ملکہ جہاں کی ممتا اپنے بیٹے کو پہچاننے سے انکار کر دے گی؟"

"نہیں —— لیکن تم خطرے کی اصل نوعیت سے آگاہ نہیں"۔

پھر خرم نے بتایا۔ "ڈاکوؤں کو چونکہ میری لاش نہ مل سکی تھی لہٰذا انہوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ سانگا جنگل میں انہوں نے شہزادہ کا ہم شکل ڈاکو دیکھا تھا اور اس کی تلاش کا حکم دے دیا ہے۔ تاکہ اگر میں بچ نکلوں اور شہر کا رخ کروں تو مجھے ڈاکو سمجھ کر ہلاک کر دیا جائے پھر ان ظالموں نے میرے دس وفاداروں کو انتہائی بے رحمی سے مار ڈالا وہ میرے عزیزوں اور دوستوں کو کب زندہ چھوڑیں گے۔ وہ شاہی محل پر قبضہ جما چکے ہیں۔ یقیناً امی حضور کی نگرانی بھی کرتے ہوں گے اگر کسی ذریعے انہیں یہ شبہ بھی ہو گیا کہ امی یا تم اصل راز سے آگاہ ہو چکے ہو تو ان کی ہوس درندے کی طرح جھپٹے گی اور وہ کسی پر رحم نہ کریں گے۔ اس وقت میں تمہیں ہاتھ سے کھونا چاہتا ہوں نہ امی حضور کی زندگی خطرے میں ڈال سکتا ہوں"۔

خطرے کے یہ پہلو دیکھ کر ظریف کماندار سوچ میں ڈوب گیا۔ خرم نے کہا۔

"آج دربار میں شہزادی گلبانو کی شادی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ میرا روپ بدل کر وہ لیٹرا شاہی خاندان کی عزت و آبرو سے کھیلنے پر اتر آیا ہے۔ میری غیرت اسے یہ ناپاک کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس بدمعاش کا طلسم توڑنے کی کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔

ظریف کا پریشان ذہن اندھیرے میں بھٹکنے لگا۔

"تو یہ بات ہوئی"۔

پھر فوراً ہی اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نظر آئی۔

"یہ تو مانتے ہیں آپ کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے"۔

خرم نے اثبات میں سر ہلایا اور ظریف کماندار اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"پھر فریب کا جواب فریب ہی ہو سکتا ہے"۔

"کیسا فریب؟"

"بس ہم آج ہی رات شہر جائیں گے اور کل سے شاہی محل میں شمشیر کی قسمت کا

وہ چکر میں آ جائے گا"۔

"مجھے معلوم تو ہونا چاہیے۔ تم نے کیا ترکیب سوچی ہے"۔

"ایسی ترکیب سوجھی ہے کہ اگر چل گئی تو شمشیر کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی اور ...در کی طرح ناچتا پھرے گا"۔

"کچھ بتاؤ گے بھی"۔

"شمشیر ڈاکو شہزادہ خرم بن گیا ہے آپ پہلے پہ دو ہلا ماریں اور شمشیر ڈاکو بن جائیں"۔

...ن نے مسکرا کر آنکھ دبا دی —— "اس طرح منہ چھپائے پھرنا بھی ٹھیک نہیں۔ نقلی داڑھی ...یں لگا کر اپنا حلیہ ہی بدل ڈالیں شمشیر کے فرشتے بھی پہچان نہ سکیں گے"۔

"تو یہ بات ہوئی"۔ خرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ظریف کماندار کی ترکیب ...پسند آئی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تم گھوڑے کی سواری کر سکو گے؟"

"دوستوں کے لیے تو دوست جان بھی قربان کر سکتے ہیں، میں کیا بستر نہ چھوڑ سکوں ...ہمیں اسی وقت شہر جانے کی تیاری شروع کر دینی چاہیے"۔

اس نے بتایا، اس کی جاگیر میں ایک ایسا بہروپیا موجود ہے جو بھیس بدلنے میں بڑا ...ہے پھر ایک خادم کو بھیج دیا کہ وہ بہروپیے کو بلا لائے۔

صبح کے وقت جب خرم حویلی سے باہر نکلا اس کی ہیئت بدل چکی تھی اور ڈاکوؤں کی سی ...ک داڑھی مونچھوں نے اسے ایک بھیانک اور خطرناک ڈاکو میں تبدیل کر دیا تھا۔ اسے دیکھ ...ئی شخص یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا۔ اس کا شہزادہ خرم سے کوئی دور کا واسطہ بھی ہے۔ جسمانی ...وری کے باوجود ظریف کماندار میان میں تلوار لٹکائے کاندھے پر ترکش اور کمان ڈالے اس ...ہمرکاب تھا۔

دوسرے دن دونوں دوستوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور صفدر نگر کی طرف ...ں دیئے۔

(منظر ۱۲)

سُرنگ

○

راستے ہی میں ظریف کماندار نے اُسے اپنی پوری تجویز سے آگاہ کر دیا اور معاملہ کے تمام پہلو سمجھا دیئے۔

شمشیر نے ایک خطرناک فریب کھیلا تھا۔ اس وقت ملکہ جہاں اور شہزادی گلبانو کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔ نجانے خونخوار درندے کی وحشت کب جاگ اُٹھے اور کب وہ اپنے دانت ان کی شہ رگ میں پیوست کر دے۔ خرّم کا خیال تھا جب تک وہ اختیاراتِ حکومت حاصل نہیں کر سکتا حضور محفوظ ہیں۔ اُن کی زندگی کو صرف اُس وقت خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جب وہ شمشیر کی حقیقت و اصلیت سے آگاہ ہو جائیں۔ لہٰذا دونوں دوست اس امر پر متفق ہو چکے تھے کہ فی الحال ملکہ جہاں کو شریکِ راز نہ کیا جائے۔

رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا مگر ابھی شہر پناہ کے دروازے بند نہ ہوئے تھے جب دونوں صفدر نگر میں پہنچ گئے۔ اپنی ترکیب کے مطابق اُنہیں آج رات ہی شاہی محل میں داخل ہو کر کھیل کا پہلا منظر پیش کرنا تھا۔ خرّم اب کھلے منہ بے خوف و خطر چلا جا رہا تھا اُس نے گھوڑے کی باگ شاہی محل کی طرف موڑی تو ظریف کماندار چونک کر بولا۔

"قرابت خرم ——— کہاں کا ارادہ ہے؟"

خرم نے گھوڑا روک لیا اور حیرت زدہ لہجے میں کہنے لگا۔

"کیا ہماری منزل شاہی محل نہیں؟"

"منزل تو بے شک وہی ہے لیکن اُس کا راستہ یہ نہیں۔"

کماندار نے سرگوشی کے انداز میں بتایا۔

"ہم ایک خطرناک فرض سرانجام دینے جا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر شاہی محل کا دروازہ بے شک کھل جائے گا لیکن میں سردار مہروز اور اس کے سپاہیوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔ ہم اس خفیہ دروازے سے داخل ہوں گے جسے آپ اور میرے سوا شاید کوئی نہیں جانتا ———"

اچانک خرم کو یاد آیا۔ محل کے اندر جانے اور باہر نکلنے کا ایک خفیہ دروازہ بھی ہے اور جب اس کے بادشاہ بابا فوت ہوئے تھے اُنہوں نے وفات سے کچھ دن پہلے ملکہ جہاں اور خرم کو اس خفیہ دروازہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"شاہی محلوں کی زندگی موت کے خطروں سے دُور نہیں ہوتی۔ نجانے کس وقت کیا حادثہ پیش آ جائے۔ اس لیے ہم نے محل سے نکلنے کا ایک خفیہ راستہ تعمیر کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے زندگی میں کبھی تمہیں اس راستہ کی ضرورت پیش آ جائے۔"

پھر بادشاہ نے اپنی بیوی اور بیٹے کو وہ راستہ دکھایا تھا اور جن دنوں خرم اور ظریف کماندار اکٹھے پڑھتے تھے۔ شہزادہ نے باتوں ہی باتوں میں اپنے دوست کو "خفیہ دروازہ" کے راز میں شریک کر لیا تھا۔

دوست کی بات سن کر خرّم کے چہرے پر مسرت سی کھل اُٹھی۔

"بخدا ——— تم نے خوب یاد دلایا۔ میں وہ راستہ بھول چکا تھا!"

"مگر میرے حافظے میں دوست کا ہر راز محفوظ رہتا ہے"۔

اُنہوں نے گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں اور شاہی محلات کے صدر دروازے کا راستہ چھوڑ کر اُس نیم تاریک راہ پر ہو لیے جو شہر پناہ کے ساتھ ساتھ چلتی پھر "باغِ نوروز" کی طرف مڑ جاتی تھی۔ "باغِ نوروز" صفدر نگر کا مشہور اور قدیمی باغ تھا جسے تین صدیاں قبل اس خاندان کے پہلے سلطان نوروز لقب کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا۔

شاہی محلات کے عقب میں قدیم الایام بوڑھے اور مختلف النوع درختوں کا سلسلہ دُور تک پھیلا تھا۔ اُونچے اُونچے پھل دار درختوں کے علاوہ جن کی نگہداشت کے لیے شاہی

باغبان مقرر تھے۔ بے شمار سایہ دار درخت بھی کھڑے تھے جن میں لمبی لمبی جٹاؤں والے برگد ——— آسمان سے باتیں کرتے ہوئے سفیدے ——— اور مہیب چھتریوں کی مانند پھیلے درخت کسی جنگل کا سا نظارہ پیش کرتے تھے۔

"باغِ نوروز" میں تین صدیاں پہلے ایک "شاہی سیرگاہ" بھی بنائی گئی تھی۔ جس کے اردگرد ایک بلند اور مضبوط چار دیواری کے اندر ناشپاتیوں، سنگتروں اور خوبانیوں کے قطعوں پھول دار پودوں کی روشوں اور گل و یاسمین کی کیاریوں کے درمیان ایک وسیع و عریض تالاب بھی تھا جہاں شاہی بیگمات اور شہزادیاں گرمیوں میں نہاتی اور سیر و تفریح سے لطف اندوز ہوا کرتی تھیں۔ ان کی راحت و آسائش کی خاطر تالاب کے قریب سنگِ مرمر کی ایک بارہ دری اور سرخ پتھر کی ہشت پہلو عمارت بنائی گئی تھی جس کی چھت کے جھروکوں میں کھڑے ہو کر "باغِ نوروز" کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ جو کم و بیش تین مربع میل کے رقبہ میں پھیلا تھا۔

امتدادِ زمانہ سے نہ صرف وسیع و عریض حوض بیکار ہو چکا اور اب خشک پڑا رہتا تھا۔ سرخ پتھروں کی عمارت بھی گزشتہ نصف صدی سے کسی کھنڈر کا منظر پیش کرتی تھی۔ نصف صدی پیشتر صفدر نگر میں ایک ایسا تباہ کن زلزلہ آیا اور ایسی موسلا دھار بارشیں ہوئی تھیں کہ بے شمار عمارتیں پیوندِ زمین ہو گئیں۔ سیرگاہ کی سرخ عمارت کو بھی اسی زلزلے میں نقصان پہنچا اور اس کے جھروکے گر گئے تھے۔ البتہ سنگِ مرمر کی بارہ دری محفوظ تھی۔ سلطنت کے حالات بھی کچھ ایسے بگڑے کہ سلطان کو تعمیر و مرمت کی فرصت نہ مل سکی۔ بیس برس پہلے شہزادہ شہریار نے "شاہی سیرگاہ" کی تعمیرِ نو کا ارادہ کیا اور "باغِ نوروز" کی حفاظت و پرداخت کا انتظام سنبھالا تھا، لیکن ابھی وہ اپنے ارادہ کو جامۂ عمل نہ پہنانے پایا تھا کہ گونا لبتی کا دلگداز سانحہ پیش آ گیا اور وہ محبت کے دیوتاؤں کا شکار ہو کر اپنی محبوبہ سمیت سادگا ندی کے سیلاب میں کھو گیا۔

بھائی کی جوانمرگی کے بعد بادشاہ کا دل ایسا بجھا کہ اس نے دنیا کے عیش و آرام سے منہ موڑ لیا۔ اس طرح "باغِ نوروز" اور اس کے اندر "شاہی سیرگاہ" بتدریج بے مہریِ ایام کا شکار رہی۔ اب وہ ایک اجڑی ہوئی خستہ حال اور عہدِ رفتہ کی تاریخی یادگار کے سوا کچھ نہ تھی جس کے خشک حوض میں سوکھے خزاں رسیدہ پتے اڑتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی اینٹوں کے ٹکڑے چونے گچ کی ڈھیریاں اور بکھرے سنگریزے سرخ عمارت کی شانِ رفتہ پر ماتم کناں تھے۔ "سیرگاہ" کی چار دیواری بھی جگہ جگہ سے شکستہ ہو چکی تھی۔ پلستر اکھڑ گیا تھا اور اینٹیں نظر آ رہی

تھیں جن پر سبز غبار کی تہہ جم گئی تھی۔

عرصۂ دراز سے چونکہ شاہی خواتین نے سیرگاہ کا رخ کیا تھا نہ یہاں کوئی شاہی تقریب منعقد ہوئی تھی۔ اس لیے باغ کے محافظ اس طرف توجہ ہی نہ دیتے تھے۔ وہ صرف پھلوں کے موسم میں اِدھر آتے اور پھلدار درختوں کی دیکھ بھال کرتے تھے ورنہ گل و یاسمین کی کیاریاں اور پھولوں کی روشیں تک پامال ہو چکی تھیں۔ باغبانوں کے حجرے سیرگاہ کی چار دیواری سے دور گھنے برگدوں کے درمیان واقع تھے جن کی لمبی جٹائیں موٹے رسّوں کی مانند چھتوں پر جھولتی اور ان کی دیواروں پر لہراتی تھیں۔ باغ کے اس حصّہ میں چونکہ آم، جامن اور انجیروں کے پیڑ بکثرت تھے پھر انگور کی بیلیں بھی اس طرف واقع تھیں لہٰذا یہی حصّہ باغ اُن کی حفاظت و پرداخت کا مرکز بنا رہتا تھا۔ شاہی سیرگاہ کی طرف وہ کبھی کبھار ہی آتے جاتے تھے۔

آخری راتوں کا چاند "باغِ نوروز" کے بلند و بالا اور چھتری دار درختوں کی اوٹ میں طلوع ہو چکا تھا اور اس کی زرد سی روشنی گھنی شاخوں سے چھن چھن کر زمین پہ کانپ رہی تھی ہوا کے مدھم سے جھونکے شاخوں کو ہلکے ہلکے جھولے دیتے گزر رہے تھے۔ چاروں طرف رات کا سناٹا تھا جس میں صفدر نگر کی رونقیں تھک ہار کر سو گئی تھیں۔ اس پُرہول سناٹے میں یا تو کبھی کبھار کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی یا کسی اُلو کی چیخ مہرِ سکوت کو توڑ کر فضا میں بھیانک تھرتھراہٹ سی پیدا کر دیتی جو درختوں کی گھنی شاخوں میں چھپے رہتے اور رات کے اندھیرے میں آنکھیں کھولتے تھے۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ جب خرم اور ظریف کمانڈر نے اپنے گھوڑے "شاہی سیرگاہ" کی چار دیواری کے دروازے پر روک دیئے۔ دروازے کے بڑے بڑے چوبی تختے جن پر چاندنی کی چند کرنیں تھرتھرا رہی تھیں۔ مرورِ ایام سے نیم شکستہ سے ہو رہے تھے۔ جن پر ٹوپی والی کیلیں جڑی تھیں۔ دروازہ کھلا ہو یا بند اس کی زنجیر چڑھائی نہ جاتی۔ اس وقت بھی ایک پٹ کھلا تھا اور بھاری زنجیر آہنی کنڈے کے ساتھ جھول رہی تھی۔

دونوں دوست نیچے اترے اور گھوڑے کی لگامیں تھام کر اندر داخل ہوئے پھر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا جس کی بھاری ——— "چر چوں ——— کی آواز" "باغِ نوروز" کے پُرہول سناٹے میں کسی طلسمی خطرے کی طرح تھرتھرائی اور خاموشیوں میں ڈوب گئی۔

دوسرے دروازے کے قریب ہی باندھ کر دونوں دوست آگے بڑھے اور خشک تالاب

پر چلتے سُرخ بُرج کے دروازہ پر پہنچے جس پر زنگ آلود قُفل پڑا تھا قفل ایک ہی ضرب سے ٹُوٹ کر زمین پہ گرا - چوبی پٹ کھول دیئے گئے - اندر سے گرم اور گندی ہَوا کا بھبکا سا نکلا۔ کماندار نے اپنے تھیلے سے مشعل نکالی چقماق رگڑ کر شعلہ لہرایا اور مشعل روشن کر دی - کمرے میں روشنی کی شعاعیں بھوتوں کی طرح ناچ اُٹھیں - اس بُرج سے پتھروں کا ایک زینہ اُوپر جاتا تھا - خرم نے آگے بڑھ کر زینے کے پہلے پتھر پہ ہاتھ رکھا۔ اس کے نیچے سے ایک بھاری اور لمبی سلاخ کھینچ پھر پتھر کی سِل ایک طرف لڑھک گئی - ایک دہانہ نمودار ہُوا جس میں نیچے اُترتا ہُوا زینہ نظر آیا -

زینہ اگرچہ تنگ تھا لیکن ایک بھاری بھرکم آدمی بھی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔ خرم نے تلوار کھینچ لی - کماندار نے شمع بڑھائی، دونوں دوست یکے بعد دیگرے زینہ میں اُتر گئے صرف پانچ سیڑھیاں اُترنے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی سرنگ میں کھڑے تھے جس میں دو آدمی پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے - سرنگ کی چھت جو سُرخ پتھروں کی ٹاٹ تھی اُن کے سروں کو چھو رہی تھی لیکن سرنگ میں پہنچ کر اُنہیں محسوس ہُوا کہ کسی نامعلوم رستہ سے تازہ ہَوا اندر آ رہی ہے۔

"دوست —— ! یہ سُرنگ شاہی محل کے اُس حجرے میں جا نکلتی ہے جو آقا حضور کے کمرۂ خاص سے ملحق ہے ——"

کماندار نے مخصوص انداز میں مسکرا کر جواب دیا -

"بس اب چند ہی روز میں شمشیر کی زندگی کا ہر دروازہ بند ہو جائے گا"

"آگے بڑھو ——" خرم نے اُس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ دیا -

سرنگ نصف کوس لمبی اور زمین کی چھاتی میں سوراخ کرتی ہوئی شاہی محل میں پہنچی تھی -

مشعل کی زرد روشنی میں دونوں دوست سرنگ کی دیواروں کا جائزہ لیتے آگے بڑھے ننگے فرش پر گرد کی باریک سی تہہ جمی تھی اس گرد پہ اُن کے قدموں کی چاپ سرنگ کی خاموش اور خوف انگیز فضا میں صدائے رحیل کی طرح بج رہی تھی —— یہ آواز سرنگ کی سالہا سال کی گہری خوابیدہ خاموشیوں میں زندگی کی آہٹ بیدار کرنے لگی - وہ قدم بہ قدم چلتے رہے - سرنگ میں کوئی اینچ پینچ نہ تھا۔ تیر کی مانند سیدھی تھی - نصف کوس چلنے کے بعد ایک قوس نما خم کے قریب پہنچ کر وہ رُک گئے - یہ خم چند گز دُور ایک دیوار پہ ختم ہوتا تھا جس کے ساتھ ہی

پتھروں کا ایک زینہ اُوپر جاتا تھا۔ خرم نے اپنی تلوار کی نوک فرش پر ٹیک دی اور بولا۔

"ہم اس وقت اپنی منزل کے دروازے پر کھڑے ہیں"۔

"ہاتھ بڑھاؤ اور دروازہ کھول دو —— چوکھٹ کے اُس پار کامیابی ہمارا انتظار کر رہی ہے"۔

وہ آگے پیچھے زینہ چڑھے - ٹھیک پانچ سیڑھیاں تھیں - آخری سیڑھی کے پتھر کی سِل کے اندر ویسی ہی آہنی سلاخ پڑی ہوئی تھی جیسی اُنہیں سُرخ گنبد کے زینہ میں ملی تھی۔ خرم نے لوہے کی سلاخ کھینچ لی اور خدا کا نام لے کر پتھر کی سِل اُٹھا دی۔ چوڑی سِل کے ہٹتے ویسا ہی دہانہ نمودار ہُوا مشعل کو سرنگ میں لٹکا کر وہ اُس دہانہ سے باہر نکلے اور پتھر کی سِل دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دی -

اب وہ اندھیرے میں ایک چھوٹے سے تاریک حُجرے میں کھڑے تھے - یہ حجرہ دراصل اس زینے کی ڈیوڑھی تھی جو شاہی محل کی دُوسری منزل پر پہنچتا تھا - کماندار نے آگے بڑھ کر دروازے کا جائزہ لیا جس کے پٹ کھلے تھے پھر دروازہ کو تھوڑا سا کھولا اور چھوٹی سی لمبی درز سے روشنی کی ایک شعاع روشن لکیر کی مانند حجرے میں تھرتھرانے لگی -

صفدر نگر میں آج جشنِ چراغاں کی پانچویں رات تھی اور شاہی محل حسبِ سابق آج رات بھی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا - دوسرے پہر کا سناٹا طاری تھا - چاند کا سیمیں بجرا نیلے آسمان کی سطح پر تیرتا سَر پر آگیا تھا اور اس کی روشنی سے پُوری کائنات بقعۂ نور بنی ہوئی تھی - شاہی محلات کے ہر ایوان ہر قصر میں چراغاں ہو رہا تھا اور سقف و بام پر قطار اندر قطار ہزار ہا چراغ جھلملا رہے تھے جن میں بیشتر بُجھ چکے اور اکثر بُجھنے کی تیاری کر رہے تھے - کنیزیں، غلام خادم اور محافظ شاید اپنے اپنے حُجروں میں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے حفاظت و نگرانی کا انتظام زیادہ تر محل کے دروازوں پر کیا جاتا تھا - لمبی لمبی مونچھوں والے محافظ تیغ و سناں سے مُسلح ساری ساری رات پہرہ دیا کرتے اور فصیل کے ساتھ ساتھ گشت کرتے تھے - اندرونی حصّہ میں جہاں سے خواتین کے قصروں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا - پہرہ داروں کو آنے کی اجازت نہ تھی - ان قصروں کی حفاظت کنیزوں اور باندیوں کے ذمہ تھی، جو آدھی رات تک دروازوں کے آس پاس بیٹھی کہانیاں سُنتی، دن بھر کے واقعات پر تبصرہ کرتی پھر جمائیاں لیتی وہیں ڈھیر ہو جاتی یا اپنے حجروں میں دُبک جایا کرتی تھیں -

آدھی رات بیت چکی تھی۔ پانچ شب و روز سے محلات میں مسلسل جشن منایا جا رہا تھا۔ اس لیے تھکی ہاری کنیزیں نصف شب سے پہلے ہی اونگھ جاتی اور اپنے حجروں میں پڑ کر سو رہتی تھیں۔ اس وقت بھی آس پاس، کسی کنیز، کسی خادمہ کا سایہ نظر نہ آیا۔ خرم نے ظریف کماندار کو اسی حجرے میں چھوڑا اور باہر رینگ گیا۔

غلام گردش میں پہنچ کر اس نے قصرِ جہاں کے کمرۂ خواب کا رُخ کیا جس کا اونچا دریچہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ وہ غلام گردش کی محرابوں اور ستونوں کی اوٹ میں چلتا دریچے کے نیچے پہنچ گیا پھر لپک پر چوکھٹ پر ہاتھ ڈالا اور بندر کی طرح قلانچ بھرتا ہوا دریچہ عبور کر گیا۔

کمرۂ خواب میں ایک قندیل روشن تھی جس کی زرد روشنی میں اُس نے مسہری پر اپنی ماں کو محوِ آرام پایا۔ بلّی ایسے نرم قدموں سے چلتا اُس کے سرہانے پہنچا۔ ایک دو لمحے چہرے کو دیکھتا رہا پھر پائنتی کی طرف کھسک گیا۔

ملکہ جہاں دُنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خرم نے فرطِ جذبات میں اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹ اُس کے پاؤں پر رکھ دیے اور ایک نرم سا بوسہ دیا۔ نجانے وہ ماں کی مامتا تھی یا خون کی کشش کہ جونہی خرم کے ہونٹ اس کے پاؤں سے مس ہوئے خوابیدہ جسم میں ایک عجیب سی لہر تھرتھرائی ساتھ ہی اُس نے کروٹ بدلی۔ خرم بجلی ایسی سرعت سے ہٹا اور فوراً مسہری کے قریب بیٹھ گیا۔ مبادا ماں کی آنکھ کھل جائے اور وہ اپنے کمرۂ خواب میں ایک اجنبی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جائے ملکہ جہاں نے صرف کروٹ بدلی تھی۔ اُس کی آنکھ نہ کھل سکی۔ چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا تھا۔ شاید وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہے۔

خرم کا زیادہ دیر وہاں کھڑے رہنا مناسب نہ تھا۔ ماں کے ہاتھ کو آخری بوسہ دینے کے بعد اُس نے اپنی صدری کی جیب سے ایک پارچہ نکالا اُسے تکیے کے پاس رکھ کر دریچے کی طرف مڑا چیتے کی مانند اُس نے پھر قلانچ بھری اور ایک آن میں دریچہ عبور کر کے غلام گردش میں اُترا ——— ایک فرض سر انجام دے چکا تھا۔

سُرنگ سے ایک زمین دوز رہداری "قصرِ ولی عہد" کو جاتی اور اُسی قسم کے حُجرے وہیں جا نکلتی تھی۔ جیسا حُجرہ "قصرِ جہاں" میں واقع تھا۔ اب خرم نے کماندار کو ساتھ لیا اور اُس رہداری میں اپنے قصر کی جانب ہو لیا۔ یوں تو "قصرِ جہاں" اور "ذیشان" کے مابین بھول بھلیوں کی سی غلام گردشوں کی وجہ سے ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ تھا لیکن زمین دوز رہداری

نصف فرلانگ سے زیادہ طویل نہ تھی۔

"قصرِ ذیشان" کا حجرہ بھی دراصل اُوپر جانے کا راستہ تھا۔ رہداری کا دہانہ اُس کے زینہ ہی میں کھلتا تھا۔ پتھر کی سِل ہٹا کر دونوں یکے بعد دیگرے حجرہ میں پہنچ گئے۔ باہر چراغاں ہو رہا تھا۔ جو دیئے ابھی تک ٹمٹما رہے تھے ان کی لرزیدہ روشنی دریچوں اور غرفوں سے اندر منعکس ہو رہی تھی۔ خرم نے کماندار کو وہیں چھوڑا اور خود لپک کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو لیا۔ بغلی غلام گردش میں روشنیوں کے عکس تھر تھرا رہے۔

خرم بے دھڑک ستون کی اوٹ سے نکلا اور اپنے کمرۂ خاص کی طرف بڑھا۔ اُس نے دروازہ کھولنا چاہا مگر اندر سے بند تھا۔ خرم نے ایک خاص ہوڑے کو دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ باہر سے بند دروازے کو کھولنے کا یہ بھید صرف وہی جانتا تھا۔

کمرۂ خاص میں اندھیرا تھا، صرف غرفوں سے بیرونی روشنی کی چند کرنیں کمرے میں مدھم سا اُجالا کر رہی تھیں۔

کمرۂ خاص کے ساتھ ہی کمرۂ خواب تھا۔ خرم نے تلوار کے قبضہ پر گرفت مضبوط کی اور ہولے ہولے دروازہ کی طرف بڑھا۔ کان لگا کر سنا، اندر سے شمشیر کے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ خرم کی نبضوں میں خون کا دورہ تیز ہو گیا۔ اس کمرے کا ایک دریچہ کمرۂ خواب کی غلام گردش میں کھلتا تھا۔ اُس نے دریچہ میں ہلکی سی درز کر کے باہر جھانکا اور چونک گیا۔

کمرۂ خواب کے دروازہ پر اُسے دو بھاری بھرکم سائے سے نظر آئے جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اور لمبے لمبے نیزے گھٹنوں پر رکھے شاید اونگھ رہے تھے ——— غلام گردش سے ملحق کمرے میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور دروازہ کی جھری سے اس نے لاچی خاں کا چہرہ پہچان لیا جو تکیہ پر سر رکھے محوِ خواب تھا۔

شمشیر اپنی حفاظت سے غافل نہیں اس نے محل کے اس حصّہ میں بھی اپنے محافظوں کا انتظام کر رکھا تھا جہاں مرد پہریداروں کا داخلہ ممنوع تھا۔ خرم نے اپنے جسم میں لہو کی سرسراہٹ محسوس کی لیکن اس وقت معمولی سی لغزش قیامت بپا کر سکتی تھی۔ جانتا تھا ذرا سے شبہ پر بھی اِن دشمنوں کی تلواریں ملکہ جہاں پر اُٹھیں گی اور خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ وہ شمشیر کو شہزادہ خرم کے رُوپ میں نہیں شمشیر ڈاکو کے رُوپ میں سزا دینا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے ابھی اُسے انتظار کرنا تھا۔

خون کے گھونٹ پی کر وہ آہستہ سے پلٹا۔ چند لمحے کمرے میں گھوما پھر اُسی آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا جس آہستگی سے اندر آیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس حجرے میں کھڑا تھا جہاں ظریف کماندار اس کا منتظر تھا۔ اُنھوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کیں اور جب کماندار کو یہ پتہ چل گیا وہ اپنا کام کر آیا ہے اُس نے زینہ کے دہانہ پر رکھی پتھر کی سِل اٹھائی اور نیچے رینگ گیا۔ سرنگ میں مشعل بدستور جل رہی تھی۔ اُس کی روشنی میں خرم بھی زینہ اُترا پھر اس نے پتھر کی سِل دہانے پر رکھ کر اُسے بند کر دیا۔ سِل میں آہنی سلاخ پر مڑی اور کماندار کی طرف مڑا۔

مشعل کی روشنی میں دونوں دوست پھر سرنگ عبور کرنے لگے۔ چلتے چلتے خرم نے بتایا: "بھیڑیے کے محافظ رات کو شاہی محل میں بھی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔"

"مگر آج کے بعد سب کی نیند حرام ہو جائے گی اور ایک پل کے لیے بھی سو نہ سکیں گے۔"

اُن کی ترکیب ہی کچھ ایسی انوکھی تھی۔

سرنگ کا بھیانک سناٹا قدموں کی آہٹ سے جاگتا چلا گیا۔ جب وہ سُرخ گنبد سے باہر نکلے چاند "باغِ نوروز" میں برگد کے بوڑھے درختوں پر چمک رہا تھا۔ اُنھوں نے گھوڑے کھولے سوار ہوئے اور "سیرگاہ" سے نکل کر پھر اُسی راستے پر ہو لیے جو شہر پناہ کی طرف جاتا تھا۔

(منظر ۱۳)

پارچہ

○

صبح ملکہ جہاں بیدار ہوئی تو اُس کی نظر سب سے پہلے اس پارچہ پر پڑی جو تکیہ کے نیچے اس طرح رکھا تھا کہ بہ آسانی دیکھا جا سکے۔ وہ آدھا تکیہ کے اندر اور آدھا باہر تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے پارچہ اُٹھایا اور جونہی کھول کر دیکھا چہرے پر حیرت و استعجاب کے آثار ظاہر ہوئے۔

یہ اس کے بیٹے شہزادہ خرّم کا خط تھا جس کی تحریر وہ پہچانتی تھی۔ بیٹے نے لکھا تھا۔

"امی حضور —— ! تسلیمات

آج مَیں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میری سعادت مندی چونکہ رُو در رُو گفتگو کی ہمت نہیں رکھتی، نہ آپ کی خشمگیں نگاہوں کی تاب لا سکتا ہوں۔ اس لیے تحریر کے ذریعے اظہارِ مطلب کی جراُت کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے میری جسارت کو گستاخی پر محمول کیا جائے لیکن میں شہزادہ خرم ذی شان کی حیثیت میں ملکہ جہاں سے نہیں بلکہ ایک سعادت مند بیٹے کی حیثیت میں اپنی مادرِ مہربان سے مخاطب ہوں اور مجھے اُمید ہے ماں کی کرمی اپنے بیٹے کی پریشانیوں کا مداوا کر سکتی ہے۔

امی حضور ! مَیں اس حقیقت سے اِنکار نہیں کر سکتا کہ شہزادی گلبانو میرے مرحوم چچا شہزادہ شہریار کی بیٹی اور ہمارے خاندان کی عزت و آبرو ہے۔ بادشاہ بابا کو نہ صرف چچا سے الہانہ

محبت تھی بلکہ انھوں نے گلبانو کو بھی اپنی عزیز بیٹی کی طرح پرورش کیا اور اُسے اپنی محبت و شفقت سے پورا حصّہ دیا۔ انھوں نے گلبانو کو اُس وقت مجھ سے منسوب کر دیا جب میری عمر صرف سات برس کی تھی اور مستقبل کے بارے میں صرف خواب دیکھا کرتا تھا۔ ہم دونوں اکٹھے کھیلے، اکٹھے رہے، بچپن سے لڑکپن تک ساتھ رہے مگر وہ بات جسے آپ کے روبرو بیان کرتے میری زبان اظہار کی جراُت نہیں رکھتی، اس خط میں واضح کرتا ہوں کیونکہ اسی بات پر میری زندگی اور مستقبل کا انحصار ہے۔

امّی حضور ——— ! جس طرح بادشاہ بابا اور آپ نے شہزادی گلبانو کو بیٹی بنا کر پالا، اسے احساسِ یتیمی سے دوچار نہیں ہونے دیا اُسی طرح میں نے بھی گلبانو کو اپنی بہن سمجھا اور اسی جذبہ کے تحت اُس سے محبت کی جو ایک بھائی کے ایمان کا جزو ہوتی ہے۔ جب میں سنِ شعور کو پہنچا اور اعلیٰ تعلیم کی خاطر صفدر نگر سے رخصت ہوا بچپن کے اُس واقعہ کو بھول چکا تھا جو میری اور گلبانو کی منگنی کی صورت میں رونما ہوا۔ میں نے گلبانو کو اُسی طرح خیر باد کہا تھا جیسے ایک بھائی سفر پر جاتے ہوئے اپنی بہن کو خیر باد کہتا ہے لیکن پہاڑی قلعے سے واپسی کے بعد مجھے سب سے پہلے جس سنگین حقیقت سے دوچار ہونا پڑا وہ یہ ہے کہ!

۱۔ میں اپنی تعلیم و تربیت مکمل کر چکا۔ اب مجھے اختیاراتِ حکومت سنبھال کر اپنے خاندانی تخت پر جلوس آرا ہونا ہے۔

۲۔ موروثی سلطنت سنبھالنے سے قبل مجھے اپنی ملکہ کا انتخاب کرنا اور آئین و دستور کے مطابق شادی کا مقدس فرض بجالانا ہے۔

۳۔ بادشاہ بابا نے چونکہ چھوٹی عمر میں میری نسبت شہزادی گلبانو سے طے کر دی تھی اس لیے مجھ سے ملکہ کے انتخاب کا حق چھن چکا ہے۔ لازمی طور پر مجھے اپنی منگیتر ہی سے شادی کرنا ہوگی۔ جسے میں اس لمحۂ تحریر تک بہن سمجھتا رہا اور سمجھتا رہوں گا۔

آج دربار میں جب شادی کا اعلان کیا گیا میرے ہوش و حواس مختل ہو گئے اور قلب و ذہن پر جو جانسوز کیفیت گذر گئی اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ وہ لڑکی جسے میں نے ہمیشہ بہن کے مقدس رشتہ سے چاہا، میری دُلہن کیسے بن سکتی ہے۔ اگر حکومت کی مصلحتوں نے میری مجبوریوں، میرے جذبات، میری تقدیسِ محبت کو نظر انداز کر کے زبردستی مجھے یہ زنجیر پہنا دی تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔

میرے اظہارِ بیان سے یہ مطلب اخذ نہ کیا جائے کہ میں شہزادی کو ناپسند کرتا ہوں یا [illegible] سے کسی قسم کی نفرت ہے۔ حقیقت یہ ہے میں نے اُسے عزیز بہن کی طرح والہانہ [illegible]دا اپنی عزّت و غیرت سمجھا ہے۔

[illegible] اگر ایک ماں اپنے بیٹے کے احساسات کو سمجھ سکتی اور اس کی پریشانیوں کا علاج کر سکتی [illegible]ینا آپ نے بھی میرے درد کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر لیا ہوگا۔ میں اس سچائی کے [illegible] کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا کہ شہزادی گلبانو صرف میری بہن ہے۔

آپ کے نزدیک اگر بیٹے کی پسند کوئی معنی رکھتی ہے تو میں یہ انکشاف بھی کر دینا چاہتا [illegible]پنے لیے ایک رفیقۂ حیات کا انتخاب کر لیا ہے۔ وہ لڑکی بڑے غیر معمولی حالات میں [illegible]لی اور میں نے اپنے دل میں اُس کے لیے ایسی کشش محسوس کی جس نے مجھے یکسر بدل دیا۔

امّی حضور ——— ! میرا کوئی ایسا رفیق نہیں جسے میں اپنے دل کی واردات سے آگاہ [illegible]ں۔ آپ کی ذاتِ گرامی اگر ایک طرف میرے لیے ماں کا بلند مقام رکھتی ہے۔ جس کے پاؤں [illegible]ت ہے تو دوسری جانب میں آپ ہی کو اپنا سب سے بڑا دوست ——— ہمدرد [illegible]از سمجھتا اور جانتا ہوں کہ آپ ہی اس موقع پر مجھے صحیح مشورہ دے سکتی اور میرے زخمی [illegible]لاج کر سکتی ہیں۔ اسی خیال سے آپ کے حضور رازِ دل کا اظہار اور جرمِ محبت کا اقبال [illegible]ں جس نے میری زندگی کا رُخ تبدیل کر دیا ہے۔

امّی حضور ——— ! آپ میری جنت ——— میری رُوحِ حیات ——— اور میری [illegible]لسار ہیں۔ لہٰذا آپ ہی کو بتاتا ہوں۔ جو لڑکی سفر کے دوران حادثاتی طور پر میرے [illegible]ی کسی سلطنت، کسی ریاست، کسی جاگیر سے تعلق نہیں رکھتی۔

اُس کا باپ کسی شہر کا رئیس نہیں۔ ایک معمولی آدمی ہے جس کے پاس اپنی بیٹی کو [illegible]لیے بجز عزّت و شرافت کوئی سرمایہ نہیں۔ ممکن ہے آپ اُس غریب لڑکی کو اپنی بہو [illegible] آمادہ نہ ہوں لیکن مجھے صرف اپنے جذبات کا اظہار مقصود ہے آج زندگی میں پہلی بار [illegible]بت و شفقت کے بھروسے یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

۱۔ گلبانو سے میری نسبت فسخ کر دی جائے۔ میں اُس سے شادی بیاہ کا تصور بھی [illegible]ر سکتا۔

۲۔ اگر سلطنت کے ہونے والے بادشاہ کو اپنی شریکِ حیات کے انتخاب کا حق

حاصل ہے تو میں نے آپ کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا ہے ۔ لہٰذا اپنے بیٹے کو زندگی کی ان مسرتوں
سے محروم نہ کیجئے اور اُسے اُس کا حق بخش دیجئے ۔

اس مکتوب میں اگر مجھ سے آپ کی شان میں کوئی گستاخی سرزد ہو گئی تو معافی کا طلبگار
ہوں ۔"

(سعادت مند! آپ کا خُرم)

یہ خط ایک شعلۂ عریاں تھا جو ملکہ جہاں کے خرمنِ جذبات پر گرا اور اُس کی
کا تاج محل دھڑا دھڑ جلنے لگا ۔

تحریر پڑھتے وقت پارچہ اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا، چہرے پر دِل میں بھڑکتی آگ
کے شعلے منعکس ہو رہے تھے ۔ جونہی اس نے خط ختم کیا پارچہ ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گرا او
دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر مسہری پر گر گئی ۔ چہرے پر غم کے سائے کانپنے لگے ۔ آنکھوں کے
گوشوں سے ایک ملکہ کے مجروح جذبات نے یوں جھانک کر دیکھا جیسے برہنہ شمشیر کی دھار چمک اُٹھی
ہو ۔ اُس نے کبھی سوچا تک نہ تھا ۔ خُرم جو اکلوتا فرزند اور زندگی کا واحد سہارا تھا ۔ اس کے جذبات کو
یوں پامال کرنے کی جسارت بھی کر سکتا ہے ۔ اِس وقت وہ تصور کے ہیولوں میں ایک سوال
بن کر کھڑا اور پوچھ رہا تھا ۔

" کیا میری عرضِ تمنا قبول ہوئی ؟"

" کیا میرے چراغِ محبت کو روشنی مِل سکتی ہے ؟"

ملکہ جہاں کے چہرے پر بدلتے اثرات دِلی پریشانی کا پتہ دے رہے تھے جو کسی سیل
قیامت کی مانند اچانک پیش آئی تھی ۔ اُسے خرم سے والہانہ پیار تھا ۔ آج تک اُس کی کوئی خواہش
کوئی آرزو، کوئی فرمائش ٹھکرائی نہ گئی تھی لیکن اس وقت خُرم نے ایسا سوال کیا جس کا جواب کس
طرح تسلیم و رضا کی صورت اختیار نہ کر سکتا تھا ۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی، اگر بیٹے کی بات مان لے
تو شہزادی گلبانو کی دُنیا تیرہ و تار ہو جاتی تھی جس نے محبت کی دیوی بن کر خُرم کی پرستش کی، اُسے
محبوب ـــــ مرکزِ نگاہ ـــــ جانِ حیات ـــــ رُوحِ حیات سمجھا ۔ وہ اُسے دیوانہ
چاہتی اور گیارہ سال سے صرف اس اُمید پر جی رہی تھی کہ ایک روز " خُرم " کی شکل میں اُسے
کائنات کی خوشیاں مِل جائیں گی ۔ اگر اُسے پتہ چل جائے ـــــ " تو آج تک جس محبوب کو اپنا
دیوتا سمجھ کر پوجتی رہی، جس کے حسین تصور سے دل کے تپکدے سجاتی رہی وہ تیرے حسین وجود
تیری محبت سے انکار کر رہا ہے ۔ تجھے وہ نہیں سمجھتا جو تُو ہے بلکہ تیرے پیکرِ جمال کی ساری رعنائیاں

جذبوں کو تقدس کے ریشمی فیتے میں باندھ کر تجھے مجُول جانا چاہتا ہے ۔" تو اس دیوانی لڑکی
پر کیسی قیامت بیت جائے گی ۔ ہو سکتا ہے اس انکشاف پر دِل کی حرکت بند اور
ساکت ہو جائیں ۔

اچانک ملکہ جہاں تیزی سے کھڑی ہوئی ۔ اُس کے چہرے پر اضطراب کے سائے
ایک لکیر میں تحلیل ہو گئے اور وہ لکیر اُس عزم و جلال کی مظہر تھی جس نے ایک ملکہ کو فیصلہ
کُن قدم اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا ۔

" خُرم کو گلبانو کی زندگی سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔"
ماں نے اچانک ملکہ جہاں کا رُوپ اختیار کر لیا تھا ـــــ تالی بجائی، کنیز مرجِ ہوا
اُڑتی کمرے میں داخل ہوئی تو ملکہ نے حکم دیا ۔

" شہزادہ خُرم کو ہماری آمد کی اطلاع دو ۔"

کنیز نے ملکہ کے غضب آلود لہجے سے اس کے مزاج کی غیر معمولی برہمی کا اندازہ لگایا اور سر
جھکائے اُلٹے قدموں باہر نکل گئی ۔

❋

شمشیر ابھی کمرۂ خواب میں تھا ۔ محافظ اور پہرے دار جو رات بھر اس کے دروازے پر
حفاظت و نگرانی کا فرض ادا کرتے مُنہ اندھیرے ہی رُخصت کر دیئے جاتے ۔ لاچی خان بھی اُن کے
ساتھ نکل جاتا ۔ ابھی تک یہ راز کسی پر منکشف نہ ہوا تھا کہ کچھ محافظ محل کے اُس حصّہ میں بھی
رہتے ہیں جہاں رات کے وقت کسی سپاہی کو داخلے کی اجازت نہیں کیونکہ اس حصّہ میں کوئی
پرندہ بھی پَر نہ مارتا تھا لیکن یہ تو شمشیر کے مجرم ضمیر کی خلش تھی جس نے ابھی تک اُسے پریشان کر
رکھا تھا ۔ اگرچہ پہلا سا خوف و ہراس تو نہ رہا تھا اور کسی حد تک مطمئن ہو چکا تھا اس کے باوجود
بے چارہ غلام گردشوں کی محرابیں اور ستون بھی آپس میں سرگوشیاں کرتے معلوم ہوتے ۔ یہی
وجہ تھی کہ اس نے چوری چھپے اپنی خفیہ حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا ۔

لاچی خان علی الصبح بیدار ہو جاتا اور کنیزوں کے آنے جانے سے پہلے شمشیر کو بھی جگا
دیتا تھا ۔ شمشیر اُس وقت تک کمرۂ خواب ہی میں گھومتا رہتا جب تک محل میں زندگی کے آثار
نمودار نہ ہو جاتے ـــــ اس وقت بھی دریچے کے پاس کھڑا باہر جھانک رہا تھا کہ ملکہ محل کی
کنیز گھبرائی ہوئی داخل ہوئی اور " سلام صبح " ادا کرنے کے بعد بولی ۔

"حضور ——— ملکۂ عالیہ تشریف لا رہی ہیں۔"

صبح ہی صبح ملکہ جہاں کی آمد قطعی خلافِ معمول اور خلافِ توقع تھی شمشیر نے چونک کر کنیز کی طرف نظر اُٹھائی اور اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر سمجھ گیا شاید پھر کوئی غلطی سرزد ہو گئی اور ملکہ باز پُرس کرنے آ رہی ہے لیکن اُسے یقین تھا چند لغزشوں کے باوجود اس کا راز ابھی تک فاش نہیں ہُوا نہ اس خطرہ کے آثار نظر آتے ہیں۔ ملکہ جہاں بیٹے سے ایسی والہانہ محبت کرتی تھی کہ شمشیر کی چھوٹی موٹی فروگذاشتیں اس محبت کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتی تھیں۔ زیرِ لب مسکراتا دروازے کی طرف مڑا تو ملکہ جہاں دہلیز پر شعلۂ جوالہ بنی کھڑی تھی۔ شمشیر اُسے غضب آلود دیکھ کر نہ صرف گھبرا گیا بلکہ سلام کرنا بھی یاد نہ رہا۔

ملکہ نے کنیز کو کمرہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور خود ہاتھ میں وہی پارچہ لیے اندر آئی جس نے ابھی ابھی اس کے دِل میں شعلے بھڑکا دیئے تھے۔

"امی حضور ——— ! خیریت تو ہے آج صبح ہی صبح تشریف آوری کیسی ؟"

خود شمشیر کو اپنا لہجہ اجنبی محسوس ہو رہا تھا۔ ملکہ نے اُسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور بولی "مجھے آج معلوم ہُوا تُو نے پہلے روز گلبانو کو اپنی ملاقات سے محروم کیوں رکھا۔ تیرے دِل میں اس کے لیے کوئی محبت نہیں۔"

"یہ آپ کیا فرماتی ہیں ؟"

شمشیر کو معلوم نہ تھا رات شاہی محل میں کیا کھیل کھیلا گیا اور کاتبِ تقدیر نے اُس کی غفلت میں کیا کچھ لکھ دیا ہے۔ ملکہ جہاں اس کے سوال کو نظر انداز کر کے کہنے لگی۔

"مجھے یہ اُمید نہ تھی تو میری زندگی بھر کی مسرتوں کو یوں پاؤں میں مسل دے گا۔ گلبانو کی محبت اور میری ماتا کو اُس وقت ٹھوکر مارے گا جب ہماری اُمیدوں کے رنگ محل سجائے جا چکے ہوں گے مگر یاد رکھ ! مَیں تجھے اس لڑکی کے جذبات سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی، جس کی تقدیر روزِ اوّل تجھ سے وابستہ ہو گئی۔ گلبانو سے تیری نسبت تیرے بادشاہ بابا نے طے کی تھی اور اب مَیں تو کیا تقدیر بھی یہ رشتہ منقطع نہیں کر سکتی ——— یہ تیرے مرحوم باپ کا فیصلہ ہے اگر تُو نے شادی سے اِنکار کیا تو گلبانو کے ساتھ تجھے تخت و تاج سے بھی دستبردار ہونا پڑیگا۔"

شمشیر کے ذہن پر تحیر کی بجلیاں کوند گئیں۔ ملکہ جہاں کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔ نجانے کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ گزشتہ پانچ روز میں اس نے شہزادی گلبانو سے محبت

کے کتنے ہی مرحلے طے کر لیے اور اُسے اپنی خوش نصیبی قرار دیا تھا ——— گلبانو بھی کیفِ محبت میں سرشار تھی۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا اُس نے ملکہ جہاں سے بے مہری و بے التفاتی کا شکوہ کیا ہو۔ جب کہ خود ان ایام کو اپنی زندگی کا حاصل اور سرمایۂ نشاط سمجھتی تھی پھر وہ کون ہے جس نے ملکہ جہاں کے کان بھرے ؟

"مگر آپ سے کس نے کہہ دیا مَیں گلبانو سے شادی نہیں کرنا چاہتا ؟"

ملکہ جہاں کی حیرت پاش نظریں اس کے چہرے پر مرتکز ہو گئیں اُسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی اجنبی تھا یا پیکرِ طلسم جو ابھی اُس کی آنکھوں کے سامنے دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو جائے گا۔

"خرم ——— ! زبان تیرے دِل کا ساتھ نہیں دے رہی تو مجھے دھوکا دے رہا ہے اپنے دل کو ؟ ——— بہر طور زندگی میں پہلی بار مَیں تجھے اجنبی محسوس کر رہی ہوں۔ آج تُو نے پہلی بار جھوٹ بولا ہے۔ جب کہ تیرے خط نے مجھ پر ساری حقیقت واضح کر دی۔"

"خط ——— ؟"

خرم کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔ ملکہ جہاں نے غصّہ میں پارچہ بڑھایا۔

"کیا یہ تیرا خط ——— تیرے ہاتھ کی تحریر ——— تیرے دِل کی داستان نہیں ... خط لکھنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہوتا جو تیر تیرے دِل کی کمان سے سر ہو رہا ہے۔ وہ ... کے ساتھ تیری ماں کا کلیجہ بھی گھائل کر دے گا۔ اب تو جھوٹ بول کر میری بے چینی کو ... نہیں کر سکتا۔"

شمشیر نے کانپتے ہاتھوں سے پارچہ تھام لیا کھول کر پڑھنے لگا۔ تحریر دیکھتے ہی دھک سے رہ گیا۔ چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ کسی نے خرم بن کر اُس کا مذاق اُڑایا اور اس ... کلیجے میں خنجر گھونپ دیا تھا ———

ذہن پر بہت زور دیا لیکن خاک بھی سمجھ نہ سکا کہ یہ سب کچھ ہُوا کیسے۔ خط کس ... نے لکھا، کیوں لکھا ؟ کیا اس کی تحریر سے اِنکار کر دے ؟

فوراً دِل کی آواز آئی۔ "تُو انکار نہیں کر سکتا اگر ماں کو بیٹے کی تحریر پر یقین نہ ہوتا تو ... باز پُرس نہ کرتی۔ ممکن ہے انکار سے کوئی نئی اُلجھن پیدا ہو جائے۔ چہرہ پر پسینے کے ننھے قطرے چمکنے لگے۔

ملکہ جہاں بدستور ناراض تھی۔ وہ کرب آمیز لہجے میں بولی۔

"تُو نے یہ خط لکھ کر میرا دل ہلا دیا۔ بیس برس پہلے تیرے چچا شہریار نے بھی ایک دیہاتی لڑکی کے سامنے خود کو ہار دیا اور ہمیں غم دے کر موت کے اندھیروں میں گم ہو گیا تھا کیا تو اس کہانی کو دہرانا اور ہمارے دلوں پہ پھر وہی قیامت ڈھانا چاہتا ہے جس کی رُوح فرسا یاد سے ہم آج بھی کانپ اُٹھتے ہیں ——"

ایک لمحہ کے لیے رُک کر ملکہ جہاں نے شمشیر کے مضطرب زرد چہرے کا جائزہ لیا پھر انتہائی کرب و اذیت کے لہجے میں بولی۔

"خرم —— ! میرے بیٹے —— !! اگر یہ خط تیرے دل کی دھڑکن —— تیرے پیار کی آواز —— تیری رُوح کا پیغام ہے تو بھی میں تجھے اپنی محبت کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں۔ دل کی اس دھڑکن کو بند ہو جانے دے —— پیار کی اس آواز کا گلا گھونٹ دے، رُوح کے اس پیغام کو سُننے سے اِنکار کر دے جو تیری ماں، تیرے عزیزوں، تیرے عیالِ سلطنت کے لیے تباہی و بربادی کا سندیس لے کر آیا ہے۔ یہ پیار نہیں زہر کا پیالہ ہے جسے تُو ہونٹوں سے لگا کر اپنے دوستوں سے بچھڑ جائے گا۔ دل کی یہ دھڑکن جو آج تجھے شیریں نغمہ معلوم ہوتی ہے کل موت کا گھنگھرو بن کر بجے گی۔ ہمارے خاندان پہ ایک قیامت پہلے گذر چکی اُسے پھر آواز نہ دے —— محبت ایک حسین مگر بے معنی لفظ ہے —— ایک آگ ہے جو شبنم کی طرح غنچۂ دل پہ گرتی اور زندگی کی مسرتوں کو جھلس دیتی ہے۔ یہ آگ اپنے پیمانے میں نہ گھول اور ماں کے بڑھاپے سے اس کی آخری راحتیں نہ چھین ——"

وفورِ جذبات سے ملکہ جہاں کی آواز مرتعش تھی۔ دل کی اُداسی، رُوح کی تڑپ الفاظ کا رُوپ دھار کر شمشیر کے کلیجے میں خنجر چبھوتی چلی گئی۔ ضمیر کی خلش جاگ اُٹھی اور ایک بار پھر آواز آئی۔

"شمشیر —— ! تُو اس عورت کو فریب دے کر زندگی کی کوئی راحت حاصل نہ کر سکے گا —— تُو اس کے بیٹے کا قاتل ہے۔ ماں کا صبر ایک روز تجھ پہ موت کی بجلی بن کر گرے گا۔"

شمشیر پاگل سا ہو گیا —— کیا کرے —— کہاں جائے —— ؟

اُس نے ملکہ جہاں کی پلکوں سے آنسوؤں کے تارے ٹوٹتے دیکھے اور تڑپ کر اس کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"ماں —— !" اُس کی آواز تھرتھرائی۔

ملکہ جہاں کا ہاتھ شمشیر کے سر پر رینگ گیا۔ وہ بولا۔

"امی حضور —— ! مجھے معاف کر دیجئے؛ جو کچھ آپ چاہتی ہیں وہی ہو گا۔ میں بہک گیا تھا۔ بھٹک گیا تھا۔"

ملکہ جہاں کے اشک آلود چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اُس نے شمشیر کو بانہوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگاتی بولی۔

"میرے لال —— ! میں جانتی ہوں تو اپنی ماں کو مایوس نہیں کرے گا۔"

"امی حضور —— ! آپ نے مجھے معاف کر دیا نا؟"

"ارے —— کبھی ماں بھی بیٹے سے ناراض ہوتی ہے؟"

ایک لمحہ ٹھہر کر بولی۔

"تھوڑی دیر پہلے تو مجھے اجنبی سا لگ رہا تھا —— نجانے کیوں —— لیکن اب تو پھر وہی خرم ہے جس نے آج تک میرا کہا نہیں ٹالا۔"

ملکہ جہاں کی ممتا شمشیر کو پاگل کیے دے رہی تھی۔

"خرم —— ! ایک بات پوچھوں؟"

"فرمایئے !"

"کیا وہ لڑکی گلبانو سے زیادہ خوب صورت ہے؟"

اس اچانک سوال پر شمشیر گھبرا سا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا وہ لڑکی کون ہے جس کا خط میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ شرمسار سا ہو کر کہنے لگا۔

"امی حضور —— ! اگر چاند کا ٹکڑا بھی ہوتا تو آپ کی خاطر چھوڑ دیتا۔"

"پگلے —— ! گلبانو بھی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔"

شمشیر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ گلبانو کو دل و جان سے پیار کرنے لگا تھا۔ ملکہ بیگم نے کہا۔

"وہ اُس وقت سے تجھے پیار کرتی ہے جب اُس کا بچپن گڑیوں سے کھیلتا تھا مگر یاد رکھ گلبانو کو اس خط کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونا چاہیئے۔"

یہ حکم دے کر ملکہ جہاں رخصت ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی شمشیر خط کی عبارت میں کھو گیا۔ ایک بار، دو بار، تین بار اُسے پڑھا اور سوچنے لگا۔

کل دربار میں شادی کا اعلان کیا گیا۔ اُسی رات یہ خط ملکہ جہاں کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ اگر شہزادہ خرم زندہ ہوتا تو اُسے خط لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ سیدھا ماں کے پاس پہنچتا اور اس کا فریب آشکار کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہُوا، خط کا کاتب شہزادہ خرم نہیں۔ سوال پھر وہی تھا خط کس نے لکھا —— کیوں لکھا —؟

سوال اس کے ذہن میں گیلی لکڑی کی طرح سلگنے لگا۔ خیال آیا ممکن ہے یہاں کوئی شخص شہزادی گلبانو سے پیار کرتا ہو اور اسی نے ملکہ جہاں کو بدظن کرنے اور شادی رکوانے کی خاطر یہ جرأت کی ہو۔ اس کے علاوہ خط کا اور کوئی مقصد نہیں —— تو معلوم ہُوا وہ شخص جو کوئی بھی ہے شہزادہ خرم کی تحریر پہچانتا بلکہ اس کی کامیاب نقل بھی کر سکتا ہے ورنہ ملکہ جہاں خط سے دھوکا نہ کھاتی۔"

اب نیا سوال اُبھرا —— 'کون ہے وہ شخص؟'
شمشیر کا ذہن خود ہی جواب تلاش کرنے لگا۔
گھبرا کر گونگ پر ضرب لگائی۔ دوسرے لمحے دلآرام سامنے کھڑی تھی۔
"لاچی خان کو فوراً حاضری کا حکم دو۔"
ریشمی پارچہ کو اس نے یوں مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ جیسے کوئی پرندہ تھا کہ ذرا گرفت ڈھیلی ہوتی اور وہ ہاتھ سے گیا۔ حکم سُن کر کنیز ہوا کے جھونکے کی مانند اُڑتی چلی گئی۔ شمشیر حیران و ششدر کھڑا اس کے دور ہوتے قدموں کی چاپ سُن رہا تھا۔

(منظر ۱۴)

شمشیر ڈاکو

○

غرفوں اور آدھ کھلے دریچوں سے روشنی کی شعاعیں کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ مگر شمشیر کا دماغ حیرت و استعجاب کے اندھیروں میں ملفوف تھا۔ اچانک اُسے خیال آیا۔ لاچی خان کی آمد سے قبل اُسے لباس تبدیل کر لینا چاہیے۔ یہی سوچ کر وہ کمرۂ خواب سے نکل کر کمرۂ خاص میں داخل ہُوا۔

دونوں کمروں کے درمیان صرف ایک دروازہ حائل تھا۔ شمشیر چوکھٹ عبور کر کے خاص کمرے میں پہنچا تو سب سے پہلے نگاہ اپنی اس قدِ آدم تصویر پر پڑی جو آتش دان کے اوپر چپتول کے دو سَروں کے درمیان آویزاں تھی۔ یہ یادگار تصویر صفدر نگر کے ایک مصوّر نے اُس کی مراجعت کے موقع پر تیار کی اور دربار جشن میں بطور نذر پیش کی تھی مگر اس پر نگاہ پڑتے ہی شمشیر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

کسی گستاخ نے خوب صورت تصویر پر سیاہی کے دو موٹے خط کھینچ دیئے تھے، جو ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے گزرتے تھے۔ یہ موٹی اور بھدی لکیریں فریم کے گوشہ نمبر ۱ سے گوشہ نمبر ۳، اور گوشہ نمبر ۲ سے گوشہ نمبر ۴ کی طرف بڑی بے رحمی سے کھینچی گئی تھیں۔ لکیروں کے ایک دوسرے کو کاٹنے کا نشان ٹھوڑی کے نیچے عین شہ رگ پر تھا۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ

قابلِ گردن زدنی ہے۔

اپنی تصویر پر سیاہ لکیروں کا کانٹا دیکھ کر اور شہ رگ پر اُن کے اتصال کا اشارہ سمجھ کر شمشیر کے دل پر جیسے برقِ آسمانی ٹوٹ پڑی۔ قدم موٹے قالین میں پیوست ہو کے رہ گئے چہرے کا رنگ کپاس کے پھول کی طرح زرد ہو گیا، معلوم ہوتا تھا جیسے سیاہی کی ان لکیروں کا رُخ دھار کر شمشیر کی قضا کمرے میں داخل ہو چکی اور فریم کے گوشوں سے اس کی بدحواسی کا نظارہ کر رہی ہے۔ تصویر کی پیشانی پر جو کافی فراخ اور روشن تھی سیاہی کے کچھ دھبے سے نظر آئے پہلی نظر میں شمشیر کو اُن پر سیاہ دھبوں ہی کا شبہ ہوا لیکن غور سے دیکھا تو اُن آڑے ترچھے دھبوں نے بتدریج حروف و الفاظ کی شکل اختیار کر لی۔

تصویر کی پیشانی پر تین سطروں میں ایک عبارت تحریر تھی۔

شمشیر گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں تیزی سے آگے بڑھا۔ آتشدان کے پاس قدِ آدم تصویر کے عین سامنے کھڑا دھڑکتے دل کے ساتھ عبارت پڑھنے لگا۔ پیشانی پر مرقوم تھا۔

"شہزادی گلبانو سے شادی کا خیال ترک کر دو۔ تمہیں دخترِ شہریار کی
عزت و آبرو لوٹنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس انتباہ کو یاد
رکھو!"
(شمشیر ڈاکو)

انگاروں کی مانند دہکتے ہوئے یہ الفاظ شمشیر کے قلب و ذہن میں مارہائے آتشیں کی طرح لہرانے، پھنکارنے لگے جن کی ہر پھنکار شعلہ ریز ہوتی اور اپنے زہر کی آگ سے گرد و پیش کی ہر شے کو پھونک دیتی ہے۔ الفاظ جو تھے سو تھے لیکن تحریر کے نیچے ——— "شمشیر ڈاکو" ——— کا نام پڑھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ کسی پُراسرار ہستی نے انتہائی جراُت اور ستم ظریفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شمشیر ڈاکو کو "شمشیر ڈاکو" ہی بن کر خطاب کیا اور اس کے وجود میں قیامت خیز زلزلہ ڈال دیا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھا۔ اُس کا راز فاش ہو گیا اور کوئی شخص اُس کے فریب سے آگاہ ہو چکا ہے۔

پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ ایک سرد لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرسرائی پھر ذہن دھواں سا بن کر اُڑنے لگا اور محسوس ہوا اُس کا خالی وجود فضا میں معلق ہو کے رہ گیا ہے۔

تحیر و تعجب کے عالم میں گم صُم کھڑا رہا۔ گویا اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو کے کائنات

کے ہنگامے ایک گہرے سکوت میں ڈھل گئے تھے جو اس کے آس پاس کہر کی طرح چھا گیا تھا وہ بھیانک منصوبہ جو کئی انسانوں کے خون میں ڈوب کر اُبھرا جس نے اسے شمشیر ڈاکو سے شہزادہ خرم بنا دیا۔ اچانک سحرِ سامری کی مانند ٹوٹنے بکھرنے لگا تھا۔ اپنی تصویر کے سامنے جس پر تقدیر کے پُراسرار ہاتھ نے سیاہ خط کھینچ دیئے تھے ساکت و صامت، مہر بلب کھڑا تھا جیسے قدرت نے جسم سے زندگی کی حرارت، ہوش و حواس سب کچھ چھین کر اُسے پیکرِ سنگ میں تبدیل کر دیا ہو۔ نگاہیں ابھی تک اُس عبارت پر مرتسم تھیں جس کا ہر لفظ دل کو بچھو بن کر ڈس رہا تھا۔ اس کا اپنا نام ——— "شمشیر ڈاکو" ذہن کے خلا و ملا میں بگولۂ صحرائی کی مانند گھومتا، دوڑتا لہراتا پھر رہا تھا۔

یہ ایک ایسا عجیب و غریب حادثہ تھا جس نے شمشیر ایسے ظالم، سفاک اور وحشی ڈاکو پر بھی نامعلوم سی دہشت طاری کر دی۔ تصور میں وہ سینکڑوں برہنہ تلواریں نظر آئیں جو موت کا حلقہ باندھے اُس کے گرد رقص کر رہی تھیں۔

اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اُسی لمحے عقب میں قدموں کی چاپ اُبھری۔ بھیڑیئے ایسی پھرتی سے اُنہی قدموں پر گھوم گیا۔ لاچی خان دروازے کی چوکھٹ عبور کر رہا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا شمشیر نے لپک کر دروازہ بند کیا۔ زنجیر چڑھائی اور پردہ کھینچ دیا۔ لاچی اُس کے چہرے پر اضطراب کے سائے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ اس قدر پریشان کیوں نظر آتے ہیں؟"

"لاچی خاں ——— ! تقدیر نے بازی اُلٹ دی۔"

"کیا ——— ؟" لاچی خاں مجسم سوال بن گیا۔

"راز فاش ہو گیا۔"

ایک پل کے لیے لاچی خاں دہل گیا۔ حیرت پاش نظروں سے دیکھا۔ اگرچہ ذہن اس خوفناک اطلاع کی صحت سے انکار کر رہا تھا لیکن شمشیر کے چہرے پر اضطراب کے کانپتے سائے اور آنکھوں کے گوشوں سے جھانکتا غم اس کی تصدیق کرنے لگا۔ شمشیر نے ریشمی پارچہ جو ابھی تک ہاتھ میں تھا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ دیکھو، ہماری شکست کا پہلا ثبوت، ہمارے ارادوں کی پہلی ناکامی۔"

لاچی خان نے پارچہ کھولا اور تحریر پڑھتے ہی سناٹے میں آ گیا۔ ابھی سنبھل بھی نہ پایا

تھا کہ شمشیر نے تصویر کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

"اب اِدھر دیکھو۔ تقدیر نے کس طرح میرا مذاق اُڑایا ہے"۔

لاچی خان نے تصویر دیکھی' سیاہ لکیروں کا کانٹا اپنے حلق میں چبھتا ہوا محسوس کیا۔ عبارت پڑھی اور نیچے "شمشیر ڈاکو" کا نام دیکھ کر یوں اُچھل کر پیچھے ہٹا جیسے کسی نے اُس پر تلوار سے وار کر دیا ہو۔

"یہ سب کیا ہے سردار ——— !"

"اسے قسمت کا فریب کہتے ہیں"۔

پھر شمشیر نے بتایا۔" ابھی تھوڑی دیر پہلے ملکہ جہاں یہ بارچہ لے کر آئی اور مجھ سے باز پرس کرنے لگی کہ مَیں نے ایسا خط کیوں لکھا۔ اُسے مطمئن کرنے کے بعد کمرے میں آیا تو یہ منظر دیکھا۔ اس عبارت کا ہر لفظ میرا مضحکہ اُڑا رہا ہے اور میرا نام مجھی کو خوفزدہ کیے دیتا ہے"۔

"اس کا مطلب ہے شہزادہ خرم اپنی موت کو فریب دے کر بچ نکلا اور صفدر نگر پہنچ گیا ہے"۔

لاچی خاں کی آواز مرتعش تھی۔ آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"تمہارا خیال ہے یہ سارا کھیل شہزادہ خرم نے کھیلا ہے ؟"

"اتنی بڑی جراُت اور کون کر سکتا ہے ؟"

ایک لمحے کے لیے شمشیر بھی تذبذب میں پڑ گیا۔ چہرے پر فکر و تشویش کی لکیریں اُبھر آئیں لیکن دماغ پریشانی اور گھبراہٹ کے باوجود خرم کے وجود سے انکار کر رہا تھا۔

"اگر وہ زندہ ہوتا تو اُسے یہ ناٹک کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھا ملکہ جہاں کے پاس آتا۔ سانگا جنگل میں پیش آنے والے حادثہ کی روداد بیان کرتا۔ اپنے زخم دکھاتا پھر یہ سالار رستم کے سپاہی مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو بے خبری کی حالت میں گرفتار کر لیتے اور اس وقت ہمارے سر شہر پناہ کے دروازے پر لٹک رہے ہوتے"۔

"پھر یہ خط کس نے لکھا' شمشیر ڈاکو کے روپ میں یہ ناٹک کس نے کھیلا ؟"

"یہی سوال مَیں نے اپنی تقدیر سے کیا ہے مگر کوئی جواب نہیں ملا"۔

ایک لمحہ ٹھہر کر کہنے لگا۔

"لاچی خان ——— ! مَیں بزدل نہیں۔ ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال

...مسکراتا رہا ہوں۔ قتل و خون اور غارت گری کے ہنگامے میرے لیے نئے نہیں لیکن نجانے کیا ...ت ہے جب سے اس محل میں آیا ہوں میری رُوح بے چین رہتی ہے۔ ملکہ جہاں کو دیکھ کر مجھے ...پنے آپ پر شرم آنے لگتی ہے۔ کوئی پُراسرار آواز خوفزدہ کر دیتی ہے۔ مَیں نے درجنوں خون ...ہائے' بیسیوں گھر لوٹے مگر شہزادہ خرم کا لہو پھانسی کا پھندہ بن کر میرے گلے کو دبوچ لیتا ہے ...میں خوف سے کانپ اُٹھتا ہوں . . . . ."

"شہزادہ خرم کا لہو ———"

لاچی خاں نے بات پکڑ لی اور کسی قدر بے چین ہو کر بولا۔

"سردار ——— ! رُوح بے وجہ پریشان نہیں ہوتی۔ آپ کی بے چینی اس امر کی دلیل ...ہے شہزادہ خرم کی رُوح اپنے فانی وجود کو چھوڑ چکی۔ وہ موت کے اندھیروں میں گم ہو چکا' ...اس خط کی تحریر اور تصویر کی یہ عبارت خطرے کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ الفاظ بول رہے ...ہیں کہ کوئی شخص ہمارے بھید کو جانتا ہے"۔

شمشیر اور لاچی خاں ذہنی طور سے اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ شہزادہ خرم زندہ ...نہیں۔ اگر زندہ ہوتا تو اُسے یہ عجیب و غریب رویہ اختیار کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ملکہ جہاں ...سے مل کر اُن سب کو موت کی بھٹی میں جھونک سکتا تھا۔

پھر یہ ناٹک کس نے کھیلا ؟ شہزادہ خرم بن کر ملکہ جہاں کو خط کس نے لکھا ؟ شمشیر ...کی تصویر پر خط کس نے کھینچے' "شمشیر ڈاکو" کا روپ کس نے دھار لیا ؟

یہ تمام سوالات اس کے قلب و ذہن میں خوف کی پرچھائیں بن کر کانپ رہے تھے ...حیرت و استعجاب کے کچوکے دے رہے تھے۔

حالات و واقعات کا یہ تجزیہ خرم کی موت کا اعلان کر رہا تھا لیکن موت کے اسی ...کفن سے اب ایک نیا خطرہ جھانک رہا تھا اور یہ خطرہ اُن کے دلوں میں ایک نئی دھمک پیدا ...کر رہا تھا۔ چند لمحے مرگ آسا خاموشی میں گذر گئے پھر شمشیر کہنے لگا۔

"مجھے صفدر نگر آئے آج چھٹا دن ہے۔ کل تک کسی کو میرے وجود پر شبہ نہ تھا۔ ...دربار میں میری اور گلبانو کی شادی کا اعلان کیا گیا اور رات ہی رات یہ سب کچھ ہو گیا۔ اس ...سے تم کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو"۔

"مَیں نہیں سمجھا۔ رات کے کھیل کا شادی سے کیا واسطہ ہے"۔

"خط کی عبارت پڑھو، تصویر کی پیشانی کی تحریر پر غور کرو۔ تمہیں ایک ہی مضمون ملے گا۔"

شمشیر منطقی انداز میں سمجھانے لگا۔

"ملکہ جہاں کے نام شہزادہ خرم کی طرف سے جو خط لکھا گیا اُس میں محبت کی ایک فرضی داستان بیان کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ شہزادہ خرم یعنی میں شہزادی گلبانو سے شادی کو منسوخ کرانا چاہتا ہوں، تصویر کی پیشانی پر جو عبارت مرقوم ہے اُس میں مجھے دھمکی دی گئی ہے، میں شہزادی گلبانو سے شادی کا خیال ترک کر دوں۔ کیا دونوں تحریروں کا مقصد ایک ہی نہیں ——؟"

لاچی خان حیرت سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا پھر اُس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"بے شک دونوں تحریروں کا مطلب ایک ہے۔"

"اور مطلب یہ ہے، میں شہزادی گلبانو سے شادی نہ کر سکوں۔"

شمشیر کے ذہن میں ایک نئی کہانی جنم لے رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے صفدر نگر کا کوئی امیر زادہ گلبانو سے محبت کرتا ہے جو دربار میں ہماری شادی کا اعلان سنتے ہی دیوانہ ہو گیا۔ ممکن ہے شاہی محل میں بھی آمد و رفت رکھتا اور شہزادی سے ملتا رہا ہو لیکن گلبانو نہ صرف شہزادہ خرم کی منگیتر بلکہ اُس سے والہانہ پیار کرتی ہے۔ یقیناً اُس نے امیر زادہ کی عرضِ محبت کو مسترد کر دیا ہوگا۔ کل شادی کا اعلان ہوا تو امیر زادہ جوشِ انتقام میں شہزادی گلبانو سے چوری چھپے ملنے اور کچھ کر گزرنے کے ارادہ سے شاہی محل میں آیا ہوگا پھر کسی ذریعے اُس پہ یہ راز کھل گیا ہوگا کہ میں شہزادہ خرم نہیں اُس کا قاتل ہوں یہ راز پا لینے کے بعد اُس نے اپنی بساط کے مہرے بدل دیئے اور ایک نیا کھیل شروع کر دیا۔"

لاچی خان حیرت و تعجب سے اُس کی گفتگو سن رہا تھا۔

"مگر اُس امیر زادہ کو یہ راز کیسے معلوم ہو گیا کہ آپ خرم نہیں شمشیر ہیں۔ ہمارے علاوہ کوئی نہیں جانتا شہزادہ خرم اور اُس کے محافظ سپاہیوں پہ کیا بیت گئی۔"

"لاچی خان ——! یہ نہ بھولو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ کل جب ہم دربار سے لوٹے تو اسی کمرے میں دیر تک گفتگو کرتے رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کسی کنیز نے چھپ کر ہماری باتیں سن لی ہوں اور امیر زادے کی معلومات کا ذریعہ بنی ہو ——"

"کنیز ——؟"

لاچی خان کے مرتعش ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔

"تعجب نہ کرو، شاہی محلات کی بعض کنیزیں اُن امیروں کے مہرے ہوتی ہیں جو شاہی دربار کے کھوج میں رہتے، شہزادوں اور بیگمات کی نگرانی کرتے، مخفیہ معلومات کے ذریعے اپنی وفاداریوں کے رُخ بدلتے اور حالات کی نبض دیکھ کر قدم اُٹھاتے ہیں۔ غور کرو جو امیر زادہ شہزادی گلبانو کا طلب گار ہوگا اس نے شہزادی کے خیالات معلوم کرنے، اس کے آستانۂ جمال تک پہنچنے اور اُس سے اپنے دل کی دھڑکن سنانے کی خاطر کسی نہ کسی کنیز کی وفاداریاں خریدی ہوں گی۔"

"آپ کا مطلب ہے شہزادی گلبانو کی کنیزوں میں سے کوئی کنیز ہماری جاسوسی کرتی رہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے، اعلانِ شادی کے بعد امیر زادہ نے اپنی زر خرید کنیز کے ذریعے یہ معلوم کرنا چاہا ہو کہ شہزادی کے بارے میں میرے خیالات کیا ہیں اور اس نے چھپ کر ہماری گفتگو سے وہ راز پا لیا ہو۔ جس نے خود امیر زادہ کو بھی حیران کر دیا ہوگا۔"

شمشیر کو اس کہانی پر اتنا یقین ہو چلا تھا کہ باقی تمام وسوسے، اندیشے ختم ہو گئے۔ وہ پُر وثوق لہجے میں بولا۔

"لاچی خان! یقین رکھو، میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔ وہ کوئی صفدر نگر کا ہوشیار امیر زادہ ہے جس نے ملکہ جہاں پر میرا راز فاش کرنے کی بجائے صرف مجھ سے ٹکر لی اور شہزادی گلبانو کو میرے راز کی قیمت ٹھہرایا ہے۔ چاہتا ہے میں گلبانو سے شادی نہ کروں۔ اُس کے راستے سے ہٹ جاؤں اور اگر اُس کا مطالبہ مان لوں شاید مجھ سے سمجھوتہ بھی کر لے۔ اُس کی تمناؤں کا مرکز صرف شہزادی ہے۔ اُسے صفدر نگر کی سلطنت اور تخت و تاج کی پرواہ نہیں۔ میں نے اس کی حسین قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا تو میرے راز کا خنجر اس کے ہاتھ میں ہے، وہ اُس کی تیز نوک میرے سینے میں چبھوتا رہے گا —— ہو سکتا ہے کسی روز افشائے راز پر تل جائے اور میرا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرے لیکن فی الحال صرف شہزادی کا طلب گار ہے۔"

شمشیر کی اس کہانی نے لاچی خان کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا لیکن اس کے سینے میں ایک عجیب سی پھانس کھب گئی اور وہ اس کی خلش محسوس کر رہا تھا۔

"یہ معما میری سمجھ میں نہیں آ سکا جس امیر زادہ نے شہزادی گلبانو کو اتنے بڑے راز کی

قیمت ٹھہرایا ہے یہ بھی جانتا ہوگا، گلبانو صرف خرم کو چاہتی ہے - ایک شہزادی کے پیار کی شمع اُس کے شبستانِ حیات کو کس طرح منور کر سکتی ہے ؟"

"یہ نہ بھولو، عورت کی محبت کو ٹھکرا دیا جائے۔ اُس کے دل پر بے وفائی کی ضرب لگائی جائے تو انتقام کی تلوار بن جاتی ہے - امیرزادہ نے میرے راز کے دام سوچ سمجھ کر لگائے ہیں۔ چاہتا ہے میں شادی سے انکار کر کے گویا بے وفائی کا اظہار کروں اور شہزادی کے دل پر اپنی نفرت کی ضرب لگاؤں - جس کے بعد نہ صرف گلبانو کی زندگی کا رُخ تبدیل ہو جائے گا بلکہ مجھ سے متنفر ہو کر امیرزادہ کو قبول کر لینے پر آمادہ ہو جائے گی۔"

"اب میں سمجھا ہمارا دشمن کیا چاہتا ہے۔" لاچی خاں کی آنکھوں میں بھیڑیئے کی سی چمک پیدا ہوئی -

"ہمارے راز کی بساط پر اس نے شہزادی گلبانو کا مہرہ آگے بڑھایا ہے لیکن میں اُسے اور اس کنیز کو جو اُس کی معلومات کا ذریعہ بنی ہے اچانک دبوچ لوں گا اور دونوں خاموشی سے موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔"

"کنیز کل تک گرفتار ہو جانی چاہیئے پھر دشمن ہماری زد میں ہوگا۔"

لاچی خاں نے یقین دلایا - وہ آج ہی تفتیش شروع کر دے گا - نئے خطرہ کے پیشِ نظر اُس نے سردار کو مشورہ دیا - سپہ سالار رستم کی جگہ فوج کا اختیار تیمور خان کو سونپ دیا جائے تاکہ خطرے کا مقابلہ کیا جا سکے - شمشیر سوچ میں پڑ گیا - اُس نے کہا -

"تخت نشینی سے قبل مجھے عزل و نصب کا اختیار نہیں - رستم خاں سپہ سالار اور حکومت کا معتمد ہے، کہیں اُس کی معزولی کسی نئے فتنہ کا دروازہ نہ کھول دے۔"

"رستم خاں کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں - اُسے ترقی دے کر اپنے وزیروں میں شامل کر لیں اُس کی فوج کی کمان تیمور خاں کے ہاتھ میں دے دیں۔"

یہ بات سن کر شمشیر مطمئن نظر آنے لگا -

"تجویز ٹھیک ہے - دو تین روز کے اندر تیمور رستم خاں کی جگہ پہنچ جائے گا۔"

"اور رستم کے بعد وزیر سلطنت شبانی خاں ......"

لاچی خاں نے فقرہ جان بوجھ کر نامکمل چھوڑ دیا - شمشیر بولا -

"ابھی وزیر سلطنت کو ہلانا بڑا مشکل ہے۔"

"آپ اُسے بھی معزول نہ کریں، سلطنت کے لیے اُس کی شبانہ روز محنت کے عوض دو ماہ کی رخصت دے دیں تاکہ وہ آرام کر سکے - اس کی جگہ عارضی طور پر میں سنبھال لوں گا۔"

"اگر اس نے رخصت لینے سے انکار دیا ؟"

"اس سے پہلے آپ شاہی طبیب شغائی کا مشورہ طلب کریں گے اور کہیں گے - " ہمیں وزیر سلطنت کی صحت کا بہت خیال ہے - جو شب و روز ہمارے لیے محنت کرتے رہے کیوں نہ انہیں ایک دو ماہ آرام کرنے دیا جائے تاکہ اچھی طرح صحت یاب ہو جائیں " شاہی طبیب یقیناً رخصت کی سفارش کرے گا۔"

"اگر یوں ہو جائے تو شاید وہ رخصت منظور کر لے۔"

"یوں ہو جانا چاہیئے سردار ---- ! خطرہ اس کمرے میں داخل ہو چکا ہے - اگر ہم غافل رہے تو موت کا پھندہ ہمیں دبوچ لے گا۔"

اچانک شمشیر کا لہجہ تبدیل ہو گیا - پلٹ کر بولا -

"لاچی خاں ---- ! میں صرف ملکہ جہاں کی ممتا اور خرم کی روح سے ڈرتا ہوں - ورنہ میرا پسندیدہ مشغلہ دشمنوں کو صرف آبِ شمشیر پلانا ہے - شاہی محل میں پہنچ کر محض روپ بدلا ہے فطرت نہیں بدلی - میں جنگل کا وہی بھیڑیا ہوں جو اپنی پیاس خون سے بجھاتا ہے۔"

اس وقت شمشیر اُس شمشیر سے بہت مختلف اور بدلا ہوا نظر آ رہا تھا جو ملکہ جہاں کی خشمگیں نگاہیں دیکھ کر بید مجنوں کی مانند کانپ اُٹھا تھا - جو اپنی تصویر پر نظر پڑتے ہی نقشِ حیرت بن گیا تھا - جس کے قلب و ذہن پر تھوڑی دیر پہلے خوف و ہراس نے اپنے سائے ڈال دیئے تھے لیکن اب وہی شمشیر تھا جس کے نام کی دہشت دلوں پر مسلط تھی - جس کے کان رحم سے ناآشنا تھے جس کی ہلتی ہوئی تلوار دیکھ کر موت بھی رُخ کاٹ کر نکل جاتی تھی -

(منظر ۱۵)

ملاقات

○

نیلی صفدر نگر سے لوٹ کر گنا بستی پہنچی تو اُس کی دنیا بدل چکی تھی۔ بستی کے لوگوں نے اس کا پُرجوش استقبال کیا۔ جب صفدر نگر کی طرف گئی صرف بابا اور پردیسی محبوب ہمراہ تھے۔ اُس کی روانگی کے وقت کسی غیر معمولی سرگرمی کا اظہار نہ کیا گیا۔ مسافروں کی طرح خاموشی کے ساتھ بستی سے نکل تھی۔ لیکن جیسے روزا اپنی زندگی کی تمام خوشیاں صفدر نگر میں کھو کر واپس آئی تو بستی کے سب لوگ بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے تک اُس کے استقبال کے لیے سانگا ندی کے گھاٹ پر جمع تھے۔

سردار شاہو نے ایک روز پہلے ہی سرائے شہریار کے منتظم کی معرفت شیخ کو کامیابی کا پیغام روانہ کر دیا اور یہ خوشخبری بھیج دی تھی کہ نیلی کے رقص و نغمہ سے خوش ہو کر ملکہ جہاں نے وہ شاہی حکم منسوخ کر دیا ہے جو بیس برس پہلے گونا بستی کے باشندوں پر عتاب بن کر نازل ہوا تھا۔ اب انہیں شہر میں آمد و رفت اور کاروبار کی اجازت مل گئی ہے۔

یہ اُسی پیغام، اُسی مژدۂ جانفزا کا نتیجہ تھا کہ شیخ نے اہلِ بستی کو نیلی کے پرجوش استقبال کا حکم دیا اور جب وہ اپنے بابا کے ہمراہ سانگا ندی کے گھاٹ پر پہنچی ایک ہجوم اُس کا منتظر تھا۔ لوگ "نیلوفر بانو، زندہ باد" ——— کے نعرے لگا رہے تھے۔

نیلی جب بابا کے ہمراہ سرائے شہریار سے رخصت ہوئی تو اُس کا دل اپنے پردیسی محبوب [...]قائی کے صدمہ سے نڈھال تھا۔ دربارِ جشن میں اُسے ملکہ کے پہلو بہ پہلو تختِ شاہی پر جلوہ فرما [...]اس نظارہ کو خواب سمجھنے لگی لیکن حقیقت خواب سے زیادہ دلکش بن گئی اور یہ سوچ کر مسرت [...]م آمیخی کہ اس کا پردیسی محبوب دراصل صفدر نگر کا شہزادہ خرم ہے لیکن اُسی دربار میں [...]دہ خرم ذیشان" اور شہزادی گلبانو کی شادی کا اعلان سن کر اُس کے دل پر بجلی ٹوٹ پڑی [...]ادہ خرم" کی رضامندی نے شعلوں کی لپک بن کر اُس کی حسین کائنات پھونک ڈالی [...]۔ پھر بدبختی کی انتہا یہ ہوئی کہ ملکہ جہاں نے تقریبِ شادی پر اُسے حاضری کا حکم سنایا اور [...]نغمہ کی دعوت دی ——— نیلی بھلا کیسے انکار کر سکتی تھی؟

دربارِ جشن کے بعد ایک روز سرائے شہریار میں رُکی رہی۔ اس کا خیال تھا شاید شہزادہ [...]ی وقت اُس سے ملنے آئے یا غلام بھیج کر اپنے پاس طلب کرے اپنی مجبوریوں کی تفصیل [...]ت پیش کر کے یہ یقین دلانے کی کوشش کرے کہ ابھی شادی کی تقریب میں ایک مہینہ پڑا ہے [...]عرصہ میں شادی رکوانے اور اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

یہ جھوٹی تسلی بھی اگرچہ اس کے گھائل دل پر مرہم نہ بن سکتی تھی لیکن خرم نے گنا بستی [...] قیام کے دوران اپنے پیار کی جس وارفتگی کا اظہار کیا تھا اُسے سوچ کر نیلی کو بار بار خیال آتا تھا۔ [...]بنگی کی کوشش ضرور کرے گا، ملنے ضرور آئے گا لیکن اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ شہزادہ خرم [...]آیا نہ کوئی پیغام بھیجا جس سے نیلی کا دل صدمے سے چور چور ہو گیا۔

دل کی ویرانیاں اشکوں میں ڈھل کر عارضوں پر بہہ نکلیں سرائے کے روز منزلہ کمرے [...]ی اُس بے قرار روح کی مانند بے تابانہ پھرتی رہی۔ جو اپنے مقامِ ارضی کو کھو بیٹھی ہو۔ سارا [...]ن، ساری رات روتی رہی۔ بھیگی پلکوں پر آنسوؤں کے چراغ جلاتی رہی کہ وہ رات "جشنِ چراغاں" [...]کی آخری رات تھی، سارا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ سرائے شہریار کے در و بام پر بھی قطار اندر [...]طار دیے روشن تھے۔ شہر کے اندر ایک سیلِ نور سا اُمڈ آیا۔ ہر طرف ایک ہنگامۂ مسرت بپا تھا اور [...]صفدر نگر کی ہر عمارت، ہر دیوار، ہر چھت پر چراغ جگنوؤں کی مانند جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ یہ چراغ، یہ روشنیاں، یہ سیلِ نور، یہ مسرت کے ہنگامے نیلی کے دلِ صد چاک [...]کو سانپ بن کر ڈس رہے تھے، وہ غمِ دل کے لرزاں اندھیروں میں کسی گم گشتہ روح کی [...]طرح بھٹکتی رہی تھی۔

بابا اس کا دکھ جانتا تھا۔ خود اُسے "شہزادہ خرم" کے عجیب و غریب رویّے پر بڑا صدمہ ہوا۔ گنا بستی سے روانگی کے دن جب نیلی نے بتایا کہ پردیسی نے اُسے ہیرے کی انگوٹھی پہنائی ہے۔ سردار کا دل اُسی وقت ٹھٹکا تھا لیکن خرم نے کس یقین، کس وثوق سے کہا تھا۔

"میں نیلی کو اپنا ایمان سمجھ بیٹھا ہوں"۔

صفدر نگر کے دربار میں پہنچ کر اُس کا وہ ایمان کہاں بھٹک گیا تھا، بیٹی کو سہارا دے کر بھاری دل کے ساتھ سرائے میں لوٹ آیا اور اُسے سمجھاتا رہا۔ یہ پیار نہیں محض دیوانگی ہے۔ بھلا بستی کی ایک غریب لڑکی شہزادہ عالی کی قسمت کا ستارہ کیسے بن سکتی ہے۔ وہ خرم کو بھول جائے جس طرح خود اُس نے نیلی کو اپنے دل و دماغ سے اُتار پھینکا ہے۔ نہ جانے کیوں سب کچھ دیکھنے، سننے، سوچنے اور سمجھنے کے باوجود نیلی کا دل اِس واقعہ کی صحت کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ اُسے بار بار یہ وہم ستانے لگ جاتا کہ اس نے حقیقت نہیں محض ایک خواب دیکھا ہے۔ جس طرح خواب حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتے اُسی طرح یہ واقعہ بھی کسی خواب کا عکس تھا۔ اُسے خرم کا وجود اجنبی سا لگ رہا تھا۔ جیسے اُس نے اپنے چہرے پر کوئی خول چڑھا لیا ہو ورنہ جس خرم کے ساتھ اُس نے گنا بستی میں چار دن گزارے، سانگا ندی کے ساحل پر محبت کے عہد و پیمان کیے وہ اُس "خرم" سے بہت مختلف تھا جسے اُس نے تختِ شاہی پر جلوہ فرما دیکھا۔ یہی وہ اختلاف تھا جسے کبھی فریبِ نظر اور کبھی فریبِ دل سمجھ کر بے چین ہو جاتی تھی۔

تیسرے روز اپنے بے وفا محبوب کی آمد و ملاقات سے مایوس ہو کر اس نے رختِ سفر باندھا اور بابا کے ہمراہ گنا بستی کی طرف چل دی۔ اُس ہارے ہوئے جواری کی طرح جو اپنی تمام دولت ایک ہی داؤ پر لگاتا اور سب کچھ ہار دیتا ہے۔ اُس بدنصیب ملاح کی مانند جس کی کشتی ہیبت ناک طوفان سے صحیح سلامت گزر جائے لیکن عین ساحل کے قریب جہاں تموّج ہو نہ کوئی گردابِ ہلاکت اچانک غرق ہو جائے۔

نیلی کا سفینۂ محبت بھی ساحل پر غرق ہوا تھا وہ اپنے آنسوؤں کے جنازے صفدر نگر کی مٹی میں اُتار آئی، اپنی اُمیدوں کو شکست و مایوسی کے کفن پہنا کر اُسی شہر میں دفن کر آئی جو چند روز پہلے اُس کے تصور کے سنہرے ہالوں میں جنتِ ارضی اور شہرِ آرزو بن کر جھلملایا تھا۔ جس کے زمرّدیں رنگ محلوں کے اندر اُس نے اپنے پیار کی شمعیں روشن کی اور اُس کے راحت آگیں، کیف آفریں تصور سے ایک بے پایاں لذت پائی تھی۔ آج وہ "شہرِ آرزو" اس کی شکستِ

...و کے کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اپنی تمناؤں کے منہدم اور مسمار رنگ محلوں کے خرابہ ... آنسو بہا کر پھر اپنی بستی میں لوٹ آئی تھی۔

چودہ پندرہ کوس کا سفر زندگی کے بے کیف اور طویل سفر سے بھی زیادہ اُکتا دینے والا ... مگر اُس نے سانگا ندی کے گھاٹ پر انسانوں کا ایک ہجوم دیکھا جا سے دیکھ کر اُچھلنے کودنے ... "نیلو فر بانو" کے نعرے لگانے لگا تو نیلی کے شکستہ دل پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ... تھی۔ اس ہجوم سے نکل کر جب شیخ اپنا عصا لہراتا آگے بڑھا اور اس نے بنفسِ نفیس نیلی کو ... دے کر گھوڑے سے اُترنے میں مدد دی تو دفورِ جذبات سے پلکوں کی اوٹ میں تیرتا ... پانی آنسو بن کر اُمڈ پڑا۔ شیخ نے بے اختیار اُسے چمٹا لیا اور پیشانی پہ بوسہ دے کر بولا۔

"نیلو فر بیٹی ——! تو بستی کے لیے خوشیاں لے کر آئی ہے۔ تیرے دل پہ خوشیوں کے چاند طلوع ہوں گے"۔

غالباً شیخ نے یہی سمجھا تھا، نیلی کی آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو تیر رہے ہیں۔ گنا بستی ... بیس سالہ غموں کے اندھیرے معدوم ہو گئے تھے۔ پھر شیخ نے اپنی دستار کے آنچل سے اُس ... کے آنسو پونچھے اور کہا۔

"پگلی ——! یہی آنسو تیرے مقدر کے ستارے بننے والے ہیں"۔

نیلی نے چونک کر شیخ کی طرف دیکھا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک رُوحانی تبسم لرزاں تھا۔ سیاہ آنکھوں میں یقین و ایمان کی ایسی روشنی چمک رہی تھی جس کی شعاعیں نیلی کے دل پر منعکس ہونے لگیں۔ اس کے ویرانۂ غم کے تیرہ گوشے جو شکست و مایوسی کی تاریکیوں سے معمور ہو چکے تھے اُس نورانی انعکاس سے ہولے ہولے منوّر ہونے لگے اور محسوس کرنے لگی۔ ... ایک راحت افزا روشنی دل کی ویرانیوں اور رُوح کی تاریکیوں کو کاٹتی چلی جا رہی ہے۔

نجانے یہ اُس بے پایاں عقیدت کا معجزہ تھا جو نیلی کو اپنے رُوحانی رہنما سے تھی، یا ... واقعی اُن آنکھوں میں نورِ ایمان کی تجلیاں پنہاں تھیں جو نیلی کے دل پر یوں منعکس ہوئیں جیسے ... تپتے صحرا پر اچانک بادل سایہ فگن ہوں اور بارش کے قطرے پیاسی ریت کو سیراب کرنے لگیں۔ جیسے اندھیری رات میں یکا یک چاند گھٹا کے غرفوں سے جھانکنے اور تاریک دنیا پہ چاندنی کھیت کرنے لگے۔

نیلی کہنا چاہتی تھی وہ تو دل کی بازی صفدر نگر میں ہار آئی ہے۔ تقدیر نے اُس

کے ساتھ ایسا مذاق کیا کہ اب زندگی روگ معلوم ہونے لگی ہے لیکن شیخ کے الفاظ اس کے ذہن کی اندھیری گلیوں میں روشنی کی لرزتی، تھرکتی کرنوں کی مانند ضیاریز ہوئے اور نیلی کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی پُراسرار غیبی طاقت جس پر ماضی حال اور مستقبل کا ہر واقعہ آئینے کی طرح منکشف ہو جاتا ہے۔ شکستِ دل کے اُس المیے سے آگاہ ہو چکی ہے جس نے نیلی کو تصویرِ درد بنا دیا ہے۔

کاش ——— وہ جانتا صفدر نگر کے دربار میں اُس پر کیسی قیامت بیت گئی تھی ———

ایک لمحہ کے لیے نیلی نے سوچا ——— وہ شیخ کی روحانی قوت پر شک کر رہی ہے۔

وہ ضرور جانتا ہوگا ——— سب حقیقت اس پر واضح ہو چکی ہوگی جب وہ کئی دن پہلے پیش گوئی کر سکتا تھا کہ نیلی کا یہ سفر مبارک ہوگا اور کامران واپس آئے گی تو بلاشبہ دربار میں پیش آنے والے واقعہ سے بھی باخبر ہوگا پھر اُس نے نیلی کو مقدر کے ستاروں اور خوشیوں کے چاند کا مژدہ کیوں سنایا؟

اُس کے مقدر کے ستارے تو شہزادی گلبانو کی افشاں میں بکھر گئے۔

اُس کی خوشیوں کا چاند تو صفدر نگر کے افق پر غروب ہو گیا۔

سانگا ندی سے ہجوم نے ایک جلوس کی شکل اختیار کر لی۔ نیلی شیخ اور سردار شاہو کے درمیان رواں ہوئی۔ پیچھے پیچھے لوگ مسرت کے آوازے بلند کرتے چلے آ رہے تھے۔

یہ جلوس شیخ کی قیام گاہ پر ختم ہوا۔ اگرچہ چاند کی چودھویں رات گزر چکی اور گونالبتی کے لوگ رسم و روایت کے مطابق ماہانہ جشن منا چکے تھے لیکن شیخ نے اعلان کیا۔ آج رات اِس خوشی میں جشن ہوگا کہ ان کی بستی بیس سال کے بعد شاہی عتاب سے رہا ہوئی ہے۔

رات کو رقص گاہ میں مشعلیں روشن کی گئیں اور نیلی شیخ کے حکم پر محوِ رقص ہوئی۔ اُس کا مشعل بردار ساتھی پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ گھومتا رہا۔ وہ ناچ ضرور رہی تھی اُس نے شیخ کے حکم کی تعمیل بھی کر دی لیکن یہ رقص ——— یہ ناچ بہت مختلف تھا۔ نیلی کے دل میں غم کا الاؤ بھڑک رہا تھا۔ خود بھی ایک لپکتا، دمکتا شعلہ بن گئی تھی۔

لوگوں پر خود رفتگی سی طاری تھی۔ اُنھوں نے آج تک نیلی کے یہ قیامت آفریں انداز نہ دیکھے تھے مگر شیخ کی جہاں دیدہ نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ اُس کی پلکوں میں اٹکے ہوئے آنسو دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا نیلی غمِ دل کی آگ میں نہ صرف خود جل جانا چاہتی ہے بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی جلا دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔

رقص ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ اچانک شیخ اپنا عصا لہراتا کھڑا ہوا۔ نیلی ناچ میں اتنی محو تھی کہ اُس نے شیخ پر توجہ نہ دی۔ وہ اپنے سنگھاسن سے نیچے آیا اور چپ چاپ رقص گاہ سے نکل گیا۔ لوگ اُسے یوں فکر مند سا جاتے دیکھتے حیران رہ گئے۔ نیلی نے رقص کا آخری توڑا لیا اور حسبِ دستور سنگھاسن کے پایوں میں سرنگوں ہوئی تو اُسے خالی دیکھ کر چونک اٹھی ——— شیخ اپنی مسند پر نہیں تھا۔ یہ ایک نیا صدمہ تھا کہ شاید وہ ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔

بھیگی بھیگی نظریں خالی مسند پر زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑائیں اور تڑپ کر سردار کی طرف پلٹیں۔

" بابا ——— ! "

نیلی کی آواز حلق میں تھرتھرا کر ایک چیخ کی صورت میں ڈھل گئی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ شیخ رقص کے دوران اُٹھ کر چلا جائے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ اس نے نیلی کا ہدیۂ رقص قبول نہیں کیا۔

اس خیال نے نیلی کے ساتھ سردار کو بھی مضطرب کر دیا۔ دونوں خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بستی والے بھی شیخ کے اس عجیب و غریب اور خلافِ معمول رویّے پر حیران تھے مگر کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔ شیخ کی ذات ہر قسم کی نکتہ چینی سے بالاتر تھی۔

سردار نے نیلی کو سنبھالا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

" بابا ——— ! کیا تقدیر کی طرح شیخ بھی مجھ سے روٹھ گیا؟ "

دوسرے روز نیلی گھر سے نکلی تو اُس کے قدم آپ سے آپ رقص گاہ کی طرف اُٹھنے لگے۔ سورج سانگا جنگل کے اونچے درختوں پر چمک رہا تھا اور اس کی ترچھی شعاعیں ندی کی رواں دواں لہروں پر سونا بکھیر رہی تھیں۔

نیلی عجیب سے جذبات سے دوچار تھی۔ اس زینہ پر بیٹھ گئی جہاں چند روز پہلے خرم بیٹھا تھا۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں اُس نے پردیسی محبوب کی محبت پائی اور اُس کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا لیکن وہ عہد تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور نکلا۔ کل رات اِسی جگہ اس نے شیخ کو کھو دیا اور وہ رقص کے دوران اُٹھ کر چلا گیا تھا۔

آخر اسی جگہ اُس کے ستارے گردش میں کیوں آتے ہیں ؟

نیلی زمین پر نظریں گاڑے سوچ میں اس قدر محو تھی کہ قدموں کی وہ آہٹ بھی نہ سُنی جو رقص گاہ کے دروازے پر ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دو پاؤں اُس کی نگاہوں کے حلقہ میں اُبھر آئے گھبرا کر نظر اُٹھائی اور جلدی سے یوں اُٹھی جیسے زمین نے اُسے گیند کی طرح فضا میں اُچھال دیا ہو اور حیرت و استعجاب کی تصویر بن گئی۔

اس کا پردیسی محبوب ——— شہزادہ خرم سامنے کھڑا تھا۔

"تم ..... ؟"

نیلی کے ہونٹ کپکپائے، تھرتھرائے پھر فوراً ہی یاد آیا وہ ایک سلطنت کا ہونے والا بادشاہ ——— وارثِ تخت و تاج ——— شہزادۂ عالی ہے اور اُس نے فوراً اصلاح کی۔

"آپ ——— ؟"

اور اس کے ساتھ ہی غصہ سے منہ پھیر لیا۔ اُسے یوں مڑتے دیکھ کر خرم کے دِل پر چھریاں سی چل گئیں۔ آہستہ سے بولا۔

"نیلی! کیا تم بھی مجھ سے رُوٹھ گئیں ؟"

"ایک غریب لڑکی یہ گستاخی کیسے کر سکتی ہے حضور ——— ! آپ بادشاہ ہیں مہر و ماہ ہیں، عالم پناہ ہیں اور میں ایک ذرۂ ناچیز ——— ایک ادنیٰ کنیز میں آپ سے رُوٹھنے کی جرأت کیسے کر سکتی ہوں ۔"

نیلی کا لہجہ بدل گیا تھا۔ الفاظ کا مفہوم بدل گیا تھا جو نشتر بن کر خرم کے سینے میں اُتر گئے اُس نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نیلی ——— ! اگر میں اپنے آپ کو شہزادہ یا حکمران سمجھتا تو تمہارے پاس اس طرح نہ آتا۔ میں وہی خرم ہوں جسے تم نے پناہ دی جس کے زخموں پر مرہم لگایا اور نئی زندگی بخشی ۔"

خلافِ توقع انکساری کے اس اظہار سے نیلی کے ذہن پر حیرت کی ایک نئی لہر گزر گئی سوچنے لگی کہیں پھر کوئی خواب نہ دیکھ رہی ہو لیکن خرم کو اگر گزرے ہوئے واقعات نہیں بھولے تو محبت کے عہد و پیمان کیوں یاد نہ رہے۔

اس احساس کے ساتھ زخمی ہرنی کی مانند تڑپ کر پلٹی اور یہ بھول کر کہ اس وقت ایک ولی عہدِ سلطنت سے ہم کلام ہے تند و تیز لہجے میں بولی۔

"شہزادۂ عالی ——— ! میں نے کیا بُرائی کی تھی جس کے بدلے میں آپ نے مجھ سے پیار کے جھوٹے وعدے کیے۔ میرے دل میں جھوٹی اُمیدوں کے چراغ روشن کیئے۔ پیار کے فریب دیئے اور جب میں آپ کے فریب کی جنت میں آگئی۔ قول دے چکی، دل ہار بیٹھی آپ نے ایک ہی ٹھوکر سے میرے خوابوں کے رنگ محل چکنا چور کر دیئے ——— میں نے کیا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں آپ سوداگر کا بہروپ بدل کر آئے اور میری چھوٹی سی دُنیا لوٹ کر چل دیئے۔ جب شہزادی گلبانو سے آپ کی نسبت طے ہو چکی تھی آپ کو ایک غریب لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا کیا حق تھا۔ آپ نے مجھ سے اپنا شاہی راز کیوں چھپایا تھا ——— سوداگر بن کر پیار کا مول تول کیوں کرتے رہے ——— میرے دِل کی دُنیا لوٹ کر آپ کو کیا مِل گیا ۔"

خرم اضطراب گیر، درد انگیز آواز میں کہنے لگا۔

"نیلی ——— ! تمہیں کس طرح یقین دلاؤں، میں آج بھی وہی خرم ہوں جو کل تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا، کوئی فریب نہیں کیا۔ اُلٹا تقدیر نے میرے ساتھ اتنا بڑا فریب کھیلا ہے کہ میری دُنیا ہی بدل گئی۔ تمہارے دِل کے گھاؤ جانتا ہوں مگر قسمت نے جو زخم میرے دِل پر لگایا ہے وہ کسی کو دِکھا بھی نہیں سکتا۔ تمہیں کیا بتاؤں میرے ساتھ کیا بیت گئی۔"

نیلی نے حیرت پاش نگاہوں سے اُس کے چہرے پر اذیت کی پرچھائیاں دیکھیں۔ جو دِل کی کیفیت ظاہر کر رہی تھیں۔ آنکھوں سے جھانکنے والا غم الفاظ کی تائید کر رہا تھا، سوچا ہو سکتا ہے وہ شہزادی گلبانو سے شادی پر رضامند نہ ہو لیکن شاہی مصلحتوں نے اُسے مجبور کر دیا ہو۔

خرم کہہ رہا تھا۔

"یقین کرو نیلی ——— ! تم نے دربار میں جو کچھ دیکھا ——— جو کچھ سُنا۔ وہ حقیقت نہ تھی ایک خواب تھا ——— ایک سراب تھا ۔"

"خواب ——— ؟" نیلی کے ہونٹ تھرتھرائے ——— "خواب تو اب دیکھ رہی ہوں ۔"

"یہ خواب نہیں۔ دربار میں تم نے شہزادہ خرم کی بجائے جادو کے ایک پُتلے کو دیکھا تھا لیکن جو خرم اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے سراپا حقیقت ہے ۔"

نیلی نے پلکیں جھپکائیں۔ غور سے دیکھا اور دیکھتی چلی گئی۔

"کیا جھوٹی تسلیاں ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ سکتی ہیں۔ میری قسمت کا ستارہ ڈوب چکا
اب آپ کیا لینے آئے ہیں؟"

"یہ بتانے آیا ہوں کہ صفدر نگر میں تم نے جو خواب دیکھا کہیں اُسے حقیقت نہ سمجھ بیٹھو۔ میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اُس پر آج بھی قائم ہوں اور زندگی کے آخری سانس تک قائم رہوں گا۔"

"شہزادۂ عالی ——!"

نیلی کے ہونٹوں پر مسرت ایک چیخ میں ڈھل کر اُبھری۔

"شہزادۂ عالی نہیں مجھے خرم کہہ کر پکارو —— میں تمہاری زبان سے 'آپ' کی بجائے وہی 'تو' سننا چاہتا ہوں جس میں پیار کا رس اور دل کی مٹھاس ہے —— نیلی —! بے شک بے رحم تقدیر نے مجھے ایک بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے اور تخت و تاج کی مصلحتیں ایک شہزادہ کو اس کی محبت سے محروم کر دینا چاہتی ہیں لیکن محبت ایک ایسی طاقت ہے جس کے سامنے دُنیا کی سلطنتیں ہیچ ہیں۔ میں آخری لمحے تک اپنی محبت کو سرنگوں نہ ہونے دوں گا۔ اگر محبت اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا وقت آیا تو یقین رکھو تمہاری خاطر تخت و تاج کو بھی چھوڑ دوں گا۔"

"خرم ——!"

فرطِ مسرت میں نیلی بے اختیار خرم کے بازوؤں میں آگری۔ خرم نے پہلی بار اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اپنے مضبوط بازو اُس کے گداز، گرم اور ریشمی جسم کے گرد حائل کر دیے۔ دو اچھوتی جوانیوں کا یہ محبت آفرین ملاپ اُس کیفِ نہایت کا مظہر تھا جسے اہلِ دل محبت قرار دیتے ہیں۔

خرم کے چہرے پر تقدیس کی روشنی تھی اور اس نے نیلی کو یوں تھام رکھا تھا۔ جیسے وہ کائنات کی مقدس ترین ہستی ہو۔ سیاہ بالوں سے کھیلتے ہوئے اُس نے اپنی آنکھیں نیلی کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

"میں تو سمجھی تھی تو مجھے بھول گیا۔"

"تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں —— میری زندگی ہو تم!"

اس ملاقات کے بعد نیلی پھر وہی نیلی اور خرم پھر وہی خرم بن گیا۔ اُن کے دل ایک

ہی مرکز، ایک ہی محور پر دھڑک رہے تھے۔ البتہ خرم کے چہرے پر اُن پریشانیوں کے عکس بھی لرزاں تھے جو اس کا مرتبہ اور جاہ و جلال چھین چکی تھیں اور وہ سکونِ دل کی تلاش میں اپنی محبت کی جنت میں آنکلا تھا۔

دونوں رقص گاہ کے اُسی زینے پر بیٹھ گئے جہاں پہلے روز بیٹھے تھے۔ اچانک خرم کہنے لگا۔

"نیلی —— ! تمہارے اور بابا کے سوا بستی کے لوگ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے میں چاہتا ہوں، یہ راز کسی کو معلوم نہ ہونے پائے کہ میں کبھی —— کسی حالت میں —— کسی وقت یہاں آیا تھا۔"

نیلی نے حیرت سے پلکیں اُٹھائیں اور اُسے دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔

"بہتری اسی میں ہے۔ ابھی تمہاری زبان پر میرا نام نہ آئے۔"

"پر تیرا نام تو ہر سانس کے ساتھ زبان پر آتا ہے۔"

"تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔"

"سمجھا دے نا۔"

"اگر شاہی محل کا کوئی آدمی، کوئی سرکاری افسر میرے متعلق پوچھنے آئے تو تمہیں اُسی طرح لاعلمی کا اظہار کرنا چاہیے جس طرح شمشیر ڈاکو کے سامنے کیا تھا۔"

"کیا کسی نے شک کیا ہے تجھ پر؟"

"ابھی تک نہیں لیکن کچھ دِنوں بعد ہو سکتا ہے، لہٰذا تمہیں ہوشیار اور محتاط رہنا چاہیے۔"

"تو مجھے شاہی محل میں بُلائے گا نا؟"

"بلاؤں گا یا تیرے لیے خود بھی شاہی محل چھوڑ دوں گا۔"

"خرم —— ! جب تُو شاہی محل چھوڑ دینے کو کہتا ہے نجانے مجھے ڈر سا کیوں لگتا ہے۔ تجھے کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"پگلی ! خطرے تو ہر وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ شہزادوں کی زندگی خود ایک خطرہ ہوتی ہے۔"

نیلی سہم سی گئی۔

"خطرہ کیا ہے ـــــ اور تو سپاہیوں کے بغیر اکیلا بستی میں کیوں آگیا۔ اگر ڈاکو نے تجھے دیکھ لیا تو جانتا ہے کیا ہوگا"۔

خرم نے بتایا۔ اب وہ خود شمشیر ڈاکو کی تاک میں ہے اور عنقریب اُسے خوفناک سزا دے گا۔ نیلی مطمئن ہوگئی۔ بھلا ایک حکمران کے سامنے ڈاکو کی حیثیت ہی کیا ہے وہ کہنے لگا۔

"میں کبھی کبھی تجھے ملنے آتا رہوں گا اور جب تک میرا منصوبہ پورا نہیں ہوجاتا، ہم اسی طرح چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے"۔

وہ رقص گاہ میں بیٹھے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر خرم آئندہ ملاقات کا وعدہ کرکے رخصت ہوگیا۔ نیلی گھاٹ پر کھڑی اس کے گھوڑے کو سانگا ندی کا پایاب حصّہ عبور کرتے دیکھتی رہی۔

خرم کو رخصت کرکے جب وہ خوشی سے ناچتی، تھرکتی اور موجِ ہوا کی طرح اُڑتی گھر میں داخل ہوئی سردار شاہو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی چاندنی اور عارضوں پر پھول شفق کے لہریے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

جب سے وہ صفدر نگر سے آئی تھی آٹھوں پہر اُداس و غمگین اور کھوئی کھوئی سی رہتی۔ پلکوں کی اوٹ میں ہر وقت پانی سا تیرتا اور سردار اُسے یوں سُلگتے جلتے دیکھ کر خود بھی پریشان ہوجاتا تھا لیکن اس وقت نیلی کی سب اُداسیاں رخصت ہوچکی تھیں۔ سردار حیرت سے بولا۔

"کیا ہُوا ہے تجھے ـــــ اتنی خوش کیوں ہے؟"

"بابا ـــــ! وہ آیا تھا ـــــ پردیسی ـــــ نہیں شہزادہ خرم"۔

ایک لمحے کے لیے سردار کو خیال آیا کہیں شدتِ غم سے نیلی کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ بھلا شہزادہ خرم یہاں کیوں آتا لیکن جب نیلی نے پورا واقعہ سنایا اور شہزادہ کی مجبوریوں کا ذکر کرکے یہ بتایا ـــــ

"بابا ـــــ! اگر کسی نے اُس کی بات نہ مانی تو میرے لیے تخت و تاج بھی چھوڑ دے گا۔ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا بابا ـــــ! میرا دل کہتا ہے وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا"۔

یہ کہہ کر نیلی اندر بھاگ گئی اور سردار شاہو سوچتا ہی رہ گیا۔

"کیا بیس برس کے بعد تاریخ اپنے آپ کو پھر دُہرائے گی ـــــ کیا نیلی اور ...م کا پیار بھی ایک کہانی بن جائے گا ـــــ کیا گونا بستی پر پھر کوئی آفت آنے والی ہے"۔

اندیشے اس کے ذہن میں سانپوں کی مانند رینگنے لگے اور جی میں آئی ابھی جاکر پیار کی ...ں کہانی سے شیخ کو آگاہ کردے۔ شاید وہ آنے والے طوفان کو روک سکے یا اُس کا رُخ کسی ...وسری طرف موڑ دے لیکن شیخ سے کہے گا کیا۔ بتائے گا کیا۔ صرف یہ اس کی لڑکی انجانے میں ...ہزادہ خرم سے پیار کر بیٹھی ہے؟

فکر کی نئی نئی لہریں سردار شاہو کے ذہن سے ٹکراتی رہیں۔

منظر ۱۶

کنیز

○

شاہی محلات کی اعلیٰ کنیز دلآرام جو پانچ برس پہلے شہزادہ خُرّم کی خاص معتمد اور محرمِ راز سمجھی جاتی تھی اور جس کے خلاف کوئی لب ہلانے کی جرأت نہ کر سکتا۔ "شہزادہ" کی مراجعت کے بعد کٹی ہوئی پتنگ کی حیثیت اختیار کر گئی۔ حالانکہ تمام باندیوں اور خادماؤں کا خیال تھا۔ شہزادہ کی واپسی کے بعد وہ پھر اُس کی "منظورِ نظر" بن جائے گی اور حسبِ سابق اُن پر حکم چلایا کرے گی لیکن شمشیر چونکہ شاہی محلات کی داخلی سیاست اور سوانحی زندگی کے آداب سے آگاہ تھا نہ اُسے یہ خبر تھی، خاص کنیزیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ اُس نے دلآرام کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اسے بھی شاہی محل کی بساطِ زندگی کا ایک عام مہرہ سمجھا —— حالانکہ پانچ برس پیشتر جب شہزادہ خُرّم ایک شرمیلا سا نوجوان اور ملکہ جہاں کے سامنے عرضِ مطلب کرنے سے بھی ہچکچاتا تھا دلآرام ہی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتی اور اس کی "زبان" سمجھی جاتی تھی۔ وہی ملکہ جہاں کے حضور شہزادے کی ترجمانی کرتی اور اُسے خُرّم کی ضرورتوں، خواہشوں اور خوشیوں سے آگاہ کرتی تھی۔ اسی باعث شہزادہ کی "منظورِ نظر" بلکہ محلات کی تمام کنیزوں اور خادماؤں میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی حتیٰ کہ کبھی کبھی شہزادی گلبانو کو بھی اپنی کسی حسین خواہش کی خاطر دلآرام کا محتاج ہونا پڑتا لیکن جب سے شمشیر آیا تھا۔ اُس نے یہ "زبان"

کاٹ کر پھینک دی تھی۔

شروع شروع میں دلآرام سوچتی رہی "شہزادہ" نوجوانی کی منزل سے گزر چکا اور بالغ نظر ہو گیا ہے۔ ممکن ہے عمر کے اس سن و سال کا فطری تقاضا یہی ہو کہ اپنی ضرورتیں اور خواہشیں خود بیان کرے اور اُسے میری ضرورت نہ رہی ہو لیکن ملکہ جہاں کی احتیاط کے باوجود دلآرام اُس خط سے آگاہ ہو گئی جس میں شہزادہ نے گلبانو سے شادی نہ کرنے کی وجہ بیان اور اپنی محبت کا افسانہ سنایا تھا۔

دلآرام سمجھ گئی کہ شہزادہ آج بھی ملکہ جہاں کے سامنے اظہارِ مطلب کی جرأت نہیں رکھتا اور "زبان" کا محتاج ہے —— پھر اس نے دلآرام کو اپنی زبان کیوں نہیں بنایا۔ پانچ سال پہلے وہی اس کی ترجمان تھی۔

وہ سوچنے لگی شہزادہ پانچ برس پیشتر ہر معاملے میں اس کا مشورہ لیتا تھا خواہ معاملہ شہزادی گلبانو ہی سے متعلق کیوں نہ ہوتا لیکن اب اُس نے مشورہ تو کیا اُس سے ذکر تک نہ کیا کہ وہ ملکہ جہاں سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دلآرام کا مصرف بھول چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی ایسی باتیں رونما ہوئی تھیں جن سے اجنبیت اور بیگانگی ظاہر ہوتی تھی۔ کنیز حیران ہوئی آخر شہزادہ نے اُسے یوں ذہن سے کیوں اُتار پھینکا۔ اُس کی نگاہوں میں بیگانگی —— سلوک میں بے رُخی —— گفتگو میں بے التفاتی کیوں آ گئی۔ شہزادہ خرم وہ کیوں نہیں جو پہلے تھا؟

کہاں وہ تمام کنیزوں میں ممتاز اور اعلیٰ حیثیت کی مالک تھی کہاں اب اُس کی کوئی وقعت کوئی قدر و قیمت ہی نہیں رہی اور شہزادہ اُس کے ساتھ بھی عام کنیزوں جیسا سلوک کرنے لگا ہے۔ اُس کا دل اندر ہی اندر سلگ رہا تھا۔ وہ یہ راز جاننے کے لیے بےچین تھی۔ آخر اس تبدیلی کی اصل وجہ کیا ہو سکتا ہے۔

حیرت کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ واپسی کے بعد شہزادہ خُرّم نے اپنے پُرانے اتالیق کے بیٹے اور بے تکلف دوست ظریف کماندار کو یاد نہیں کیا جس کے بغیر وہ ایک دن نہ گزار سکتا تھا بلکہ پہاڑی قلعہ سے ایک نیا دوست لاچی خان ساتھ لے آیا ہے جس پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرتا اور ہر معاملے میں صرف اُسی کا مشورہ ضروری سمجھتا ہے۔

دلآرام کو لاچی خان ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ اُس کی غیر معمولی حیثیت کو نا پسند کرتی تھی نجانے کیوں اُس کے نزدیک وہ ایسا آدمی ہرگز نہ تھا جس پہ اعتماد اور بھروسا کیا جا سکے۔ نہ

کسی بلند مرتبت شہزادہ کی صحبت و قربت کا اہل تھا۔

اس تاثر کی وجہ وہ قوتِ مشاہدہ تھی جس کی مدد سے دلآرام صرف چہرہ دیکھ کر کسی انسان کے دِل کا حال پڑھ لیتی ——— انسانوں کے چہرے اُن کے دل کی کتاب ہوتے ہیں۔

کیا شہزادہ خرم ذی شان نے ظریف کمان دار ایسے خوش مزاج دوست کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ جب کہ دلآرام اُسے بے حد پسند کرتی اور شہزادہ کا یارِ وفادار سمجھتی تھی مگر لاچی خاں کی پیشانی پر عیاری اور مکاری صاف پڑھی جاتی تھی۔

وہ تو شہزادہ کی بدلی ہوئی حالت اور وحشت پذیر صحبت دیکھ کر بھی بار بار چونک اُٹھتی تھی۔ کیا پانچ سال میں ہاتھ کی لکیروں کی طرح انسان کی پیشانی پر لکھا ہوا نوشتہ تقدیر بھی بدل جایا کرتا ہے؟

اپنے حجرے میں بیٹھی اسی سوچ میں منہمک تھی کہ شگوفہ نے آکر اطلاع دی۔

"تمہیں لاچی خاں نے یاد کیا ہے۔"

"لاچی خاں ———؟" دلآرام غصّہ میں تلملا اُٹھی۔

"وہ کون ہوتا ہے مجھے یاد کرنے والا۔ میں شہزادہ خرم ذی شان کی کنیز ہوں۔ لاچی خاں کی نہیں۔"

"میں نے اُسے بتا دیا تھا دلآرام کو ملکہ جہاں اور شہزادۂ عالی کے سوا اور کوئی طلب نہیں کر سکتا۔"

"پھر ......؟"

"اُس نے کہا میں شہزادۂ عالی کے ایک خاص کام کے سلسلہ میں دلآرام سے ملنا چاہتا ہوں۔ اُسے میرا سلام اور پیغام پہنچا دو۔"

دلآرام کو اس طلبی پر غصّہ تو آیا لیکن اس خیال سے ششں و پنج میں پڑ گئی کہ نجانے شہزادۂ عالی کو اُس سے کیا کام آپڑا ہے۔ بادلِ نخواستہ اُٹھنا ہی پڑا۔

لاچی خاں اس چھوٹے سے کمرہ میں منتظر تھا جو شہزادہ کے کمرۂ خواب کی شرقی غلام گردش کے سرے پر واقع تھا۔ دلآرام کمرے میں داخل ہوئی تو اُس نے مسکراتے چہرے کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اس مسکراہٹ کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی۔ اس کی تہہ میں بھیڑیئے کی سی عیاری نہاں ہے لاچی خاں بولا۔

"دلآرام ——— ! ابھی ابھی مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ ملکہ جہاں اور شہزادۂ عالی کے علاوہ تم کسی دوسرے کو جواب دینے کی پابند نہیں۔"

"شہزادۂ عالی میری اس حیثیت سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔"

دلآرام کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ لاچی خاں نے فوراً وضاحت کی۔

"میں انہی کے حکم پر تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی معلومات؟"

"شہزادۂ عالی محسوس کرتے ہیں ان کی عدم موجودگی میں بعض کنیزوں کی وفاداریاں بدل گئی ہیں ———" لاچی خاں نے براہ راست حملہ مناسب سمجھا۔

"کنیزوں کی وفاداریاں تو نہیں البتہ خود شہزادۂ عالی ضرور بدل گئے ہیں۔"

دلآرام کے اس برملا اظہار پر لاچی خاں نے چونک کر دیکھا۔ چہرے پر گھبراہٹ اور بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اگرچہ اس نے اپنی گھبراہٹ پر تبسم کا مصنوعی نقاب ڈالنے کی کوشش کی لیکن دلآرام کی ہوشیار نگاہیں اس کا مشاہدہ کر چکی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"شہزادۂ عالی تو وہی ہیں جو پہلے تھے۔ وہی چہرہ، وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی جسم......"

"آنکھیں بے شک وہی ہیں لیکن نظریں وہ نہیں ——— جسم بھی وہی ہے مگر اُس کے اندر دِل کوئی اور معلوم ہوتا ہے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

لاچی خاں نے خشمگیں لہجے میں پوچھا۔ دلآرام کی بات خوف کی لہر بن کر اس کے جسم میں دوڑ گئی تھی اور وہ اس خوف پر خشونت سے قابو پالینا چاہتا تھا۔ خیال آیا کہیں دلآرام ہی تو وہ کنیز نہیں جو شمشیر کا راز پا چکی ہے؟ مگر اُس کے خشمگیں انداز نے دلآرام کو بھی برہم کر دیا اور بولی۔

"لاچی خاں ——— ! تم شاہی محل کی خاص کنیز سے مخاطب ہو۔"

"تم بھی صفدر نگر کے ہونے والے وزیرِ سلطنت سے ہم کلام ہو۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دلآرام دِل ہی دل میں اس خیال پر مسکرا دی کہ اگر یہ شخص وزیرِ سلطنت بن سکتا ہے تو وہ سلطنت کی ملکہ ہونی چاہیے لیکن اس کا اظہار

نہ کیا۔ ابھی تک وہ شہزادہ خرم" ہی کے رویّہ کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"شہزادہ کے حکم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کل جب وہ دربار جشن سے لوٹ کر محل میں تشریف لائے ان کے کمرۂ خاص کی خدمت و نگرانی کس کنیز کے ذمہ تھی؟"

"یہ بات تو شہزادہ عالی خود بھی دریافت کر سکتے تھے کیونکہ ان کی خدمت میں ہی سرانجام دیتی ہوں۔"

"تو کل تم ہی چھپ کر ہماری باتیں سنتی رہی ہو۔" لاچی خاں نے سیدھا وار کیا تاکہ اُسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔

"لاچی خاں! یاد رکھو، وفادار کنیزیں کبھی چھپ کر باتیں نہیں سنتیں۔ اگر شہزادہ عالی مجھے اپنی خدمت سے الگ کر دینا چاہتے ہیں تو انہیں میری ذات پر الزام تراشی کی ضرورت نہیں۔ ملکہ جہاں سے کہہ کر میں آج ہی ان کی خدمت سے سبکدوش ہو جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر پلٹی اور جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ لاچی خاں حیران و ششدر دیکھتا ہی رہ گیا۔ اُس کا ذہن ابھی تک دلآرام کو سمجھنے سے انکار کر رہا تھا۔ سوچنے لگا۔ مزاج کی تیز ضرور ہے لیکن یہ بات اُس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ شہزادہ خرم کے روپ میں شمشیر ڈاکو شاہی محل میں آگھسا ہے۔ شاید شہزادہ اس منہ چڑھی کنیز کو عزیز رکھتا ہو اور شمشیر نے چونکہ منہ نہیں لگایا۔ لہذا اسے شہزادے کی نظریں مختلف اور دل اور معلوم ہوتا ہو ——— اگرچہ شہزادہ ایک کنیز کو کسی وقت بھی دل سے گرا سکتا ہے لیکن خیال آیا شاہی محل میں پہنچ کر یہاں کی داخلی زندگی اور کنیزوں کے درجہ و مرتبہ کے متعلق ضروری معلومات حاصل نہ کر کے اُنہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ کم از کم شمشیر کو دلآرام ایسی کنیز خاص کا ضرور خیال رکھنا چاہیے تھا۔

جس طرح دلآرام چہرے دیکھ کر دلوں کی کتاب کا مضمون بھانپ لیتی تھی اسی طرح لاچی خاں بھی لوگوں کو پہچاننے میں خاصی مہارت رکھتا اور اب سوچ رہا تھا اس نے ایک ایسی کنیز کو ناراض کر لیا ہے جس کی ہمدردیاں حاصل کر کے شاہی محل میں کئی اہم کام سرانجام دے سکتا تھا۔ آج ہی معلوم ہوا تھا۔ دلآرام شاہی محل کی بساط پر "فرزین" کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مہرہ ہاتھ سے کھو کر اُس نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔

اوّل تو اُس پر کسی قسم کا شک کرنا ہی مناسب نہ تھا۔

دوسرے لاچی خاں نے جس انداز میں بازپرس کی وہ ایک وفادار اور خاص کنیز کو ناراض کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اگر دلآرام کے دل میں چور ہوتا تو لاچی خاں کا الزام سن کر یوں مشتعل نہ ہوتی بلکہ حسین چہرے پر خوف کی زردیاں کھنڈ جاتیں۔ زبان کی لکنت الفاظ کی بے ربطگی اور لہجے کی بے چینی دل کی چوری ظاہر کر دیتی لیکن وہ تو لاچی خاں کے الفاظ سنتے ہی یوں برہم ہو گئی جیسے اس کے خلوص کو ٹھوکر مار دی گئی ہو۔ پھر کمرے سے اس تیزی کے ساتھ نکل گئی جس طرح آندھی کا جھونکا شاخوں کو لرزتا کانپتا چھوڑ کر نکل جاتا ہے۔

لاچی خاں ایک بار پھر اُس کہانی کے امکان پر غور کرنے لگا جس پر وہ اور شمشیر متفق ہو چکے تھے کیا واقعی اس پُراسرار اور بھیانک کھیل کے پس پردہ کسی ایسے امیرزادے کا ہاتھ کام کر رہا ہے جو شہزادی گلبانو کو چاہتا ہے جس نے کسی معتمد کنیز کی وفاداریاں خرید لی ہیں اور وہ کنیز چوری چھپے ان کی گفتگو سن کر شہزادہ خرم کے راز سے آگاہ ہو چکی ہے؛

- ملکہ جہاں کو لکھا جانے والا پرچہ۔
- شمشیر کی تصویر کو کاٹتے ہوئے سیاہ خطوط۔
- اور تصویر کی پیشانی پر مرقوم "شمشیر ڈاکو" کا دھمکی آمیز انتباہ۔

یہ سارے ثبوت افشائے راز کا اعلان کر رہے تھے لیکن وہ پُراسرار ہستی جو اس خوفناک راز سے آگاہ ہو چکی ابھی تک پردوں میں چھپی بیٹھی تھی ——— جس طرح دھواں آگ کی خبر دیتا ہے اُسی طرح حالات کسی خطرہ کی نشان دہی کر رہے تھے مگر لاچی خاں ابھی تک اس خطرے کی گرہ کھول نہ پایا تھا، اُلٹا دلآرام ایسی کارآمد کنیز کو ناراض کر لیا۔

اُس نے فیصلہ کیا وہ ہر قیمت پر دلآرام کا اعتماد حاصل کرے گا۔ اُسے منا لے گا اور اگر ہو سکا تو اپنا بنا لے گا۔ یقیناً یہ خوب صورت کنیز شاہی محل کے بہت سے اسرار کھول سکتی اور یہ کنجی ہر تالے میں گھمائی جا سکتی ہے۔

❦

شاہی محلات کی زندگی تالاب کے اُس ٹھہرے ہوئے ساکن پانی سے مختلف نہیں ہوتی جس کے سکون و قرار کا حلقہ ایک ہلکی سی ضرب سے پاش پاش ہو کر بکھرنے لگتا ہے جس کی سطح آب ایک معمولی سا سنگریزہ پھینک دینے سے مضطرب ہو جاتی ہے اور مرتعش لہریں حلقہ در

حلقہ بڑھتی پھیلتی چلی جاتی ہیں۔

ایک کنکر ـــــ ایک سنگریزہ ـــــ ایک ضرب تالاب کے پورے سکون کو درہم برہم کر دینے کے لیے کافی ہے لیکن صفدر نگر کے شاہی محلوں کی پُرسکون زندگی میں شہزادہ خرم ذی شان کی مراجعت کے ساتھ ایک ہنگامہ خیز خلفشار پیدا ہو گیا اور جشنِ آمد کی مسرتوں نے اس جن کے پانی میں ایک نیا تموج بیدار کر دیا، جس کی سطح پر سکون کی پریاں محوِ خواب رہتی تھیں۔

گزشتہ چھ سات روز انہی ہنگاموں میں بسر ہوئے تھے۔ محلات کے ہر ایوان، ہر قصر میں خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ کنیزوں کے حجرے بھی مسرت و انبساط سے معمور تھے بالخصوص شہزادی گلبانو کا "قصرِ گلریز" شبستانِ محبت میں تبدیل ہو گیا تھا اور شمشیر کے فارغ لمحے اسی حسین و رنگین قصر میں گزرتے تھے جہاں شہزادی کی محبت، حسن و جمال کی دلآویزی اور الفاظ کی سحر آفرینی اس کے قلب و ذہن پر نشہ سا طاری کر دیتی اور وہ محسوس کرتا جیسے خیال و خواب کی دنیا میں آ گیا ہو۔ سحر و طلسم، حسن و جمال اور کیف و نشاط کی ان محفلوں نے شمشیر کے ہوش و حواس سلب کر لیے۔ شاہی محل کی دنیا جو "قصرِ گلریز" میں سمٹ آئی تھی، اس کے خیالوں کی جنت، خوابوں کی فردوسِ بریں بن گئی اور وہ حُسن کی اس جنت ـــــ محبت کی اس فردوس کو اپنی خوش نصیبی، اپنی تقدیر سمجھ بیٹھا مگر ملکہ جہاں کو لکھے جانے والے خط اور اپنی تصویر کے حادثے کے بعد وہ اس فکر میں ڈوب گیا تھا کہیں اس خط کا مضمون شہزادی گلبانو کی سماعت تک نہ پہنچ جائے جس نے شمشیر کے دل میں اضطراب کے بھنور ڈال دیے تھے۔

یہ امر اطمینان بخش تھا ملکہ جہاں کے بڑھاپے کی دانائی نے کنیزوں کو اس خط سے آگاہ نہ ہونے دیا اور جب وہ بازپرس کے لیے شمشیر کے کمرۂ خواب میں داخل ہوئی اس نے سب سے پہلے "تخلیہ" کا حکم دیا اور کنیزوں کو ہٹا دیا تھا ظاہر ہے ملکہ جہاں کی یہ احتیاط اس کے حسنِ تدبر کی دلیل تھی ـــــ اسی اطمینان ـــــ اسی سکون نے شمشیر کے دل کو سنبھالا دیا تھا کہ شاہی محل کی کوئی کنیز اس واقعہ سے آگاہ نہیں ہوئی لیکن اس حقیقت سے غافل تھا کہ دلآرام نہ صرف خط سے آگاہ ہو چکی بلکہ ملکہ جہاں کے چہرے پر اس نے خط کا مضمون بھی پڑھ لیا تھا اور اس کی خشونت آمیز بازپرس سے معاملے کی تہ کو بھی پہنچ گئی تھی۔

وہ اس بات سے پہلے ہی واقف تھی۔ شہزادہ خرم ـــــ اپنی چچا زاد بہن کے بارے میں کیا احساسات رکھتا ہے، گلبانو سے اُسے جس قسم کی محبت تھی اس میں ایک منگیتر

کی دلچسپی کی بجائے بہن کی تقدیس کا جذبہ زیادہ قوی تھا۔ بھلا وہ ریشمی پارچہ اور ملکہ جہاں کی بازپرس سے یہ نتیجہ کیوں اخذ نہ کر لیتی کہ شہزادہ خرم کسی لڑکی کے تیرِ نگاہ کا نشانہ بن چکا اور شہزادی گلبانو سے شادی پر آمادہ نہیں۔ اگرچہ ماں کے اصرار اور تہدید آمیز رویہ سے گھبرا کر وہ شہزادی کے ساتھ شادی پر تیار ہو گیا اور اس نے حامی بھر لی تھی کہ ملکہ جہاں کی پسند اس کی پسند ہے لیکن دلآرام جانتی تھی یہ "اقرار" اس کے دل کی آواز نہیں۔ وہ شہزادی گلبانو کو منگیتر سے زیادہ بہن سمجھتا رہا ہے۔ اگر تخت و تاج کی مصلحتوں نے اُن دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک بھی کر دیا تو خرم شادی کے باوجود زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم رہے گا۔

ایک طرف یہ احساس تھا ـــــ وہ ریشمی پارچہ تھا جو ملکہ جہاں کی تہدید کا سبب بن گیا تھا۔ دوسری طرف شہزادہ کی دیوانگیٔ حسن نے دلآرام کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا تھا۔

کہاں تو شہزادی گلبانو ـــــ اپنے منگیتر کی ایک نگاہِ التفات کے لیے ترسا کرتی ملاقات کے بہانے ڈھونڈتی اور دلآرام کی محتاج و ممنون رہتی تھی کہ وہ خرم کو اس کے دل کی دھڑکن سے آگاہ کیے حتیٰ کہ دلآرام ہی کے ذریعے اس کی خدمت میں نئے نئے تحفے بھیجتی ملنے کی طلب گار رہتی اور خرم ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے دامن چھڑا کر نکل جاتا تھا ـــــ اور کہاں پہاڑی قلعہ سے مراجعت کے بعد اب شہزادہ خود اس سے ملاقات کے بہانے اس کی قربت کے حیلے اور گفتگو کے پہلو نکالتا رہتا تھا۔

پانچ چھ روز کے اندر دلآرام نے اس کی وارفتگی کے جو انداز دیکھے وہ حیرت انگیز تھے۔ شہزادہ اپنی فرصت کا بیشتر وقت "قصرِ گلریز" کی حسین جھلملیوں میں گزار دیتا تھا۔ حتیٰ کہ ان ایام کے اندر اس نے شہزادی گلبانو کو اتنے تحفے بھجوائے اتنے نذرانے پیش کیے کہ کنیز کا دماغ ستار کے کسے ہوئے تاروں کی مانند جھنجھنا کے رہ گیا۔

اگر پانچ برس کی مفارقت کے دوران خرم کے خیالات بدل گئے۔ گلبانو کے حسن و جمال کی کشش اُسے محبت کے رنگ محل میں کھینچ لائی اور وہ اُسے پیار کرنے لگا۔ تو صفدر نگر کے شاہی محلات میں اس سے حسین اور خوشگوار واقعہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

دیوانی شہزادی نے طویل انتظار کے بعد آخرکار اپنے محبوب کی محبت جیت لی تھی لیکن دلآرام کے قلب و ذہن پر وہ ریشمی پارچہ "طلسم ہوشربا" کی مانند کھلا ہوا تھا جس میں شہزادہ خرم نے نہ صرف اپنی محبت کی ایک نئی کہانی سنائی بلکہ اپنے سابقہ موقف کو دہراتے ہوئے

گلبانو کے ساتھ شادی سے انکار کیا تھا۔

اگر "قصرِ گلریز" میں محبت کا کھیل اور "خرم" کے رگ و پے میں دوڑنے والا جذبۂ محبت شہزادی گلبانو کی جیت اور خوش بختی کا مظہر تھا تو خرم نے خط کے ذریعے شادی سے انکار کیوں کیا۔ اپنی محبت کی داستان کیوں سنائی۔ پھر ملکہ جہاں کی تہدید کے بعد فوراً ہی محبت سے دستبردار ہو کر گلبانو سے شادی پر کیوں آمادہ ہو گیا تھا؟

یہ سوال بار بار دلآرام کے ذہن میں جگنوؤں کی طرح جلتے بجھتے اور اُسے پریشان کیے دیتے تھے۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا۔ جیسے وہ خرم جو آج کل شہزادی گلبانو سے محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے' اور ہے اور وہ خرم جس نے ملکہ جہاں کو ریشمی پارچہ بھیج کر شادی سے انکار کر دیا تھا کوئی اور ہے۔

شہزادی گلبانو کے حُسن و جمال کی رعنائیوں میں ڈوب جانیوالا "خرم" اُسے اجنبی اور بیگانہ لگ رہا تھا اور اُس خرم میں اُسے اپنے محبوب و مہربان شہزادے کی جھلک نظر آئی تھی جو پانچ برس پہلے بھی گلبانو کی ملاقات سے کتراتا تھا اور جس نے اب آج بھی اُسے منگیتر کی بجائے اپنی بہن قرار دیا تھا۔

ایک ہی شخصیت کے دو مختلف کردار ——— ایک ہی ہستی کے دو الگ الگ رُوپ ایک ہی دل کے دو متضاد جذبے اور ایک ہی زبان سے اقرار و انکار کے یہ حیرت انگیز پہلو دلآرام ایسی سمجھ دار اور صاحبِ شعور کنیز کو دم بخود کر رہے تھے اور بار بار سوچنے کے باوجود اُس کا ذہن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

لاچی خان سے ملاقات کرنے کے بعد وہ حیرت و استعجاب کے نئے بھنور میں پھنس گئی تھی ——— کیا واقعی شہزادہ خرم اُس سے اتنا بیزار ہو چکا کہ بہتان باندھ کر اپنی خدمت سے سبکدوش کر دینا چاہتا ہے ———؟ آخر اُس سے کیا قصور ہوا ہے کہ واپسی کے بعد اُس نے سیدھے مُنہ بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا اور اب اسے خدمت سے محروم کرنے کی سوچ رہا ہے؟

دلآرام نے کئی سال شہزادہ خرم کی خدمت کی، اُسے اپنے "مہربان آقا" کی حیثیت سے چاہا۔ خود شہزادہ ذی شان اُسے محبوب رکھتا اور اپنی "زبان" کہا کرتا تھا۔ یہ الفاظ آج بھی اُس کے کانوں میں رس گھول دیا کرتے تھے۔ جو خرم نے پہاڑی قلعہ کی طرف جانے سے

پیشتر کہے تھے۔

"دلآرام ———! تیرے بغیر میں اپنے آپ کو ادھورا سمجھتا ہوں۔ تُو نہ ہو تو میں بھی کچھ نہیں۔ تُو میری زبان ہے ——— میرا ذہن ہے ——— میرا دل ہے۔ تو وہ باتیں بھی جان لیتی ہے جو ابھی میرے خیالوں میں پرواز کرتی ہیں۔ نجانے تیرے بغیر میری زندگی کے پانچ سال کیسے گزریں گے؟"

لیکن یہی "زبان" اب کاٹ دی گئی تھی ——— یہی "ذہن" اب بے مصرف ہو چکا تھا ——— یہی "دل" اب خاموش و ساکت سمجھ کر پھینک دیا گیا تھا اور دلآرام کی وفاداریوں کا صلہ ایک بہتان ——— ایک الزام کی صورت میں چکایا جا رہا تھا۔

اُس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹنے لگے۔

کیا وہ ملکہ جہاں سے مل کر درخواست کرے کہ اُسے اپنے "محبوب آقا" کی خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے؟

نجانے "شہزادہ" کیا چاہتا ہے ——— اُس نے وفادار کنیز پر شک کیوں کیا ——— اُسے ناقابلِ اعتماد کیوں سمجھ لیا ——— جب کہ دلآرام کے سوا اُس نے آج تک کسی پر اعتماد ہی نہ کیا تھا؟

یہ احساس بڑا جگر خراش تھا کہ وہ اپنے محبوب شہزادے کی نظروں سے گر چکی اور وہ اس پر شک و شبہ کرنے لگا ہے۔ حالانکہ وہی شہزادہ کبھی اُسے "اپنی زبان" بلکہ عزیز از جان سمجھتا اور اس کے ساتھ ہنس بول کر خوش ہو لیتا تھا مگر آج سب کچھ بدل گیا تھا۔

آج اُسے پہلی بار معلوم ہوا وہ اپنے محبوب شہزادے کی محبت ہی نہیں اس کا اعتماد بھی کھو چکی ہے۔ جو اُس کی وفاداریوں کا حاصل ——— اُس کی زندگی کا سرمایہ تھا۔

آج وہ پہلی مرتبہ اس حقیقت سے دوچار ہوئی کہ تعلق کا وہ راستہ جو اس کے دل کو شہزادہ کے دل سے ملاتا اور دوسروں کی ملاقات کا واسطہ بنا رہتا تھا ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔

شہزادہ نے اپنے دل کے دروازے پر مصلحتوں کے بھاری قفل ڈال دیئے تھے۔

جس سے گزر کر وہ اس کی رُوح میں جھانک لیا کرتی تھی' اب تو قصہ ہی ختم ہو گیا تھا اور اب وہ بھی صفدر نگر کے شاہی محلات کی ایک عام کنیز تھی جسے دوسری خادماؤں کی طرح محتاط رہنا اور عالیجاہ کے تیور پہچان کر گفتگو کرنا ہوگا۔

دلارام کے دِل کا آرام جاتا رہا۔

ابھی سوچ ہی رہی تھی ملکہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر عرضِ حال کرے، کہ اچانک اُسے یاد آیا۔ تھوڑی دیر پہلے ایک کنیز شہزادی گلبانو کا پیغام لے کر آئی تھی اور اس وقت اُسے شہزادی کے حضور ہونا چاہیئے تھا۔ "خرم ذیشان" نے صفدر نگر کے امیر زادوں کو ملاقات کے لیے دربار میں طلب کیا تھا اور اس کی واپسی تک وہ شہزادی گلبانو کی حاضری دے سکتی تھی۔

یہی سوچ کر اُٹھی اور بھاری دل کے ساتھ "قصرِ گلریز" کی سمت ہولی۔

شہزادی گلبانو آج کل بیشتر وقت اپنے حسن و جمال کی آرائش اور لباس کی سج دھج میں گنوا دیتی، چاہتی تھی شہزادہ خُرم کو اس طرح اسیرِ زلف بنالے کہ وہ اس کے حلقے سے نہ نکل سکے شمشیر کی بھکی جوانی اگرچہ کئی بار اُسے بھی بہکانے کی کوشش کر چکی تھی لیکن گلبانو جانتی تھی محبت میں بہکے ہوئے قدم اُسے تخت و تاج سے بہت دور لے جائیں گے۔ البتہ شادی سے پہلے وہ اُس کے دل میں شوق و بیقراری کے شعلے ضرور بھڑکا دینا چاہتی، اس لیے خود بھی ہر وقت شعلہ جوالہ بنی رہتی تھی۔

اس کا خیال تھا دلارام اس کی "منظورِ نظر" اور دِل کے ہر بھید سے آگاہ ہے۔ لیکن ہوشیار کنیز نے ابھی تک کبھی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ "شہزادہ خُرم" اُسے بھول چکا اور دل سے اُتار چکا ہے۔ جونہی دلارام "قصرِ گلریز" میں داخل ہوئی شہزادی نے بڑی بے چینی سے سوال کیا۔

"دلارام ——— ! میں نے سنا ہے آج صبح جب ملکہ جہاں "شہزادۂ عالی" سے ملنے گئیں تو بے حد خفا ہوئی تھیں"۔

دلارام نے چونک کر شہزادی کی طرف دیکھا اور اس نے پھر پوچھا۔

"تجھے تو معلوم ہوگا، ملکہ جہاں کیوں خفا تھیں؟"

کنیز کی معنی خیز خاموشی نے شہزادی کو پریشان کر دیا۔ دلارام کے اُجڑے دل کی ویرانیاں چہرے پر منعکس ہو رہی تھیں لیکن وہ خط کا ذکر کرکے حسین شہزادی کو ملول نہ کرنا چاہتی تھی۔ گلبانو گھبرا کر بولی۔

"خاموش کیوں ہے ——— بولتی کیوں نہیں"۔

"چھوڑیئے شہزادی ——— ! ماں بیٹے میں خفگی کیسی"۔

"میں تو صبح سے بے چین بیٹھی ہوں کہ تجھ سے حقیقت معلوم کروں ——— پر تیرا چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے ——— تو کیوں اُداس ہے؟"

دلارام کے جی میں آئی جس طرح خود ماضی میں شہزادی کے کام آتی اور خرم کو اس کی بے [illegible]اریوں سے آگاہ کرتی رہی اُسی طرح اب وہ شہزادی کو اپنا ذریعۂ خیال بنائے اور اس کے [illegible]منے شہزادہ کی بے مہریوں کا ذکر کرکے یہ پوچھنے کی جسارت کرے کہ آخر وہ اُسے کس جرم کی [illegible]زا دے رہا ہے؟

شہزادی گلبانو چونکہ آج کل اس کی تمام تر نوازشات کا مرکز بنی ہوئی تھی اس لیے اس کے [illegible]منے اپنی ناراضگی کی وجہ چھپا نہ سکے گا۔ لیکن فوراً ہی دلارام کے دل میں ایک نئے جذبہ نے [illegible]روٹ لی اور اُس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ بھی بتادے گی، ایک کنیز کی وفاداریوں کو ٹھکرانے کا نتیجہ [illegible]یا ہوتا ہے۔ یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح فوراً ہی ذہن میں لپکا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی دلارام [illegible]کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگی۔

"شہزادی صاحبہ ——— ! ایک کنیز کی اُداسی کوئی اہمیت نہیں رکھتی البتہ میرا دل [illegible]ن خطروں سے ضرور بے چین ہے جو آپ کو پیش آنے والے ہیں"۔

شہزادی گلبانو ایک دم سنجیدہ نظر آنے لگی۔ دلارام کے الفاظ کا وزن جانتی تھی۔

"خطرے ——— کون سے خطرے ———؟"

گلبانو کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور اُس کی بے چین نگاہیں ہوشیار کنیز کے چہرے [illegible]م کے رہ گئیں۔

"محبت خود ہزاروں خطروں کا ایک خطرہ ہے"۔

"تو کیا میری محبت خطرے میں ہے؟"

شہزادی نے لپک کر دلارام کو شانوں سے پکڑ لیا اور التجا کرتے ہوئے بولی۔

"میری اچھی دلارام ——— ! خدا کے واسطے پہیلیوں میں باتیں نہ کر ——— مجھے [illegible]ف صاف بتادے تو کیا کہنا چاہتی ہے"۔

دلارام اپنے محبوب شہزادے کی بے مہریوں پر ضرب لگانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"آپ نے مجھ سے ملکہ جہاں کی خفگی کا سبب دریافت کیا تھا؟"

"ہاں ——— میں صبح سے بے چین ہوں"۔

ہے اور شادی کا خیال میرے لیے سوہانِ رُوح بن جاتا ہے ۔"

یہی وہ احساس اور جذبہ تھا جو شہزادہ عالی کو آپ سے برگشتہ رکھتا اور آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتیں کہ وہ آپ سے محبت نہیں کرتے ۔ میرا خیال تھا آپ سے وُور رہ کر شاید وہ اس تصوّر سے نجات حاصل کر لیں گے اور آپ کی محبت اُن کے خیالوں کا رُخ بدل دے گی چنانچہ پانچ سال کے بعد جب وہ صفدر نگر واپس آئے اور "قصرِ گلریز" اُن کی دلچسپیوں کا مرکز بن گیا تو میں خوشی سے پاگل ہو گئی کہ آخر کار آپ کے خلوص نے اُن کے دِل میں محبت کی نئی جوت جلا دی اور اُنہیں اپنا بنا لیا لیکن یہ خیال درست نہ تھا ۔ شہزادہ عالی بظاہر آپ سے محبت کرتے رہے لیکن اُن کے ذہن میں پُرانے احساس کا سانپ آج بھی زندہ ہے ۔ چنانچہ کل رات اُنھوں نے ملکہ جہاں کو ایک خط لکھا اور بہن کے مقدس رشتے کا ذکر کرتے ہوئے یہ موقف پھر دہرایا کہ وہ آپ سے شادی نہیں کر سکتے ۔

معلوم ہوتا ہے ۔ حالیہ سفر کے دوران کوئی لڑکی اُن کی زندگی میں داخل ہو چکی ہے ۔ جس سے والہانہ محبت کرتے ہیں ۔ اُن کے بیان کے مطابق وہ ایک غریب اور معمولی لڑکی ہے لیکن شہزادہ ذیشان نے اصرار کیا کہ اُسی کو اپنی دُلہن بنائیں گے ۔ جب ملکہ جہاں نے خط پڑھا مشتعل ہو گئیں اور صبح ہی صبح شہزادہ کی خواب گاہ میں تشریف لائیں ۔ اُنھوں نے بڑے سخت لہجے میں باز پرس کی اور اپنی ممتا کا واسطہ دے کر التجا کی وہ اس لڑکی کو بھول جائیں اور آپ ہی کو اپنی دُلہن بنائیں —— ملکہ جہاں کی محبت —— شفقت —— اور مادرانہ مروّت کے سامنے اُنھوں نے شکست قبول کر لی ۔ اپنی نئی محبت سے دستبردار ہو گئے اور بولے ——

"آپ کی پسند میری پسند ہے ۔"

ملکہ جہاں مطمئن ہو کر اور بیٹے کی پیشانی چُوم کر لوٹ گئیں تو شہزادہ عالی نے فوراً ہی لاچی خاں کو طلب کر لیا ۔ ملکہ جہاں کے فرمان پر اگرچہ اُنھوں نے آپ کو اپنی تقدیر کا ستارہ بنانا قبول کر لیا ۔ اس کے باوجود میرے دِل میں ایک گرہ سی بیٹھ گئی ہے ۔ نجانے کیوں مگر محسوس کرتی ہوں شہزادہ خرم ذیشان دراصل وہ نہیں جو نظر آتے ہیں —— کوئی پُراسرار ہاتھ اُنہیں جدھر چاہتا ہے موڑ دیتا ہے ۔ وہ خود نہیں بلکہ کسی دوسرے کے اشارے پر حرکت کرتے ہیں ۔ مَیں نہیں جانتی "پُراسرار ہاتھ" کب اور کس وقت اُن کی طبیعت کا رُخ موڑ دے اور وہ اپنا فیصلہ بدل دیں ۔ کیا آپ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوتی وہ مجھے بالکل بھول

[...]یا کسی کے اشاروں پر اُنھوں نے مجھ سے پُوری بے تعلقی اختیار کر لی اور اب "بے [...]الزام" لگا کر اپنی خدمت سے سبکدوش کر دینا چاہتے ہیں ۔ یوں لگتا ہے شہزادہ [...]ل بدل چکے یا اُن کے پیکر کے اندر کسی دُوسرے کی رُوح آگئی ہے ۔"

یہ کہہ کر دِلارام خاموش ہو گئی اور اس کی پلکوں پر دو ننھے مُنے آنسو نوکِ خار پر شبنم [...]وں کی مانند تھرتھرانے لگے ۔

دِلارام کی زبان سے یہ کہانی سُن کر شہزادی گلبانو بھی تصویرِ غم بن گئی ۔ اگرچہ گزشتہ [...]ت روز اُس کی زندگی کے حسین اور رنگین لمحوں میں شمار ہوتے تھے اور ذیشان نے والہانہ محبت [...]ر کر کے اُسے یکسر بدل دیا تھا اس کے باوجود وہ محسوس کرتی تھی جو کچھ کر رہا ہے اُس میں [...]یقت کم اور دِکھاوا زیادہ ہے ۔ اُس کی آواز —— گفتگو —— لہجہ —— اسلوب [...]ہارِ محبت کا انداز —— غرض ہر شے بدلی بدلی ۔ اُکھڑی اُکھڑی سی معلوم ہوتی تھی [...]ے کئی بار اظہار کرنا چاہا ۔

اس کی آواز میں یہ کھُردرا پن پہلے تو نہ تھا ۔ وہ محبت میں وحشت کا انداز کہاں سے [...]ے آیا ہے ۔ بات بات پر وحشی درندے کی مانند کیوں چونک اُٹھتا ہے ۔ بار بار اُسے اپنی [...]ت کا یقین کیوں دلاتا ہے اُس کی جوانی خلوت میں بھٹکنے کی کوشش کیوں کرتی ہے جبکہ [...]روع ہی سے اخلاق و آداب کا پیکر سمجھا جاتا ہے ۔ پھر یہ بیقراری ، یہ بے چینی اُس [...]یعت میں کہاں سے آگئی ۔ اُس نے ملکہ جہاں کے ہاتھ کے سوا آج تک کسی کے ہاتھ [...]ہ ندیا تھا لیکن اب بات بات پر اُس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے کیوں لگا لیتا ہے" ۔

اس قسم کی بیسیوں باتوں اور بدلی ہوئی عادات نے شہزادی گلبانو کو بھی پریشان کر [...]تھا وہ اُس کی واضح تبدیلیوں کو محسوس کرتی لیکن خود کیفِ محبت میں اس قدر سرشار ہو چکی [...]کہ ان کے اظہار کی ضرورت ہی پیش نہ آئی ۔ اب دِلارام کی زبان سے "ریشمی پارچے" کا [...]اور اس کی نئی محبت "کا افسانہ سُن کر شہزادی کا دِل دھک سے رہ گیا اور اُسے معلوم [...]ہوشیار کنیز نے جس خطرے کی نشان دہی کی ہے وہ بے بنیاد نہیں ۔

گلبانو کے حسین چہرے پر مستقبل کے اندیشوں نے اپنے سائے پھیلا دیئے دِل [...]دھڑکن کسی نامعلوم خطرے کا اعلان کرنے لگی ۔ ذہن کے گوشوں میں توہمات کے بچھو سے [...]ے لگے ۔

دلارام کا یہ خیال غلط نہ تھا کہ وہ خود بدل چکا یا کسی "پُراسرار طاقت" کے اشارے پر حرکت کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں اس کا "مسحور ذہن" کوئی خطرناک رُخ اختیار کرے۔ اگر وہ دلارام ایسی وفادار —— اور وفا شعار کنیز کو بھول سکتا ہے جو ماضی میں اس کی "زبان" سمجھی جاتی تھی تو کسی وقت گلبانو کو بھی ذہن سے اُتار سکتا ہے جس کے متعلق وہ ہمیشہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہا۔

یہی وہ خیال یا اندیشہ تھا جو منحوس چمگادڑ کی مانند پَر پھیلائے شہزادی کی رُوح پر منڈلانے لگا لیکن وہ کوئی عام لڑکی نہ تھی جو کسی خطرے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اُس کی نبضوں میں بھی نوروز خاندان کے اسلاف کا وہی خون موجزن رہا تھا جو شہزادہ خرم ذیشان کا سرمایہ حیات تھا۔

اُس نے سُن لیا تھا ملکہ جہاں اُس سے کتنی محبت کرتی اُس کا کتنا خیال رکھتی ہے۔ اس نے شہزادہ کو حکم دیا تھا گلبانو کو خط کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پائے تاکہ کہیں شہزادی کے نازک دِل کو ٹھیس نہ لگ جائے لیکن تقدیر دلارام کو سربستہ راز بنا کر اس کے پاس لے آئی اور اس نے وہ تمام اندیشے ظاہر کر دیئے تھے جن سے مستقبل میں دوچار ہونے والی تھی۔ بے شک وہ شہزادہ خرم کو دِل و جان سے چاہتی اور اس کے بغیر اپنے آپ کو ادھورا سمجھتی لیکن بدلے ہوئے حالات میں خود ایسا کھلونا بن جانے پر تیار نہ تھی جسے کسی وقت بیکار سمجھ کر توڑا اور پھینکا جا سکتا ہے۔ بس ایک خیال اُسے سانپ بن کر ڈسنے لگا اور وہ تھا شہزادہ خرم کی نئی محبت کا افسانہ —— وہ غریب لڑکی جسے اس نے نوروز خاندان کی عزت اور شہزادی گلبانو پر ترجیح دی تھی۔

وہ سوچنے لگی۔ ہو سکتا ہے —— وہی لڑکی وہ "پُراسرار ہاتھ" ہو جس نے شہزادہ کے مزاج کو بدل دیا ہے۔

اس نے دلارام کا ہاتھ تھام لیا اور فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔

"دلارام —— ! میں نے تجھے رازداری کا قول دیا ہے۔ اب یہ بھی سُن لے شاہی محلات میں تیری حیثیت وہی رہے گی جو پہلے تھی کسی کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا وہ شاہی خاندان کی محرم راز کنیز کے مرتبہ کا خیال نہ رکھے۔ آئندہ تو میری حاضری میں رہے گی۔ ملکہ عالیہ سے میں آج ہی تجھے اپنے لیے مانگ لوں گی لیکن تجھے ایک کام کرنا ہوگا۔"

دلارام نے پَلو سے بھیگی آنکھیں صاف کیں اور ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"تجھے کھوج لگانا ہوگا، وہ لڑکی کون ہے جو اچانک خرم کی زندگی میں آئی اور اس کی تقدیر کا ستارہ بن جانا چاہتی ہے۔ اُسی کے سراغ پر میری اور تیری خوشیوں کا انحصار ہے۔"

دلارام نے اثبات میں سَر کو جنبش دی۔

"میں آپ کی فرمائش سے پہلے ہی اُسے ڈھونڈنے کا فیصلہ کر چکی ہوں جس نے شطرنج کے بیکار مہرے کی طرح مجھے "آقا" کے ذہن سے اُتار پھینکا۔ میں اُسے چند ہی روز میں بِل سے باہر لے آؤں گی۔"

ایک لمحہ ٹھہر کر شہزادی نے اپنے شُبہ کا اظہار کیا۔

"تجھے یاد ہوگا دربار میں گونابستی کے سردار کی بیٹی نیلی نے رقص کیا تھا۔ وہ شہزادہ عالی کو دیکھ کر بوکھلا سی گئی پھر اس نے وفورِ مسرت میں کمال کا رقص کیا اور محبت آفریں نغمہ سنایا۔ میرا مطلب ہے کہیں نیلی ہی وہ لڑکی نہ ہو۔"

"تو میری طرح آپ کا شبہ بھی نیلی پر ہے —— آپ کے والد مرحوم شہزادہ شہریار کی زندگی بھی گونابستی کی ایک لڑکی نے برباد کی اور اس کا نام بھی نیلی تھا —— نیلو فر بانو۔"

شہزادی نقشِ حیرت بن گئی۔ اُسے اپنے باپ کی داستانِ محبت سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ دلارام نے پہلی بار یہ عجیب کہانی سُنا کر اُسے دم بخود کر دیا۔ پھر کنیز نے التجا کی۔ وہ اس سلسلہ میں شہزادہ خرم ذیشان سے کوئی گفتگو نہ کرے۔ دلارام چند ہی روز میں شہزادی کو محبت کی اس نئی داستان سے آگاہ کر دے گی جس نے بیس سال کے بعد پھر صفدر نگر کے شاہی محلوں میں زلزلہ ڈال دیا ہے۔

(منظر ۱۷)

ناکامیٔ تدبیر

○

صفدر نگر کے شاہی محل میں جیسے بھونچال آ گیا تھا۔

شہزادہ خرم کے دونوں تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھے۔ اس نے شمشیر پر شمشیر زن کردار کیا۔ اور نہ صرف ڈاکو کو ہلا کر رکھ دیا بلکہ مضحکہ خیز اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔ وہ لاچی خان کے ساتھ سارا دن اُس "پُراسرار امیر زادہ" کے کھوج میں مشغول رہا جس نے گلبانو کو "راز کی قیمت" ٹھہرایا تھا لیکن ہزار کوشش کے باوجود کسی ایسے آدمی کا سراغ نہ مل سکا —— صفدر نگر کے تمام رئیس اور سردار نوروز خاندان کے وفادار اور شہزادہ خرم ذیشان کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔

لاچی خان نے اپنے ذرائع سے محل کی کنیزوں کے متعلق چھان بین کی تھی کہ دلارام پر بے اعتمادی کا اظہار کر کے اس کے جذبۂ وفاداری کو مجروح کر دیا۔ تاہم اسی چھان بین کے دوران دلارام کی خاص حیثیت کے متعلق ایسی باتیں بھی معلوم ہوئیں جن کے پیش نظر وہ خود ندامت سی محسوس کرنے لگا۔

دلارام کی وفاداری شک و شبہ سے بالا تھی اور وہ ماضی میں شہزادہ خرم کی محرم و دمساز ہونے کے باعث اس کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ لاچی خان کو افسوس تھا وہ بر وقت دلارام کی اس

حیثیت سے آگاہ نہ ہو سکا شمشیر نے بھی اُسے ایک عام کنیز سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی لیکن اب دونوں بڑی شدت کے ساتھ دلارام کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ وہی ایسی قابلِ اعتماد ہستی تھی جس کے ذریعے وہ شاہی محل کی اُس "جاسوس کنیز" کا کھوج لگا سکتے جو اُن کے مفروضہ کے مطابق کسی امیر زادہ کی معلومات کا ذریعہ بنی اور ان کی ٹوہ میں رہتی تھی۔

لاچی خان نے شمشیر کو بھی دلارام کے منصب سے آگاہ کر دیا اور بتا دیا تھا۔ پانچ سال ہزادی گلبانو بھی دلارام کے ذریعے شہزادہ خرم کی نظرِ عنایت کی طلبگار رہتی تھی۔ اب سے کنیزِ خاص ہی کو اپنا پیغامبر سمجھنا اور ہر قیمت پر اُسے رام کر لینا چاہیے۔ ورنہ دلارام اضی کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن جائے گی۔ اُس کے نزدیک "قصرِ ذیشان" کے خدمتگاروں، غلاموں اور کنیزوں میں صرف وہی قابلِ اعتماد تھی۔

شام کے جھٹپٹے میں شمشیر نے کئی ایک کنیزوں اور خادموں سے دلارام کے بارے میں ت کیا اور حکم دیا۔ وہ جہاں بھی ہو اُسے "قصرِ ذیشان" میں بھیج دیا جائے لیکن ہر جگہ سے واب ملا۔

"دلارام کہیں نظر نہیں آتی۔"

شمشیر کا خیال تھا۔ شاید ملکہ جہاں کے کسی کام میں مصروف ہو یا اپنے کسی عزیز سے ل گئی ہے کیونکہ وہ شاہی محل میں ولی عہد اور ملکہ جہاں کے سوا کسی تیسرے فرد کی پابند نہ تھی۔ شہزادی گلبانو کو بھی اُس پر اختیار نہ تھا۔ سوچا وہ صبح خود ملکہ جہاں سے ملاقات کرے گا۔ لارام کو منا کر لے آئے گا لیکن لاچی خان کو کنیزِ خاص کی غیر حاضری تشویش انگیز محسوس ہو رہی ۔ اُس نے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا تھا۔ دلارام اس کی ملاقات کے بعد جس میں اُس پر تمادی کا شبہ کیا گیا ملکہ جہاں سے نہیں ملی۔ البتہ صرف ایک بار اُسے شہزادی گلبانو سے ملتے دکھا گیا لیکن شہزادی کی ملاقات کے بعد وہ "قصرِ گلریز" سے نکل کر کہاں اور کس طرف چلی گئی؟

اس کے بارے میں شاہی محل کا کوئی پہریدار بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ دلارام کی یہ "گم ں" یا "روپوشی" لاچی خان ایسے گرگِ باراں دیدہ کے لیے فکر و تشویش کا باعث تھی۔

رات کو "قصرِ ذیشان" کی حفاظت و نگرانی کا خاص انتظام کیا گیا۔ لاچی خان ں محافظوں میں اضافہ کر دیا جو چھپ کر رات کو شمشیر کی حفاظت کرتے اور اُس کی خوابگاہ رہ دیتے تھے۔ دونوں دیر تک حکومت و سلطنت پر قبضہ جمانے کا منصوبہ تیار کرتے

رہے شمشیر جب سونے کی خاطر آرام گاہ میں داخل ہوا یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ کل سویرے سلطنت کے اہم عہدے تبدیل کر دیئے جائیں گے ۔ وزیر سلطنت شبانی بابا کو تین ماہ کی جبری رخصت دے کر وزارت کا قلمدان لاچی خاں کے سپرد کر دیا جائے گا اور سپہ سالار رستم خاں کی جگہ تیمور خاں سنبھال لے گا ۔

نئے حالات کے پیشِ نظر یہ عزل و نصب ضروری تھا شمشیر نے لاچی خاں کی مدد سے رات ہی سرکاری فرمان تیار کر لیے تھے ۔ جب بستر پر لیٹا ذہن پر رینگتے ہوئے خوفناک سایوں کے باوجود اپنے آپ کو کسی قدر آسودہ محسوس کر رہا تھا کیونکہ نادیدہ اور پُراسرار دشمن کا مقابلہ کرنے کے جملہ انتظامات کر لیے تھے جس نے حیرت انگیز جرأت کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو کر تصویر پر سیاہ لکیروں کا کانٹا مارا اور اُسے "شمشیر ڈاکو" بن کر للکارا تھا ۔

صبح جب آفتاب کا قرصِ زریں درختوں کی شاخوں پر سونا بکھیرتا اور شاہی محلات کی بُرجیوں اور منڈیروں کے حاشیوں پر سنہری گوٹ لگاتا بلند ہوا شمشیر بھی انگڑائی لے کر جاگ اُٹھا ۔ رات وہ بڑے اطمینان کے ساتھ سویا اور اُس وقت تک محوِ خواب رہا تھا جب تک "قصرِ ذیشان" کے غرفے اور دریچے سُورج کی زریں کرنوں سے منور نہ ہو گئے ۔

شمشیر اتنی دیر تک سونے کا عادی نہ تھا ، نئی جگہ اور نئے حالات کے پیشِ نظر علی الصبح بیدار ہو جاتا لیکن آج رات سنبھلتے آسودگی کی نیند تھی یا حکومت و سلطنت کے اہم عہدے بدل کر اپنے آدمیوں کے تقرر کا راحت افزا احساس تھا جس نے شمشیر کو تھپک تھپک کر سلائے رکھا ۔ بہر حال جب اس کی آنکھ کھلی غرفوں اور دریچوں سے روشنی کی شعاعیں اندر رقص کر رہی تھیں ۔ ہڑبڑا کر بستر سے اُٹھا اور اس دریچے کے سامنے جا کھڑا ہوا جس کے سامنے غلام گردش کے پہرے میں وہ کوٹھڑی تھی جہاں لاچی خاں اپنے آدمیوں کے ساتھ رات بھر پہرہ دیا کرتا تھا شمشیر نے دریچہ کے پٹ کھول کر باہر جھانکا ۔ کوٹھڑی خالی پڑی تھی اور لاچی خاں محافظوں سمیت جا چکا تھا ۔

اُس نے سوچا ۔ جانے سے پہلے لاچی خاں نے اُسے جگانے کی کوشش ضرور کی ہوگی ۔ لیکن وہ بیدار کیوں نہ ہو سکا ؛ پھر آپ سے آپ ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی آج کا دن اُس کے اقتدار و اختیار کا پیغام لے کر طلوع ہوا تھا ۔ شام تک نہ صرف وزارت دَ

س کا قبضہ ہو جائے گا بلکہ شاہی محل میں بھی کئی انتظامی تبدیلیاں عمل میں آ جائیں گی ۔ یہ فیصلہ بھی ہی کر لیا گیا تھا کہ محل کے پرانے داروغہ اور خواجہ سرا خوب صورت بیگ کی جگہ بھی اُس کے اپنے ے آدمی کو "داروغہ محل" کے اختیارات سونپ دیئے جائیں گے ۔

اسی مسرت افزا احساس کے ساتھ جب پلٹا تو نگاہ مسہری کے تکیہ پر پڑی اور حیرت و ت سے ٹھٹھک کر رہ گیا ۔ تکیہ کے پاس ہی ایک چھوٹا سا خنجر نظر آیا جس کے چمک دار پھل میں ہ شدہ پارچہ پرو دیا ہوا تھا شمشیر نے لپک کر خنجر اُٹھایا اور پارچہ نکال کر اس کی تہیں کھولیں ۔ بجلی ایسی سرعت کے ساتھ اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا ۔ یہ پارچہ اُس کے پُراسرار کا دوسرا پیغام تھا ۔ لکھا تھا :-

شمشیر ڈاکو کا دوسرا پیغام

شاہی بستر پر آرام کرنے والے "شہزادے" کو معلوم ہونا چاہیے اس خنجر کی نوک جس میں پارچہ پرویا گیا ہے تمہاری شہ رگ بھی کاٹ سکتی تھی مگر فی الحال اس خنجر سے صرف پیغام رسانی کا کام لیا گیا ہے ۔

شہزادی گلبانو سے شادی کا خیال فوراً ترک کر دو ۔ اس مقصد کے لیے صرف ایک ہفتہ کی مہلت دی جاتی ہے ۔ اگر تم نے اس مہلت سے فائدہ اُٹھا کر سات دن کے اندر اندر شادی سے بے تعلقی کا اعلان نہ کیا تو تمہیں تیسرے انتباہ کا موقع نہ دیا جائے گا ۔ شمشیر ڈاکو کے ہاتھ ہر وقت تمہاری گردن پر ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں شہزادی گلبانو کی ملاقات اور بزم آرائی سے بھی اجتناب کرنا چاہیے ۔ یاد رکھو ! شہزادی کی طرف اُٹھنے والا ہر قدم تمہیں موت سے قریب تر کر رہا ہے ۔

(شمشیر ڈاکو)

پارچہ کا مضمون پڑھتے ہی شمشیر نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی ، خنک سی ر سرایت محسوس کی ۔ موت کی لہر جس نے اس کے ہوش و حواس پر دھند بکھیر دی چند لمحے چنے سمجھنے کی قوت سے یکسر عاری ہو گیا بلکہ اُس کے جسم سے زندگی کی تمام حرارت مفقود لیٰ اور پتھر کے ساکت و صامت ، سرد مجسمہ کی مانند بے حس و حرکت کھڑا اُس پارچے کو گھورنے تا جو اس کے ہاتھ میں کسی زخمی پرندے کی طرح کانپ رہا تھا ۔

وہ شمشیر ڈاکو جسے لوگ "قہرِ الٰہی" سے تعبیر کرتے تھے، جس کا نام سن کر بڑے بڑے بہادروں کا زہرہ آب ہو جاتا تھا جس نے ڈرنے کی بجائے موت سے کھیلنا سیکھا تھا اس وقت اپنے ہی نام کی دہشت سے لرزہ براندام تھا۔ پُراسرار پیغام نے بدن کو سرد اور رُوح کو خوفزدہ کر دیا، یہ حقیقت نوکِ خنجر کی طرح ذہن میں پیوست ہو گئی تھی کہ فی الواقع وہ پُراسرار ہاتھ جس نے پیغام اس کے سرہانے رکھنے پر قناعت کی حالتِ خواب میں اسی خنجر سے اُس کی شہ رگ بھی کاٹ سکتا تھا۔

یہی وہ خوف تھا جس نے شمشیر کے بدن سے حرارت چھین لی۔ یہی وہ دہشت تھی جس نے ایک ظالم و جابر کو لاش کی مانند ٹھنڈا اور بے حس کر دیا تھا۔ اُس کا پُراسرار دشمن بلاشبہ اس کی موت پر قادر تھا۔ شمشیر کی گردن اُس کے قبضہ میں تھی۔ مگر ——— اس نے شمشیر کو موت کے گھاٹ کیوں نہ اُتارا ——— پیغام دے کر لوٹ کیوں گیا ——— کیا چاہتا ہے وہ ؟

آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی قوت عود کر گئی اور شمشیر کے ساکت بدن میں تحیر آمیز جنبش ہوئی۔ رفتہ رفتہ حالت اعتدال پر آتی چلی گئی مگر اسے اعتدال تو ہرگز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کسی ان دیکھی طاقت کے خوف سے اُس کا بدن شاخِ نازک کی مانند لرزاں تھا۔ دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے رکھا تھا، نہ مٹھی کھلتی تھی نہ دِل رہائی پاتا تھا۔ سر تھام کر مسہری پر گر گیا۔ اچانک خیال آیا، لاچی خان اور اس کے ساتھی رات بھر کمرہ کی نگہداشت کرتے رہے ہیں۔ رات پہرے کا خاص انتظام کر دیا گیا تھا لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں اُن کی موجودگی میں کسی شخص کو کمرۂ خواب میں داخل ہونے کی جرأت ہوتی۔ یہ پیغام خواب گاہ میں اُسی وقت پہنچایا گیا ہو گا، جب پہرے دار رخصت ہوئے ہوں گے۔

اِس خیال کے آتے ہی تڑپ کر اُٹھا۔ کمرے کا جائزہ لیا۔ تمام دروازے، دریچے بدستور اندر سے بند تھے صِرف وہی دریچہ کھلا تھا جسے ابھی ابھی شمشیر نے خود کھولا تھا۔ یہ امر مزید باعثِ تعجب تھا کہ "مردِ اسرار" بند دروازوں اور دریچوں کے باوجود اس کی خواب گاہ میں داخل ہو سکتا ہے۔

اس نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور کمرۂ خاص کی طرف بڑھا۔ وہ بھی بند پڑا تھا پھر غلام گردش کا دروازہ کھول کر گونگ پر ضرب لگائی۔ فوراً ہی ایک بوڑھا خدمت گار حاضر ہوا۔ اس نے کورنش ادا کر کے صبح کا سلام کیا اور شمشیر کسی درندے کی طرح غرّا کر بولا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہماری خواب گاہ میں کون آیا تھا ؟"

خدمت گار دم بخود رہ گیا۔ "کوئی نہیں سرکار ——— ! جب تک حضور بیدار نہ ہوں خواب گاہ میں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔"

شمشیر نے تیز نگاہوں سے اُسے گھورا اور حکم دیا کہ وہ فوراً لاچی خاں کو بُلا لائے۔ خادم اسی لمحے مشرقی برجی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنا پریشان دماغ لیے پھر کمرۂ خواب میں لوٹ آیا۔ خنجر اور پارچہ ابھی تک ہاتھ میں لرز رہے تھے۔

"شمشیر ڈاکو" کا دُوسرا پیغام پڑھ کر لاچی خاں پر بھی وہی کیفیت طاری ہوئی جس سے شمشیر دوچار ہو چکا تھا۔ اُس کے آدمی رات بھر جاگتے رہے تھے۔ اُن کی موجودگی میں کوئی سایہ بھی خواب گاہ کے آس پاس نہ پھٹکا تھا پھر یہ پیغام کب، کس وقت اور کس طرح اندر پہنچایا گیا ——— ؟

کسی مزید تحقیق و تفتیش کی گنجائش نہ رہی۔ لاچی خاں کا خیال تھا "قصرِ ذیشان" کا کوئی کنیز یا غلام "پُراسرار دشمن" کا آلۂ کار بن چکا ہے۔ یہ سب کچھ داروغۂ محل کی غفلت اور اس کے خدمت گاروں اور کنیزوں کی لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ اب شمشیر کو اپنی عبرت ناک شکست و موت کے لیے تیار رہنا چاہیے یا پھر مردانہ وار سلطنت و حکومت پر قبضہ کر کے سانپ کو اس کے خفیہ بل سے باہر کھینچ لینا ہو گا جو اُسے موت کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

اس وقت تک مردِ اسرار نے جتنے پیغام بھیجے، جو اشارے کیے، اُن میں ایک نام ——— ایک وجہ ——— ایک نکتہ مشترک تھا۔ شہزادی گلبانو ——— آخر شہزادی گلبانو ہی کیوں ؟

اگر کوئی شخص ان کے راز سے آگاہ ہو چکا تو حکومت و سلطنت کو چھوڑ کر صرف شہزادی گلبانو کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے ؟

یہی ایک ایسا معما ——— ایک ایسا سربستہ راز تھا جسے وہ حل کرنے سے قاصر تھے بہر حال دوسرے پیغام سے گھبرا کر شمشیر نے اقتدار پر فوری قبضہ کر لینے اور "قصرِ ذیشان" کی تطہیر کا فیصلہ کر لیا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ شہزادہ خرم کی حاضری دینے والے تمام غلاموں، ملازموں اور کنیزوں کو رخصت کر دیا جائے اور صرف ولا رام پر اعتماد کا دام پھینکا جائے۔

شمشیر نے لاچی خاں کو اپنے مشیرِ خاص کی حیثیت سے اختیار دے دیا۔ وہ شاہی محل کے مہروں کے ساتھ وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار کو بھی تبدیل کر دے۔ تمام انتظامات مکمل تھے۔ صرف ولی عہد کے احکامات پر عمل کرنا باقی تھا۔ شمشیر جانتا تھا، چند روز میں اس کی شادی اور تاجپوشی کی باقاعدہ رسم ادا کر دی جائے گی۔ اختیاراتِ سلطنت اُسے سونپ دئیے جائیں گے پھر کسی شخص کو اس کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہوگی۔ خود ملکہ جہاں اور وزیرِ سلطنت ثبانی خاں اُسے کاروبارِ حکومت سونپنے کے لیے بے چین اور جلد از جلد اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے۔ گویا وہ صفدر نگر کا ہر دلعزیز اور مطلق العنان حکمران تھا اور موروثی سلطنت کا وارث و مالک ہونے کی حیثیت سے اپنے ہر حکم، ہر فیصلہ کو نافذ کرنے کا حق و اختیار رکھتا تھا۔

✦

رستم خاں، سپاہی پیشہ، تلوار کا دھنی اور ایک معزز سردار تھا۔ اُس نے شاہی فوج کی تنظیم میں اہم کردار ادا کیا اور اپنے حُسنِ تدبر سے بڑے بڑے سرکش سرداروں اور اکھڑ فوجی افسروں کے دِل مُٹھی میں لے رکھے تھے۔ ریاست کے جہاں دیدہ اور تجربہ کار آدمی جانتے تھے صفدر نگر میں رستم خاں کی شخصیت ہی شاہی فوج کو سنبھالے ہوئے ہے ورنہ اکھڑ اور سرکش سرداروں کو قابو میں رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ خود رستم خاں کو بھی حالات کی نزاکت کا احساس تھا۔ یہی وجہ تھی شاہی خاندان اس پر بے حد اعتماد کرتا تھا لیکن جب اُسے شہزادہ کی طرف سے اس مضمون کا فرمان ملا کہ وہ فوج کی عنانِ انتظام تیمور خاں کو سونپ دے کیونکہ آئندہ سے ولی عہد کے ذاتی مشیر اور وزیر کی حیثیت سے کام کرے گا تو دنگ رہ گیا۔

رستم خاں ایسے تجربہ کار اور بہادر سردار کو تلوار پھینک کر قلم اُٹھانے کا مشورہ دینا بالکل ایسا ہی تھا جیسے کسی لوہار سے نغمۂ شیریں سننے کی توقع کی جائے۔

وہ حیران تھا۔ یہ تیمور خاں کون ہے جس پر "شہزادہ" اس قدر اعتماد کرتا اور اُسے شاہی فوج کا سپہ سالار بنا دینا چاہتا ہے؟ پہاڑی قلعہ سے جو محافظ دستہ "شہزادہ خرم" کے ہمراہ صفدر نگر آیا اس کا افسر اگرچہ تیمور ہی تھا لیکن رستم خاں نے آج تک تیمور نام کے کسی افسر یا بہادر کا نام سنا نہ شہزادہ کے محافظ افسر کی حیثیت میں اس کا تقرر کیا تھا۔ وہ صرف اس لیے خاموش رہا شاید محافظ دستہ کا افسر بہادر خاں بیمار ہو اور پہاڑی قلعہ کے سالار اور آتالیق فیروز شاہ نے اُس کی جگہ تیمور خاں کو "شہزادہ" کے ہمراہ بھیج دیا ہو لیکن اب اس کے نئے مرتبہ و اعزاز کے بارے میں

عہد کا فرمان پڑھ کر تجربہ کار سپہ سالار حیرت زدہ رہ گیا۔

تیمور خاں صبح ہی صبح خلعتِ فاخرہ زیب تن کیے جو شمشیر نے مہیا کی تھی جب فوجی ...وں کے درمیان سپہ سالار کے دفترِ خاص میں پہنچا، بڑا خوش نظر آتا تھا۔ اُس کے خیال کے ...جب ولی عہد اُسے سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کر چکا اور اب رستم خاں کا صرف اتنا کام رہ گیا تھا۔ وہ فوج کی عنانِ اختیار اُس کے سپرد کر کے شہزادہ کی بارگاہ میں پہنچ جائے اور ایک ...کر سنبھال لے مگر سپہ سالار رستم خاں کے کمرہ میں اُسے بالکل ہی مختلف اور خلافِ توقع حالات ...سامنا کرنا پڑا۔ امیر عسکر نے تیمور کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا۔ وہ کب سے ...ج میں ملازم ہے۔ اُس نے کون کون سی فوجی مہمات سرانجام دیں۔ کن کن افسروں اور ...سرداروں کے ساتھ کام کیا اور کن خدمات کے صلہ میں کس کے حکم سے محافظ دستہ کا ...افسر مقرر ہوا۔

تیمور کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اُس سے ایسے سوالات پوچھے جائیں گے۔ وہ ...سپہ سالار کا عہدہ سنبھالنے گیا تھا لیکن رستم خاں کے استفسارات سُن کر بے طرح پریشان ہو گیا۔ ...جانتا تھا ذرا سی غلطی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔ لہٰذا خود کو سنبھالا۔ ہوشیار ذہن ...نے فوراً ایک کہانی تراش لی اور بتانے لگا۔

"ایک مرتبہ شکار کے دوران میں نے خوفناک شیر کو ہلاک کر کے ولی عہد کی جان بچائی جو اُن پر حملہ کرنے والا تھا۔ اس بہادری اور جاں سپاری کے صلہ میں شہزادۂ عالی نے مجھے محافظ دستہ کا افسر مقرر کر دیا اور پہاڑی قلعہ میں مقیم رسالہ اور لشکر کی کمان بھی سونپ دی۔"

"کیا ——— ؟" رستم خاں کے چہرے پر اچانک حیرت و ناخوشگواری کے اثرات اُبھر آئے۔

"ولی عہد نے تمہیں لشکر کی کمان سونپ دی تھی؟"

"جی ..... جی ہاں ——— پہاڑی قلعہ میں کچھ عرصہ پہلے میں ہی کماندار مقرر ہوا تھا۔" تیمور نے اپنے جھوٹ کو قائم رکھا۔

"پہاڑی قلعہ میں بہادر خاں رسالہ کا سردار اور بوڑھا آتالیق فیروز شاہ لشکر کا سالار و نگران ہے۔ یہ دونوں افسر میرے ہی حکم سے اپنے عہدوں پر فائز ہوئے تھے۔ کیا بہادر خاں مر گیا، فیروز شاہ پر کوئی گہانی اُفتاد آ پڑی کہ شہزادہ نے اُن کی جگہ تمہیں سونپ دی ———"

رستم خاں نے تیز نظروں سے اپنے مخاطب کو گھورا ——— "تم کہتے ہو کچھ عرصہ پہلے پہاڑی قلعہ کی کمان تمہارے سپرد کر دی گئی تھی لیکن دس روز پیشتر تو فیروز شاہ ہی وہاں کا کماندار تھا۔"

تیمور کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور گزر گیا۔ اُسے کیا علم تھا۔ پہاڑی قلعہ میں کیا انتظام ہے۔ اُس نے محض اپنی اہمیت جتانے کے لیے ایک کہانی تراش لی تھی اگر اُسے خبر ہوتی رستم خاں پہاڑی قلعہ کا انتظامی قضیہ لے بیٹھے گا تو کبھی اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرتا۔ بہادر خاں کی "موت" کا ذکر سُن کر تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے رستم خاں نے اس کی شہ رگ پر تلوار کی نوک رکھ دی ہو۔ انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں اس نے جواب دیا۔

"دراصل ...... شہزادۂ عالی نے اپنی واپسی سے چند ہی روز پہلے میرا تقرر کیا تھا۔"

"اور تقرر کے ساتھ ہی وہ تمہیں اپنے ہمراہ صفدر نگر لے آئے تاکہ شاہی فوج کی کمان تمہارے سپرد کر دی جائے ———" رستم خاں کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی پھر وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"مگر شہزادۂ عالی ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟" تیمور نے کسی قدر جرأت کا مظاہرہ کیا۔ "وہ ہونے والے بادشاہ ہیں ——— جہاں پناہ ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔"

اس کے جواب میں تیمور کو رستم خاں کا ایک قہقہہ سنائی دیا۔

"معلوم ہوتا ہے بوڑھے فیروز شاہ نے "شہزادہ" کو امورِ سلطنت اور فوجی نظم و نسق کے متعلق صحیح تعلیم نہیں دی۔ صفدر نگر کے کسی ولی عہد کو فوجی افسروں کے عزل و نصب کا اختیار نہیں۔ یہ معاملات صرف سپہ سالار کے حکم سے طے پاتے ہیں، اگر ولی عہد نے تمہیں محافظ دستہ کا افسر اور پہاڑی قلعہ کا کماندار بنا دیا تھا تو اپنے اختیارات سے تجاوز کیا۔ تعجب ہے فیروز شاہ اور بہادر خاں نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی۔ میں خود فیروز شاہ کو طلب کروں گا۔"

پہاڑی قلعہ سے فیروز شاہ کی طلبی کا سُن کر تیمور یوں بوکھلا کر کھڑا ہو گیا جیسے رستم خاں نے اس پر زہر یلا خنجر دے مارا ہو ——— فیروز شاہ کی طلبی کا مطلب تھا۔ بہادر خاں اُس کے محافظ سپاہیوں اور شہزادہ خرم کی ہلاکت اور شمشیر کی سازش کے تمام راز طشت از بام ہو جائیں۔ اُس کا رنگ کپاس کے پھول کی طرح زرد پڑ گیا۔ آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی۔ اس اچانک تبدیلی پر خود رستم خاں بھی حیران رہ گیا۔ تیمور اپنے آپ کو سنبھال کر کہنے لگا۔

"میں ...... میں ...... کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو ولی عہد نے حکم دیا تھا۔ آپ سے ملوں اور سپہ سالاری کے اختیارات سنبھال لوں۔"

رستم کا دوسرا قہقہہ تیمور کے دل میں شگاف سا پیدا کرتا چلا گیا۔

"ولی عہد ابھی ناسمجھ ہیں۔ شاید وہ نہیں جانتے سپہ سالار کو صرف ملکہ جہاں تبدیل یا برطرف کر سکتی ہیں۔"

"تو پھر اس حکم نامہ کا کیا مطلب ہے؟"

تیمور نے شمشیر کا لکھا فرمان لہراتے ہوئے پوچھا۔ اب رستم خاں بھی برافروختہ ہو گیا اور کسی قدر سخت لہجہ میں بولا۔

"تم اسے حکم نامہ کہتے ہو مگر اس پر ولی عہد کی مہرِ خاص کہاں ہے؟ کیا اتالیق نے تمہیں اتنا بھی نہیں سمجھایا کہ ولی عہد کی مہر ثبت کیے بغیر اُن کا کوئی حکم سرکاری درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ کیا فیروز شاہ "شہزادہ عالی" کو یہ بھی نہیں بتا سکا۔ ولی عہد کی حیثیت میں وہ سپہ سالار کو کوئی حکم دینے کے مجاز نہیں؟ معلوم ہوتا ہے، اتالیق پانچ برس تک جھک مارتا رہا ہے۔ جب اُس نے "شہزادہ" کو اس قسم کے انتظامی معاملات سے آگاہ نہیں کیا تو امورِ سلطنت کے بارے میں کیا خاک تربیت دی ہوگی۔ میں آج ہی ملکہ جہاں سے مل کر اس بوڑھے گھوسٹ کو صفدر نگر میں طلبی کے احکام بھیج دوں گا۔"

رستم خاں کے الفاظ لپکتے شعلوں کی طرح تیمور کے جذبات کو پھونکتے اور قلب و ذہن کو کچوکے دیتے چلے گئے۔ یہ سمجھ کر آیا تھا۔ رستم خاں سے سپہ سالاری کا منصب سنبھال کر وہ فوج کا حاکمِ اعلیٰ بن جائے گا لیکن یہاں گنگا ہی اُلٹی بہہ نکلی اور اس پر کئی حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔

وہ سمجھ گیا "تاجپوشی سے پہلے شہزادہ کی حیثیت ایک پر بستہ پرندے سے مختلف نہیں، بالخصوص ولی عہد کی "مہرِ خاص" نے ذہن پر محرومی کا ایک نیا نقش ثبت کر دیا اور پیچ و تاب کھاتا لوٹ گیا۔ اب یہ دھڑکا لگا ہوا تھا انتظامی معاملات اور ولی عہد کی مہرِ خاص سے شمشیر کی بے خبری کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ وہ جلد از جلد شمشیر اور لاچی خاں کو نئی صورتِ حال سے خبردار کر دینا چاہتا تھا۔

تیمور کی واپسی کے بعد رستم خاں چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے ولی عہد کا مراسلہ

جیب میں رکھا اور شاہی محل کا رُخ کیا۔

❦

رستم خاں کی طرح شبانی بابا بھی ریاست کا دیرینہ خیرخواہ اور نوروز خاندان کا قدیمی نمک خوار تھا۔ سلطان مرحوم کی وفات کے بعد اُس نے بڑی عقل و تدبیر سے سلطنت کا انتظامی ڈھانچہ قائم رکھا تھا ورنہ اس کا شیرازہ کبھی کا منتشر ہو چکا ہوتا لیکن ولی عہد کا عجیب و غریب "حکم نامہ" ملا تو نقشِ حیرت بن گیا۔

"یہ حکم نامہ" دراصل شاہی طبیب شفائی کا ایک سفارش نامہ تھا جس میں وزیرِ سلطنت کی شبانہ روز کارکردگی اور افکارِ حکومت کے باعث گرتی ہوئی صحت پر تشویش کے اظہار کے ساتھ طبی مشورہ دیا گیا تھا کہ شبانی خاں کو صحت کی بحالی کے لیے کم از کم تین ماہ کی رخصت لے کر مکمل آرام کرنا چاہئیے۔

اسی تحریر پر شمشیر نے شہزادہ خُرم کی حیثیت سے یہ فرمان رقم کر دیا تھا کہ وزیرِ سلطنت شبانی بابا کا وجود چونکہ ریاست کے لیے بڑا قیمتی ہے اور ابھی ہمیں اُن کے اعلیٰ مشوروں اور خدمات کی ضرورت ہے اس لیے ہم اُن کے قیمتی وجود کو کسی خطرہ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے چنانچہ ریاست اور سلطنت کی بہتری کے پیشِ نظر شاہی طبیب کی سفارش قبول کرتے اور شبانی بابا کو حکم دیتے ہیں وہ جملہ کاروبارِ حکومت اور امورِ سلطنت ہمارے مخلص مشیرِ خاص لاچی خاں کے سپرد کر کے تین ماہ کی رخصت لے لیں۔ اُن کی جگہ عارضی طور پر لاچی خاں ہی وزیرِ سلطنت کے فرائض ادا کرے گا۔

شبانی بابا بوڑھا ضرور تھا اُس کے قویٰ بھی کچھ ضعیف و کمزور ہو گئے تھے لیکن بیمار تھا نہ اتنا نڈھال کہ اُسے رخصت و آرام کی ضرورت ہوتی۔ اس مراسلہ کا مطلب یہ تھا حکیم شفائی اور "شہزادہ خُرم" اسے زبردستی کا مریض بنا کر علاج کی بھٹی میں جھونک دینا چاہتے ہیں۔

بوڑھے وزیر نے جب اس مراسلہ کی قانونی حیثیت پر غور کیا تو زیرِ لب مسکرا کے رہ گیا۔ اس پر ولی عہد کی مہر تک ثبت نہ تھی۔ یہی سمجھا شاید شہزادہ نے لاچی خاں کے ساتھ کوئی دلچسپ مذاق کیا ہے مگر جب اُسے بتایا گیا۔ لاچی خاں حویلی کے باہر اُس کی ملاقات کا منتظر ہے —— شبانی خاں کو اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑا۔

لاچی خاں بھی لباسِ فاخرہ پہن کر اور سر پر کلاہِ وزارت سجا کر نکلا تھا —— سلطان،

ملکہ جہاں اور ولی عہد کے بعد صرف وزیرِ سلطنت ہی کو اپنی کلاہ پر ایک کلغی لگانے کا اختیار تھا اور شمشیر نے لاچی خاں کو یہ کلغی فراہم کر دی تھی۔ جب شبانی خاں نے اُسے لباسِ وزارت میں دیکھا چونک گیا۔ لاچی خاں نے ولی عہد کا فرمان دکھایا اور بتایا وہ شبانی بابا کو اُس کے فرض سے سبکدوش کرنے آیا ہے۔ گفتگو میں اعتماد کی جھلک تھی، سمجھتا تھا بوڑھا وزیر اپنی رخصت کو ولی عہد کی کرم فرمائی قرار دے کر وزارت کی کرسی خالی کر دے گا لیکن شبانی خاں نے اُسے سمجھایا۔

۱۔ شہزادۂ عالی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مَیں بیمار اور کمزور نہیں۔

۲۔ ولی عہد کا مراسلہ اُن کی مہرِ خاص کے بغیر غیر سرکاری حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ وزیرِ سلطنت کے عزل و نصب اور رخصت کا اختیار صرف ملکہ جہاں کو ہے ولی عہد اس قسم کا کوئی حکم نامہ جاری کرنے کے مجاز نہیں۔

لاچی خاں کے ذہن پر قیامت سی گزر گئی۔ اُس نے بڑے غور و فکر کے بعد شبانی خاں کو راستے سے ہٹانے کی ترکیب نکالی تھی لیکن یہ علم نہ تھا شہزادہ وزیرِ سلطنت کی رخصت و برطرفی کا مجاز نہیں۔ ولی عہد کی مُہرِ خاص کا انکشاف تو بڑا ہی الم انگیز اور رُوح فرسا تھا جس کے بغیر شمشیر کا کوئی حکم سرکاری درجہ حاصل نہ کر سکتا تھا۔

بھیڑیے کی طرح چالاک اور مکار لاچی خاں نے باتوں ہی باتوں میں مُہر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اُسے پتہ چل گیا چند سال پہلے جب شہزادہ خرم کی ولی عہدی کا جشن منایا گیا، نوروز خاندان کے آئین و دستور کے مطابق اُسے ولی عہد کی خاص مُہر بھی سونپی گئی تھی جو خاندان کے ہر ولی عہد کو دی جاتی ہے۔ یہ مہر دراصل ہیرے کی ایک بیش قیمت انگشتری ہے جس کے نگینہ میں "و۔ع" کے حروف ایک خاص انداز میں کندہ ہیں اور ان حروف کے چوفیر چھوٹے چھوٹے کنگروں والا ایک خوبصورت سا دائرہ کھُدا ہے۔ اپنے خاص احکامات کی تکمیل کے لیے ولی عہد اسی انگشتری کو بطورِ مُہر استعمال کرتا ہے۔

شمشیر اور لاچی خاں دونوں "مہرِ خاص" سے قطعی بے خبر تھے۔ ہوشیار لٹیرے نے بوڑھے وزیر کو باتوں میں اُلجھا کر کئی اہم معلومات حاصل کر لیں اور مسکراتے ہوئے پُوچھا۔

" مہرِ خاص ایک انگشتری تو ہے اگر چوری ہو جائے یا کھو جائے ؟"

" تو اُس انگوٹھی کی طرح شہزادۂ عالی ایک روز اپنی سلطنت بھی کھو دیں گے "۔

شبانی خاں نے جواب دیا " ولی عہد کا فرض ہے، اپنی جان کی طرح وہ اس انگشتری کی

حفاظت کریں جو نوروز خاندان میں کئی پشتوں سے منتقل ہوتی آ رہی ہے۔"

بوڑھے وزیر کے یہ الفاظ تیر کی طرح لاچی خاں کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ ان الفاظ کا مطلب یہ تھا انگوٹھی کے بغیر شمشیر ایک ایسی بیکار تلوار ہے جو کبھی کا سر قلم کر سکتی ہے نہ کسی کے سر کی حفاظت کے کام آ سکتی ہے۔

اس انکشاف نے لاچی خاں کو اور پریشان کر دیا۔ اُس نے بوڑھے وزیر کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ شہزادۂ عالی کو اس کی صحت کا خیال بہت پریشان رکھتا ہے مگر جب انہیں معلوم ہوگا اُن کے شبانی بابا خود کو تندرست محسوس کرتے اور اپنے فرض کی ادائیگی پر مستعد ہیں ولی عہد بے حد خوش ہوں گے۔ اُن کی سب سے بڑی پریشانی مفقود ہو جائے گی۔

بوڑھے وزیر کو یہی عجّہ دے کر لاچی خاں بصد حسرت و یاس پلٹا اور شاہی محل کی طرف چل دیا۔ وہ شمشیر سے مل کر نئی صورتِ حال پر مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے اندھیرے میں جو تیر چلایا وہ الٹا انہی کے سینے زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ اب اس امر کا خدشہ تھا کہیں یہ ناکامی کوئی نیا خطرہ پیدا نہ کر دے۔ لاچی خاں کے ذہن میں ایک طوفان سا برپا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ تیمور کو بھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی ہوگی اور شبانی کے ساتھ رستم خاں بھی چوکنا ہو جائیگا۔

اس وقت سب سے اہم مسئلہ ولی عہد کی انگوٹھی کا تھا۔ چلتے چلتے اُس نے سوچا اگر شہزادہ خرّم بچ بچا سانگا ندی میں غرق ہوا ہے تو انگوٹھی دریا میں ضائع ہو چکی یا کسی مچھلی کے پیٹ میں اُتر گئی ہوگی اور کوئی معجزہ بھی اُسے واپس نہیں لا سکتا۔

لاچی خاں نے اُس کی ایک جھلک دیکھ لی ہوتی تو کسی ماہر کاریگر سے نقلی انگوٹھی تیار کرا لیتا لیکن اُمید کی صرف ایک کرن باقی تھی —— شاید ولارام کوئی ایسا فرمان مہیا کر سکے جس پر ولی عہد کی مہرِ خاص ثبت ہو۔

لاچی خاں کے نقطۂ نظر سے انگوٹھی کا نقش حاصل کرنا بے حد ضروری تھا تا کہ مصنوعی اور نقلی مہر بنوائی جا سکے۔ ورنہ ولی عہدی کا بھرم بھی خطرے میں تھا۔

شمشیر ڈاکو جس نے منصور نگر کی تقدیر کے نوشتے بدل کر رکھ دیے ایک انگوٹھی حاصل نہ کر سکا جو ولی عہد کی تقدیر سمجھی جاتی تھی اور یہ قدرت کا عجیب کھیل تھا۔ وہی مہر وہی انگوٹھی جس نے شمشیر کی قسمت میں ایک نیا پیچ ڈال دیا گونابتی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلی کے ہاتھ میں ستارۂ سحری کی طرح جگمگا رہی تھی۔ یہ راز سردار جانتا تھا نہ اس کی بیٹی

...چودھویں رات کو آنے والے زخمی اور پردیسی مہمان نے نیلی کے ہاتھ میں محض ہیرے کی ...ک انگوٹھی نہیں پورے منصور نگر کی تقدیر پر دی تھی۔

لاچی خاں شاہی قلعہ کی شرقی برجی کے نیچے پہنچا تو تیمور کو دیکھ کر چونک اُٹھا جو ...ں سے کہیں زیادہ اُداس، نڈھال اور پریشان نظر آ رہا تھا —— لاچی خاں کی توقع کے ...ن مطابق وہ بھی نہ صرف ناکام لوٹا بلکہ اس سے زیادہ سنگین اور الم ناک خبر لے کر آیا تھا۔ ...س نے رستم خاں سے ملاقات کا حال سنایا اور یہ اطلاع دے کر لاچی خاں کے دل پر برقِ آسمانی ...ادی کہ ملکہ جہاں سے مشورہ کے بعد رستم خاں پہاڑی قلعہ کے نگران فیروز شاہ کو منصور نگر ...ں طلب کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

دونوں کے دل خطرے کی نئی دھمک سن کر دھڑک اُٹھے۔ اب شمشیر سے فوری ملاقات ...روری تھی اگرچہ کوئی آدمی اس وقت تک "قصرِ ذیشان" کا رُخ نہ کر سکتا تھا جب تک ...ہزادہ خود کسی کو پیغام بھیج کر طلب نہ کرے مگر لاچی خاں اور تیمور وقت کے یہ قیمتی لمحات ...تظار میں ضائع نہ کر سکتے تھے جو اُن کی زندگی کا رُخ بدل دینے والے تھے۔ موقع کی نزاکت ...ش نظر وہ اپنی ریشمی قباؤں کے دامن لہراتے بگولوں کی طرح اس طویل راہداری میں داخل ہو ...ے جو سیدھی "قصرِ ذی شان" کو جاتی تھی۔

تیمور کی ملاقات ایسا واقعہ نہ تھا جسے رستم خاں ایسا جہاندیدہ فوجی افسر نظر انداز کر دیتا۔ ...افسوس اس بات پر تھا۔ فیروز شاہ ایسا قدیمی اتالیق ولی عہد کو اس کے حقوق و اختیارات سے ...اہ نہ کر سکا۔ ورنہ شہزادہ کوئی غیر ذمہ دارانہ مراسلہ تحریر نہ کرتا۔

اُس نے فوراً ملکہ جہاں سے حاضری کی اجازت لی اور ولی عہد کا وہ مراسلہ دکھایا جس ...ں اُسے تیمور خاں کے حق میں سپہ سالاری سے سبکدوش ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ملکہ جہاں تصویر ...رت بن گئی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، خرّم ماں سے مشورہ کیے بغیر ایسے احکام لکھنے بیٹھ ...ے گا جن کا فی الحال اُسے کوئی اختیار نہیں۔ اُس کے کردار کا یہ پہلو گستاخی کی نشاندہی کر رہا تھا۔

ابھی اسی فکر میں غلطاں تھی کہ وزیرِ سلطنت شبانی خاں بھی وہی کہانی، وہی حکایت ...ے کر پہنچ گیا جو رستم خاں کو پیش آ چکی تھی۔ اُس کی جگہ ولی عہد نے لاچی خاں کو وزیرِ سلطنت کے ...ے منتخب کیا تھا۔ دوسرا مراسلہ دیکھ کر ملکہ جہاں کا پیمانۂ صبر چھلک اُٹھا۔ اب اس بات میں کسی

شک وشبہ کی گنجائش نہ رہ گئی تھی ۔ شہزادہ خرم اقتدار حاصل کرنے کی خاطر غلط راستے پر گامزن ہو چکا ہے ۔ وہ غم وغصہ کی شدت میں کپکپاتی مسند سے اٹھی اور فرطِ جوش میں بولی ۔

"کہیں خرم پاگل تو نہیں ہو گیا ۔ وہ سلطنت کے دیرینہ خیر خواہوں کو ہٹا کر مشکوک اور ناقابلِ اعتبار لوگوں کو حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز کرنا چاہتا ہے مگر جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں ہو سکتا ۔"

آواز میں شعلوں کی سی لپک تھی ۔ دونوں اعیانِ دولت کے قریب سے یوں گزرتی چلی گئی جیسے بجلی کوند جاتی ہے ۔ کمرۂ خاص کے کونے میں ایک گونگ آویزاں تھا ۔ اُس نے قریب پہنچ کر گونگ پر بھرپور ضرب لگائی اور کنیز کا انتظار کرنے لگی ۔ دوسرے ہی لمحے ملکہ جہاں کی کنیز سَر کو خم کیے داخل ہوئی اور ملکہ کسی شیرنی کی مانند گرجی ۔

"زمرد ——! خُرم کو ہمارا سلام دو ہم ابھی اور اسی وقت ان سے ملاقات چاہتے ہیں ۔ تم شہزادہ کو اپنے ساتھ ہی لیتی آؤ ۔"

کنیز اُلٹے قدموں چپ چاپ باہر چلی گئی مگر جونہی وہ زربفت کے پردہ کو حرکت دے کر دروازے سے نکلی ، ایک پتلی سی جھری نمودار ہوئی ، اس جھری میں سے ملکہ جہاں نے چند کنیزوں اور غلاموں کے جانے پہچانے چہرے دیکھے جو غلام گردش کی ڈیوڑھی میں جھروکے کے نیچے جمع تھے ۔ ان کے درمیان خواجہ سرا خوب صورت بیگ بھی موجود تھا ۔ وہ حیران تھی "قصرِ ذیشان" کی کنیزیں اور غلام اُس کے کمرۂ خاص کے سامنے کیوں جمع ہیں ۔ کہیں خوب صورت بیگ نے کوئی جھگڑا تو کھڑا نہیں کر دیا ۔ قدم آپ سے آپ جھروکے کی طرف اُٹھنے لگے جہاں وہ عام لوگوں کی شکایات سُنتی اور انصاف کرتی تھی لیکن ابھی جھروکہ کے قریب نہ پہنچ سکی تھی کہ زربفت کا پردہ ہلا "قصرِ ذیشان" کی کنیز خاص دلآرام کسی پرچھائیں کی طرح خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئی اور ملکہ جہاں کو جھروکے کی طرف بڑھتے دیکھ کر بڑے احترام سے کورنش بجا لائی ۔

یہ شرف صرف دلآرام کو حاصل تھا ۔ وہ ملکہ جہاں کے کمرۂ خاص میں بھی داخل ہو سکتی تھی ۔

"دلآرام ——! تُم ——؟" ملکہ کے قدم رنگین ومنقش قالین پر رُک گئے ۔

جھروکہ کی دوسری سمت خوب صورت بیگ بھی کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ نظر آ رہا تھا ۔ اچانک آواز بلند ہوئی ۔

"دُہائی ہے —— ملکہ جہاں کی دُہائی ہے ۔"

ملکہ نے چونک کر جھروکہ کی طرف دیکھا پھر دلآرام سے مخاطب ہوئی ۔

"کیا بات ہے دلآرام ——! یہ کنیزیں اور غلام کس کے ظلم کی فریاد لے کر آئے ہیں خوب صورت بیگ کیا چاہتا ہے ؟"

"کچھ عرض کرنے سے پہلے کنیز جان کی اماں چاہتی ہے ملکۂ عالم ——!"

یہ الفاظ سُن کر ملکہ دنگ رہ گئی کیونکہ اِس قسم کے الفاظ عموماً اسی وقت سنائی دیا کرتے تھے جب کسی بڑے آدمی کی شکایت مقصود ہوتی ۔ ملکہ اسے اماں دے چکی تو دلآرام نے بتایا ۔

"شہزادۂ عالی نے "قصرِ ذی شان" کے تمام خدمتگاروں اور کنیزوں کو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا ہے ۔ یہ نمک خوار غلام اور وفادار کنیزیں حضور سے پوچھنے آئے ہیں ، اب وہ کیا کریں —— کہاں جائیں ؟"

ملکہ کے ذہن پر جیسے ہتھوڑے کی ضرب پڑی ۔ چہرے پر کرب واذیت کے آثار نمودار ہوئے اور حیرت زدہ سے لہجے میں بولی ۔

"کیا تمہیں بھی ؟"

"جی ہاں —— ولی عہد نے کنیز کو بھی اپنی حاضری سے سبکدوش کر دیا ہے ۔"

"کوئی سبب ؟"

"انہیں کنیز پر اعتماد نہیں رہا ۔ لاچی خان کہتا ہے ۔ میں شہزادۂ عالی کی بدخواہ ہوں ۔"

ہوشیار کنیز نے لاچی خان کا نام انتہائی مناسب موقع پر استعمال کیا تھا جسے سُنتے ہی ملکہ جہاں بھڑک اُٹھی اور انتہائی نفرت سے بولی —— "آج ہم کئی مرتبہ لاچی خان کا نام سُن چکے ہیں ۔ یہ کون آدمی ہے جو ہمارے معتمد وفاداروں پر الزام لگاتا اور ہمارے اعیانِ سلطنت کو نکال دینا چاہتا ہے ۔"

غصہ میں کپکپاتی آواز کے ساتھ ملکہ جہاں اپنے پاؤں پر گھوم گئی اور اُس نے حکم جاری کیا ۔

"دلآرام ——! داروغۂ محل خوب صورت بیگ سے کہو ۔ وہ فوراً لاچی خان کو ہمارے حضور پیش کرے ۔"

"خوب صورت بیگ ملکہ جہاں کے حکم کی تعمیل سے معذور ہے سرکار ——!"

ملکہ نے شعلہ بار آنکھوں سے دلارام کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ ملکہ کچھ کہتی اُس نے فوراً وضاحت کر دی۔

"شہزادۂ عالی کے حکم سے لاچی خاں نے خوب صورت بیگ کو داروغۂ محل کے عہدہ سے معزول کر دیا ہے۔ اب اس کی جگہ نیا آدمی کام کر رہا ہے"۔

یہ اطلاع گویا اونٹ پر آخری تنکا ثابت ہوئی اور ملکہ جہاں نے جوشِ غصہ میں اس طرح پاؤں فرش پر مارا جیسے اُس نے لاچی خاں کے قتل کا حکم جاری کر دیا ہو۔ وہ چلائی ——!

"خوب —— تو خرم ہمیں وفادار ملازموں اور سلطنت کے پرانے بہی خواہوں سے محروم کر کے حکومت پر قبضہ کر لینا چاہتا ہے؟"

پھر مشتعل ملکہ نے خوبصورت بیگ کو حاضری کا حکم دیا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہو کر کورنش بجا لایا۔ ملکہ جہاں شعلہ بار انداز میں گرجی۔

"خوبصورت بیگ —— ! جس شخص کو ہم کسی عہدہ پر فائز کریں وہ ہمارے ہی حکم سے معزول و برطرف ہو سکتا ہے۔ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں۔ لاچی خاں کو ایک پہر کے اندر اندر پابہ زنجیر ہمارے حضور پیش کرو"۔

پھر وہ بجلی ایسی سرعت سے سپہ سالار رستم خاں کی طرف پلٹی۔

"رستم خاں —— ! شاہی محل کے محافظ افسر مہروز کے نام ہدایت جاری کر دو وہ لاچی خاں کی گرفتاری میں داروغۂ محل کی مدد کرے"۔

رستم خاں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اُسی وقت خوب صورت بیگ کے ساتھ ہی کمرہ سے روانہ ہو گیا۔ بوڑھے اور دانا وزیرِ سلطنت شبانی خاں نے گذارش کی۔

"ملکہ جہاں —— ! لاچی خاں شہزادۂ عالی کا خاص دوست اور مشیر ہے۔ کہیں انہیں اپنے دوست کی گرفتاری گراں نہ گزرے"۔

"شبانی بابا —— ! سلطنت کے مفاد اور رعایا سے انصاف کی خاطر اگر ہمیں شہزادہ خرم کو بھی زنجیریں پہنانا پڑیں تو ہم یہ بھی کر گزریں گے۔ ہمارے خیال میں اس فتنہ کی اصل جڑ لاچی خاں ہے۔ وہی خرم کو آلۂ کار بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے —— ہم اس فتنہ کا سر کچل دیں گے"۔

یہ کہہ کر ملکہ نے غصہ اور بیزاری کے عالم میں اپنا دایاں ہاتھ لہرا دیا جس کا مطلب تھا

...ہ تخلیہ چاہتی ہے۔ شبانی خاں نے مخصوص سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔

ملکہ نے دلارام کو روک لیا تھا۔ دراصل اس وقت اُسے ایک ایسے ہمدرد و غمگسار ...ضرورت تھی جو اس کے غمزدہ و اُداس دل کو ڈھارس دے سکے۔ وہ زریں مسند کے مرصع ...ستون کے سہارے یوں شکستہ اور نڈھال سی کھڑی تھی جیسے طوفان میں گھرے ہوئے جہاز کا ...ل تھامے سرکش موجوں کا نظارہ کر رہی ہو۔

شہزادہ خرم کی جاہ طلبی کا جو نیا پہلو سامنے آیا اُس نے ملکہ کو بے حد پریشان اور مغموم ...یا تھا۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ خرم جو سعادت مندی اور معاملہ فہمی میں ممتاز حیثیت رکھتا ...ں اچانک بدل جائے گا۔ اس کی حاکمانہ استعداد اور دُور اندیشی کے متعلق ملکہ کی تمام ... فہمیاں ختم ہو گئی تھیں۔ رستم خاں نے اُسے شہزادہ کے نئے دوستوں بالخصوص تیمور ...اچی خاں کے بارے میں بتایا تھا کہ ایسے لوگ جن کی بدقماشی اور بدفطرتی نوشتہ دیوار کی طرح ...ی پر رقم ہوتی ہے۔ کسی اعلیٰ اور ذمہ دارانہ عہدے کے قابل نہیں ہوتے۔ لہٰذا شہزادہ خرم ...کسی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ یہی امر ملکہ جہاں کی بے چینی اور صدمے کا باعث تھا کہ ...کا فرمانبردار بیٹا بدقماش دوستوں میں گھر گیا ہے جو اُسے آلۂ کار بنا کر حکومت پر قبضہ کرنے ...خواب دیکھ رہے ہیں۔

اِسی لمحے زمرد ملکہ ابر کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے شہزادۂ عالی کے ...کی اطلاع دی۔

ملکہ جہاں نے فوراً دلارام کو اشارہ کیا اور وہ جلدی سے مسند کے عقب میں آویزاں ...پردوں کی اوٹ میں سرک گئی۔ زمرد بھی اُلٹے قدموں باہر چلی گئی تھی۔ جب ملکہ اور ...عہد کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کے لیے اکٹھے ہوں تو تخلیہ ضروری تھا۔

ہوشیار اور چالاک شمشیر نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی ملکہ کے چہرے پر رنج و الم ...ریر پڑھ لی۔ غلام گردش سے گزرتے ہوئے اس نے جھروکے کے نیچے کھڑے غلاموں اور ...موں کو بھی دیکھ لیا جن میں داروغۂ محل خوبصورت بیگ بھی شامل تھا اور ملکہ کے حضور ...طلبی کا مطلب سمجھ گیا۔ چالاک شمشیر نے اُسے مطمئن کرنے کے لیے پہلے ہی سے کئی جواب ...چ رکھے تھے لیکن نہ جانے ملکہ کے وجود میں وہ کون سا جادو، کون سا شعلہ، تادیب پنہاں ... تھا کہ جب اُس کے سامنے آتا۔ اپنے مضبوط ارادوں کو متزلزل پاتا اور قلب و ذہن میں

ایک عجیب سی دھمک محسوس کرتا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے اور ملکہ کے ماتھے کی ناخوشگوار تحریر پڑھتے ہی اُس کے سراپا میں درد و غم کی ایک نامعلوم سی لہر دوڑ گئی۔ وہ محسوس کرنے لگا جیسے اس پر جادو سا کر دیا گیا ہو اور اُس کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔

ملکہ بھی جذبات کی شدت سے دوچار تھی۔ اس کے باوجود اس نے بڑے تحمل سے پوچھا۔

"خرم —! تمہیں پہاڑی قلعہ میں کیوں بھیجا گیا تھا؟"

اس غیر متوقع سوال پر شمشیر حیران رہ گیا۔

"نوروز خاندان کے شہزادے امورِ سلطنت کی تعلیم و تربیت کے لیے وہیں بھیجے جاتے ہیں امی حضور —! مگر آپ نے یہ بات کیوں پوچھی؟"

"اس لیے کہ تمہیں جس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے یا تو فیروز شاہ اس قابل نہیں رہا کہ وہ کسی شہزادے کو امورِ مملکت کی تربیت دے سکے یا پھر تم پانچ سال محض سیر و شکار اور بے مقصد تفریحات میں کھوئے رہے۔ آج مجھے سنجیدگی سے سوچنا پڑا ہے۔ کیا تم اپنی موروثی سلطنت کی باگ ڈور سنبھال بھی سکو گے یا نہیں؟"

ملکہ مسند کا منقش ستون چھوڑ کر ایک طرف مڑی اور شمشیر کے دل و دماغ پر شعلے سے کانپ کر رہ گئے۔

اُسے ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا تھا اُس کا منصوبہ ریت کے گھروندے کی طرح منہدم ہو چکا اور شابانی بابا اور رستم خاں کی طرف بھیجے ہوئے مراسلے ملکہ جہاں کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اپنی ناکامی کے بعد اگرچہ لاچی خاں اور تیمور اُسے بدلے ہوئے حالات سے آگاہ کرنے کے لیے بگولوں کی مانند شاہی محل کی طرف چل دیئے تھے لیکن ان کی ملاقات سے پہلے ہی ملکہ نے شمشیر کو اپنے حضور طلب کر لیا اور وہ یہ نہ جان سکا تھا اس کے سازشی ترکش کا ایک بھی تیر نشانے پر نہیں بیٹھا۔ کسی انجانے خطرے کی آہٹ پا کر وہ حیران و ششدر سا ملکہ کے پیچھے پیچھے آگے بڑھا اور بولا۔

"یہ آپ کیا فرماتی ہیں امی حضور! میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی صفدر نگر آیا ہوں اور آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ لگنے دوں گا۔"

"خوب —— ابھی ٹھیس لگنا باقی رہ گیا ہے۔" ملکہ نے پلٹ کر طنز کا نشتر چلایا۔ "میں نے کئی بار محسوس کیا ہے۔ تم وہ خرم نہیں جو پانچ سال پہلے تھے۔ تمہاری بہت ...ت بدل گئی ہیں۔ تم اپنی خاندانی روایات، اپنی اعلیٰ صلاحیتیں پہاڑی قلعہ ہی میں چھوڑ ...ر بدلے بدلے سے نظر آتے ہو۔"

شمشیر پر ایک لرزش طاری ہوئی۔ اسی لمحے ملکہ نے اپنی قبائے زریں سے وہ دونوں ... نکال کر اُس کی طرف لہرائے جن میں وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار کے عزل و نصب کا فرمان ...ر ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"اگر تم آئینِ سلطنت اور قانونِ حکومت سے آگاہ ہوتے تو اس غیر ذمہ داری کا ...ب ہرگز نہ کرتے۔ کیا بوڑھا فیروز شاہ پانچ برس کی مدت میں تمہیں اتنی تعلیم بھی نہ دے ... صفدر نگر کا کوئی ولی عہد وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار کے عزل و نصب کا اختیار نہیں ...؟ —— کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے داروغہ محل صرف بادشاہ یا ملکہ کے حکم سے مقرر ...جاتا ہے اور کوئی شہزادہ اس کی برطرفی کا مجاز نہیں؟ —— کیا اتالیق نے تمہیں ... نہیں بتایا۔ قانون صرف رعایا کے لیے نہیں بلکہ شہزادے، ولی عہد، ملکہ اور بادشاہ بھی ...کے پابند ہوتے ہیں اور ہر شخص پر اُس کی اطاعت فرض ہے؟ بالخصوص ولی عہد کو ...سروں کی بہ نسبت قانون کا زیادہ احترام کرنا واجب ہے کیونکہ حکومت کی باگ ڈور ...سنبھالنے کے بعد وہی قانون کا نگران اور محافظِ اعلیٰ ہوتا ہے لیکن ابھی تخت نشینی کی ...م ادا نہیں ہوئی۔ ابھی عنانِ حکومت تمہارے ہاتھ میں نہیں آئی اور تم نے میری مرضی ... —— میرے مشورہ حتیٰ کہ میری اطلاع کے بغیر ہی سلطنت کے اہم عہدے داروں کی ...برطرفی و علیحدگی کے احکام جاری کر دیے —— یہ قانون شکنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ...سے جرمِ بغاوت کے علاوہ اور کس نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ بتاؤ —— یہ اختیار ...ہیں کس نے دیا —— ؟ یہ جرأت تمہیں کس نے دلائی؟

تم یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ سلطنت کے آئین و قانون سے ناواقف ہو کیونکہ ...ہیں قانون کی تعلیم اور نظم و آئین کی تربیت ہی کی خاطر باہر بھیجا گیا تھا۔ اگر فیروز شاہ نے ...یہ فرض ادا نہیں کیا تو اُس کا جرم ناقابلِ معافی ہے۔ اُسے صفدر نگر میں لانے کے لیے آج ...ہی شاہی قاصد پہاڑی قلعہ کی طرف روانہ ہو جائے گا۔"

ملکہ جہاں کا ایک ایک فقرہ، ایک ایک لفظ شمشیر کے دل میں دشنہ و خنجر کی طرح پیوست ہو کر رہ گیا۔ اس انکشاف کے بعد کہ اس کے دونوں مراسلے ملکہ تک پہنچ چکے ہیں اور ولی عہد کی حیثیت میں وہ اس قسم کے احکام جاری کرنے کا مجاز نہ تھا۔ شمشیر کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ دل پر ایک دھچکا سا لگا۔ ذہن پر جیسے برقِ آسمانی گر پڑی اور ایک لمحے کے لیے اس کا پورا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔

"تو کھیل ختم ہو گیا؟" فوراً ہی اس نے جھرجھری سی لی اور ملکہ بیگم کو دیکھا جو غم و غصہ میں کپکپاتی وہ دریچے کی طرف مڑ گئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ اُس کی توقعات کے خلاف ہوا ہے۔

شمشیر پتھر کی طرح ساکت و صامت کھڑا اُس کے ہاتھ میں اُن مراسلوں کو دیکھ رہا تھا جو ہولے ہولے لیکن مسلسل کانپ رہے تھے۔ اُن کی لرزش سے صاف عیاں تھا، کہ شدتِ غصہ سے نہ صرف ملکہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی بلکہ پورے بدن پر کپکپاہٹ طاری ہے۔ یہ دیکھ کر خود شمشیر کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک خنک لہر پیغامِ اجل کی مانند سرایت چلی گئی۔

دربار اور محل پر قبضہ کر لینے کا منصوبہ نہ صرف ناکام ہو چکا بلکہ قانون سے لاعلمی کے باعث وہ ایک خطرناک اور سنگین جرم کا مرتکب بھی ہوا تھا، جسے خود ملکہ جہاں نے "جرمِ بغاوت" کے نام سے تعبیر کیا۔ اگر وہ شہزادہ خرم کا ہم شکل نہ ہوتا تو یہی جرم اس کی قسمت پر موت کی مُہر ثبت کر دینے کے لیے کافی تھا۔ شمشیر لرز کے رہ گیا۔ سوچا اگر ملکہ کو جو اپنے بیٹے سے والہانہ محبت کرتی ہے، یہ معلوم ہو جائے۔ وہ اس کا بیٹا نہیں بلکہ اس کے بیٹے کا قاتل ہے تو شاید وہ گھائل پنچھی کی طرح تڑپ کر گرے اور جان دے دے، نجانے کیوں وہ اس عورت کو غمگین و پریشان نہ دیکھ سکتا تھا۔

شمشیر نے اندازہ کر لیا۔ بلکہ شدید ذہنی کرب میں مبتلا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا تھا۔ اگرچہ اس کی اپنی لاعلمی اور غلطی کی وجہ سے حکومت و اختیار کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لیکن ماں کی ممتا کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا۔ ملکہ کا ذہنی کرب اور غم و غصہ کا اظہار ثبوت تھا اس امر کا کہ ممتا کا دروازہ کھلا ہے اور وہ اُس کی دہلیز پر کھڑی اپنے بیٹے کی سرکشی کو اپنی زخم خوردہ ممتا کے دامن میں چھپا لینا چاہتی ہے۔ اب اس کے سوا اور

کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ اس دامن سے لپٹ جائے اور "ماں" کا ہاتھ تھام کر "روٹھی ہوئی ملکہ" کو منا لے۔

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ملکہ بڑی آہستگی سے اپنے پاؤں پر گھومی اور شمشیر کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

"خرم —! کیا ضروری تھا تخت نشینی سے پہلے ہی تم میرے دل پہ یہ زخم لگاؤ۔ تم تو ماں کو پریشان دیکھ کر تڑپ جایا کرتے تھے مگر آج میری آنکھوں کو یہ آنسو کس نے بخشے ہیں؟" ملکہ ہاتھ لہرا کر بولی۔

"تم نے ....."

شمشیر نے دیکھا اُس کی پلکوں سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر عارضوں پر بہنے لگے ہیں وہ کانپ اُٹھا۔ ملکہ کے آنسوؤں نے شمشیر کو لرزہ براندام کر دیا۔ سوچے سمجھے بغیر لپک کر آگے بڑھا اور دو زانو ہو کر اس کے قدموں میں جھک گیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں امی حضور —! مجھ سے غلطی ہوئی۔ بزرگ فیروز شاہ کا کوئی قصور نہیں۔ میں ہی قانون بھول گیا تھا۔ مجھے معاف کر دیجیے۔"

ملکہ نے آنسو پونچھے پھر دونوں ہاتھوں سے شمشیر کو اٹھایا اور کہنے لگی۔

"جانِ مادر —! سلطنت بھی تیری ہے اور اعیانِ سلطنت بھی تیرے ہیں۔ حکومت کی باگ خود سنبھالنے کے بعد تو جب اور جسے چاہے تبدیل کر سکتا ہے لیکن تجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے عقلمند حکمران قدیمی غمگساروں اور آزمائے ہوئے بہادروں کو سینے سے لگا کر رکھتے ہیں جو آڑے وقت پر ڈھال کا کام دیتے اور آقا پر اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ شاید تو یہ بھی بھول گیا۔ رستم خان اور شبلی بابا نے اس سلطنت کو جس کا تو وارث ہے اپنا خون پلا کر جوان کیا ہے۔ ہماری گردنیں ان دونوں کے احسانات سے خم ہیں۔ تجھے اُن کی علیحدگی و برطرفی کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں لانا چاہیے۔"

شمشیر شرمندہ و نادم سر جھکائے کھڑا تھا۔ اُس نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہو گی۔"

ملکہ کسی قدر سنبھل چکی اور اس کے بدلے ہوئے رویہ پر قدرے مطمئن تھی پھر بھی اس نے نوجوان شہزادے کو اس خطرے سے آگاہ کر دینا ضروری سمجھا تھا۔

"خرّم ——— ! میں تجھے مطلع کر دینا چاہتی ہوں۔ شاہی فوج رستم خاں کے علاوہ کسی دوسرے سپہ سالار کو ہرگز قبول نہ کرے گی۔ میری یہ بات اپنی عقل کی گرہ میں باندھ لو جس روز تم نے رستم کو نکالا اُسی روز فوج کا اعتماد کھو دو گے اور کئی سردار بغاوت و سرکشی پر آمادہ ہو جائیں گے ——— جانِ مادر ——— ! یہ باتیں خود تمہارے سوچنے کی ہیں اور میں سمجھتی تھی فیروز شاہ نے تمہیں فوجی اونچ نیچ سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ آخر تم پانچ سال تک کیا کرتے رہے ہو؟"

اس اطلاع نے شمشیر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

اُسی وقت زمرّد نے داخل ہو کر داروغۂ محل خوبصورت بیگ کے آنے کی خبر دی۔ اور ملکہ جہاں نے یک لخت ایک ماں سے ملکہ کا رُوپ اختیار کر لیا۔ خوبصورت بیگ اپنی سرکاری وردی میں ملبوس مسلح پہریداروں کے ہمراہ داخل ہُوا اور اُس نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے لاچی خاں کو ملکہ کے قدموں میں پھینک دیا ——— شمشیر کی نبضوں میں خون کا دورہ رُک گیا۔ دہشت زدہ نظروں سے لاچی خاں کی طرف دیکھا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"امی حضور! لاچی خاں میرا دوست، میرا شیرِ خاص ہے اسے کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے؟"

"پانچ برس پہلے تو تمہارے دوستوں میں لاچی خاں نام کا کوئی آدمی نہیں تھا پھر یہ تمہارا دوست کب بن گیا؟"

ملکہ کے لہجے میں سرزنش اور آواز میں تحکم تھا شمشیر اس غیر متوقع سوال سے بوکھلا اُٹھا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ برافروختہ ملکہ کے اندر جیسے حاکمانہ رُوح کروٹ لے کر جاگ اٹھی تھی۔ اُس نے قہر آلود نگاہوں سے لاچی خاں کی طرف دیکھا جو فرش پر اوندھے مُنہ پڑا تھا اور گرجتی ہوئی آواز میں اُسے اُٹھنے کا حکم دیا ——— لاچی خاں کے بدن پر لرزش طاری تھی۔ اُس نے عجیب سی نظروں سے شمشیر کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں بتا دیا اس کی زندگی تلوار کی دھار پر لٹک رہی ہے۔ ایک بار پھر شمشیر نے "ماں" کو مخاطب کیا۔

"امّی حضور ——— ! اپنے ساتھ میں لاچی خاں کے لیے بھی معافی کا طلبگار ہوں"۔

ملکہ شیرنی کی طرح دھاڑی۔

"خرّم ——— ! اب یہاں تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔ اپنے کمرے میں جاؤ کہیں تمہارے متعلق بھی ہمیں اپنا فیصلہ بدلنا نہ پڑے"۔

شمشیر نے بے بسی کی نظروں سے ملکہ کی طرف دیکھا جن میں غم و غصّہ کی چمک بھی عیاں تھی۔ ملکہ نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھ لیا اور گرجی ——— "کیا تم نے ہمارا حکم نہیں سُنا ——— چلے جاؤ اور ایک مجرم کے لیے ہم سے رحم کی درخواست نہ کرو"۔

شمشیر ملکہ کے بگڑے تیور دیکھ کر سمجھ گیا۔ اس وقت تکرار حالات کو مزید خراب کر دے گی۔ غصّہ و خفگی کے عالم میں تیزی سے مڑا اور لاچی خاں کو دیکھے بغیر کمرہ سے نکل گیا۔ لاچی خاں کو محسوس ہُوا جیسے اُس کی گردن پر شمشیر برہنہ چل گئی ہو اُس کے نزدیک زندگی کا آخری دروازہ بھی بند ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ تیمور کے ساتھ شاہی محل کی راہداری میں داخل ہُوا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے "بابِ ذیشان" پر روک لیا جائے گا۔ نہ صرف روک لیا جائے گا بلکہ داروغۂ محل خوبصورت بیگ جسے وہ برطرف کر چکا تھا۔ محافظ افسر مہرو اور اُس کے سپاہیوں کے ہمراہ موت کی طرح اچانک اُسے گھیر کر زنجیر پہنا دے گا۔ اُن کے عقب میں شاہی فوج کے حاکمِ اعلیٰ رستم خاں کو دیکھ کر تو اس کے ہوش و حواس سلب ہو گئے تھے۔ اس گرفتاری پر اس نے احتجاج کیا اور ولی عہد کی دوستی کا بار بار حوالہ دیا لیکن رستم خاں نے یہ انکشاف کر کے اُسے دم بخود کر دیا تھا کہ اُس کی گرفتاری ملکہ جہاں کے حکمِ خاص سے عمل میں آئی ہے۔ داروغۂ محل نے تیمور کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ تو بچ نکلا لیکن لاچی خاں اس وقت پابہ زنجیر ملکہ کے حضور کھڑا تھا۔ جس کی قہر آلود نظریں برچھیوں کی مانند اس کے دل میں اُتر رہی تھیں۔ وہ غضبناک لہجے میں بولی۔

"تم ولی عہد کے دوست اور شیرِ خاص ہو۔ تمہی نے اُسے ہمارے پرانے وفاداروں کو برطرف کرنے اور حکومت پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ جُرم بغاوت سے کم نہیں"۔

لاچی خاں کو سانپ سونگھ گیا۔ یک لخت وہ ملکہ کے قدموں میں گر کے گڑگڑانے لگا۔ "رحم ——— ملکۂ عالم ——— ! رحم"۔

پھر اس نے کپکپاتی آواز میں بتایا۔ "ولی عہد" ملکۂ عالیہ سے بغاوت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ خود وہ بھی نوروز خاندان کا ایک ادنیٰ خادم اور جاں نثار ہے جو شہزادۂ عالی کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے۔

لاچی خاں کی چرب زبانی اور اظہارِ وفاداری نے ملکہ کو متاثر کیا اور اُس نے زنجیریں کھولنے کا حکم دے دیا۔ جب زنجیروں سے رہا ہو چکا تو ملکہ نے کہا۔

"اگر تم ولی عہد کے دوست نہ ہوتے تو تمہاری لاش شہر کے دروازہ پر لٹک رہی ہوتی۔ لیکن ہماری اس تادیب کو ہمیشہ یاد رکھو اور آئندہ شاہی افسروں اور ہمارے وفاداروں سے اُلجھنے کی کوشش سے باز رہو۔ تم صرف خرم کے دوست ہو۔ سرکاری عہدے دار نہیں لہٰذا محتاط رہو۔ یہ مت بھولو تمہارے غلط مشورے ولی عہد کے مستقبل کو بھی تاریک کر سکتے ہیں۔"

لاچی خاں نے اپنی مکمل اور غیر مشروط وفاداری کا یقین دلایا بلکہ ملکہ کے رحم و کرم کا دیر تک شکریہ ادا کرتا رہا۔ سمجھدار ملکہ نے اتنی تادیب ہی ضروری سمجھی کیونکہ وہ شہزادہ کا دوست تھا اور ماں اپنے بیٹے کو ناراض بھی نہ کرنا چاہتی تھی۔ اُس کے نزدیک لاچی خاں کی گرفتاری اور توہین اُسے راہِ راست پر لانے کے لیے کافی تھی۔ جب وہ لوگ رخصت ہو چکے ملکہ نے تالی بجائی اور دلارام مسند کے عقبی پردوں سے نکل کر سامنے آ گئی۔ ملکہ نے اُسے قریب بلایا اور سرگوشی کرتے ہوئے

"دلارام ——! آج سے تم 'قصرِ ذیشان' میں خدمت و حاضری کے علاوہ شہزادہ خرم اور اس کے ملنے والے دوستوں کی خفیہ نگرانی بھی کرو گی۔ میں جاننا چاہتی ہوں۔ وہ کیا چاہتا ہے اور دوست اُسے کس قسم کے مشورے دیتے ہیں مگر تمہیں یہ کام بڑی ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔"

دلارام نے چونک کر ملکہ کی طرف دیکھا پھر گردن جھکا دی۔

(منظر ۱۸)

دامِ فریب

طوفان آیا اور گزر گیا۔

بجلیاں کوندیں لیکن ان کے شعلے بادلوں ہی میں تیر کر ٹھنڈے ہو گئے۔

اپنی تدبیر کی ناکامی اور لاچی خاں کی گرفتاری پر شمشیر نے سمجھ لیا تھا۔ اب اس کا قصہ ختم ہو گیا کیونکہ وہ ملکہ جہاں، اعیانِ دولت اور قانون کی نظروں میں رسوا ہو چکا ہے۔ جس تقدیر نے اس کے ایک معمولی سے منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دیا شاید وہ حکمرانی کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دے۔ اپنے کمرے میں آ کر زخمی بھیڑیے کی طرح چکر کاٹتا رہا لیکن جب اُسے معلوم ہوا ملکہ جہاں نے لاچی خاں کو بخش دیا اور اس کی زنجیریں کھول دی گئی ہیں شمشیر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی بھیانک خواب سے جاگ اُٹھا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد لاچی خاں خود اُس کے کمرۂ خاص میں موجود تھا۔ دونوں ملکہ کی مہربانی کو اپنے لیے نیک فال سمجھ رہے تھے۔ شمشیر کا خیال تھا، ملکہ چونکہ اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ اس لیے اُس نے بیٹے کے مجرم دوست کو بھی بے رحم قانون کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ پھر وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا۔

"لاچی خاں ——! تم کتنے بیوقوف آدمی ہو۔ قانون کو سمجھے بغیر۔ منصب کے

فرمان لکھنے بیٹھ گئے! تمہیں معلوم ہونا چاہیے ولی عہد کی قانون سے لاعلمی بھی ایک جرم ہے۔"

"سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟" لاچی خان افسردہ آواز میں کہنے لگا۔

"ہمارا منصوبہ ناکام رہا جس کا مجھے بے حد افسوس ہے لیکن ابھی ایک اور خطرہ باقی ہے۔"

"خطرہ —— کون سا خطرہ؟"

"ولی عہد کی انگوٹھی —— وہ مہر خاص جس کے بغیر شہزادۂ عالی کا کوئی فرمان، کوئی حکم سرکاری حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔"

پھر لاچی خان نے اُسے صرف انگوٹھی کی اہمیت سے آگاہ نہیں کیا بلکہ شبانی بابا کی وہ بات بھی دہرا دی کہ اگر ولی عہد نے انگوٹھی کھو دی تو ایک دن اپنی سلطنت بھی کھو دیگا۔ لاچی خان نے بتایا وہ شاہی انگوٹھی نوروز خاندان کا تاریخی ورثہ اور مبارک سمجھی جاتی ہے۔ یہ روایت بھی مشہور ہے۔ جو ولی عہد اس تاریخی انگوٹھی کو کھو دے گا وہ ریاست کے تخت و تاج سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

اِس انکشاف نے شمشیر کو ایک نئے ورطۂ فکر میں ڈال دیا۔ نجانے کیوں ملکہ جہاں کی غیر معمولی محبت و شفقت دیکھ کر اُسے بار بار یہ خیال پریشان کرنے لگتا تھا کہ اس عورت کے ساتھ فریب کھیلنے کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ کوئی غیبی آواز تھی جو اُسے کہہ رہی تھی۔ خبردار —— ! اس ماں کو دھوکا دے کر جو اپنے بیٹے کی محبت میں دیوانی ہے تم کامیابی حاصل نہ کر سکو گے۔

اس غیبی انتباہ نے کئی مرتبہ شمشیر کے ارادے متزلزل کر دیئے تھے۔ اب ولی عہد کی خاندانی انگوٹھی کے متعلق ایک نئی روایت سُن کر اس کا دِل ڈوبنے لگا —— کیا قدرت کو منظور نہیں کہ وہ اِس سلطنت پر حکومت کر سکے جس کے وارث کو تلوار کے گھاٹ اتار چکا ہے؟

ایک طرف دِل کی آواز تھی دوسری طرف اس مردِ اسرار کی خوفناک دھمکی جس نے اُسے شہزادی گلبانو سے دُور رہنے اور شادی سے اِنکار کے لیے صرف سات دِن کی مہلت دی تھی —— اور ایک دن گزر چکا تھا۔

اس نے گہری افسردگی اور مایوسی کے عالم میں لاچی خان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"معلوم ہوتا ہے قدرت ہمارے خلاف صف آرا ہو چکی ہے۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں سردار! ہر زخم کے لیے مرہم اور ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ اگر دلارام قابو میں آ جائے تو اس سے کوئی پرانا فرمان بہ آسانی مل سکتا ہے جس پر ولی عہد کی مہر ثبت ہو۔ میں اس کے مطابق نئی مہر بنوا لوں گا لیکن نقش جلد از جلد حاصل کرنا چاہیے اگر انگوٹھی کی گمشدگی کا پتہ چل گیا تو آپ کے بارے میں لوگوں کی رائے بدلنا شروع ہو جائے گی۔ ممکن ہے تاجپوشی ہی رُک جائے۔"

شمشیر نے تشویش آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا وہ انگوٹھی مجھے سلطنت سے محروم کر دے گی؟"

"خیال تو یہی ہے لیکن نقش مِل جائے تو میں ایسا کاریگر ڈھونڈ لوں گا جو اُس مصنوعی انگوٹھی کی ہو بہو نقل تیار کر سکے۔ میں انگوٹھی کے بارے میں سب کچھ معلوم کر چکا ہوں۔"

شمشیر نے کچھ سوچا پھر اُٹھ کر گونگ پر ضرب لگائی۔ فوراً ہی ایک کنیز حاضر ہو گئی اُس نے حکم دیا۔ "دلارام کو فوراً پیش کرو۔"

کنیز اُلٹے قدموں باہر نکل گئی اور چند ہی ساعتوں کے بعد دلارام کمرۂ خاص میں کھڑی تھی۔ جب سے شمشیر محل میں آیا یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے دلارام کو خود بلایا۔ دلآرام نے آتے ہی طنز کا نشتر چلایا۔

"آج حضور کو کنیز کیسے یاد آ گئی۔ اگر آپ نے اس خادمہ کو یاد رکھا ہوتا تو قانون ہرگز نہ بھولتے۔"

"ہمیں افسوس ہے دلارام —— ! مصروفیت کی وجہ سے تمہیں یاد نہ کر سکے۔"

"اگر بار گراں نہ ہو تو کچھ عرض کروں۔" دلآرام نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔

"ہم شوق سے سُنیں گے۔"

"بُرا نہ مانیے گا حضور! لوہار تلوار کو آب اُس وقت دیتے ہیں۔ جب وہ پوری طرح تیار ہو جائے۔ آپ نے کنیز کا مطلب سمجھ لیا ہوگا۔"

"ہمیں خوشی ہے۔ ماضی کی طرح تم آج بھی ذہین اور سمجھدار ہو۔"

یہ کہہ کر شمشیر نے گویا اعتراف کر لیا کہ اس کے مشوروں کا محتاج ہے۔ یہی بات دلارام کی خوشی کا باعث ہوئی۔ چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑ گئیں پھر کسی قدر جھک کر بولی۔ حضور

نے کہا

شمشیر ذرا سنبھل کر بولا۔

'دلارام —— ! تمہیں یاد ہوگا۔ پانچ برس پہلے تم ہماری 'زبان' کہلاتی تھیں ہمارے تمام احکام تمہارے ذریعے نافذ ہوتے تھے۔'

'یاد ہے صاحبِ عالم —— !'

'تمہارے پاس ہمارا کوئی پرانا فرمان تو ضرور ہوگا۔'

'جی —— ! دلارام سوچ میں پڑ گئی۔

شمشیر نے فوراً بات بنائی —— 'ہمارا مطلب ہے۔ تم ہمارے احکام سنبھال کر رکھتی تھیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں تم نے اُن کی حفاظت بھی کی یا ہمارے بعد انہیں کھو دیا؟'

شمشیر نے اندھیرے میں تیر چلایا اور یہ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔

دلارام نے پوچھا۔

'کتنے فرمان چاہئیں آپ کو ؟'

'ایک —— دو —— دس —— بیس ——' شمشیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

'بہت بہتر —— صبح پیش کر دوں گی۔'

دلارام کی حاضری کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ 'قصرِ ذیشان' سے نکل کر 'قصرِ گلریز' کی طرف چل دی۔ اگرچہ اس بات پر خوش تھی۔ ولی عہد نے اس کی حیثیت بحال کر دی ہے۔ لیکن حیران تھی اُس نے پرانے احکام کیوں طلب کیے ؟ وہ چلتے چلتے یہی سوچتی رہی آخر اس عجیب و غریب خواہش کا مقصد کیا ہو سکتا ہے ؟ مگر ذہن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

"قصرِ گلریز" میں پہنچی تو شام کا اندھیرا اپنے پَر پھیلا چکا تھا اور کنیزوں نے قندیلیں اور فانوس روشن کر دیئے تھے۔ جب سے شمشیر نے اس قصر میں آنا شروع کیا تھا تب سے سرِ شام ہی تمام قندیلیں جگمگا اُٹھتی اور کمرۂ خاص کے بلوریں فانوسوں کی شمعیں جھلملانے لگتی تھیں مگر خلافِ معمول آج یہ قصر اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ شہزادی گلبانو کے کمرہ میں صرف ایک اندھی سی شمع ٹمٹما رہی تھی جس سے تاریکی کا احساس کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ شاید "قصرِ گلریز" کی کوئی کنیز اس تاریکی کا مطلب نہ سمجھتی ہو لیکن دلارام یقیناً جانتی تھی

یہ اندھیرے شہزادی گلبانو کے دل ویران کا عکس ہیں۔ اس اطلاع نے کہ شہزادہ خرم اس سے شادی کرنے پر رضامند نہیں اور اس نے ملکہ جہاں کو اس مضمون کا ایک خط بھی لکھا ہے۔ نازک اندام شہزادی کا دل پاش پاش کر دیا تھا۔ جب دلارام نے اس خبر کی تصدیق کر دی اور اُسے بتا دیا تھا کہ ولی عہد شروع سے اس رشتہ کو ناپسند کرتا اور گلبانو کو بہن سمجھتا رہا ہے تو اس کے حسین خیالوں کے صنم کدے ایک شدید جھٹکے سے زمین بوس ہو گئے جیسے بھونچال کسی عمارت کو پیوندِ زمین کر دیتا ہے۔ اس کے احساس و تصور میں حسین مسرتوں کے وہ رنگین فانوس ایک دم بجھ گئے تھے جن کی راحت آگیں شعاعوں نے قلب و ذہن کو منور کر دیا تھا اور وسیع و بسیط اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔ وہ جانتی تھی۔ جب شہزادہ کا دل کسی اور کے جلوۂ حسن و محبت سے آباد ہو چکا ہے۔ یہ بھی علم تھا۔ اُن دونوں کی منگنی سلطان مرحوم نے خود طے فرمائی اور یہ شرط بھی رکھی تھی اگر ولی عہد بوجوہ گلبانو سے شادی نہ کرے تو اُسے تخت و تاج سے محروم ہونا پڑے گا۔ اب شہزادی کے نزدیک ولی عہد اُس سے صرف اس لیے پیار کا ناٹک کھیل رہا تھا کہ اس سے رسمی طور پر شادی کر کے تخت و تاج حاصل کر سکے۔ اس کے بعد کیا ہوگا ؟

انہی اندیشوں اور خطروں نے گلبانو کا سکونِ قلب چھین لیا تھا کیونکہ یہ شبہ ہر لمحہ جوان ہو رہا تھا کہ حکومت کے اعلیٰ اختیارات سنبھالنے کے بعد وہ اپنی من مانی کرے گا۔ ممکن ہے گلبانو سے اس کا شاہی اعزاز چھین لیا جائے۔ یہی وسوسے شہزادی کے لیے سوہانِ روح تھے اور اس نے اپنی حسرتوں پر تاریکی کا پردہ ڈال دیا تھا۔

دلارام کمرے میں داخل ہوئی تو گلبانو نیم تاریک گوشہ سے اس کی طرف بڑھی۔ دیر سے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اگرچہ کنیزوں کی زبانی آج کا واقعہ سُن چکی لیکن صحیح اطلاع صرف دلارام ہی دے سکتی تھی۔ لاچی خاں کی گرفتاری اور رہائی کا قصہ ہر طرف پھیل گیا تھا۔ گلبانو کو اس واقعہ سے ذرہ بھر دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو دلارام سے کچھ اور ہی باتیں کرنے کے لیے مضطرب تھی۔ کنیزِ خاص نے حیرت سے خاموش قندیلوں اور شمعوں کو دیکھ کر پوچھا۔

'آج قصرِ گلریز اندھیرے میں کیوں ڈوبا ہے ؟'

'دل کے چراغ بجھ جائیں تو روشنی کہاں سے آئے دلارام —— !' گلبانو نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

'مگر یہ اندھیرا آپ کی شکست کا اعلان کر رہا ہے۔ اس طرح ہمت ہار کے بیٹھ

جانا عورت کا شیوہ نہیں :

" دلارام ——— ! اپنے ایک شبہ کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔ تم کسی طرح گونا بستی کی مچھیرن لڑکی نیلی کو یہاں لے آؤ "۔

" کیا ——— ؟" دلارام حیرت زدہ رہ گئی۔

گلبانو نے اُسے بتایا کہ نیلی کو شہزادہ خرم کی طرف سے ملاقات کا پیغام دیا جائے۔ اگر اسے ولی عہد کی محبت پر اعتبار ہے تو ضرور آئے گی۔

پھر شہزادی نے اُسے پورے منصوبے سے آگاہ کیا جس پر عمل پیرا ہو کر وہ راز محبت سے واقف ہو سکتی تھیں۔ یوں تو دلارام بھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ کہیں گونا بستی میں پیار کی نئی کہانی تو جنم نہیں لے چکی۔ لیکن اس کا خود گونا بستی میں جانا اور نیلی کو "شہزادہ" کی ملاقات کا فریب دیکر شہر میں لانا ایک خطرناک جسارت تھی۔

چالاک کنیز نے فوراً ہی ایک ترکیب سوچ لی۔ اس نے شہزادی کو بتایا۔ وہ ایک عورت کو جانتی ہے جو چند سکوں کے عوض اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے۔ شہزادی گلبانو اس راز سے پردہ اُٹھانے کے لیے اس قدر مضطرب تھی کہ فوراً ایک گوشہ کی طرف بڑھی پھر اُس نے آبنوس کی ایک صندوقچی سے سونے کی چند مہریں نکالیں اور دلارام کے ہاتھ پر رکھ کر بولی۔

" کام فوراً ہو جانا چاہیے۔ یہ رہا اس عورت کا معاوضہ "۔

دلارام نے اشرفیاں چھوٹی سی چرمی تھیلی میں ڈالیں اور اسی لمحے " قصر گلرینہ " سے چل دی ——— قمشیر کے خلاف تقدیر نے ایک اور دام بچھا دیا تھا۔

دوسرے روز آفتاب ابھی افق سے چند نیزے بلند ہوا تھا کہ دو عورتیں جن میں ایک بوڑھی اور دوسری جوان تھی۔ شاہی محل کے عقبی دروازہ سے پائیں باغ میں داخل ہوئیں اور پھل دار درختوں اور پودوں کے درمیان چلتی آس اونچی فصیل کی طرف بڑھیں۔ جس کا بھاری دروازہ شاہی محل کے وسیع و عریض صحن میں کھلتا تھا مگر دروازہ کی طرف جانے کی بجائے وہ آہنی سلاخوں والی اُس کھڑکی کے پاس جا کر رُک گئیں جو فصیل کے مشرقی گوشہ میں واقع تھی۔ بوڑھی عورت نے سلاخوں کے اندر ہاتھ ڈال کر دہلیز سے ایک کیل نکالی اور

کھڑکی کی چوکھٹ کو دھکیلا تو پوری چوکھٹ سلاخوں سمیت گھوم کر وسط میں رُک گئی۔ وہ کھڑکی میں دو حصانی خلائیں نمودار ہوئیں۔ بڑھیا نے نوجوان لڑکی کو سرگوشی میں کچھ سمجھایا اور کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ نوجوان لڑکی ایک خلا میں داخل ہوئی اور تاریک حجرہ میں پہنچ گئی۔

وہ لڑکی گونا بستی کے سردار شاہو کی حسین بیٹی نیلی کے سوا کوئی اور نہ تھی جسے بڑھیا کی ہدایت کے مطابق اُسی حجرہ سے نکل کر شاہی محل میں پہنچنا اور سرخ غلام گردش کے تیسرے دریچے کے قریب جا کر مخصوص تالی بجانا تھی۔ جس کے بعد کوئی کنیز آسے دلارام تک اور دلارام "شہزادہ عالی" تک پہنچا دینے کی ذمہ دار تھی۔ نیلی کو تاکید کر دی گئی تھی وہ صرف دلارام ہی سے اپنا مقصد بیان کر سکتی ہے کیونکہ شاہی محل میں صرف وہی عہد کی رازدار ہے۔

جونہی نیلی حجرے میں داخل ہوئی بڑھیا کھڑکی کی چوکھٹ گھما کر پھر اصل حالت میں لے آئی۔ اس نے جلدی سے چوکھٹ میں کیل پروئی اور بجلی کے کوندے کی مانند بیرونی دروازہ کی طرف لپکی۔

نیلی جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ اس کے محبوب شہزادہ نے ضرور کسی اہم مقصد کے لیے " خفیہ ملاقات " کا بندوبست کیا اور اُسے شاہی محل میں طلب کیا ہے۔ اگرچہ قصر و ایوان کے دستور سے ناواقف اور شاہی اسرار سے نامحرم تھی مگر دل کڑا کر کے حجرہ سے نکلی اور ایک تاریک راہداری عبور کر کے محل کے عقبی حصہ میں آ گئی۔ چند گز کے فاصلے پر سرخ غلام گردش کی ہلالی محرابیں گویا اُسے " خوش آمدید " کہہ رہی تھیں اُس نے کبھی خواب میں بھی شاہی محل دیکھا نہ کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ عالی شان محلات اور شاہی قصروں کی دُنیا میں داخل بھی ہو سکے گی مگر قدرت نے چند ہی روز کے اندر اُس کی زندگی میں ایک حسین انقلاب پیدا کر دیا اور اب قسمت اس کا ہاتھ پکڑ کر شاہی محل میں لے آئی تھی۔

اُسے محل کا جو نقشہ ذہن نشین کرایا گیا تھا اب وہ اُس کے سامنے تھا۔ اپنے دل میں محبت کی عجیب اور سرور آمیز سی دھڑکنیں لیے اُس نے چند گز کا فاصلہ جلدی سے طے کیا اور سرخ غلام گردش میں پہنچ گئی۔ ہلالی محرابی کے مدور ستون اُسے سرگوشیاں سی کرتے محسوس ہوئے۔ تیسرے دریچے کے پاس رُک کر اُس نے تین بار مخصوص تالی بجائی۔ فوراً ہی ایک دروازہ کھلا۔ خادمہ باہر آئی اور نیلی ہدایت کے مطابق بولی۔

" مجھے دلارام سے ملنا ہے "۔

کنیز نے اُس کے سراپا کا جائزہ لیا پھر —— "میرے ساتھ آؤ" کہہ کر مڑی اور دروازہ میں داخل ہو گئی۔ نیلی نے چُپ چاپ اس کی پیروی کی۔ اب وہ ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں کھڑی تھی جس کے فرش پر نرم، دبیز قالین، دروازوں اور دریچوں پر لٹکتے زربفت کے رنگین پردے اُس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ یہ دراصل "قصرِ گلریز" کا عقبی کمرہ تھا اور اسی کمرہ کو اس ناٹک کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ جو شہزادی گلبانو نے دلارام کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا۔ نیلی نے کسی سحر زدہ انسان کی طرح اِدھر اُدھر دیکھا اور کنیز ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتی بولی۔

"یہاں بیٹھو۔ مَیں دلارام کو اطلاع دیتی ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں غائب ہو گئی اور نیلی ایک بار پھر جذبات کی لہروں پر ڈولنے لگی۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ پردہ کو حرکت ہوئی اور دلارام پھولوں کی چھڑی کی مانند لہراتی اُس کے قریب پہنچ گئی۔ نیلی اُس کے لباس کی سج دھج دیکھ کر بوکھلا سی گئی۔ اگر اس نے بچشمِ خود دربار میں شہزادی گلبانو کو دیکھ نہ لیا ہوتا تو یہی سمجھتی شاید دلارام کے بہروپ میں شہزادی اُس کے سامنے آ گئی ہے۔

"مجھے دلارام کہتے ہیں"۔ اُس نے اپنا تعارف کرایا اور نیلی کے حسن و جمال میں کھو کے رہ گئی۔

"دلارام —— !" نیلی جیسے خواب میں بڑبڑائی پھر ذرا سنبھل کر بولی۔ "مجھے شہزادۂ عالی کے پاس لے چلو"۔

"کون ہو تم ؟" دلارام نے گویا لاعلمی کا اظہار کیا۔

"میرا نام نیلی ہے ...... نیلوفر ...... مَیں گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی ہوں"۔

"مگر تم شہزادۂ عالی سے کیوں ملنا چاہتی ہو!"

"تو کیا تمھیں معلوم نہیں اُنھوں نے مجھے خود بلایا ہے ؟"

دلارام نے نفی میں سر کو جنبش دی "شہزادہ عالی نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا"۔

"اوہ ......" نیلی کے سُرخ پنکھڑیوں ایسے ہونٹوں پر ایک کراہ سی تیر گئی پھر وہ دلارام کی طرف دیکھ کر کہنے لگی —— "مجھے تو یہی بتایا گیا تھا شاہی محل میں صرف تم ولی عہد کی رازدار ہو اور یہ ہدایت بھی کی گئی تھی۔ مَیں تمھارے علاوہ کسی اور سے اس ملاقات کا ذکر نہ کروں"۔

دلارام کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ ابھری۔ "گھبراؤ نہیں۔ ممکن ہے

شہزادۂ عالی مجھے اس ملاقات کے متعلق بتانا بھول گئے ہوں مگر اُن کی رازداری کا شرف صرف مجھی کو حاصل ہے۔ مَیں جانتی ہوں، وہ بستی کی کسی لڑکی سے پیار کرتے ہیں۔ آج اس لڑکی دیکھنے کا موقع بھی مل گیا۔ واقعی تم خوش قسمت ہو ......"

یہ کہتے کہتے دلارام ہرنی کی طرح چونک کر ٹھٹکی اور اُس کی پھٹی پھٹی تحیر زدہ آنکھیں نیلی کے دائیں ہاتھ پہ مرتکز ہو گئیں جس میں صفدر نگر کے ولی عہد کی خاندانی انگوٹھی —— مُہر خاص کا ہیرا چمک رہا تھا۔ فوراً ہی اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک قدم آگے بڑھ کر نیلی کا وہی ہاتھ تھام لیا۔

"تمہارے ہاتھ میں ولی عہد کی انگوٹھی ...... ؟"

"یہ انگوٹھی شہزادۂ عالی نے مجھے خود پہنائی تھی"۔

"کب ؟"

"جب وہ زخمی ہو کر ہماری بستی میں پناہ لینے آئے تھے"۔

دلارام اس عجیب انکشاف پر حیران سی رہ گئی۔ اُس نے پوچھا۔ "مگر وہ زخمی کب ہوئے ؟"

نیلی بھی حیرت میں پڑ گئی کہ شہزادہ نے اتنے اہم واقعہ کا محل میں تو کیا اپنی محرمِ راز کنیز سے بھی ذکر نہیں کیا۔ دلارام کے استفسار پر اُس نے بتایا۔

چند روز پہلے جب وہ پہاڑی قلعہ سے صفدر نگر کی طرف آ رہے تھے۔ سانگا جنگل میں اُن کی مڈبھیڑ شمشیر ڈاکو سے ہو گئی تھی۔ ڈاکوؤں نے شہزادہ کو جنگل میں اچانک گھیر لیا اور اُن کے محافظ سپاہی قتل کر دیے۔ اس لڑائی میں شہزادہ بھی بُری طرح زخمی ہو گئے لیکن خوش قسمتی سے وہ ڈاکوؤں کا گھیرا توڑ کر گونا بستی کی طرف نکل آئے —— پھر اُس نے چودھویں رات کے رقص —— گھوڑے کی گردن پر بے ہوش زخمی شہزادہ کی آمد۔ سردار کا اُسے اپنے گھر لے جا کر مرہم پٹی کرنے —— اچانک شمشیر ڈاکو کے آنے اور اپنی انوکھی ترکیب سے شہزادہ کی جان بچانے کا تمام ماجرا سنا دیا۔ دلارام حیرت زدہ یہ خطرناک واقعہ سُن رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اُس کے تعجب میں اضافہ بھی ہو رہا تھا کیونکہ نیلی کے بقول ولی عہد پورے چار دن گونا بستی میں سردار شاہو کا مہمان رہا اور نیلی اُس کی تیمار داری کرتی رہی۔ دوا کتنی ہی سریع الاثر کیوں نہ ہو چار روز کے اندر، شہزادہ کے زخموں کا اس طرح بھر جانا کہ اُس کے جسم پر کسی خراش تک کا

نشان باقی نہ رہے طلسم ہوشربا سے کم نہ تھا جب کہ نیلی کے بقول اُس کے کندھے پر اتنا گہرا زخم آیا تھا کہ وہ دیکھ کر کانپ اُٹھی تھی لیکن دلارام کے علاوہ محل کے کسی بھی فرد حتیٰ کہ ملکہ جہاں اور حکیم شفائی تک نے شہزادہ کے جسم پر کسی زخم کے آثار نہ دیکھے تھے کہیں نیلی غلط بیانی تو نہیں کر رہی ؟ اگر ولی عہد کے ساتھ ایسا ہولناک اور زہرہ گداز حادثہ ہو گزرا اور اُس کے تمام محافظ سوار ٹھاکوؤں کی تلواروں کا لقمہ بن گئے تو اس نے صفدر نگر میں پہنچ کر اس حادثہ کا ذکر کیوں نہ کیا ؟ یہ بات تو مزید تعجب انگیز تھی جب شہزادہ کے محافظ سپاہی قتل ہو گئے اور وہ چار دن تک گنا بستی میں زیر علاج رہا تو اُس کی صفدر نگر میں آمد پر محافظ رسالہ کے سوار کہاں سے آ گئے ۔ کیونکہ شہزادہ خرم باقاعدہ اپنے شاہی دستہ کے ہمراہ صفدر نگر میں آیا اور سپہ سالار رستم خاں نے اس کا شاندار استقبال کیا تھا ؟

دلارام سوچ میں پڑ گئی ۔ اُس نے غور سے نیلی کے چہرہ کو دیکھا پھر پوچھا ۔

" تو شہزادۂ عالی چار روز گنا بستی میں رہے تھے ؟"

" ہاں ـــــ نیلی بڑی سادگی سے بولی ـــــ " اور یہی چار دن میری زندگی میں ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔ اُنھوں نے مجھے پیار کے سپنے دکھائے ۔ اپنی محبت کا یقین دلایا اور یہ انگوٹھی پہنا دی ۔ جب میں نے بابا کو بتایا کہ پردیسی نے مجھے انگوٹھی پہنا دی ہے تو بابا ناراض ہوئے پھر انھوں نے پردیسی سے پوچھا ۔ " کیا تم جانتے ہو کسی لڑکی کو انگوٹھی پہنانے کا کیا مطلب ہے ؟" پردیسی نے بابا کے سامنے اعترافِ محبت کیا اور مجھے ان سے مانگ لیا ۔ بھلا ہمیں کیا علم تھا ہمارا پردیسی مہمان دراصل صفدر نگر کا ولی عہد ہے ۔ یہ راز تو اس روز کھلا جب میں نے دربار میں رقص کیا اور اپنے پردیسی محبوب کو شہزادہ خرم کے روپ میں تختِ شاہی پر ملکہ جہاں کے پہلو بہ پہلو جلوس فرما دیکھا ۔"

نیلی نے یہ بھی بتا دیا اور وہ اُس کا پردیسی شہزادہ خرم بابا کے ساتھ جشنِ دربار سے صرف ایک رات قبل ٹھہرائے تھے جس پر دلارام نقشِ حیرت بن گئی اور مشکوک نگاہوں سے نیلی کو دیکھنے لگی کیونکہ شہزادہ خرم جشنِ دربار سے چار دن پیشتر ہی صفدر نگر میں پہنچ گیا اور اس کا ایسا فقید المثال استقبال ہوا تھا کہ صفدر نگر کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا ۔ اب اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی تھی کہ نیلی سراسر جھوٹ بول رہی ہے ۔ شہزادہ خرم سے اُس کی عجیب و غریب ملاقات اور محبت سب افسانوی ہے ۔

نہ صرف دلارام بلکہ پردہ کی اوٹ میں کھڑی شہزادی گلبانو بھی اس کی حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین کہانی سُن کر دم بخود رہ گئی ۔

اچانک دلارام کا لب و لہجہ بدل گیا ۔ اس نے کہا ۔

" نیلی ـــــ ! اب مجھے معلوم ہو گیا ۔ شہزادۂ عالی نے مجھ سے تمہاری اس خفیہ آمد اور ملاقات کا ذکر کیوں نہیں کیا ۔ تم نے ضرور کوئی سہانا خواب دیکھا ہے اور اُس خواب کو حقیقت سمجھ کر شاہی محل میں چلی آئی ہو ـــــ "

" کیا مطلب ؟" نیلی کو دلارام کے الفاظ سے خطرہ کی بُو آئی ۔

" مطلب یہی کہ شہزادہ خرم پہاڑی قلعہ سے واپسی پر نہ تو ڈاکوؤں سے بھڑے نہ اُن کے محافظ سپاہی قتل ہوئے ۔ نہ انہیں کوئی زخم آیا ۔ نہ وہ زخمی حالت میں گنا بستی پہنچے اور نہ تم نے چار روز ان کی تیمارداری کی ۔ وہ تو جشنِ دربار سے چار دن پیشتر ہی اپنے محافظ سواروں کے ہمراہ صفدر نگر پہنچ گئے تھے ۔ تم نے یقیناً کوئی خواب دیکھا یا پھر کسی چالاک آدمی نے تمہیں شہزادہ خرم کے نام پر دھوکا دیا ہے ۔"

دلارام کی باتیں سُن کر نیلی کا رنگ اڑ گیا ۔ حیرت سے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے اچانک اُس نے خود کو سنبھالا اور زبردست قوتِ ارادی کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ دلارام کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر بولی ۔

" اگر میں نے خواب دیکھا اور وہ شہزادہ خرم نہ تھا تو ولی عہد نے یہ انگوٹھی بھی مجھے خواب ہی میں آکر پہنا دی ہو گی ؟"

یہ ایک ایسا مسکت جواب تھا کہ دلارام بھی سناٹے میں آ گئی حالانکہ بات اسی انگوٹھی سے چلی اور کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی لیکن دلارام باتوں میں بھول گئی تھی ولی عہد کی مہرِ خاص نیلی کی اُنگلی میں موجود ہے اور کوئی دیہاتی لڑکی بھی اس انگوٹھی کو جو دراصل سلطنت کی تقدیر سمجھی جاتی ہے یوں ہاتھ میں پہن کر اس کی نمائش نہیں کر سکتی ـــــ وہ سوچنے لگی ـــــ نیلی کو انگوٹھی کس نے پہنائی ؟

اچانک نیلی کو شہزادہ خرم کا خیال آیا ۔ جس نے ابھی چند روز پہلے یقین دلایا تھا کہ وہ اس کی خاطر صفدر نگر کے تخت و تاج کو ٹھوکر مار دے گا ۔ اس نے فرطِ جذبات میں کپکپاتی آواز سے کہا ۔

"دلارام ــــــ! مَیں نے جو کچھ کہا حرف بحرف درست ہے۔ مجھ پر خواب کا الزام لگانے کی بجائے مجھے شہزادہ عالی کے پاس لے چلو۔ وہ میرے بیان کی تصدیق کر دیں گے اور اگر وہ بھی اپنی شاہی مصلحتوں کے باعث میری ملاقات کو ایک افسانہ اور میری محبت کو ایک خواب قرار دے کر مجھ سے دامن چھڑا لینا چاہتے ہیں تو میرے ہاتھ ایک شہزادے کے دامن تک پہنچنے کی گستاخی نہیں کریں گے۔ مَیں ان کی یہ امانت لوٹا کر گونا بستی کا راستہ لوں گی لیکن میرے ساتھ بستی کے لوگ بھی اتنی گواہی ضرور دیں گے کہ شہزادہ خرم چاند کی چودھویں رات کو خون میں لت پت بے ہوشی کی حالت میں ہمارے گاؤں پہنچے تھے اور بستی کے لوگ انہیں گھوڑے سے اُتار کر ہمارے جھونپڑے میں لے گئے تھے۔ بس ایک بار مجھے شہزادۂ عالی کے حضور لے چلو اگر انہوں نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تو مَیں سمجھ لوں گی واقعی مَیں نے ایک خواب دیکھا تھا۔"

نیلی کے الفاظ کی سادگی اور لہجے کی صداقت بتا رہی تھی وہ جھوٹ نہیں بولتی۔ پاگل اور دیوانی بھی نہیں۔ چہرہ اس کے دِلی جذبات کا آئینہ دار تھا۔ بھلا اس سادہ سی خوبصورت لڑکی کو اتنا بڑا جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی پھر سب سے اہم معاملہ ولی عہد کی انگوٹھی کا تھا ــــــ دلارام شش و پنج میں پڑ گئی۔ اُس نے شہزادی گلبانو کے منصوبہ پر اس لیے عمل کیا تھا کہ ایک شبہ کی تصدیق کر سکے لیکن جس طرح طلسمی داستانوں میں جادو کا ایک سر کٹنے سے کئی نئے سر پیدا ہو جاتے ہیں اُسی طرح ایک شبہ سے درجنوں شبہات نے سر اُبھار لیے تھے۔

"تم کیا سوچنے لگیں۔ شہزادۂ عالی تک میری رہنمائی کرو۔"

ابھی دلارام نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ وہی کنیز جو نیلی کو اس کمرہ میں لے کر آئی تھی ٹھٹکتی جھجکتی کمرے میں داخل ہوئی اور دلارام سے کہنے لگی۔

"آپ کو سرکار نے یاد فرمایا ہے۔"

دلارام سمجھ گئی شہزادی گلبانو اس سے بات کرنا چاہتی ہے جو دوسرے کمرہ میں کھڑکی کی اوٹ سے اُن کی تمام گفتگو سن رہی تھی اُس نے نیلی کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی بے چارگی پر رحم آ گیا ہو پھر بولی۔

"مَیں صرف دو گھڑیوں کی اجازت چاہتی ہوں میرا انتظار کرو۔"

یہ کہہ کر کنیز کے ساتھ پردے کے پیچھے غائب ہو گئی اور نیلی حیرت سے دیکھتی ہی رہ گئی۔ مگر دو گھڑی کے بعد جب دلارام دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو ٹھٹک کے رہ گئی۔

کمرہ خالی تھا اور گونا بستی کی حسینہ جا چکی تھی۔ دلارام نے فوراً تالی بجائی، وہی کنیز پھر حاضر ہوئی اور اُس نے کنیز کو نیلی کے تعاقب میں دوڑا دیا لیکن نیلی تو جیسے چھلاوا تھی۔ شاہی محل سے اچانک اس طرح غائب ہوئی کہ اس کا نشان تک نہ مِل سکا۔

پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی جس کی خلا سے نیلی ایک تاریک سے حجرے میں داخل ہوئی تھی بدستور بند تھی اور باغ کے محافظ نے بھی کسی کو باہر نکلتے نہ دیکھا تھا۔ نصف گھنٹہ کی تلاش کے بعد شہزادی گلبانو اور دلارام حیران و ششدر ایک دوسری کے سامنے کھڑی تھیں۔

(منظر۱۹)

موت کے حاشیے

○

نیلی ایک پہیلی بن کر آئی اور معما بن کر چلی گئی۔

اس کی کہانی ناقابلِ یقین —— ناقابلِ فہم تھی بلکہ وہ خود ناقابلِ فہم تھی شہزادی گلبانو کے دماغ نے اُسے سمجھنے سے انکار کر دیا تھا۔ اُس کے نزدیک وہ دیوانی یا فریب خوردہ تھی۔ اُس کی باتیں سن لینے کے بعد شہزادی کا سکونِ رفتہ پھر لوٹ آیا کیونکہ اُس نے شہزادہ خرم کی محبت کا جو افسانہ سنایا اس پر کوئی صحیح الدماغ انسان یقین نہ کر سکتا تھا پھر گلبانو کیسے یقین کر لیتی ؛ مگر دلارام کا ذہن تو گونا بستی کی فضا میں اٹک کے رہ گیا تھا۔

اس نے نیلی کے حسین چہرے پر محبت کے نور کا ایک عجیب سا عکس دیکھا تھا۔ آنکھوں میں برہنہ شمشیر کی مانند پیار کی چمک محسوس کی تھی۔ اُس کے تجربے تیور بھی صداقت اور خلوصِ محبت کی غمازی کر رہے تھے۔ دلارام بار بار یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ گونا بستی میں کچھ نہ کچھ ہُوا ضرور ہے —— نیلی کو سحرِ خواب کا سا کوئی حسین واقعہ پیش یقیناً آیا ہے۔ ورنہ شہزادہ خرم کی ملاقات اور محبت کے بارے میں اتنے وثوق سے گفتگو کرتی مگر گونا بستی میں کیا ہوا تھا —— نیلی کو محبت کا خواب آگیں سا واقعہ کیسے پیش آیا تھا جس نے گاؤں کی ایک الھڑ دوشیزہ کی نسوں میں پیار کی بجلیاں سی بھر دیں۔

یہ معما —— یہی عقدہ حل نہ ہو سکا۔

اگر نیلی کی داستان سرے سے غلط تھی تو اس کے ہاتھ میں ولی عہد کی انگوٹھی کہاں سے آگئی ؟

یہ انگوٹھی نہ صرف ولی عہدی کی علامت بلکہ نوروز خاندان کی ایک تاریخی یادگار تھی اس خاندان کا ہر وارثِ سلطنت یہ انگوٹھی پہنتا آیا بلکہ اپنی جان ہی کی طرح اس کی حفاظت بھی کرتا تھا کیونکہ اسے ہونے والے ولی عہد کی امانت سمجھا جاتا تھا۔ انگوٹھی کی حفاظت اگر اس امر کی دلیل تھی وہ اپنی سلطنت کی حفاظت کر سکے تو انگوٹھی کا کھو جانا بدشگونی اور بدبختی کے مترادف تھا۔

دلارام اس انگشتری کو نیلی کے ہاتھ میں دیکھ چکی تھی اور یہ اس بات کی قطعی دلیل تھی۔ شہزادہ خرم اس سے مل چکا ہے بلکہ اس پر اتنا اعتماد کرتا ہے کہ اس نے اپنی تقدیر —— اپنی سلطنت اُس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

یہ غیر معمولی واقعہ شہزادی گلبانو کی کم نصیبی پر گویا مہرِ یقین ثبت کر رہا تھا مگر گلبانو نے اسے کوئی اہمیت نہ دی وہ تو نیلی کی اُلٹی سیدھی کہانی سن کر مطمئن ہو گئی اور آپ سے آپ سمجھ بیٹھی تھی کہ شہزادہ خرم کی محبت کے بارے میں اُس نے جو افواہ سنی تھی اس کا کوئی سر پیر نہیں۔ گزشتہ چند روز میں شمشیر نے شہزادہ خرم کے روپ میں اُس سے جس والہانہ محبت کا اظہار کیا وہ شہزادی کو مطمئن کر دینے کے لیے کافی تھا۔ نیلی کی گفتگو سننے کے بعد شکوک کے اندھیرے بالکل چھٹ گئے اور وہ اپنے ذہن میں ایک نئی روشنی محسوس کرنے لگی —— آہ بدنصیب شہزادی —— جو گونا بستی کی حسینہ کو تو فریب خوردہ سمجھ بیٹھی تھی لیکن خود فریب کھانے کے لیے ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔

دلارام اپنے کمرے میں بیٹھی ان حیرت انگیز واقعات پر غور کر رہی تھی جو تھوڑی دیر پہلے نیلی نے سنائے اور ابھی تک کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکی تھی۔ باہر دھوپ چمک رہی تھی۔ سائے سمٹنا شروع ہو گئے تھے اور وہ اپنے دل میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور "قصرِ ذیشان" کی کنیز شگوفہ لپکتی جھپکتی داخل ہوئی۔ اس نے بتایا شہزادہ عالی بڑی دیر سے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

دلارام اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ نیلی کے قصے میں بھول ہی گئی تھی کہ اس نے ولی عہد کے حضور کچھ پرانے فرمان پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ شگوفہ کو رخصت کرنے کے بعد اس نے صندوق

سے تین پارچے نکال کر وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی ۔

کل بھی اس نے سوچا تھا شہزادے نے پانچ برس پرانے حکمنامے کیوں طلب کیے ہیں ——— آج بھی یہی سوال اُسے باربار پریشان کر رہا تھا ؛

بہتیرا غور کیا لیکن ذہن کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا ۔

"قصرِ ذی شان" کے تمام خدمت گار پھر بحال کر دیئے گئے تھے ۔ دلارام دروازہ کے پردے ہٹاتی جب کمرۂ خاص میں داخل ہوئی شمشیر کی بھاری اور کھردری آواز نے اُسے چونکا دیا جو خلافِ معمول تنہا اور شاید ناراض بیٹھا تھا ۔

" دلارام ——— ! تم اپنے قول خُوب نبھاتی ہو ۔ ہم صبح سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے ہیں اور تم اب آئی ہو وہ بھی ہمارے بلانے پر ——— "

" معافی چاہتی ہوں صاحبِ عالم ——— ! صبح سے حضور کے پُرانے فرمان ہی تلاش کر رہی تھی ——— " دلارام نے صاف جھوٹ بولا ——— " مگر انہوں نے تو نہ ملنے کی قسم کھائی تھی ۔ "

" تو کیا ایک بھی فرمان نہیں مِل سکا ؟ "

شمشیر کے چہرے پر اچانک مایوسی کے سائے تھرتھرائے ۔ لہجے میں ایک انجانا سا اضطراب دلارام نے بھی محسوس کیا اور اپنی حیرت کو چھپاتی ہوئی بولی ۔

" کنیز نے آج تک حضور کا کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا ——— دیر ضرور ہوئی لیکن ——— تین حکم نامے ڈھونڈ لائی ہوں " ۔ اس نے اپنی پیٹی سے تین پارچے نکال کر پیش کر دیئے ۔

" یہ لیجئے ! "

شمشیر کے چہرے پر اطمینان کے آثار اُبھرے پھر اُس نے جلدی سے تینوں پارچے اچک لیے جیسے بلی کسی چوہے کو دبوچ لیتی ہے ۔ اُس کے ہاتھوں میں فوراً ہی ایک پارچہ کھل گیا اور بے تاب نگاہیں مضمون کے نیچے ولی عہد کی مہرِ خاص پر جم گئیں ۔ ہوشیار کنیز نے چند نگاہوں سے نہ صرف شمشیر کی بے چینی بھانپ لی بلکہ وہ اس کے مرکزِ نگاہ سے یہ اندازہ بھی لگا چکی تھی کہ اپنی ہی مہرِ خاص کے نقش کا جائزہ لے رہا ہے ۔

یکے بعد دیگرے شمشیر نے تینوں پارچے کھولے اور ہر بار اُس کی مضطرب نظریں مُہر کے نقش ہی پر مرکوز ہوئیں ۔ دلارام کے خیال کی تصدیق ہو گئی لیکن یہ معمّا ناقابلِ فہم تھا ولی عہد

پنی مُہر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے !

کہیں وہ مہرِ خاص گم تو نہیں کر چکا ——— !

اچانک ——— جیسے رات کے اندھیرے میں ملہموں کے ذہن بیدار ہوتے اور آسمان کی ...وں سے مضامینِ غیب نازل ہوتے ہیں ۔ ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے شعور ...چکا اور آناً فاناً اس خیال نے نورروز خاندان کی شاہی انگشتری کا رُوپ دھار لیا جسے اُس نے ...ہی گونا بستی کی حسین دوشیزہ نیلی کے ہاتھ میں جگمگاتے دیکھا تھا ۔ نیلی کے بقول وہ انگوٹھی ——— صفدر نگر کی تقدیر ——— شہزادہ خرم نے اپنے ہاتھ سے اُسے پہنائی تھی ۔

یہ سب کچھ سوچتے اور معاملے کے اس پہلو پر غور کرنے کے ساتھ ہی دلارام کے ہونٹوں ...ایک معنی خیز ——— پُراسرار سی مسکراہٹ تیر گئی ۔ شمشیر نے بھی یہ مسکراہٹ دیکھ لی لیکن ...ے کوئی معنی نہ پہنا سکا ۔ اُس نے تین میں سے ایک پارچہ جس پر مہر کا نقش بڑا واضح تھا ۔ دائیں ...میں تھام لیا اور بائیں ہاتھ سے دونوں پارچے لوٹاتے ہوئے پوچھا ۔

" دلارام ——— ! اگر ہم یہ پارچہ اپنے پاس رکھ لیں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ؟ "

" کنیز کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ۔ آپ چاہیں تو تینوں پارچے رکھ لیجئے ..... "

شمشیر نے غور سے اس کی طرف دیکھا ۔ دلارام نے اپنا ادھورا فقرہ مکمل کر دیا ۔

" مَیں ان کا مصرف جاننا چاہتی ہوں "

" تمہارے خیال میں کیا مصرف ہو سکتا ہے ؟ "

شمشیر نے جواب سے بچنے کی خاطر اُلٹا سوال کر دیا ۔ دلارام سمجھ گئی وہ اُسے ٹال دینا ...تا ہے لیکن ولی عہد کے معاشقہ کی ایک اہم کڑی ——— ایک ناقابلِ تردید ثبوت پا لینے کے ...ے ٹلنے والی نہ تھی ۔ ہونٹوں کے گوشوں پر ہلکا سا مبہم تارِ عنکبوت کی مانند لرزاں تھا ۔ شمشیر اس ...م پنہاں کا مطلب نہ سمجھ سکا مگر دلارام نے صرف ایک لفظ اور ایک جنبشِ لب سے اس کے ...کا چہرہ پڑھ لیا ۔ مسکراتی ہوئی بولی ۔

" مُہر ..... "

شمشیر اچانک یوں اُچھل کر پیچھے ہٹا جیسے دلارام نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا ...س اس ایک ہی لفظ نے شمشیر پر منتر سے بڑھ کر کام دکھایا تھا ۔ شمشیر کے چہرے کا رنگ یوں ...ڑ گیا جیسے اُس کے بدن میں خون کی گردش یک لخت رُک گئی ہو ۔

"کیا..... کیا کہا تم نے ؟" اس کے ہونٹ زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

دلارام نے چبھتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔

صاحبِ عالم —— ! آپ جو کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ کنیز پر عیاں ہو چکا ہے۔ ذرا یہ تو بتائیے آپ کے ہاتھ میں شاہی انگوٹھی کیوں نظر نہیں آ رہی ؟"

کنیزِ خاص کے یہ الفاظ بجلی بن کر شمشیر کے قلب و ذہن پر گرے یوں بوکھلا اٹھا جیسے دلارام نے اُس پر انگارے اُچھال دیئے ہوں۔ ہاتھ میں آئی ہوئی سلطنت چھین لی ہو۔ نوروز خاندان کی شاہی یادگار اور ولی عہدی کی علامت —— اور انگوٹھی کی "گمشدگی" کا راز فاش ہو چکا تھا اور دلارام نے جس کٹیلے انداز میں افشائے راز کیا تھا اُس نے بڈر اور بہادر شمشیر کو بید مجنوں کی طرح لرزا دیا۔ بدحواسی کے عالم میں جلدی سے دیوار کی جانب گھوم گیا تاکہ کنیز چہرہ سے اس کے دل کا مضمون نہ پڑھ لے پھر فکر آمیز لہجے میں بولا۔

"تو تم سمجھ گئیں —— ہم اپنی تقدیر کھو بیٹھے ہیں "

دلارام نے محسوس کیا اس کی آواز بہت دور سے یا کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے شمشیر نے فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پا لیا اور ایڑیوں پر گھومتا ہوا رُو در رُو ہو گیا۔ اس کا بانہ تلوار کی مانند دلارام کی جانب الف ہوا اور تہدید آمیز لہجے میں بولا۔

"دلارام —— ! تم ہماری زبان، ہماری محرمِ راز رہی ہو۔ شاہی انگوٹھی کی گمشدگی کا بھید تمہارے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں ہونا چاہئیے "

پھر فوراً ہی نرم اور مصالحت آمیز انداز میں کہنے لگا۔

"ہم تمہیں اس رازداری اور زبان بندی کا پورا صلہ دیں گے "۔

اس موقع پر شمشیر نے بات چھپانے کی بجائے کھول دینا مناسب سمجھا اور ہوشیار کنیز نے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر ابھی تک ایک شریر سی مسکراہٹ غبار کی طرح لرز رہی تھی۔

"کنیز رازداری کا وعدہ کرتی ہے لیکن اپنی تقدیر آپ کہاں کھو آئے ؟"

"یہی تو معلوم نہیں دلارام —— ! شمشیر کا اندازِ گفتگو دوستانہ اور مصالحانہ تھا۔

"جب ہم زینگ دے روانہ ہوئے تو انگوٹھی ہمارے ہاتھ میں تھی لیکن صفدر نگر میں داخل

ے تو ہاتھ خالی تھا۔ نجانے وہ کہاں گر گئی —— کہاں کھو گئی "۔

دلارام کو اس کے بیان پر یقین کہاں آتا۔ وہ تو اُسے دل و نگاہ کے اُس حسین تصادم یاد دلانا چاہتی تھی جو گُنا بستی میں پیش آیا۔

"یاد کیجئے —— ! کہیں آپ نے اپنی تقدیر کسی اور کو نہ بخش دی ہو۔ میں جانتی ں آپ داد و دہش پر آئیں تو آسمان کے تارے بھی لُٹا دینے پر تیار ہو جاتے ہیں "۔

"نہیں —— سفر کے دوران اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ جب ہم کہیں ٹھہرے نہیں —— کسی سے ملے ہی نہیں تو انعام کہاں بانٹتے —— انگوٹھی کسے بخشتے ؟"

"جی —— ؟" شمشیر کے پُر وثوق انداز نے دلارام کو ایک نئی کشمکش میں مبتلا کر سوچنے لگی۔ اب نیلی کی داستانِ محبت کس خانے میں رکھی جائے ؟

اُسے حیران و پریشان سا دیکھ کر شمشیر نے پوچھا۔

"تم کس سوچ میں پڑ گئیں ؟"

"صاحبِ عالم —— ! شہزادے سفر کے دوران کبھی کبھار حسین ملاقاتوں سے دوچار تے ہیں۔ کسی بستی کی الھڑ دوشیزہ کے اندازِ دلبری پر پوری کائنات نچھاور کر کے چلے آتے اور شاہی ت کی رنگین محفلوں میں گُم ہو کر سفر کے حسین حادثے بھی سپنوں اور خوابوں کی طرح بھول جایا کرتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں..... "

دلارام نے کمال جرأت سے کام لے کر اپنے حسین اندیشے کو زبان بخش دی اور تبسم زیر کا تیز نشتر اُس کے ذہن پہ رکھ دیا تاکہ اگر وہ گُنا بستی میں پیش آنے والا رومانی واقعہ بھول بھی چکا ر الفاظ کی چبھن اُس کی یادداشت کو بیدار کر دے لیکن کنیزِ خاص کی زبان سے کسی سفری قے کا ذکر سن کر شمشیر نقشِ حیرت بن گیا اور جھنجھلا کر خفگی آمیز لہجے میں بولا۔

"خوب —— تو تمہارے خیال میں ہم اتنے غیر ذمہ دار اور دل پھینک واقع ہوئے ہیں۔ ر کے دوران لڑکیوں سے رومان لڑاتے رہے اور اپنی کلیدِ سلطنت بھی کسی لڑکی کو سونپ ۔ اگر یہ الفاظ تمہارے علاوہ کسی اور کی زبان سے نکلے ہوتے تو جانتی ہو اس کا کیا انجام ہوتا ؟"

شمشیر نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں نہ صرف کسی سفری رومان سے انکار کر دیا بلکہ کی اس جرأت کو گستاخی پر محمول کر کے اظہارِ ناراضی بھی کیا۔ دلارام اس تہدید پر بڑی گھبراہٹ س کرنے لگی۔ شمشیر کے لہجے کی خفگی اور محبت سے انکار نے اُسے پریشان سا کر دیا۔ فوراً

معذرت کے انداز میں بولی۔

"کنیز اس گستاخی کی معافی چاہتی ہے صاحبِ عالم! میرا خیال تھا شاید آپ انگوٹھی کسی کو انعام یا تحفے میں دے کر بھول گئے ہوں مگر اب تو..... صرف ایک ہی امکان باقی ہے۔"

"کیسا امکان؟"

"انگوٹھی چرالی گئی ہے۔"

"شمشیر ڈاکو ——" یہ نام کنیز کی زبان سے غیر ارادی طور پر نہیں نکلا بلکہ اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ نام لیا تھا وہ خود سانگا جنگل میں شمشیر ڈاکو سے مڈبھیڑ کا اعتراف کر چکا تھا۔

شمشیر اُچھل کر پیچھے ہٹا۔ حیرت پاش نظروں سے کنیز کو دیکھا پھر بولا۔

"بھلا ایک ڈاکو کو شاہی انگوٹھی چرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"پھر سانگا جنگل میں شمشیر ڈاکو اور اس کے ساتھیوں نے آپ کا راستہ کیوں کاٹا تھا؟"

دلارام چیختے ہوئے لہجے میں کہنے لگی —— "آپ نے محض ملکہ جہاں کو مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ شمشیر ڈاکو خوفزدہ ہو گیا اور آپ نے اُسے مار بھگایا۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہُوا —— شمشیر بھاگا نہ تھا......"

شمشیر نے تیز نگاہیں دلارام کے چہرے پر گاڑ دیں اور ہلکی سی غُراہٹ سے بولا۔ "پھر کیا ہُوا تھا ——؟"

"سانگا جنگل میں ڈاکوؤں نے شاہی قافلے پر حملہ کیا تھا۔ دونوں فریقوں کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی تھی۔ شاہی دستے کے محافظ سوار ڈاکوؤں کی تلواروں کا لقمہ بن گئے تھے۔ شمشیر نے شہزادۂ عالی کو بھی ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ زخمی ہونے کے باوجود حملہ آوروں کا گھیرا توڑنے میں کامیاب ہو گئے اور آپ کا گھوڑا آپ کو لے کر نکل گیا۔ پھر شمشیر ڈاکو نے چند ساتھیوں کے ہمراہ سانگا ندی عبور کر کے گونا بستی تک آپ کا تعاقب کیا مگر آپ اُن کے ہاتھ نہ آسکے اور کہیں روپوش ہو گئے۔ صاحبِ عالم کو یہ خوفناک حادثہ چاند کی چودھویں رات کو پیش آیا تھا....."

دلارام اچانک خاموش ہو گئی اور شمشیر کے چہرے پر اس کہانی کا ردِعمل دیکھنے لگی جو اس نے گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی سے سُنی تھی۔ شمشیر چونکہ پہلے ہی انکار کر چکا تھا کہ سفر کے دوران وہ کسی لڑکی سے نہیں ملا اس لیے دلارام نے جان بوجھ کر نہ سردار شاہو کا حوالہ دیا (جس کے جھونپڑے میں زخمی شہزادے نے پناہ لی تھی) نہ نیلی کا ذکر کیا جو چار دن اس کی تیمارداری کرتی رہی تھی۔ اُس

ے تو صرف کہانی کا ابتدائی حصہ دُہرا دیا اور اب یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ وہ جواب میں کیا ہتا ہے۔

شمشیر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ شاہی محل کا کوئی فرد سانگا جنگل کے بھیانک اقعے سے آگاہ ہوگا۔ اُس نے شہزادہ خرم کو ہلاک کرنے اور اس کی جگہ خود سنبھالنے کے لیے جو نصوبہ بنایا وہ اُس کے نزدیک بالکل مکمل تھا اور کوئی شخص سوچ بھی نہ سکتا تھا شہزادے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا اور اس کا انجام کیا ہُوا لیکن دلارام کی زبان سے سانگا جنگل کے خونچکاں اقعے کی تفصیل سُنتے ہی شمشیر پر جیسے برقِ آسمانی ٹوٹ پڑی اور سمجھ گیا دلارام سب کچھ جانتی، سب کچھ سمجھتی ہے۔

اس کے چہرے کا رنگ اُڑا اور لوٹ آیا۔ آنکھوں میں حیرت و خوف کی لہریں تھرتھرائیں ور قہر و غضب کی کوندتی بجلیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ دلارام نے دراصل بے خبری میں سوتے ہوئے رندے کی دُم پر پاؤں رکھ دیا تھا جو درد سے تلملا کر جاگ اُٹھا اور اب اپنی خونی کچلیاں چمکاتا غراتا نخوار نظروں سے گھورتا اُس پر جھپٹ پڑنے کے لیے تیار تھا۔

شمشیر کے نزدیک صرف ایک ہی راستہ باقی تھا۔ کنیز کی گردن اُڑا کر اس کی زبان ہمیشہ لیے خاموش کر دی جائے تاکہ وہ کسی اور کو اُس راز سے آگاہ نہ کر سکے جو اُن سب کے لیے موت کا ندا بن سکتا تھا۔ وہ فیصلہ کرنے میں دیر لگاتا نہ اس پر عمل پیرا ہونے میں ایک پل کی تاخیر گوارا کرتا ھا۔ بے رحم سردار کسی ایسی ہستی کو زندہ چھوڑ دینے کی غلطی نہ کر سکتا تھا جو اس کے خونیں راز ے واقف ہو۔ غم و غصے کے جوش میں اُس کا کپکپاتا ہاتھ فوراً قبضۂ شمشیر پر دوڑ گیا اور خالی وٹ آیا۔ شاید یہ دلارام کی تقدیر یا قدرت کی تدبیر تھی کہ اس وقت تلوار اس کی کمر میں نہیں تھی س نے خونی نظروں سے اُس دیوار کو گھورا جہاں تلوار اپنی میان میں آویزاں تھی۔

شمشیر کی بدلی ہوئی صورت دیکھ کر دلارام خوف سے سہم گئی۔ سانگا جنگل کا خون آشام اقعہ سُنتے ہی وہ حیرت انگیز طور پر سر سے پاؤں تک یکسر بدل گیا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی اس قت نوروز خاندان کا وارث سلطنت شہزادہ خرم ذیشان نہیں بلکہ اُس کے سامنے سانگا جنگل کوئی خونی درندہ کھڑا ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنے محبوب شہزادے سے اس طرح دہشت زدہ ہوئی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا وہ کوئی اچھا ارادہ نہیں رکھتا اور آناً فاناً قہر کے دیوتا میں تبدیل ہو گیا ہے لیکن وہ اس اچانک تبدیلی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

شمشیر کی آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے۔ وہ اپنے خوفناک ارادے پر فوری عمل نہ کر سکا یا تقدیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ شعلہ بار نظروں سے دلارام کو یوں گھورا جیسے اس کی موت کا حکم سنا دیا گیا ہو پھر کسی درندے کی طرح غرا کر پوچھا۔

"تم ہمارے بارے میں اور کیا کیا جانتی ہو؟"

دلارام کو یہ سوال اُس کی بدلی ہوئی صورت ہی کی طرح عجیب اور خطرناک معلوم ہوا۔ اُسے یہ توقع ہرگز نہ تھی۔ پانچ سال کے عرصہ میں وہ اس قدر بدل جائے گا۔ اچانک خیال آیا۔ وہ ولی عہد کی ایک ایسی کمزوری سے آگاہ ہو چکی ہے جس کے انکشاف پر صفدر نگر میں قیامت برپا ہو سکتی ہے۔

نوروز خاندان کی تین سو سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب ایک ولی عہد اپنی شاہی انگوٹھی اور امتیازی علامت کھو بیٹھا اور یہ غیر معمولی واقعہ اُسے تخت و تاج سے بھی محروم کر سکتا تھا۔ اس وقت صرف دلارام اس کمزوری سے آگاہ تھی اور اس کی ایک جنبشِ لب ولی عہد کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ اپنی اس حیثیت اور اہمیت کو سمجھ لینے کے ساتھ ہی وہ بھی بدل گئی اُس نے کسی قدر جرأت و ہمت سے کام لے کر جواب دیا۔

"شہزادۂ عالی —— ! یہ پوچھیے کنیز آپ کے بارے میں کیا کچھ نہیں جانتی؟"

دلارام کے بدلے ہوئے لہجے نے غضبناک شمشیر کو حیران کر دیا۔

"ہم اس بات کی وضاحت چاہتے ہیں تمہیں ہمارے متعلق یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

دلارام فیصلہ کر چکی تھی وہ اس سے مرعوب نہ ہوگی۔ اس نے جواب دیا۔

"بہت سی اَن کہی —— اَن دیکھی باتیں آپ سے آپ مجھے معلوم ہو جاتی ہیں۔ شاہی محل تو کیا صفدر نگر کی پوری ریاست میں ہونے والا کوئی واقعہ —— کوئی حادثہ مجھ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ آپ نے شاہی انگوٹھی کا واقعہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کی لیکن ذرا یہ تو بتائیے کیا تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کر دیا تھا کہ آپ اپنی تقدیر کھو آئے ہیں؟"

شمشیر اسے حیرت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے دلارام نے گمشدہ مُہر کا انکشاف کر کے فی الواقع اسے دم بخود کر دیا تھا —— تو کیا شاہی محل کی کنیزِ خاص پُراسرار اور مخفی امور کو سمجھ لینے کا علم رکھتی ہے؟

دلارام نے اُسے اپنی حیثیت اور اہمیت سے آگاہ کر دینا ضروری سمجھا۔

"صاحبِ عالم —— ! یہ نہ بھولیے گا۔ اب میرے بغیر آپ اپنی ولی عہدی کا بھرم بھی قائم نہیں رکھ سکتے کیونکہ آپ اپنی تقدیر کھو چکے ہیں۔ اگر کسی کو شبہ بھی ہو گیا تو شاہی محل میں قیامت آفریں بھونچال آ جائے گا۔ لاچی خاں کے مشورے پر عمل کر کے آپ پہلے ہی ایک غلطی کر چکے ہیں۔ وزیرِ سلطنت ثباتی بابا، سپہ سالار رستم خان اور داروغۂ محل خوبصورت بیگ کے علاوہ شاید "قصرِ زرفشان" کے غلاموں اور کنیزوں کے دل میں کئی اندیشے جاگ اُٹھے ہیں۔ اگر شاہی انگوٹھی کی گمشدگی کا افسانہ کھل گیا تو شاید تاجپوشی کی تقریب بھی منعقد نہ ہو سکے —— لوگوں کی انگلیاں آپ پر اُٹھیں گی آپ ملامت کا نشانہ بن جائیں گے حتیٰ کہ ملکہ جہاں کا دامنِ شفقت بھی آپ کو نوروز خاندان کے بزرگوں کی عقوبت سے پناہ نہ دے سکے گا لیکن پورے صفدر نگر میں ایک —— صرف ایک ہستی آپ کو ان تمام خطرات سے بچا سکتی ہے اور وہ آپ کے سامنے کھڑی ہے۔۔۔۔"

شمشیر کے ہونٹوں پر جیسے ایک چیخ سی اُبھری —— دلارام —— !"

دلارام اُسی پُراسرار لب و لہجہ میں بولی۔

"ہاں —— میں۔۔۔۔ آپ کے ماتھے پر حیرت کی شکن کیوں اُبھر آئی؟ آنکھوں میں تحیّر کی بجلیاں کیوں کوندنے لگیں؟ شہزادۂ عالی —— ! پورے صفدر نگر میں صرف میں جانتی تھی آپ اپنی تقدیر کھو آئے ہیں —— اور اس پورے صفدر نگر میں یہ بھی صرف میں جانتی ہوں آپ کی گمشدہ تقدیر کہاں اور کس کے پاس ہے —— ہاں میں اور صرف میں یہ سب کچھ جانتی اور بتا سکتی ہوں۔ گمشدہ انگوٹھی آپ کو کس طرح واپس مل سکتی ہے۔

دلارام نے یہ باتیں کچھ ایسے پُر وثوق اور یقینی انداز میں کہیں جیسے کوئی نادیدہ و پُراسرار قوت اس کی رہنمائی کر رہی ہو۔ شمشیر جو چند لمحے پیشتر اُس کے متعلق انتہائی خطرناک فیصلہ کر چکا تھا اب حیرت زدہ —— وحشت زدہ سا کھڑا اُسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ شاہی محل کی کنیزِ خاص دلارام نہیں بلکہ الف لیلیٰ کی کوئی حسین ساحرہ یا کوئی غیر ارضی روح تھی جو کسی طلسمی چراغ یا نقشِ سلیمانی کی بجائے نوروز خاندان کی شاہی انگوٹھی کے تابع ہو اور جس طرح جن و پری اچانک عدم سے وجود میں آ جاتے یا غیر ارضی روحیں پلک جھپکنے میں اپنا روپ تبدیل کر لیتی ہیں۔ اُسی طرح وہ بھی اچانک اور یک لخت اپنی ہئیت اور اپنا لب و لہجہ بدل

سکتی ہے۔

تھوڑی دیر پہلے جس طرح وہ خود بدل گیا تھا اُسی طرح اب دلارام بھی اُسے بدلی بدلی سی نظر آ رہی تھی اس کی باتوں نے شمشیر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ سوچ رہا تھا۔ شہزادہ خرم تو سانگا ندی میں ڈوب مرا اور مچھلیوں کی خوراک بنا تھا۔ اُس کی شاہی انگوٹھی بھی یقیناً غرقِ دریا ہوئی یا کسی مچھلی کے پیٹ میں اُتر چکی ہوگی لیکن دل آرام نے دعویٰ کیا تھا۔ وہ جانتی ہے گمشدہ انگوٹھی کہاں اور کس کے پاس ہے۔

شمشیر کے نقطۂ نظر سے یہ ایک حیرت انگیز اور انہونی بات تھی۔ وہ اُسے مسحور اور حیرت زا نظروں سے دیکھتا رہا پھر کپکپاتی آواز میں بولا —— "دلارام —— ! کیا واقعی تم جانتی ہو۔ انگوٹھی کہاں ہے ؟"

"آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آیا ؟"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اُس نے دیوار سے آویزاں تیغ و نیام اُتار لی اور پلٹ کر اُسے شمشیر کی طرف بڑھا دیا۔ شمشیر حیران تھا۔ وہ کیا چاہتی ہے۔ آخر دلارام نے مُہرِ سکوت توڑ دی۔

"شہزادۂ عالی —— ! تیغ نیام سے باہر نکالیے"۔

شمشیر نے کسی سحر زدہ انسان کی طرح اُس کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ہی جھٹکے میں تلوار نیام سے کھینچ کر الف کر دی۔ یہی تلوار اگر تھوڑی دیر پہلے اس کے ہاتھ لگ جاتی تو اس وقت تک دلارام کی لاش بھی ٹھنڈی ہو چکی ہوتی لیکن ہوشیار کنیز نے نہ صرف سانگا جنگل کے وحشی درندے کو رام کر لیا بلکہ یہی تلوار اب اس کی گردن پر رکھ دی تھی۔ اچانک اس نے پوچھا۔

"صاحبِ عالم —— ! تلوار بہادروں کا زیور ہے۔ اگر میں یہ کہوں آپ کے ہاتھ میں تلوار نہیں سونے کی چھڑی ہے تو آپ کیا جواب دیں گے ؟"

شمشیر کے متحیر چہرے پر اچانک مسکراہٹ بکھر گئی۔

"عملی جواب تو یہ ہوگا۔ ہم یہی تلوار تمہارے جسم میں اُتار دیں تاکہ تمہیں یقین آ جائے یہ سونے کی چھڑی نہیں لوہے کی تلوار ہے جو انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے مگر دوسرا جواب یہ ہے۔ ہم اسے دیکھ سکتے ہیں۔ آزما سکتے ہیں۔ چلا سکتے ہیں"۔

"جس طرح آپ اس تلوار کو دیکھ رہے ہیں۔ اُسی طرح میں نورروز خاندان کی گمشدہ تقدیر کو دیکھ رہی ہوں —— اُس ہاتھ کو دیکھ رہی ہوں جس نے وہ انگوٹھی پہن رکھی ہے۔

میں اُسے چھو سکتی ہوں —— پکڑ سکتی ہوں —— آپ کے حضور پیش کر سکتی ہوں —"

دلارام کے اِن الفاظ نے شمشیر پر سحر سامری سے بھی کہیں بڑھ کر اثر کیا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے یوں دیکھنے لگا جیسے سچ مچ اُس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ ذہن پر پھر ایک بار یہی سوال اُبھرا —— "کیا دلارام واقعی کوئی ساحرہ ہے ؟"

اس پر ایک انجانا سا خوف طاری ہو گیا۔ کتنی خطرناک۔ کس قدر پُراسرار ہے یہ کنیزِ خاص —— وہ ایسی باتیں بھی جانتی ہے جو انسان کی دسترس سے دُور اور انہونی ہیں۔ شمشیر اس کی حیثیت سے بے حد متاثر ہو گیا کیونکہ ایک وحشی ڈاکو اور نڈر انسان ہونے کے باوجود وہ پرلے درجے کا ضعیف الاعتقاد بھی تھا اور نظر نہ آنے والی توہماتی طاقتوں سے ڈرتا تھا۔ اس نے جیسے حالتِ نزع میں سوال کیا۔

"تو تم اُسے ہمارے حضور پیش کرنے کا وعدہ کرتی ہو ؟"

"شہزادۂ عالی ! میں نے گمشدہ انگوٹھی کی بازیابی یا اُس کی نشاندہی کا وعدہ کیا ہے اُس ہستی کو شاہی گرفت میں دینے کا پیمان نہیں کیا جس کے ہاتھ میں آپ کی تقدیر چمک رہی ہے"۔

ایک لمحہ ٹھہر کر وہ پھر بولی۔

"آپ کو وعدہ کرنا ہوگا۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی"۔

شمشیر نے اس معمول کی طرح جو کسی عامل کی ٹرانس میں ہو وعدہ کیا کہ اگر اُسے شاہی انگوٹھی مل جائے تو وہ نہ صرف اپنے وعدہ کا پابند رہے گا بلکہ دلارام کو انعام و اکرام سے مالا مال بھی کر دے گا۔ اس نے کہا۔

"دلارام —— ! جب تم ہمارے راز کے اخفا کا وعدہ کرتی ہو تو ہمیں بھی تمہاری ہر شرط منظور ہے۔ ہم تمہارے منصب میں اضافہ کریں گے۔ تمہیں بیش بہا انعامات دیں گے اور تم سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھائیں گے"۔

"کنیز تحریر چاہتی ہے"۔

شمشیر نے ایک نظر اُسے دیکھا پھر ایک پارچہ پر عبارت لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔ چند روز میں اُس نے شہزادہ خرم کے طرزِ خط کی کافی مشق کر لی تھی۔ دلارام نے پارچہ سنبھالا۔ جھک کر شکریہ ادا کیا اور بولی۔

"ولی عہد کی مہرِ خاص کے بغیر یہ تحریر کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن جب شاہی انگشتری

بل جائے گی۔ سب سے پہلی مُہر اسی حلف پر ثبت ہوگی۔"

"ہمیں منظور ہے" شمشیر کسی سحر زدہ آدمی کی مانند اُس کی ہر بات تسلیم کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا ——— "مگر انگوٹھی کب تک بل جائے گی؟"

"صرف چند روز کی مہلت چاہتی ہوں"۔

اس کے بعد دلارام نے رخصتی سلام کیا اور شمشیر کو ورطۂ حیرت میں گم چھوڑ کر فاتحانہ انداز میں دروازہ کی طرف بڑھی۔ جونہی اس نے غلام گردش میں قدم رکھا ٹھٹک کر رہ گئی۔ سامنے کچھ فاصلے پر ولی عہد خرم کا یارِ غار اور دربارِ صفدر نگر کا جواں سال مصاحب ظریف کماندار کھڑا تھا۔

یہ امر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے دلارام نہ صرف اُسے پسند کرتی بلکہ اُس کے خواب بھی دیکھ چکی تھی۔ گزشتہ ایک ماہ سے وہ اپنی علالت کے باعث نہ تو صفدر نگر آ سکا۔ نہ دلارام اُسے مل سکی۔ وہ یہ تو جانتی تھی ظریف کماندار بیمار ہے مگر اُس کا خیال تھا ولی عہد کی مراجعت وطن پر ضرور صفدر نگر آئے گا۔ اُسے کیا خبر تھی ظریف خواہش کے باوجود دارالحکومت آنے سے معذور تھا۔ بیماری نے اُسے بے حد نڈھال کر دیا تھا۔

شہزادہ کی واپسی پر کئی دن گزرنے کے بعد بھی جب وہ صفدر نگر نہ آیا تو دلارام کی تشویش بڑھنے لگی لیکن شاہی محل میں پے در پے کچھ ایسے واقعات پیش آئے تھے کہ وہ پرسانِ حال کی خاطر کوئی قاصد بھی نہ بھیج سکی۔ اب اسے خلافِ توقع اور اچانک شاہی محل میں دیکھ کر حیرت و خوشی کی تصویر بن گئی ——— ظاہر ہے ظریف کماندار اپنے عزیز دوست اور آقا شہزادہ خرم ہی سے ملنے آیا ہوگا مگر وہ طویل بیماری سے واقعی بہت کمزور ہو چکا تھا۔ ہنستی مُسکراتی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے سے پیدا ہو گئے تھے۔

"کماندار ——— !" وہ اُسے ہمیشہ اسی نام سے مخاطب کیا کرتی تھی۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"میرا خیال تھا۔ شاید تم مجھے بھول چکی ہو"

"نہیں کماندار ——— ! مجھ پر ایسا الزام نہ لگاؤ۔ جب تم جشنِ دربار پر بھی نظر نہ آئے تو مَیں بہت پریشان ہو گئی۔ عیادت نہ کرنے کی قصوروار ضرور ہوں' بھولنے کی نہیں ...."

ظریف کماندار نے اُس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

"خیر چھوڑو۔ اب مَیں پہلے سے بہت ٹھیک ہوں۔ آؤ تمہارے ساتھ بہت باتیں کرنی ہیں"

"مگر کیا ...." وہ کہنا چاہتی تھی۔ اِتنے دِنوں بعد آئے ہو۔ کیا شہزادہ عالی ملے بغیر لوٹ جاؤ گے کہ اچانک عقب سے آواز آئی۔

"دلارام ——— !"

دونوں نے بیک وقت مُڑ کر دیکھا۔ دروازہ پر شمشیر کھڑا ظریف کماندار کو گھور رہا ۔ دلارام نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"شہزادہ عالی ——— !"

"یہ کون ہے؟" شمشیر نے ظریف کماندار کی طرف اشارہ کیا۔

دلارام سمجھی۔ شاید وہ اپنے دوست کے اتنے دن بعد آنے پر طنز کر رہا ہے مگر شیر کی آنکھوں میں اجنبیت کے آثار اور چہرے پر ناخوشگواری کے سائے صاف نظر آ رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر دلارام کی زبان سے نکل گیا۔

"کیا آپ نہیں جانتے صاحبِ عالم ——— ؟"

اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ شمشیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ظریف کماندار نے اُس کی بیبی پر ایک اور مہر ثبت کر دی اور وہ دلارام سے مخاطب ہو کر بولا۔

"نہیں دلارام ——— ! بھلا شہزادۂ عالی مجھے کیسے جان سکتے ہیں۔ پہلے کبھی ملاقات کا موقع بھی تو نہیں ملا"۔

پھر شمشیر کی طرف جُھک کر کورنش ادا کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"شہزادۂ عالی! میری خوش قسمتی ہے آج آپ کے دیدار نصیب ہو گئے بڑی تمنّا تھی حضور کو دیکھنے کی .... دلارام کئی بار آپ کا ذکر کر چکی تھی۔ مَیں دراصل دلارام خالہ کا لڑکا عبدالمنان ہوں"۔

"اوہ ..... اچھا ..... شاید تم دلارام سے ملنے آئے ہو۔ دلارام ——— ! ہمیں افسوس ہے۔ ہم تمہارے خالہ زاد بھائی کو پہچان نہ سکے"۔

"صاحبِ عالم ——— ! اس میں افسوس کی کون سی بات ہے اگر آپ نے پہلے کبھی دیکھا ہوتا تو مجھے ضرور پہچانتے۔ لیکن اب اس غلام کو یاد رکھیئے گا"۔

"ضرور یاد رکھیں گے۔" شمشیر نے یقین دلایا۔ "تم ہماری کنیزِ خاص کے بھائی ہو بھلا تمہیں کیونکر بھلا سکیں گے۔"

"عزت افزائی کا شکریہ صاحبِ عالم!" ظریف کماندار نے جھک کر کہا۔

دلارام حیرت پاش نظروں سے شمشیر کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی پیکرِ خیال بھوت یا بدروح ہو۔ کیا یہ معمّا تعجب خیز نہیں تھا کہ شہزادہ خرم اپنے اتالیق کے فرزند اور بچپن کے دوست ظریف کماندار کو پہچان نہ سکے؟ انتہائے حیرت یہ کہ کماندار نے اپنا تعارف اُس کی فرضی خالہ کے فرضی لڑکے عبدالشان کے نام سے کرایا اور ولی عہد کو اس پر ذرا تعجب نہ ہوا —— آخر یہ کیا راز تھا —— دو پرانے دوست ایک دوسرے سے یوں اجنبیوں کی طرح کیوں ملے تھے؟

اچانک شمشیر نے محسوس کیا۔ دلارام کی نگاہیں اُس کے جسم میں نوکِ خنجر کی مانند چبھ رہی ہیں۔

اُس کی نظریں فی الواقع کچھ کہہ رہی تھیں مگر شمشیر اُن کی زبان نہ سمجھ سکا۔ وہ اس کی پُراسرار شخصیت سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ اس کی حیرت پاش —— استعجاب بدوش نگاہوں سے گھبرا کر یک لخت پلٹا اور یہ کہہ کر کمرے میں لوٹ گیا۔

"دلارام —— ! ہمیں تم دونوں کی ملاقات میں مخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

کنیز تصویرِ حیرت بنی اُسے پردوں کے پیچھے گم ہوتے دیکھتی رہی۔ ظریف کماندار نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ فرطِ تحیّر سے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کماندار —— ! یہ کیا ہوا؟"

"سب ٹھیک ہے جانِ من! میرے ساتھ آؤ۔"

اس نے مسکرا کر دائیں آنکھ دبا دی اور دلارام کا ہاتھ تھامے ایک طرف چل پڑا۔

"قصرِ ذیشان" کی طویل اور پیچ و خم کھاتی غلام گردشوں اور ہلالی محرابوں کے درمیان گزرتے ہوئے دلارام نے محسوس کیا جیسے وہ خوابوں کی دنیا میں چل رہی ہو۔ سحر و طلسم کی عجیب و غریب سرزمین میں پہنچ گئی ہو۔

آج اُسے شاہی محل کی مانوس دیواریں، دیکھی بھالی غلام گردشیں، خوب صورت محرابیں اور اپنی پسندیدہ منقش جالیاں اجنبی، انجانی اور عجیب عجیب سی لگ رہی تھیں حتیٰ کہ

شہزادہ خرم ذیشان" ظریف کماندار اور اپنے ساتھ محل کی تمام کنیزوں کے وجود ...ل و خواب کی پرچھائیاں سی محسوس ہو رہے تھے۔

ولی عہد اور کماندار کی ملاقات الف لیلیٰ کی کسی طلسمی کہانی سے کم حیرت انگیز نہ تھی —— دونوں چپ چاپ "مہر بلب" شاہی محل کی دیواروں کے سایوں تلے یوں چلے جا ...تھے جیسے وہ خود بھی دو متحرک سائے ہی تھے۔ دلارام نے محسوس کیا وہ موت کے ...ے پر گھوم رہی ہے۔

منظر ۲۰

اِنکشاف

○

ملارام کو اپنی نبضوں کی حرکت ڈوبتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ آنکھوں کے آگے دبیز اندھیروں کی دیوار کھڑی ہو گئی۔ تاریک رات میں جیسے ٹوٹتے ستارے اور شہابیے روشنی کی لکیریں چھوڑتے پلک جھپکنے میں غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اُس کی نظروں کے تاریک اندھیروں میں حیرت و استعجاب کے شہابیے طلسمی شراروں کی مانند بھاگے پھر رہے تھے —— ظریف کماندار نے شمشیر ڈاکو کی حقیقت منکشف کر کے اُسے نقشِ حیرت بنا دیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آتے ہی یوں نڈھال سی ہو کر بستر پر گر پڑی تھی گویا ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔

اُس کے عقب میں ظریف کماندار نے دروازہ بند کر کے ہوٹہ لگا دیا۔ پھر اس کے سامنے اس طرح بیٹھ گیا جیسے ملارام کی "تیمارداری" کا فرض ادا کرنے آیا ہو۔ کنیزِ خاص کی آنکھوں میں تحیر کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اُس نے پوچھا۔

"کماندار —— ! تم "شہزادۂ عالی" سے بیگانوں کی طرح کیوں ملے ؟"

"مگر وہ شہزادہ کہاں ہے ؟"

"کیا مطلب ؟"

ملارام بستر سے یوں اُچھل کر کھڑی ہو گئی جیسے کوئی کٹھ پتلی بھی جو تماشاگر کی اُنگلی میں بندھے ہوئے تار کی ایک ہی جنبش سے جادو کی مانند ناچ اُٹھی ہو۔ وفورِ تحیر سے اس کی آنکھیں تارہ سی بن کر رہ گئیں۔ کماندار نے اُس کی حیرت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

"قربانت شوم۔ اگر وہ شہزادہ خرم ہوتا تو مجھے پہچان نہ لیتا ؟"

"پھر ... پھر ..... ؟" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"وہ خرم نہیں —— شہزادہ نہیں"

"کیا کہتے ہو ؟"

"آنے والا وقت سب کچھ بتا دے گا۔"

"پھر وہ کون ہے !"

ملارام کے ہونٹوں پر غیر ارادی۔ غیر اختیاری طور پر ایک چیخ سی تڑپ کر رہ گئی۔ ظریف کماندار نے فوراً اُس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

"اپنی اور میری موت کو آواز دے کر نہ بلاؤ۔ اگر اُسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا تو ہمارے سر تن سے جُدا کر دیئے جائیں گے۔ وہ سانگا جنگل کی بدروح —— موت کا فرستادہ شمشیر ڈاکو ہے جس کی شکل حیرت انگیز طور پر شہزادہ خرم سے ملتی ہے۔"

اس تحیر خیز انکشاف پر شاہی کنیز کے کانوں میں موت کی گھنٹیاں سی بج اٹھی تھیں۔ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ شمشیر ڈاکو —— شہزادہ خرم کے روپ میں —— کس قدر لرزہ انگیز حقیقت تھی۔

ظریف کماندار نے مدھم آواز میں جو بمشکل ایک گز تک سُنی جا سکتی تھی۔ متحیر و ششدر کنیز کو اس پوری داستان سے آگاہ کر دیا جو شہزادہ خرم کو سانگا جنگل اور گونا بستی میں پیش آئی تھی۔ وہ ڈاکوؤں کے نرغے سے نکل کر کس طرح گونا بستی کے سردار کے گھر پہنچا۔ کیسے نیلی نے اُس کی پُرخلوص تیمارداری کی اور چار روز کے بعد جب صفدر نگر آیا تو کیونکر اس کی دُنیا لُٹ چکی تھی۔ پھر اس نے جشنِ دربار سے لے کر سُرنگ کے رستے شاہی محل تک پہنچنے اور ملکہ جہاں کے نام پارچہ چھوڑنے کے علاوہ شمشیر ڈاکو سے شمشیر ڈاکو ہی بن کر نکر لینے کی پوری روداد سُنا دی۔

ملارام پتھر کی طرح ساکت و جامد —— مُہر بلب بیٹھی تھی۔ شہزادہ خرم کی کہانی الف لیلیٰ کی ہوش رُبا —— داستانوں سے کہیں بڑھ کر حیرت افزا تھی۔ اب اس پر یہ راز بھی

۱۔ محل میں آکر ولی عہد سے متعدد غلطیاں کیوں سرزد ہوئی تھیں۔
۲۔ اُس کی آواز اجنبی سی کیوں لگی تھی۔
۳۔ خلافِ توقع وہ شہزادی گلبانو پر مہربان کیوں ہو گیا تھا۔
۴۔ اس نے وزیرِ سلطنت شبانی اور سپہ سالار رستم خاں کو برطرف کرکے لاچی خاں اور تیمور کے تقرر کے پروانے کیوں جاری کر دیے تھے۔

ان امور کی وضاحت کے ساتھ ہی گونا بستی کے سردار کی حسین بیٹی نیلی کی محبت اور شاہی انگوٹھی کی "گمشدگی" کا پُراسرار معمّا بھی آپ سے آپ حل ہو گیا جس نے ملارام کو پریشان کر رکھا تھا۔

جب اس نے پوچھا۔ شہزادۂ عالی زندہ و سلامت ہیں تو شاہی محل میں آکر اس عیار ڈاکو اور بہروپیے کا راز فاش کیوں نہیں کر دیتے اور اپنے تخت و تاج کیوں نہیں سنبھالتے تو جواب میں ظریف کماندار نے پیش آنے والے اندیشوں اور خطروں کا اظہار کرکے اس پر دہشت طاری کر دی۔ زخمی ہو آیا ہوا خونی درندہ جب اپنی موت کو قریب دیکھتا ہے تو جان بچانے کی خاطر دوسرے کے لیے موت کا پیغام بن جاتا ہے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہیں بھید کھل جانے کے خوف سے ڈاکو ملکہ جہاں، شہزادی گلبانو اور ملارام کی زندگیاں ختم نہ کر دے اور شہزادہ خرم یہ خطرہ مول لینے پر آمادہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں وہ شمشیر کی بے خبری میں اُسے سازش کے تمام مہروں سمیت اچانک گرفتار کر لینا چاہتا تھا۔

ملارام کو شاہی محل کی دیواروں سے خوف آنے لگا۔ اُس نے بھی ظریف کماندار کو نیلی کی آمد شاہی انگشتری اور مہر خاص کے سلسلے میں اپنے اور شمشیر کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ کماندار یوں اُچھل کر پیچھے ہٹا جیسے ملارام نے اُس کے بدن میں زہریلی سوئی چبھو دی ہو۔

"تو تم نے نیلی کی کہانی سُنا کر اُسے بتا دیا کہ زخمی شہزادہ نے سردار ہی کے گھر میں پناہ لی اور وہ زندہ بچ گیا تھا؟"

ملارام نے جواب دیا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا۔ اُس نے زخمی شہزادہ کا ذکر گول کر دیا اور نیلی سے سُنی ہوئی کہانی کا صرف ابتدائی حصہ بیان کرکے اُس کا ردِعمل جاننے کی کوشش کی۔

کیونکہ اُس کا خیال تھا نیلی کی داستانِ محبت غلط نہیں اور شہزادہ نے اسے انگوٹھی خود پہنائی ہے جب کہ شمشیر کسی سفری رومان سے بالکل ہی انکار کر رہا تھا۔

ظریف کماندار نے یہ سُن کر اطمینان کا سانس لیا کہ شمشیر فی الحال شہزادہ خرم کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اسی وہم میں مبتلا ہے اُس کا حریف سانگا ندی میں غرق ہو چکا۔ اس نے ملارام کو مزید تاکید کر دی۔ وہ اشارتاً بھی شہزادہ کی زندگی کا ذکر نہ کرے۔ کہنے لگا۔

"شکر کرو۔ آج تم موت کے منہ سے بال بال بچ گئی ہو۔ تم نے شمشیر کو سانگا جنگل کی خونیں رُوداد سُنا کر انتہائی نادانی کا ثبوت دیا اور بے خبری میں اپنی گردن اُس درندے کے جبڑوں میں دے دی تھی جو اس خیال سے مطمئن بیٹھا تھا کہ صفدر نگر کا کوئی باشندہ سانگا جنگل کے واقعہ سے آگاہ نہیں۔ اس انکشاف کے بعد کہ تم حقیقت جانتی ہو وہ کسی قیمت پر تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ مجھے حیرت ہے شمشیر نے تم پر اعتماد کیسے کر لیا؟"

جب تک ملارام شمشیر کی اصلیت سے آگاہ نہ ہوئی تھی۔ اُسے کوئی خطرہ کوئی خوف نہ تھا۔ مگر اُس کی اصلیت جان لینے کے بعد اب وحشت زدہ سی نظر آ رہی تھی۔ اس خطرے کا صحیح احساس اب ہوا تھا جو تھوڑی دیر قبل "قصرِ ذی شان" میں پیش آیا تھا۔ یقیناً وہ قدرت کا زبردست ہاتھ تھا جس نے شمشیر کا بازو پکڑ لیا۔ ورنہ سانگا جنگل کا واقعہ سُنتے ہی اس نے کتنی سُرعت سے درندے کا رُوپ دھار لیا تھا۔ بہرحال بازی ابھی تک ملارام ہی کے ہاتھ میں تھی اور اپنی غیر معمولی ذہانت یا بیوقوفی سے جیسے شمشیر نے اُس کی "پُراسرار طاقت" پر محمول کیا تھا وہ اُسی کے خلاف اُسی کے ہاتھ سے ایک تحریر بھی حاصل کر چکی تھی۔

اچانک ظریف کماندار نے ایک اور انکشاف کر دیا۔

"ملارام ——— مَیں تمہارے لیے شہزادہ عالی کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔"

"شہزادۂ عالی کا پیغام؟"

"ہاں، انھوں نے کہا ہے۔ تم شہزادی گلبانو کو شمشیر کی اصلیت سے آگاہ کیے بغیر اُس سے میل ملاپ اور ربط و ضبط بڑھانے سے روکو۔ شہزادہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک لٹیرا شاہی خاندان کی عزت و ناموس سے کھیلنے کی جرأت کرے۔ انھوں نے کہا ہے شاہی محل میں رہ کر یہ فرض تم ——— اور صرف تم ادا کر سکتی ہو۔ گلبانو کو اس بھیڑیے سے دُور رکھو تے وہ شہزادہ خرم سمجھ بیٹھی اور اس کے التفات کو اپنی محبت کی فتح قرار دیتی ہے۔"

کنیز نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مگر شہزادی کو کچھ جائے بغیر میں اُسے خنجر سے دُور کیسے رکھ سکتی ہوں۔ وہ تو شہزادہ سمجھ کسان کی محبت میں دیوانی ہوئی جا رہی ہے ؟"

"میں نہیں جانتا تمہیں کیا کرنا ہوگا۔ بہر حال ولی عہد نے تمہاری ذہانت پر اعتماد کیا ہے اور اُن کے اعتماد پر پورا اُترنا ——— شہزادی کو اُس سے دُور رکھنا اور شاہی ناموس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے"۔

"شہزادۂ عالی خود کہاں ہیں ؟"

"وہ جہاں بھی ہیں محفوظ ہیں۔ تمہیں اُن کے لیے پریشان نہ ہونا چاہیے"۔

ایک لمحہ رُک کر وہ پُرعزم لہجہ میں بولی۔

"کماندار ——— ! صاحبِ عالم سے کہہ دو۔ کنیز جان پر کھیل کر بھی ان کا حکم بجا لائے گی اور سانگا جنگل کا لٹیرا شاہی عزت کی طرف ہاتھ نہیں اُٹھا سکے گا مگر ہمیں کب تک اس ٹاکو کی اطاعت کرنا ہوگی ؟"

"جب تک حالات پوری طرح ہماری گرفت میں نہیں آجاتے۔ بارود کو چنگاری دِکھائی جا چکی ہے۔ اب اُس کے پھٹنے کا انتظار کرو"۔

ظریف کماندار نے بتایا وہ وقتاً فوقتاً جب ضرورت ہوئی اس سے ملتا رہے گا دلارام کو نہ صرف بڑی ہوشیاری سے اپنا فرض سرانجام دینا ہے جو اُسے سونپا گیا بلکہ شمشیر کو اپنے اعتماد میں لے کر اُس کے مذموم ارادوں اور خفیہ منصوبوں کا بھید بھی لینا ہے۔ یہ ہدایت بھی کر دی۔ شمشیر کی اصلیت کا علم کسی کو نہ ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ ملکہ جہاں کے کانوں میں بھی اس راز کی بھنک نہ پڑے ورنہ سارا منصوبہ خاک میں مِل جائے گا اور درندہ قبل از وقت ہوشیار ہو کر قتل و خونریزی پر اُتر آئے گا۔

دلارام تنہا عورت تھی جو پورے صفدر نگر میں شمشیر کی اصلیت سے آگاہ ہوئی۔ اُسے سانگا جنگل کے درندے سے خوف بھی آیا مگر شہزادہ خرم کا پیغام سنا اور اُس اعتماد و یقین کی جھلک دیکھی جس نے دلارام کو ولی عہد کی "زبان" کا اعزاز دے رکھا تھا تو یک لخت قلب و ذہن پر چھائے ہوئے خوف و ہراس کے سائے ایک نئے عزم و یقین کی روشنی میں دُھل گئے۔ اُس نے تنہا اس قیامت کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی جو پیغامِ قضا بن کر نور وز

خاندان پر نازل ہو چکی تھی۔

ظریف کماندار جس طرح خاموشی سے آیا تھا اُسی طرح کسی کو خبر کیے بغیر چپ چاپ رخصت ہو گیا مگر جاتے جاتے اس نے دلارام کو اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

"قربانت شوم۔ تمہیں ایک اور بھی کام کرنا ہوگا۔ خدا نقلی شہزادہ سے اپنے خالہ زاد عبدالمنان کا بھی ذکر کرتی رہا کرو۔ اس سے شہزادہ صاحب کی صحت ٹھیک رہے گی۔ عبدالمنان تندرستی کا نسخہ ہے ....."

پھر وہ دلارام کا ہوائی بوسہ اُٹھاتا نکل گیا تھا۔

(منظر ۲۱)

موت کا ہرکارہ

○

نیلی بگولہ صحرائی کی مانند بڑی تیزی کے ساتھ "قصرِ گلریز" کے ملاقاتی کمرہ سے نکل کر سرخ غلام گردش میں آگئی اور اسی سمت چل پڑی جدھر سے آئی تھی لیکن محل کا عقبی صحن عبور کرکے ابھی اس راہداری تک پہنچنے نہ پائی تھی جو بائیں باغ کی طرف کھلنے والے حجرہ میں جا نکلتی تھی کہ اچانک اس کے قدم رک گئے۔ اُس نے ایک لمحہ رک کر کچھ سوچا پھر جلدی سے دائیں ہاتھ کی سمت گھوم کر اُس راستے پر ہولی جو شاید شاہی محل کے بڑے پھاٹک کی طرف جاتا تھا۔

ملاقاتی کمرہ ہی میں اُسے اچانک محسوس ہوا تھا۔ اگر اُسے شہزادہ نے بلایا ہوتا تو دلارام اس بے رُخی سے پیش نہ آتی۔ شاہی کنیز کی باتوں نے اُسے کسی انجانے خطرہ کا احساس بھی دلایا تھا۔ پہلے تو دلارام نے اعتراف کیا تھا شہزادہ ایک دیہاتی لڑکی سے پیار کرتا ہے لیکن جب نیلی نے بتایا ولی عہد کی منظورِ نظر وہی ہے اُسی نے زخمی شہزادہ کی دیکھ بھال کی اور وہی چار روز کے بعد اس کے ساتھ صفدر نگر آئی تھی تو کنیزِ خاص کے چہرے کا رنگ کس تیزی سے بدل گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں شک وشبہ کے سانپ رینگنے لگے تھے اور اُس نے کس دیدہ دلیری سے جھوٹ بولا تھا کہ نیلی نے کوئی خواب دیکھا ہوگا خواب ہی میں شہزادہ کی ہوگی۔ اُس کے بقول "شہزادہ" زخمی ہوا تھا۔ نہ چار روز تک گوشہ نشینی میں رہا تھا، نہ

اُس نے کسی لڑکی سے پیمانِ محبت باندھا تھا۔ اِس کے برعکس وہ اپنے محافظ دستہ کے ہمراہ جشنِ دربار سے چار دن پیشتر ہی صفدر نگر پہنچ گیا تھا۔

دلارام کی اسی "دروغ گوئی" نے نیلی کو ہوشیار کر دیا اور اُس کا یہ شبہ یقین میں بدل گیا تھا اُسے شہزادہ نے نہیں بلایا بلکہ کسی سازش کا شکار ہوگئی ہے۔ چھٹی حس بولنے لگی تھی اگر بروقت یہاں سے نکل نہ گئی تو شاید کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائے گی۔ یہی سوچ کر اس نے کمرہ سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی مگر باہر نکل کر اُسے وہ پُراسرار حجرہ یاد آیا جس کا خفیہ دریچہ بائیں باغ میں کھلتا تھا تو اس کے ساتھ ہی اُس بڈھی اور عیار کٹنی کا جھریوں بھرا چہرہ بھی تصور میں گھوم گیا جو اُسے گنا لیتی سے بہلا پھسلا کر لائی اور حجرے میں داخل کر کے خود غائب ہوگئی تھی۔

نئی صورت حال کے پیشِ نظر اب اُس کا حجرہ کے رستے باہر نکلنا مناسب نہ تھا۔ اگر نیلی کو کسی سازش ہی کے تحت شاہی محل میں بلایا گیا تھا تو ممکن ہے وہ عیار کٹنی کہیں بائیں باغ ہی میں چھپی بیٹھی ہو اور جب وہ حجرہ کا دریچہ پھاند کر باہر نکلے تو اُسے کسی نئی مصیبت میں مبتلا کر دے۔

یہی سوچ کر نیلی نے فوراً اپنا راستہ بدل دیا اور دائیں جانب نکلتی چلی گئی۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد اُس نے محسوس کیا وہ غلط سمت آ گئی ہے کیونکہ آگے ایک بارہ دری نما عمارت تھی جس کے سامنے ایک فوارہ اور ارد گرد پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ کہیں کہیں سرو سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ دُور مہندی کی اُونچی باڑھ کی پرلی طرف شاہی قصر و ایوان کا حسین سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ نیلی غلطی سے سیرگاہ میں نکل آئی۔

آگے کوئی راستہ نہیں تھا کیونکہ بارہ دری کی اس جانب بھی بے ترتیب جھاڑیوں کی دیوار سی کھڑی تھی۔ بائیں سمت شاید باغبان کی کوٹھڑی تھی۔ ایک بوڑھا کدال اُٹھائے اندر سے نکلا اور جھاڑیوں کو ہٹاتا باغیچہ میں داخل ہو کر ایک کیاری کی منڈیر ٹھیک کرنے لگا۔ اس نے نیلی کو نہیں دیکھا تھا۔

کوٹھڑی اس بلند و بالا فصیل سے ملحق تھی جو بائیں باغ کی جانب سے گھوم کر ادھر آگئی تھی۔ وہ شاہی محل کے چوفیر پھیلی بلند فصیل کے اندر محبوس سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اگر شاہی محل کا کوئی پہرہ دار اُسے دیکھ لیتا تو مشتبہ سمجھ کر گرفتار کر لینے میں دیر نہ لگاتا۔ حیران تھی اب

کدھر جائے ؟

اچانک نیلی نے اپنے عقب میں اُس کنیز کو آتے دیکھ لیا جو سُرخ غلام گردش میں تالی بجانے پر نمودار ہوئی اور اپنے ساتھ کمرۂ ملاقات میں لے گئی تھی - وہ بڑی پریشان اور متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی چلی آ رہی تھی - نیلی سمجھ گئی کنیز اُسی کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے - کنیز ابھی تک اُسے دیکھ نہ سکی تھی - وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتی تیزی سے کوٹھڑی کی طرف لپکی اور بے دھڑک اندر داخل ہو گئی -

یہ مختصر سا کمرہ تھا جس کے ایک گوشہ میں باغبانی کا سامان پڑا تھا قریب ہی ایک کھاٹ کھڑی تھی - غالباً بوڑھا مالی کوٹھڑی میں تنہا رہتا تھا - سامنے کی دیوار میں جو دراصل محل کی بیرونی فصیل تھی ایک کھڑکی بھی تھی جس کے دونوں پٹ بند کر کے کنڈی چڑھا دی گئی تھی - اچانک نیلی آواز سُن کر چونک اُٹھی - باہر کنیز گھبرائے ہوئے لہجہ میں مالی سے پوچھ رہی تھی -

"صمدو بابا ——— ! کوئی لڑکی تو اِدھر نہیں آئی ؟"

"لڑکی ——— ؟" بوڑھے کی آواز میں تحیّر کی جھلک تھی - "کون لڑکی ؟"

"ایک دیہاتی لڑکی ہے ——— مچھیرن ——— وہ ابھی ابھی شہزادی گلبانو کے قصر سے بھاگ نکلی ہے - کہیں تم نے تو نہیں دیکھا اُسے ——— ؟"

"نہیں ——— اِدھر کوئی لڑکی نہیں آئی -"

"نجانے چھلاوے کی طرح کہاں غائب ہو گئی ہے -"

"مگر ایک مچھیرن کا شہزادی کے محل میں کیا کام ؟"

"بس تم تو بال کی کھال اُتارنے بیٹھ جاتے ہو ——— اب میں کہاں تلاش کروں اُسے -"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی - شاید بوڑھا مالی دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور کنیز آگے بڑھ گئی یا وہیں سے لوٹ گئی تھی - نیلی نے سوچا کہیں کوئی کوٹھڑی میں نہ آ جائے - اس خیال کی تصدیق ہو گئی تھی - نیلی کے خلاف سازش کی گئی لیکن کیوں ؟ اُسے دھوکا دے کر اس طرح کس نے بلایا تھا اور اب کنیزیں اُسے ڈھونڈتی کیوں پھر رہی تھیں ؟

نیلی اس بارے میں کچھ نہ جانتی تھی - اُس کی تو بس ایک ہی کوشش تھی کسی طرح

شاہی محل کے بلند و بالا حصار سے باہر نکل جائے - وہ جلدی سے کھڑکی کی طرف بڑھی - کنڈی اُتار کر دونوں پٹ کھول دیئے تازہ ہوا کا جھونکا اُس کے رخساروں کو چھوتا ہوا گزر گیا -

یہ کھڑکی عقبی گلی میں کھلتی تھی جو آٹھ دس قدم سے زیادہ چوڑی نہ تھی دوسری طرف یک منزلہ مکانات کا سلسلہ حدِ نظر تک پھیلا تھا لیکن اُن کا کوئی دروازہ یا کوئی دریچہ گلی کی طرف نہ کھلتا تھا - البتہ بلندی پر چند چھوٹے چھوٹے غرفے ضرور دکھائی دیئے جو غالباً گندی ہوا کی نکاسی کے لیے بنائے گئے تھے -

یہ دراصل شاہی محل کا غلام پیشہ تھا - محل میں خدمت سرانجام دینے والے نوکر اور غلام اپنے بیوی بچوں کے ساتھ انہی مکانوں میں رہائش رکھتے تھے اور یہ گلی غلام پیشہ کے عقب میں واقع تھی -

شاید یہ نیلی کی خوش قسمتی تھی - کھڑکی کی درمیانی دونوں سلاخیں ندارد تھیں اور ایک آدمی اس خلا سے بہ آسانی گزر سکتا تھا - غالباً بوڑھے باغبان نے یہ راستہ اپنی آمد و رفت کے لیے بنا رکھا تھا - نیلی کی آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں اور فوراً کھڑکی میں سے باہر کود گئی -

اب وہ ایک ویران و سنسان گلی میں کھڑی تھی -

بلند و بالا فصیل بائیں باغ کی طرف سے گھومتی اور طویل قوس بناتی آگے بڑھ گئی تھی - اس نے بائیں باغ کی طرف جانے کی بجائے مخالف سمت کا رُخ کیا اور تیز قدموں کے ساتھ چلتی گئی -

گلی سنسان و ویران ہی نہیں شیطان کی آنت کی مانند طویل بھی تھی اور ختم ہونے میں نہ آتی تھی - غالباً اُس کی صفائی بھی شاذ و نادر ہی کی جاتی تھی - جگہ جگہ گرد و غبار کی تہیں جمی تھیں جس سے ظاہر تھا اس میں آمد و رفت نہیں ہوتی - ڈیڑھ دو سو قدم کے فاصلہ پر فصیل پھر مغرب کی سمت گھوم گئی تھی لیکن جونہی وہ موڑ کاٹ کر آگے بڑھی اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ پچاس ساٹھ قدم آگے گلی بند ہو گئی تھی اور سامنے لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا ایک عظیم و مہیب پھاٹک نصب تھا جس کی پرلی طرف شاہی چوب دار لمبے لمبے بھالے اُٹھائے پہرہ دے رہے تھے -

یہ منظر دیکھ کر نیلی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی - اس نے شاہی محل سے فرار کا جو راستہ اختیار کیا تھا - وہی آہنی دیوار بن کر سامنے حائل ہو گیا - اب وہ واپس بھی نہ جا سکتی تھی کیونکہ دونوں چوب داروں نے اُسے دیکھ لیا تھا - نیلی کے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے

گیں۔ کیا کرے۔ کدھر جائے۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کی مثل درپیش تھی۔

گلی آمد و رفت کے لیے ممنوع تھی۔ اُس کے سرے پر مہیب آہنی سلاخوں کا دروازہ ثبوت تھا اس بات کا کہ بلند و بالا فصیل کے حصار کی طرح یہ گلی بھی دراصل شاہی محل کے حصار کی حفاظتی راہداری کا کام دیتی ہے اور کسی بھی فرد کو اِدھر آنے جانے کی اجازت نہیں۔ ورنہ آہنی دروازے پر مسلح چوبدار متعین نہ ہوتے۔

نیلی جس خطرے سے ڈر کر شاہی محل سے بھاگی تھی اب وہ ایک خوفناک حقیقت کا رُوپ دھارے سامنے کھڑا تھا۔ دونوں چوب دار اُسے حیرت و تعجب کی نظروں سے دیکھ رہے تھے ——— "کیا سچ مچ وہ گرفتار کر لی جائے گی؟"

اچانک اُسے ولی عہد کی بخشی ہوئی انگوٹھی کا خیال آیا۔ شاید وہ اُس کے کام آسکے اگر محافظوں نے اُسے روک بھی لیا تو وہ صاف صاف کہہ دے گی۔ اُسے ولی عہد نے بُلایا تھا۔ تحقیقِ احوال کے لیے شاید اُسے شہزادہ ہی کے حضور پیش کیا جائے۔ یہ احساس کسی قدر اطمینان بخش تھا۔ ممکن ہے اسی طرح وہ شہزادہ سے مِل سکے اور اُسے اُس سازش سے مطلع کر سکے جس کا وہ شکار ہوئی تھی۔

دل کڑا کر کے وہ آگے بڑھی حتیٰ کہ آہنی جنگلہ پر پہنچ گئی۔ اُس نے جسم پر ایک ارغوانی لبادہ اوڑھ رکھا تھا جس کی وجہ سے شاہی محل کی خادماؤں اور کنیزوں سے الگ تھلگ نظر آرہی تھی چوب داروں کی حیرانی میں اس کے ارغوانی لبادہ کا بھی بڑا دخل تھا۔ شاہی محل میں کام کرنے والی عورتیں ایسا لباس نہ پہنتی تھیں پھر وہ کون ہے اور اس ممنوعہ گلی میں کیسے آنکلی:

دروازہ کے قریب پہنچ کر نیلی نے بلا جھجک کہا۔

"میں باہر جانا چاہتی ہوں۔ دروازہ کھول دو۔"

اُس کے لہجہ میں ایک "حسین تحکم" تھا۔ ساتھ ہی انگوٹھی والا ہاتھ لبادہ سے باہر نِکال کر اس طرح لہرایا کہ انگوٹھی نظر آجائے۔ دونوں چوب داروں کی حیرت پاش نظریں شاہی انگشتری پر جم کے رہ گئیں جس کا نادر ہیرا سُورج کی روشنی میں ستارے کی مانند جھلملانے لگا تھا۔

فوراً ہی ایک چوبدار نے بھاری قفل کھول دیا۔ دوسرے نے آہنی سلاخوں کا بھاری چوکھٹا ایک طرف کھینچ لیا اور نیلی دروازہ سے باہر آگئی۔ اس نے محسوس کیا شاہی انگوٹھی کو دیکھتے ہی دونوں چوبدار مؤدب ہو گئے تھے۔ گردنیں جذبۂ احترام سے خم ہو گئی تھیں۔ اس

انگوٹھی نے "الہ دین کے طلسمی چراغ" یا "نقشِ سلیمانی" کا سا حیرت انگیز شعبدہ دِکھایا اب نیلی کو اپنے محبوب شہزادہ کے تحفہ کی صحیح قدر و قیمت معلوم ہوئی۔ ایک عجیب سی فرحت کے ساتھ جس میں افتخار کی جھلک نمایاں تھی اُس نے گردن اُونچی کر کے چوبداروں کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

فصیل اس آہنی جنگلہ سے شمال کی سمت گھوم گئی تھی۔ ساتھ ساتھ ایک راستہ شاہی محل کے بڑے دروازہ "بابِ نوروز" تک چلا گیا تھا۔ نیلی "بابِ نوروز" کی طرف چلتی رہی راستہ اس کا دیکھا بھالا تھا۔ چند روز قبل اپنے باپ کے ہمراہ دربار میں شریک ہوئی تو اِدھر سے گزری تھی۔ "سرائے شہریار" کو جانے والی سڑک "بابِ نوروز" ہی سے شروع ہوتی تھی۔ گونا بستی سے صفدر نگر تک اُس نے گھوڑے پر سفر کیا تھا جسے عیار بڑھیا کی ہدایت پر "سرائے شہریار" ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

سُورج سر پر آنے والا تھا اور نیلی جلد از جلد شہر چھوڑ کر بستی کی طرف روانہ ہو جانا چاہتی تھی۔ اُس کے نزدیک سازش کا یہ جال شہزادی گلبانو ہی نے بچھایا اور اُسے ولی عہد کے نام سے دھوکا دے کر شاہی محل میں بُلایا تھا۔ وہ شہزادہ خرم کی منگیتر تھی۔ جب ولی عہد اور نیلی کی محبت کا افسانہ سُنا ہو گا جوشِ رقابت نے اُس کے دِل میں آگ بھڑکا دی ہو گی۔ یہ سازش اسی رقابت کا نتیجہ تھی۔

ہوا کے تیز رفتار جھونکے کی مانند وہ اُڑتی ہوئی "بابِ نوروز" کے سامنے سے گزرتی گئی۔ اس کے ارغوانی لبادہ کا دامن ہوا میں اُڑتا جاتا تھا۔ کئی نظریں اس کے تعاقب میں دوڑیں کئی لوگوں نے حیران و ششدر ہو کر اُس کی طرف دیکھا لیکن وہ گرد و پیش سے بے نیاز ——— وہ اسی رفتار سے چلتی "سرائے شہریار" کو جانے والی سڑک پر ہو لی۔

"بابِ نوروز" پر کھڑے کئی لوگوں اور پہریداروں کی نگاہیں اُس کے اُڑتے لہراتے دامن رنگین کو دیکھ رہی تھیں جو بتدریج دُور ——— اور دُور ——— اور دُور ہوتا چلا گیا۔ ارغوانی لباس اوڑھے ——— ہوا سے باتیں کرتی ——— دامن لہراتی ——— آنچل اڑاتی ——— تقدیر کی آن بیاہی دُلہن کی طرح یہ کون چلی جا رہی ہے؟

کوئی نہیں جانتا ——— کوئی نہیں جان سکتا۔ صفدر نگر کی قسمت اِس دوشیزۂ بہار کے ہاتھ میں نجمِ سحر کی مانند پرو دی گئی ہے۔ سلطنت اِس آن بیاہی دُلہن کے جہیز میں لکھی جا چکی

ہے اور ریاست کے تخت و تاج اس کے پاؤں کی ٹھوکر میں پڑے ہیں۔

یہ حسین مچھیرن اُس بساطِ محبت کا سب سے اہم مہرہ ہے جسے قدرت نے اپنے ہاتھ سے بچھایا ہے لیکن کسی کو علم نہیں شطرنج کی اس بازی میں جیت کس کی ہو گی، مات کس کا نصیب بن جائے گی۔

یہ شعلہ بہ رخ لڑکی جس کی ایک نگاہ غلط انداز پر صفدر نگر کی پوری سلطنت ہار دی گئی اس کھیل کا محور، مدار اور مرکزی نقطہ ہے جس کا آغاز بڑے حیرت انگیز اور ڈرامائی منظر سے ہوا تھا۔

کھیل شروع ہو چکا تھا —— بساطِ زندگی پر شطرنج کی چال کھیلی جا چکی تھی۔ نیلی اپنے خیال میں شہزادی گلبانو کی چال کو کاٹتی ہوئی شاہی محل سے نکل آئی تھی مگر کیا وہ اس آن دیکھے دام سے بھی بچ نکلے گی جو تقدیر نے اس کے راستہ میں بچھا دیا تھا ——؟

جب وہ سرائے شہریار" میں پہنچی تو سورج سر پر آ گیا اور سائے ڈھلنا شروع ہو گئے تھے۔ نیلی بگولۂ صحرائی کی طرح دروازہ میں داخل ہوئی اور اصطبل کی طرف بڑھی لیکن ابھی اس نے گنتی کے چند قدم اُٹھائے ہوں گے کہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ اُس کے پاؤں آپ سے آپ فرشِ زمین سے پیوست ہو گئے۔

ایک آدمی نجانے کس گوشے سے نکل کر تیر کی طرح سیدھا اُسی کی طرف آ رہا تھا —— وجہِ حیرت یہ تھی۔ اس آدمی کا چہرہ وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی مگر کہاں —— کس وقت —— اور کس حالت میں ——!

اُس کا ذہن ماضی کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔

اچانک جیسے شمشیر برہنہ چل جاتی ہے —— جیسے تیر قضا سر ہوتا ہے۔ نیلی کو یاد آ گیا۔ چاندنی چودھویں رات کو یہ آدمی شمشیر ڈاکو کے ساتھ جس نے اپنا منہ سیاہ ٹپکے سے ڈھانپ رکھا تھا زخمی شہزادے کی تلاش میں اُن کے اپنے ہی گھر میں داخل ہوا تھا اور ہر کونے، ہر گوشے میں شکاری کتے کی طرح ولی عہد کی بُو سُونگھتا پھرا تھا۔ اُس کے محبوب شہزادہ نے اس بھیڑیئے کا نام لاچی خاں بتایا تھا۔

بے شک یہ لاچی خاں ہی تھا —— شمشیر ڈاکو کی بد رُوح، جس نے صفدر نگر کی وزارت

کا خواب دیکھا مگر وہ بھیانک خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ قدرت کے آن دیکھے ہاتھ نے اس کی ٹانگ گھسیٹ لی تھی اور اُس کا خواب دیوانے کے خواب کی طرح شاہی محل کی ... میں منتشر ہو گیا تھا۔

اپنے بھیانک منصوبہ میں ناکامی کے بعد شاہی محل میں لاچی خاں کی حیثیت بالکل ختم ... ہو گئی اور وہ دو کوڑی کا آدمی بن کر رہ گیا تھا جو ذلت ہوئی سو ہوئی اُس کے ساتھ شمشیر کی ... بھی حیثیت بھی مجروح، الزام ٹھہری تھی کہ وہ سلطنت کے آئین و قانون سے بے بہرہ ہے۔ ... قصرِ ذیشان کے غلاموں، کنیزوں اور شاہی محل کے داروغہ خوبصورت بیگ سے لے ... سپہ سالار رستم خان اور وزیرِ سلطنت نبانی بابا اور ملکۂ جہاں تک اُسے لوگوں کی نظروں ... شرمندہ و سنگسار ہونا پڑا تھا۔ اب شاہی محل میں لاچی خاں کا وجود فائدہ کی بجائے نقصان کا ... جب تھا اور شمشیر نے فیصلہ کیا کہ اُسے کچھ عرصہ کے لیے لوگوں کی نگاہوں سے ہٹا لیا جائے۔

لاچی خاں اُسی روز شاہی محل چھوڑ کر "سرائے شہریار" میں چلا آیا۔ شمشیر کا حکم تھا ... اُس وقت تک سرائے میں قیام کرے جب تک دلارام سے ولی عہد کی مُہرِ خاص کا نقش ... حاصل کر کے اُس کے پاس نہیں بھیج دیتا۔ نقش مل جانے کے بعد اُسے فوراً سانگا جنگل کی حویلی ... میں پہنچ جانے کی ہدایت کی گئی اور حکم دیا گیا وہ کسی ماہر ترین کاریگر کا کھوج لگائے۔ اُسے اغوا کرے ... آنکھوں پر پٹی باندھ کر جنگل کی حویلی میں لے جائے اور وہاں اپنی نگرانی میں نقش کے مطابق نقلی مُہر ... بنوائے۔ اس کام کے لیے اُسے زیادہ سے زیادہ آٹھ دس روز کی مہلت دی گئی تھی۔

لاچی خاں سرائے میں پا بہ رکاب بیٹھا تھا کیونکہ توقع کے مطابق آج ہی اُسے مُہرِ خاص ... کا نقش مل جانے والا تھا اور آج ہی اُسے سرائے سے رخصت ہو جانا تھا مگر آج ہی اُس نے ... سرائے میں ایک عجیب منظر دیکھا۔

طلوعِ آفتاب سے تھوڑی دیر بعد گوناتی کے سردار شاہو کی حسین لڑکی نیلی ارغوانی ... لبادہ اوڑھے گھوڑے پر سوار سرائے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ساتھ ایک کھوسٹ بڑھیا ... بھی تھی جس کے چہرے پر جھریوں نے مکڑی کا جال سا بُن رکھا تھا۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھی ... سرائے کے منتظم کے پاس گئیں۔ بڑھیا نے سردار سے کوئی بات کی پھر فوراً ہی ایک سائیس ... گھوڑے کو اصطبل میں لے گیا۔ بڑھیا نیلی کو لے کر سرائے سے نکلی اور شاہی محل کے راستہ پر ہو لی تھی۔

لاچی خاں حیرت و تعجب سے یہ منظر دیکھتا رہا جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئیں، تو دوسری منزل سے نیچے اترا اور سیدھا منتظم کے پاس پہنچا۔ اُس نے بڑھیا کے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا وہ صفدر نگر کی ایک مشہور گٹنی رانی ہے اور شاہی حکم کے مطابق سردار شاہو کی بیٹی کو گنا بستی سے لے کر آئی ہے۔

اگرچہ اس امر کی وضاحت نہ ہو سکی تھی کہ شاہی حکم "ولی عہد" کا ہے۔ ملکہ جہاں کا یا شہزادی گلبانو کا؛ پھر بھی یہ اطلاع کافی دلچسپ تھی۔ "جشنِ دربار" کے موقع پر خود ملکہ جہاں نے نیلی سے فرمائش کی تھی۔ وہ "ولی عہد" کی شادی پر رقص کا مظاہرہ کرے اور نیلی نے وعدہ کر لیا تھا۔ ہو سکتا ہے ایسی ہی کسی تقریب کے سلسلہ میں اُسے رقص و نغمہ کی خاطر شاہی محل میں بُلایا گیا ہو۔

لاچی خاں پھر اپنے کمرے میں لوٹ گیا۔ اُسے شمشیر کے قاصد کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا مگر وقت گزرتا گیا اور قاصد نہ آیا۔ حتیٰ کہ سُورج کہاں سے کہاں آ گیا۔ اچانک ایک برق رفتار سوار شاہی محل سے آنے والی سڑک پر نمودار ہوا اور گھوڑا دوڑاتا سرائے میں پہنچ گیا۔ لاچی خاں کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ اُبھری۔ فی الواقع وہ شمشیر کا قاصد ہی تھا اور لاچی کے لیے ایک بند پارچہ لے کر آیا تھا۔ پارچہ دے کر وہ اُسی وقت شاہی محل کی طرف لوٹ گیا۔

لاچی نے مُہر بند پارچہ کھولا تو اُس میں ولی عہد کی مہر خاص کا نقش موجود تھا۔ شمشیر نے شہزادہ خرم کا وہ فرمان جو دلارام سے حاصل کیا تھا، اُس کو اُسے بھیج دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں لاچی خاں کو یہ مژدہ سُنایا گیا تھا کہ ولی عہد کی اصل انگشتری کا سُراغ مل گیا ہے اور وہ بہت جلد حاصل کر لی جائے گی۔ اس سلسلہ میں مزید کوئی تفصیل نہ بتائی گئی تھی البتہ یہ ہدایت کی گئی۔ فی الحال وہ سانگا جنگل میں جانے کا ارادہ ملتوی کر دے اور سرائے ہی میں قیام کرے۔ اگر دو تین روز تک شاہی انگوٹھی نہ مل سکی تو اسے نئی ہدایات دی جائیں گی۔

اس خط نے لاچی خاں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

اس کے نزدیک شہزادہ خرم سانگا ندی میں غرق ہو چکا۔ اُس کے ساتھ ہی ولی عہد کی انگوٹھی بھی غرقاب ہوئی تھی پھر اُس کا سُراغ کہاں سے مل گیا؟ کیا کسی نے شمشیر کو بے وقوف بنانے کی کوشش تو نہیں کی؟

اِسی سوچ بچار میں گُم تھا کہ اچانک نظریں دوسری منزل کے دریچے سے اُس سڑک

[...]ٹھ گئیں جو شاہی محل کی طرف جاتی تھی۔ اُس سڑک پر ایک سُرخ ــــــ ارغوانی ہیولیٰ سا بگولے [...]ی مانند سرائے کی سمت اُڑا چلا آ رہا تھا۔

لاچی خاں کی نظریں اس ارغوانی ہیولے پر مرتکز ہو کر رہ گئیں۔

"نیلی ــــــ" اُس کے ہونٹ تھرتھرائے پھر کسی خیال کے تحت وہ اٹھا اور زینہ [...]ترنے لگا۔

نیلی کو پہلے تو یہی شبہ ہُوا۔ شاید یہ آدمی جو تیر کی مانند اُس کی طرف چلا آتا ہے شہزادی [...]یانو ہی کا کوئی فرستادہ ہو گا جو غالباً اُس کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہو لیکن آدمی کو پہچان لینے [...]ے بعد وہ تھرا کے رہ گئی۔ شمشیر ڈاکو کا ساتھی موت کا ہرکارہ تو ہو سکتا تھا مگر شہزادی گلبانو کا [...]رستادہ نہیں۔

لاچی خاں "موت کے پرچم" کی طرح صرف تین قدم کے فاصلہ پر رُک گیا۔ اُس نے [...]لی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ــــــ "اگر میری نگاہیں غلطی نہیں کرتیں تو میں اس وقت گونا [...] کے سردار شاہو کی بیٹی سے ہمکلام ہوں"۔

"ہاں ــــــ تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا نام نیلی ہے"۔ اُس نے کسی قدر سنبھل کر جواب دیا۔

"رقص و نغمہ کی شہزادی . . . . ." لاچی خان نے مُسکرا کر کہا۔ "میں نے جشنِ دربار میں [...]را رقص دیکھا ــــــ تمہارا نغمہ سُنا ــــــ واقعی تم جادُو جگاتی ہو"۔

"جشنِ دربار ــــــ؟" نیلی نے چونک کر دیکھا۔ "کیا اُس روز تم دربار میں [...]جود تھے؟"

"کیوں نہیں ــــــ دراصل میں "شہزادہ خرم ذیشان" کے محافظ دستہ کا [...]ر اعلیٰ ہوں اور دربار میں شہزادہ عالی کے ہمراہ میری موجودگی بھی ضروری ہوتی ہے"۔

نیلی کے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ اُسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا [...]۔ شمشیر ڈاکو کا ساتھی ــــــ ایک لٹیرا ــــــ شاہی محافظوں کا قاتل ــــــ ولی عہد کا دشمن [...]ن جو چاند کی چودھویں رات کو دیوانے بھیڑیے کی مانند زخمی شہزادہ کو ڈھونڈتا پھرا تھا۔ [...]شہزادہ خرم ذیشان" کے محافظ دستہ کا افسر اعلیٰ بن جائے؟ ناممکن ــــــ ناممکن ــــــ [...]ممکن ــــــ یقیناً وہ جھوٹ بول رہا تھا ــــــ بھلا برق و آتشیاں ــــــ کا تجاوکیے

ممکن ہے ؟

نیلی کے جی میں آئی وہ کہہ دے۔ تم وہی خونی بھیڑیے ہو جو ایک رات زخمی شہزادہ کو ڈھونڈتے ہمارے گھر میں گھس آئے تھے لیکن اچانک وہ سنبھل گئی اور طنز آلود لہجے میں بولی۔

"تم شہزادہ خرم کے محافظ افسر ہو —— پھر تو تم سے ڈرنا چاہیے۔"

"کیوں ڈرنا چاہیے۔"

"تم جسے چاہو پکڑ سکتے ہو جسے چاہو موت کے گھاٹ اُتار سکتے ہو مگر افسر اعلیٰ صاحب! میں نے کون سا جرم کیا ہے —— تم نے مجھے یوں گھیر لیا؟"

"ارے ..... میری کیا مجال کہ میں رقص کی شہزادی کو روکنے کی جرأت کر سکوں میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ شاہی محل سے آرہی ہو۔ تمہیں کس نے بلایا تھا۔ ملکہ جہاں —— شہزادہ خرم —— یا شہزادی گلبانو نے؟"

فرطِ تحیر سے نیلی اُچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تمہیں کس نے بتایا۔ مجھے شاہی محل میں بلایا گیا تھا؟"

لاچی خاں پُر سکون لہجے میں گویا ہوا —— "شہزادہ خرم کے محافظ افسر کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔"

"بس —— مذاق ختم ہو چکا۔" نیلی جھنجھلا کر بولی۔ "تم اتنی دیر سے لاف و گزاف ہانک رہے ہو مگر ان باتوں سے کیا حاصل ——؟"

اسی لمحے "سرائے شہریار" کا جھکی منتظم داراب بھی اُدھر آنکلا۔ اُس نے لاچی خاں کو دیکھتے ہی ادب سے سلام کیا اور بولا۔

"کیا آپ کی روانگی کا انتظام کیا جائے جناب!"

"نہیں داراب! فی الحال میری روانگی ملتوی ہو چکی ہے لیکن تم ایک اور خدمت ادا کر سکتے ہو۔"

"بڑے شوق سے جناب! فرمائیے کیا حکم ہے؟"

"ذرا سردار شاہو کی بیٹی کو اتنا بتا دو۔ میں کون ہوں۔"

"ارے رے رے ....." جھکی منتظم نیلی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا واقعی تم نہیں جانتی انہیں؟ بھئی! سردار لاچی خاں ہمارے شہزادۂ عالی کے محافظ دستہ کے افسر

ں اور ان کے عزیز ترین دوست ہیں۔ جس روز ولی عہد پہاڑی قلعہ سے واپس آئے۔ س دن سردار لاچی خاں ہی تو شہزادہ کے خاص علمبردار تھے۔ ایسا عظیم الشان —— یسا فقید المثال استقبال ہوا تھا کہ بس کیا عرض کروں ..... کیوں جناب! میں نے کچھ لط تو نہیں کہا؟"

یہ کہہ کر منتظم لاچی خاں کی طرف گھوم گیا اور اس نے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو داراب! سمندر نگر کی تاریخ میں ولی عہد کے استقبال کی نظیر نہیں ملتی۔"

"بس کیا عرض کروں جناب —— ! اُس روز آپ کی شان بھی دیکھنے والی تھی۔"

پھر منتظم داراب لجاجت آمیز انداز میں کہنے لگا۔

"قدرت نے آپ کو عزت بخشی ہے۔ آپ شہزادہ عالی کے یارِ غار بھی ہیں۔ کسی روز ان سے سفارش کر کے مجھے بھی ترقی دلا دیجئے! میں جانتا ہوں، سرکار آپ کی بات ٹال نہیں سکتے۔ زندگی بھر غلام رہوں گا جناب!"

"سفارش کا موقع تو آنے دو داراب! میں سلطنت کے وفاداروں کو کبھی نہیں بھولتا۔ ولی عہد کے جشنِ تاجپوشی پر تمہیں ترقی مل جائے گی۔"

"شکریہ جنابِ عالی! صد ہزار بار شکریہ۔ بس کیا عرض کروں۔ آپ ہمیشہ مجھے ا وفادار اور جاں نثار پائیں گے۔"

نیلی دم بخود کھڑی اُن کی گفتگو سُن رہی تھی۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے سے برس ہے تھے۔ شدتِ کرب سے ذہن پھٹ جانے کو تھا۔ سارے جسم کی شریانوں میں خون دے کی طرح اُبلتا، سرسراتا دوڑ رہا تھا۔ اعصاب یوں کھنچے جا رہے تھے جیسے اُس کا بدن سی شکنجے میں کس کر بتدریج چرخی گھمائی جا رہی ہو اور جوڑ جوڑ الگ کیا جا رہا ہو —— سا لگا جنگل ے بدنام ڈاکو شمشیر کا ساتھی، قانون کا مجرم —— حکومت کا دشمن —— شاہی محافظوں کا قاتل اور شہزادہ خرم کا محافظ افسر ہی نہیں بلکہ ولی عہد کا علمبردار اور یارِ غار بھی —— العجب —— العجب!!

نجانے یہ لوگ کون سے شہزادہ اور کس ولی عہد کے استقبال کی کہانی دہرا رہے تھے۔ اچانک نیلی کو یاد آیا۔ شاہی محل میں دلارام نے بھی تو یہی کہہ کر اُس کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اُس نے خواب میں شہزادہ خرم کی تیمارداری کی ہو گی، خواب میں اُس کی محبت کا پیمان

باندھا ہوگا ورنہ "شہزادہ" توحسِّ دربار سے چار دن پہلے ہی صفدر نگر میں آگیا اور اس کا عظیم الشان استقبال ہوا تھا ——— اب لاچی خاں اور "سرائے شہریار" کا منتظمِ اعلیٰ داراب بھی اسی استقبال کا افسانہ سنا رہے تھے ——— کہیں وہ سب پاگل تو نہیں ہوگئے ——— یا پھر ..... یا پھر ..... کہیں اس کا اپنا ہی دماغ نہ چل گیا ہو ——— کہیں وہ خود خواب نہ دیکھ رہی ہو ——— کہیں یہ شہر ہی شہرِ طلسم نہ ہو جہاں آتے ہی حقیقت خوابوں میں ڈھل جاتی ہے۔ جہاں پہنچتے ہی منظر بدل جاتے ہیں۔

"میرا گھوڑا منگا دو۔ میں جانا چاہتی ہوں"۔

اُس نے یہی فیصلہ کیا تھا جس قدر جلد ہو سکے اس شہرِ سحر و خواب سے نکل جائے۔

داراب نے وہیں کھڑے کھڑے سائیس کو گھوڑا لانے کا حکم دیا اور لاچی خاں نیلی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاہی محل میں تمہیں کس نے بلایا تھا ——— ؟"

"میری تقدیر نے ———"

یہ کہہ کر نیلی خاموش ہوگئی اور لاچی خاں اُس کے حیرت بکنار چہرے کو دیکھنے لگا۔ جس پر کئی کہانیاں، کئی حکایتیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ وہ کوئی اندازہ نہ لگا سکا کہ اس وقت اس کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔

اتنی دیر میں سائیس گھوڑا لے کر آ پہنچا۔ نیلی نے لگام تھام لی اور سوار ہونے کی تیاری کرنے لگی۔ داراب سائیس کے ساتھ غالباً اصطبل میں چلا گیا تھا۔ جب نیلی نے رکاب میں پاؤں رکھا۔ لاچی خاں نے کہا۔

"نیلی! مجھے افسوس ہے۔ جب تم شاہی محل میں پہنچیں میں وہاں موجود نہ تھا ورنہ میزبانی کا فرض ضرور ادا کرتا۔ تم نے یہ بھی نہیں بتایا۔ شاہی محل میں تمہیں کس نے بلایا تھا۔ شاید تم ناراض ہو لیکن کوئی بات نہیں۔ میں دلارام سے پوچھ لوں گا ———"

نیلی ایک پاؤں زمین پہ ٹکائے دوسرا رکاب میں اُڑسے لاچی خاں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کی بجلیاں سی کوند رہی تھیں ——— اچانک لاچی خاں بولا۔

"اگر بُرا نہ مانو تو میں تمہیں سوار ہونے میں مدد دوں؟"

"نہیں ——— شکریہ!"

یہ کہہ کر نیلی نے دونوں ہاتھوں سے گھوڑے کی زین تھام لی اور اُچک کر سوار ہوگئی ——— اُسی مختصر سے لمحہ میں ——— جو پلک جھپکنے کے اندر گذر جاتا ہے لاچی خاں کی نظر اُس کے دائیں ہاتھ پر پڑی جس کی تیسری انگلی میں فیروز خاندان کی شاہی یادگار ——— ولی عہد سلطنت کی تقدیر ——— کسی لعل شب چراغ کی مانند چمک دمک رہی تھی۔ سورج کی روشنی میں نایاب تاریخی ہیرا شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ نیلی نے اُسی ہاتھ سے گھوڑے کی لگام تھام لی تھی۔

لاچی خاں کسی سحر زدہ انسان کی طرح گم صم ——— دم بخود ——— مہر بلب ——— گھڑا نیلی کے خوب صورت ہاتھ میں ضیا پاشیاں کرتی انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔ ہوشیار نظروں نے اُس گوہرِ نایاب ——— اس تقدیرِ گم گشتہ کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی ——— دوسرے ہی لمحے اس کی نظریں نیلی کے چہرہ پر دوڑ گئیں اور وہ مضطرب لہجے میں بولا۔

"رُک جاؤ۔ صرف ایک پل کے لیے رُک جاؤ"۔

نیلی جو گھوڑے کو ایڑ لگانے ہی والی تھی لاچی خاں کی اچانک بدلی ہوئی صورت کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور لاچی خاں کی طرف دیکھ کر بولی ———

"کیا بات ہے ——— تم اچانک پریشان کیوں ہوگئے؟"

"میں ——— میں تمہارے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے کا طلب گار ہوں۔ مجھے اُمید ہے روانگی سے قبل تم میری یہ حقیر سی تمنا ضرور پوری کرو گی"۔

نیلی نے سوچے سمجھے بغیر اپنا دایاں ہاتھ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ لاچی خاں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا خوب صورت ہاتھ بڑی عقیدت سے تھام لیا۔ پھر بوسہ دینے کے بہانے اپنا منہ قریب لایا اور اُس نے بہت قریب سے، بڑے غور سے شاہی انگوٹھی کو دیکھا۔ ولی عہد کی مہرِ خاص کے متعلق وہ جتنی معلومات فراہم کر چکا تھا سب کی سب اُس میں موجود تھیں۔ سو فی صد وہ شاہی انگشتری تھی ——— ولی عہد کی تقدیر ——— جو گونا بستی کی حسین رقاصہ کے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔

لاچی خاں نے بڑی عقیدت سے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا پھر ذرا بلند آواز میں بولا۔

"اس انگوٹھی کا ہیرا تو بڑا قیمتی معلوم ہوتا ہے"۔

"کیا چُرانے کا ارادہ ہے ؟"

نیلی نے طنز کا نشتر چلا کر ہاتھ کھینچ لیا اور لاچی خاں گھبرا کر بولا۔

"مَیں نے صرف تعریف کی ہے۔ اس قسم کا قیمتی ہیرا مَیں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسی انگوٹھیاں تو بادشاہ، شہزادے اور شہزادیاں پہنتی ہیں۔"

"مجھے شہزادی ہی سمجھو۔" پھر اس نے مسکرا کر لاچی خاں کی طرف دیکھا اور چُبھتے ہوئے لہجہ میں کہنے۔ "لاچی خان ——— ! تم اپنے آپ کو شہزادہ خرم کا محافظ افسر اور یارِ غار بیان کرتے ہو مگر اتنا نہیں جانتے یہ انگوٹھی ولی عہد کی ہے۔"

لاچی خاں پر تحیر کی بجلی گری، سوچ رہا تھا شاید نیلی شاہی انگوٹھی کی اصلیت سے ناواقف ہو گی۔ مگر نیلی نے انکشافِ حقیقت کر کے اسے تصویرِ حیرت بنا دیا تھا۔

"مگر . . . . . یہ انگوٹھی تمہارے پاس کیسے آگئی ؟"

"اگر تم واقعی شہزادہ کے دوست ہوتے تو سب کچھ جان لیتے ——— سب کچھ سمجھ جاتے لیکن تم وہ نہیں جو ظاہر کرتے ہو ——— قاتل کبھی مقتول کا دوست نہیں ہو سکتا۔"

یہ کہہ کر نیلی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آندھی کے جھونکے کی طرح سرائے سے نکل گئی۔

لاچی خاں کی آنکھیں فرطِ تحیر سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نیلی جاتے جاتے جو خنجر پھینک گئی وہ قبضہ تک اس کے سینہ میں اُتر گیا تھا اور وہ حیرت و استعجاب سے اس قدر بد حواس ہو گیا کہ پتھر کے بُت کی طرح ساکت و جامد کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ نیلی نے جو نشتر چلایا اس سے لاچی خاں جیسا ہوشیار اور مکار بھیڑیا بھی لرز اُٹھا۔

یہ بات تو بالکل واضح تھی، نیلی نے اُسے شہزادہ خرم کے محافظ یا دوست کی حیثیت سے تسلیم ہی نہ کیا تھا مگر یہ معمّا پھر بھی نہ کھل سکا، شاہی انگوٹھی اس کے پاس کیسے پہنچی ؟ اگرچہ اس انکشاف نے لاچی خاں پر خوف طاری کر دیا تھا کہ وہ اس کی اصلیت کے کسی پہلو سے واقف ہے اور اُسے شہزادہ خرم کا دوست نہیں دشمن سمجھتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نیلی کے آخری فقرہ نے اُسے قدرے مطمئن بھی کر دیا تھا کہ "قاتل کبھی مقتول کا دوست نہیں ہو سکتا۔" اس کا مطلب یہ ہے شہزادہ خرم مر چکا اور نیلی لاچی خاں ہی کو اس کا قاتل سمجھتی ہے ہو سکتا ہے، یا نکی چودھویں رات کو جب خرم اُن کے گھیرے سے زخمی ہو کر نکل بھاگا تو گنا بستی میں

داخل ہونے کی بجائے ساحلِ دریا پر کہیں چھُپ گیا ہو۔ خُون کثرت سے بہہ نکلنے کے باعث وہیں مر گیا ہو اور دوسرے روز نیلی نے اس کی لاش دیکھی ہو۔ یہ بھی امکان تھا خُرم نے مرنے سے پیشتر کسی کو اپنی اصلیت سے آگاہ کر دیا اور اس طرح شاہی انگوٹھی اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیلی کے ہاتھ میں پہنچ گئی ہو۔

بہر حال نیلی نے لاچی خاں کو قاتل اور شہزادہ خرم کو مقتول قرار دے کر اُسے نئی اُلجھنوں، نئی پریشانیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر وہ جانتی ہے شہزادہ خرم جاں بحق ہو چکا ہے۔ تو لازمی طور پر شمشیر کی اصلیت سے بھی بے خبر نہ ہو گی اور یہی وہ خنجر تھا جس کی نوک اس کے دِل میں کھُب کے رہ گئی تھی۔

شمشیر کے پیغام نے بھی جو تھوڑی دیر پہلے موصول ہوا اُسے حیران کر دیا تھا۔ اُسے یہ خوش خبری ملی تھی، شاہی انگوٹھی کا سُراغ لگا لیا گیا ہے۔

آج ہی گنا بستی کی حسین رقاصہ نیلی شاہی محل میں طلب کی گئی تھی اور اس کی طلبی کے بعد ہی شمشیر کا پیغام ملا تھا کہ انگوٹھی کا سُراغ مِل گیا ہے۔

لاچی خاں سوچ رہا تھا۔ کیا نیلی کو شمشیر ہی نے طلب کیا تھا ؟

کیا اس نے بھی انگوٹھی دیکھ لی اور نیلی سے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے ؟

جب وہ خرم کی لاش دیکھ چکی ہے تو شمشیر کو دیکھ کر کیا سمجھی ہو گی اور اس نے کس قسم کے ردِ عمل کا اظہار کیا ہو گا ؟

لاچی خاں مختلف واقعات کی کڑیاں ملانے اور کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جوں جوں سوچتا معاملات میں نئی گرہیں نئی اُلجھنیں پیدا ہوتی چلی گئیں، وہ کسی مثبت نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ اب ایک ہی راستہ، ایک ہی چارہ باقی تھا۔ لاچی خاں شمشیر کے حکم و ہدایت کو بالائے طاق رکھ کر ایک بار پھر شاہی محل کا رُخ کرے اور خود شمشیر سے مل کر حقیقت معلوم کرے۔

یہی سوچ کر وہ بجلی ایسی سرعت کے ساتھ اصطبل کی طرف لپکا جہاں اس کا گھوڑا بندھا تھا۔ جب اس نے داراب کو حکم دیا۔ اس کے گھوڑے پر کاٹھی ڈالی جائے تو منتظم یہی سمجھا۔ شاید وہ اپنے سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔

"جناب واپسی کب ہو گی ؟"

لاچی خاں جواب دیئے بغیر گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ بگولے کی طرح اڑتا ہوا گھوڑے کے قریب پہنچا۔ اچھل کر سوار ہوا پھر اس کا گھوڑا اسی راستہ پر ہوا ہو گیا جو سرائے شہریار سے شاہی محلات کی طرف جاتا تھا۔

سرائے کا جھکی منتظم داراب گیٹ پر حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑا لاچی خاں کو شہر کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا۔

(منظر ۲۲)

خوفناک آدمی

سواروں نے جن کی کمان شمشیر بنفس نفیس کر رہا تھا۔ گویا بستی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ فوجی کارروائی لاچی خاں کے مشورہ پر فوری اور اچانک عمل میں آئی تھی۔ لاچی خاں کے علاوہ حمید اور شمشیر کے وہ پچاس ساتھی بھی جنہوں نے ولی عہد کے محافظ دستہ کا روپ دھار لیا تھا اس کی رکاب میں تھے۔

شمشیر چونکہ ایک راز کا کھوج لگانے نکلا تھا جو نوکِ خنجر کی طرح اس کے دل میں کھب کے رہ گیا اس لیے اپنے دستہ خاص کے علاوہ شاہی فوج کے کسی سوار یا افسر کو ہمراہ لینا مناسب نہ سمجھا تھا۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک کر پیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ اندیشہ بھی مدنظر تھا اگر اس نے سپہ سالار رستم خاں کی اجازت، داطلاع کے بغیر شاہی سواروں کو ساتھ لے لیا تو ممکن ہے کوئی جھگڑا نکل آئے۔ فی الحال وہ ایسا کوئی قدم اٹھانے پر تیار نہ تھا جو اسے آئین و قانون کے پھندوں میں الجھا دے۔ اس کے اپنے ہی ساتھی جو شاہی فوج کی وردی میں ملبوس تھے۔ اس مہم کے لیے کافی تھے۔ وہ کسی دوسرے پر اعتماد بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ شکار کے بہانے اچانک صفدر نگر سے نکلا اور سانگا جنگل میں اس مقام پر

خیمہ زن ہوگیا - جہاں سے گونابستی ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پہ واقع تھی - درمیان میں صرف ندی حائل تھی -

سانگا جنگل کا کونہ کونہ اس کا دیکھا بھالا تھا - ندی کی پٹی کے ساتھ ساتھ درندوں کا بھی کوئی خوف نہ تھا کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی جانور ندی سے پانی پینے آتا تھا - وہ اپنی پیاس اسی چشمہ سے بجھالیا کرتے تھے جو جنگل کے بیچوں بیچ کسی ناگن کی طرح پیچ و خم کھاتا گزرتا اور سانگا ندی ہی میں آگرتا تھا - اگر چاہتا تو اپنی حویلی میں بھی قیام کر سکتا تھا لیکن اس وقت وہ شمشیر ڈاکو نہیں شہزادہ خرم ذیشان بن کر آیا تھا اور شاہی حیثیت کے پیش نظر ڈاکوؤں کی حویلی کے قریب بھی پھٹکنا مناسب نہ تھا -

اس نے پندرہ سترہ کوس کا فاصلہ بڑی برق رفتاری سے طے کیا اور غروب آفتاب کے وقت جب جنگل کی زندگی آخری کروٹ لے کر بیدار ہونے والی تھی ایک پہاڑی ٹیلے کے عقبی میدان میں خیمے گاڑ دیے - شمشیر کا اپنا خیمہ جو شاہی سراپردہ کا نقشہ پیش کرتا تھا محافظ سواروں کے خیموں سے ہٹ کر ٹیلہ کے عقب میں نصب کیا گیا تھا -

یہ میدان کم و بیش دو ڈھائی فرلانگ طویل اور ڈیڑھ فرلانگ عریض ہوگا لمبی لمبی گھاس اور گلگ وندے کی جھاڑیوں اور اونچی کائی کے علاوہ اکا دکا درخت بھی کھڑے تھے -
شمال مشرق میں گھنا جنگل شام کے اندھیرے میں زخمی مگرمچھوں کی طرح سسک رہا تھا - سانگا ندی ان کے پڑاؤ سے صرف نصف کوس پہ درختوں کی گھنی پٹی کے ساتھ بہہ رہی تھی - اس پار گونابستی —— مچھیروں اور ملاحوں کی قدیم الایام آبادی اپنی پراسرار روایتوں اور حکایتوں کے دامن پھیلائے اندھیرے میں ملفوف تھی -

شمشیر نے ایک خطرناک منصوبہ تیار کیا تھا - وہ رات کے اندھیروں میں اچانک گونا بستی کو گھیر لینا چاہتا تھا - تاکہ کوئی فرد ان کے گھیرے سے نکل نہ سکے - لاچی خاں نے نیل کے حوالہ سے جو کہانی سنائی اس سے پتہ چلتا تھا - اس بستی کے لوگوں نے شہزادہ خرم کو زندہ یا مردہ نہ دیکھا تھا اور وہ مستقبل میں اس کے لیے "خطرہ" بن سکتے تھے - شمشیر معلوم کرنا چاہتا تھا - اصل واقعہ کیا ہے ؛ شاہی انگوٹھی نیل کے پاس کیسے پہنچی ؛

شاہی محل میں اس نے دلارام کو فوراً طلب کر لیا تھا جو اسے انگوٹھی کے بارے میں کوئی نہ کوئی اطلاع دے سکتی تھی لیکن کس قدر حیرت انگیز اور تشویشناک حادثہ تھا کہ دلارام

تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی تھی - وہ شاہی محل سے پراسرار طور پر غائب ہوگئی اور کوئی کنیز، کوئی خادمہ کچھ نہ جانتی تھی وہ کسی کو اطلاع دیئے بغیر اچانک کہاں چلی گئی ہے - اس کی تلاش سے مایوس ہو کر شمشیر نے فوری طور پر شکار کا پروگرام بنالیا - یہ آندھی طوفان کی طرح صفدر نگر سے روانہ ہوا اور جنگل میں آ اترا تھا -

جوں جوں اندھیرا بڑھ رہا تھا —— جیسے جیسے رات بھیگتی جارہی تھی جنگل بیدار ہو رہا تھا اور شمشیر کے ساتھی درندوں کی وہ مانوس آوازیں سن رہے تھے جو ان کی سماعت سے اکثر ٹکراتی رہتی تھیں - آدھی رات کے وقت اس نے جابر خاں کی نگرانی میں دس آدمیوں کو خیموں کی حفاظت کے لیے وہیں چھوڑا اور چالیس سواروں کو ساتھ لے کر گونابستی کی طرف بڑھا -

انھوں نے پایاب جگہ سے ندی عبور کی اور بڑی خاموشی سے گونابستی کی سمت ہولیے جس کے کچے گھروندے، گھاس پھوس کے جھونپڑے رات کی تاریکی میں گھل مل گئے تھے - سواروں کو چار ٹکڑیوں میں تقسیم کیا گیا تھا کہ وہ بستی کو چاروں اطراف سے گھیر سکیں - چار قوی ہیکل آدمی لاچی خاں کی تحویل میں دے دیئے گئے - سردار شاہو اور اس کی بیٹی نیلی کو گرفتار کرنے کا فرض انہی کو سونپا گیا - شمشیر بہ نفس نفیس ان کے ساتھ تھا اور باقی سوار تیمور کی نگرانی میں تھے - اس کا کام صرف یہ تھا وہ کسی آدمی کو بستی سے فرار نہ ہونے دے -

چوروں کی طرح کئی ٹکڑیوں میں منقسم ہو کر وہ کسی چیتے کی سی ہوشیاری کے ساتھ چپ چاپ بستی کی طرف بڑھتے رہے -

گونابستی کی تاریک فضا میں خوابوں کی پریاں محوِ پرواز تھیں -
نیلی صفدر نگر سے واپس کیا آئی، لوگوں کی خوشیاں لوٹ آئی تھیں - اگرچہ وہ اپنے حسین سپنے اس شہرِ طلسم میں کھو آئی تھی لیکن اس نے اہلِ بستی کو شاہی عتاب کے منحوس جوئے سے آزاد کرالیا جو گزشتہ ۲۰ سال سے ان کی گردنوں میں پڑا تھا - اب وہ آزادانہ صفدر نگر آجا سکتے تھے لیکن شیخ نے اعلان کیا تھا وہ صفدر نگر اور گونابستی کے درمیان تعلقات کا باقاعدہ آغاز شہزادہ خرم ذیشان کی تاجپوشی کی پررونق تقریب سے کرے گا - یہی وجہ تھی گونابستی کے لوگ جشنِ تاجپوشی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے -

رات کے اندھیرے میں خاکستری مکان اور گھاس پھوس کے جھونپڑے سیاہ دھبوں

کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ ساری بستی تاریکی میں ملفوف تھی اور کہیں روشنی کی مدھم سی شعاع بھی نظر نہ آتی تھی۔ لوگ دن بھر کی محنت مشقت کے بعد تھکے ہارے گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ان کی خوشیوں کے چور سیند لگانے چلے آتے ہیں۔

سردار شاہو کا مکان قبائلی رقص گاہ سے تھوڑی دور بستی کے جنوب مشرق میں واقع تھا جس کے سامنے ایک ناہموار میدان سانگا ندی کے ساحل تک چلا گیا تھا۔ سردار کے گھر کی امتیازی علامت صرف وہ مُرغِ بادنما تھا جو چھت کے اُونچے بانس پر گھومتا رہتا اور اہلِ بستی کو ہوا کے رُخ کا پتہ دیتا تھا۔ اِسی مُرغ بادنما کو دیکھ کر مچھیرے اور ملاح معلوم کر لیا کرتے تھے پُروا چل رہی ہے یا پچھم اور اسی کے مطابق وہ ندی میں جال ڈالتے تھے۔ اُسی بانس پر سُرخ رنگ کا ایک مثلث نما تکونی کپڑا پرچم کے طور پہ ہوا میں پھڑپھڑایا کرتا جس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔

تاریک رات میں تکونا پرچم کسی زخمی سارس کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ اور اس کا رُخ شمالی پہاڑوں کی طرف تھا۔ اگر دن کا اجالا ہوتا تو لوگ مرغِ بادنما کی رہنمائی سے معلوم کر لیتے کہ شمال کی تیز اور تند ہوا کسی سیلِ ابر و باد کا اعلان کر رہی ہے۔ ایسے وقت ملاح اور مچھیرے اپنی کشتیاں ساحل پر کھینچ لیتے اور اُنہیں رسّوں کے ساتھ مضبوط چوبوں سے باندھ دیا کرتے تھے لیکن رات کے اندھیرے میں جب تمام لوگ خوابِ خرگوش میں محو تھے کوئی نہ جانتا تھا کہ سیلِ ابر و باد کے علاوہ ایک اور طوفان بھی بستی کی طرف بڑھا آ رہا ہے۔

سردار شاہو اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا مگر رات کے بھیانک سناٹے میں اُبھرنے والی بھاری دستک کچھ ایسی اچانک اور بے ہنگم تھی کہ وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔ دروازہ کے تختے بُری طرح پیٹے جا رہے تھے۔ سردار نے دستک کی ہر ضرب اپنے دل پر محسوس کی۔

اس شور کو سن کر نیلی کی آنکھ بھی کھل گئی۔ خطرہ دروازے پر دستک دے رہا تھا اُس نے اندھیرے ہی میں دیکھ لیا۔ اُس کا باپ کمر میں اپنا مخصوص خنجر اُڑس رہا تھا۔ نیلی نے گھبرا کر پوچھا۔

"باہر کون ہے بابا ــــ!"

"کوئی بھی ہو لیکن وہ کسی اچھے ارادہ سے نہیں آیا۔ سردار کا دروازہ اس طرح کبھی نہیں پیٹا جاتا۔ معلوم ہوتا ہے آنے والا تنہا نہیں۔"

اچانک دستک بند ہو گئی۔ غالباً آنیوالے سمجھ گئے تھے سردار بیدار ہو چکا اور کسی سے باتیں کر رہا ہے۔

اسی لمحے سردار نے محسوس کیا کوئی شخص کھڑکی سے لگا اُن کی گفتگو سُننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے سرگوشی میں نیلی کو چراغ روشن کرنے کے لیے کہا اور خود بھالا تھام کر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے دیا روشن ہو گیا اور کمرے میں روشنی تیر گئی۔ سردار بیرونی دروازہ کی طرف جانے سے پہلے کھڑکی میں سے اُس خطرے کی جھلک دیکھ لینا چاہتا تھا جس نے آدھی رات کے اندھیرے میں دروازہ پہ دستک دے کر اُسے خبردار کر دیا تھا۔

غرفہ نما کھڑکی کا پٹ کھول کر اُس نے اچانک باہر جھانکا۔ دیئے کی مدھم سی لرزتی ہوئی روشن لکیر کھڑکی سے نکل کر لاچی خان کے چہرے پہ تھرتھرائی جو تیزی سے پرے ہٹ گیا تھا۔ سردار کی بھاری آواز گونجی۔

"کون ہو تم ــــ؟"

لاچی خان نے اندھیرے ہی میں کھڑے کھڑے جواب دیا۔

"سردار شاہو! باہر آؤ۔"

آواز کھردری اور لہجے میں تحکم تھا۔ سردار اِس اندازِ تخاطب کا عادی نہ تھا۔ اس نے آواز کو پہچاننے کی کوشش کی۔

"اپنا چہرہ دکھاؤ ــــ شاید میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"میں شہزادہ عالی کے محافظ دستہ کا افسرِ اعلیٰ لاچی خان ہوں۔ قانون اور حکومت کے نام پر اپنے گھر کا دروازہ کھول دو۔"

رات کی تاریکی میں سردار شاہو کا قہقہہ اس طرح اُبھرا جیسے کسی عفریت کا مُنہ کھل گیا ہو۔

"خوب ــــ تو تم لاچی خان ہو اور ایک بار پہلے بھی قانون کے نام پر مجھے دھوکا دے چکے ہو۔"

"سردار شاہو! بحث نہ کرو۔"

"مگر تمہارا شہزادہ خرم سے کیا واسطہ ــــ؟" سردار کا لہجہ خوفناک تھا۔ "تم شمشیر ڈاکو کے ساتھی ہو اور شمشیر ڈاکو کے لیے میرے پاس ایک ہی تحفہ ہے ....."

یہ کہہ کر سردار نے بھالے کا پھل جو دیئے کی روشنی میں کسی مچھلی کی مانند چمک رہا تھا۔

کھڑکی میں لہرا دیا۔

باہر گلی میں ایک پل کے لیے جیسے موت کا سناٹا چھا گیا۔ "شمشیر ڈاکو" کا نام لاچی خاں اور اس کے ساتھیوں پر بجلی بن کر گرا مگر وہ سنبھل کر گرجا ——— "کیا بکتے ہو سردار شاہو! میں ولی عہد کا محافظ افسر تمہیں یہ اطلاع دے رہا ہوں تمہارا گھر شاہی سواروں نے گھیر لیا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو باہر نکل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو . . . . ."

"شاہی سواروں کو مجھ سے کیا کام ——— میں حکومت کا مجرم ہوں نہ باغی۔ ملکہ جہاں گونا بستی کے لیے معافی کا اعلان کر چکی ہیں۔"

باہر کچھ دیر پھر خاموشی رہی۔ اچانک، سردار شاہو چونک کر پیچھے ہٹا اور اس نے بڑی پھرتی سے بھالے کا پھل اندر کھینچ لیا۔ گلی میں کھڑکی کے نیم روشن خلا میں اس کی نگاہوں کے سامنے صفدر نگر کا ولی عہد شہزادہ خرم ذیشان بہ نفس نفیس گھوڑے پر سوار کھڑا تھا اور اس کے عقب میں دو "شاہی سوار" مخصوص وردی پہنے تلواریں الف کیے گھوڑوں پر سوار تھے۔ سردار کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ کہیں وہ بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ لیکن یہ ایک لرزہ خیز حقیقت تھی۔ سردار نے بار بار پلکیں جھپکیں پھر اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"شہزا . . . . . دہ . . . . . عالی . . . . . !"

شمشیر اپنی پُر رعب آواز میں بولا۔

"سردار شاہو! ضرور تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔ لاچی خاں ہمارے محافظ دستہ کا افسر ہے اس کا شمشیر ڈاکو سے کیا ناطہ؟"

"مگر . . . . . مگر . . . . ."

"ڈرو نہیں۔ ہم تم سے کچھ دریافت کرنے آئے ہیں دروازہ کھول دو۔"

سردار پلٹا ہی تھا کہ نیلی تیزی سے اُڑتی ہوئی کھڑکی میں آئی۔

"شہزادۂ عالی! گستاخی معاف۔ جو کچھ آپ دریافت کرنے آئے ہیں دن کے اجالے میں بھی دریافت کر سکتے ہیں۔ آدھی رات کو مسلح سواروں کے ہمراہ اس طرح آنے کا مقصد کیا ہے؟"

شمشیر کی نگاہیں ایک پل کے لیے بنتِ شاہو کے جلوۂ حسن میں کھو کے رہ گئیں۔ پھر اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

"شاہی مصلحت کا تقاضا یہی تھا ہم رات کے اندھیرے میں آئیں۔"

"لیکن بابا کی عزت اور ہماری شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صفدر نگر لوٹ جائیں۔ کیا آپ ایک غریب کی عزت کو تماشا بنانے آئے ہیں؟"

نیلی اس غلط فہمی میں مبتلا تھی۔ شاید شہزادہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر اُسے زبردستی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہے لیکن اُسے کیا علم تھا وہ بھیڑ کے لباس میں بھیڑیئے سے ہم کلام ہے۔ اس کا جواب سنتے ہی شمشیر بھڑک اُٹھا اور گرج کر بولا۔

"گستاخ لڑکی ——— ! تو ہمیں شرافت کا سبق دینا چاہتی ہے۔"

نیلی شمشیر کی کھردری آواز اور لہجے کی اجنبیت کے ساتھ اس کا غضب آلود رخ دیکھ کر دنگ رہ گئی اور مچھلی کی طرح تڑپ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسی لمحے لاچی خاں اندھیرے سے نکل کر نیم روشن خلا کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔

"شہزادۂ عالی کی توہین کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھو کہ شاہی سواروں نے پوری بستی کو گھیر لیا ہے اور کوئی آدمی فرار نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہیں اپنی اور بابا کی جان عزیز ہے تو دروازہ کھول دو ورنہ توڑ دیا جائے گا۔"

باپ بیٹی پر بجلی سی ٹوٹ پڑی۔ آخر اُن سے کون سا جرم سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں شاہی سواروں نے بستی کو گھیر لیا اور خود ولی عہد کو رات کے اندھیرے میں اس طرح غضبناک ہو کر ان کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کر دیا ———؟

شہزادہ کے ہمراہ لاچی خاں کی موجودگی ایک طرفہ تماشا تھی کیونکہ خود اس نے چند روز قبل اسی بستی میں، اسی گھر میں انکشاف کیا تھا کہ لاچی خاں شمشیر ڈاکو کا ساتھی ہے۔ وہی دھوکہ دے کر شاہی قافلہ کو جنگل میں گھیر لایا تھا اور اسی نے شہزادہ کو قتل کرانے کی سازش کی تھی لیکن آج وہی "شہزادہ" لاچی خاں کو اپنے محافظ دستہ کا افسرِ اعلیٰ ظاہر کر رہا تھا ——— یہ گورکھ دھندا ——— یہ پُر پیچ معما کم از کم نیلی اور سردار شاہو کی سمجھ سے بالا تھا۔

لاچی خاں کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسہ کی طرح اُن کے کانوں میں پڑے دونوں دم بخود تھے اور سوچنے سمجھنے کی قوت جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ سب سے کرب انگیز "شہزادہ" کا رویہ تھا جس نے اپنی محبوبہ کو ایسے لہجہ میں مخاطب کیا جو شہزادہ خرم کا لہجہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لہجہ نے نیلی کی تمام خوش فہمیاں کافور کی طرح ہوا میں اُڑا دیں۔ ابھی وہ کچھ کہہ نہ پائی تھی کہ شمشیر ادبشانہ انداز میں بولا۔

'نیلی ——! تم ایک خوبصورت لڑکی ہو۔ تمہارے حُسن میں کشش اور آواز میں جادو ہے۔ تم ہماری شادی پر رقص کا وعدہ بھی کر چکی ہو اس لیے ہم تمہارے حُسن کو زنجیر پہنانا پسند نہیں کرتے ——'

نیلی ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپ اٹھی۔ کیا یہ وہی شہزادہ ہے جو چند روز پہلے اُس کی خاطر تخت و تاج کو ٹھوکر مار دینے پر تیار تھا؛ جس نے رقص گاہ میں بیٹھ کر اس سے محبت کے عہد و پیماں باندھے تھے؛ آج وہ اس طرح گفتگو کر رہا تھا جیسے اُسے جانتا ہی نہیں ہو۔ نیلی کے سارے بدن میں آگ سی دہک اٹھی۔ نبضوں میں خون سرسرانے لگا۔ سوچا۔ بہت اچھا یوں وپھریوں ہی سہی اور چُبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

'اگر آپ میرے لیے زنجیر ہی لے کر آئے ہیں تو ضرور پہنائیے لیکن مجھے اپنا جرم تو معلوم ہونا چاہیئے'۔

نیلی نے اپنا دایاں ہاتھ جس میں صفدر نگر کی تقدیر —— ولی عہد کی خاتم خاص شعلے کی طرح چمک رہی تھی کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھ دیا تھا۔

شاہی ہیرے کی چمک دیکھ کر شمشیر نے گھوڑا آگے بڑھایا اور کھڑکی کے قریب آیا۔ اُس کی نظریں انگوٹھی پر جم کر رہ گئیں۔ نیلی حیرت خیز نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی ——

اچانک شمشیر نے اپنا بازو لہرایا اور نیلی کے ہاتھ کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بولا۔

'لڑکی ——! اگر تم سچ سچ بتا دو۔ یہ انگوٹھی جو تم نے پہن رکھی ہے کہاں سے حاصل کی ہے تو شاید تمہیں معاف کر دیا جائے'۔

نیلی ایک بار پھر یوں اُچھلی جیسے اس پر فی الواقع کسی سانپ نے پھن مار دیا ہو۔ شمشیر کا یہ جملہ اُس کی برداشت سے باہر تھا۔ یوں لگا جیسے زمین اُس کے پاؤں تلے کسی لٹو کی مانند گھومنے اور گردش کرنے لگی ہو۔ اُسے اپنی سماعت —— اپنے وجود پر شبہ ہونے لگا۔ یہ انگوٹھی شہزادہ خُرم نے اپنے ہاتھ سے اُسے پہنائی تھی اور اب 'وہی پوچھ رہا تھا۔ اُس نے انگوٹھی کہاں سے حاصل کی ہے؟

وہ نقشِ حیرت بن گئی۔

سردار شاہو بھی حیران اور دم بخود تھا کیونکہ جب اجنبی مہمان نے جو بعد میں شہزادہ خُرم ثابت ہوا تھا۔ نیلی کو انگوٹھی پہنائی اُس نے پوچھا تھا کیا وہ جانتا ہے ایک لڑکی کو انگوٹھی

پہنانے کا مطلب کیا ہوتا ہے؛ اور جواب میں اُس نے نیلی کو اپنی تقدیر —— اپنی زندگی ٹھہرا دیا تھا۔ آج 'وہی شہزادہ' رات کے اندھیرے میں یہ پوچھنے آیا تھا۔ اُس نے انگوٹھی کہاں سے لی ہے؟

خوب ——! 'شہزادہ' خود پاگل ہو چکا یا دوسروں کو پاگل بنانے آیا ہے؛ سردار شاہو کی غیرت پر ایک ضرب سی پڑی۔ وہ تلملا کر بولا۔

'شہزادۂ عالی۔! میں اس مذاق کا مطلب نہیں سمجھا'۔

'مذاق؛ کیسا مذاق ——؟' شمشیر بدستور غضب ناک لہجہ میں گویا ہوا۔ 'تم باپ بیٹی کو بتانا پڑے گا، یہ انگوٹھی تم نے کیسے اور کس سے حاصل کی تھی۔ یہ ولی عہد کی خاص انگشتری ہے جو سلطنت کی تقدیر سمجھی جاتی ہے'۔

سردار کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ نیلی نے اُسے روک دیا اور خود مخاطب ہوئی۔

'شہزادۂ عالی ——! میں یہ راز صرف ملکۂ عالیہ کو بتا سکتی ہوں کہ انگوٹھی میرے پاس کیسے آئی تھی'۔

'نہیں —— تجھے ابھی اور اسی وقت بتانا ہوگا'۔ شمشیر کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔

'راز' کے لفظ نے اُسے پاگل سا کر دیا اور وہ اس سرِ نہاں کو جاننے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ نیلی نے بڑے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

'اگر میں نے وہ راز لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو یقیناً آپ کو صدمہ ہوگا۔ آپ کی شاہی عظمت پر حرف آئے گا۔ اس لیے میں مجبور ہوں کہ صرف ملکۂ جہاں ہی کو شریکِ راز کروں ——'

نیلی کے جواب نے شمشیر کے قلب و ذہن میں شعلے بھڑکا دیئے۔ بھلا وہ کیسے گوارہ کر لیتا اس کا راز ملکہ جہاں تک پہنچ جائے، بھیڑیا اور زیادہ مشتعل ہو گیا۔

'لاچی خاں ——! دروازہ توڑ دو اور اس گستاخ لڑکی کو گرفتار کر لو'

سردار شاہو کی شریانوں میں قبائلی خون سرسرانے لگا، اُس نے کہا۔

'شہزادہ صاحب! ہم کسی کی بیٹی پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور کسی دوسرے کو اپنی بیٹی پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے اس لیے آپ کو اپنی بات کا وزن کر لینا چاہیئے'۔

یہ کہہ کر سردار شاہو بجلی ایسی سُرعت سے پیچھے ہٹا اُس نے دیوار کی کھونٹی پر لٹکتا ہُوا ایک آشا ترچھا سینگ اُتارا اور کھڑکی کے قریب آکر اُسے اس زور سے پھُونک دیا کہ اس کی بھیانک، وحشت ناک آواز خطرے کا الارم بن کر گونجی اور رات کے تاریک سناٹے میں دُور دور تک گونجتی چلی گئی جیسے کسی نے اندھیرے میں صورِ اسرافیل پھونک دیا ہو۔ اس کے بعد سردار نے فوراً کھڑکی بند کی، ہونٹہ لگایا سینگ کو پھر دیوار پر لٹکا کر اپنا بھالا تھام لیا اور صحن کی طرف لپکا جہاں لاچی خاں دو آدمیوں کی مدد سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نیلی بھی کھڑکی سے ہٹ کر اندھیرے میں تیرتی چلی گئی کیونکہ سردار نے باہر نکلنے سے پہلے ہی چراغ گل کر دیا تھا۔

صحن میں گھپ اندھیرا تھا اور باہر دروازہ پر ضربیں پڑ رہی تھیں۔

سردار نے نرسنگا پھونک کر اہلِ بستی کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس اچانک اور غیر متوقع صورتِ حال نے شمشیر اور لاچی خاں کو بے حد پریشان کر دیا۔ اب ان کی کوشش یہی تھی اہلِ بستی کے آنے سے پہلے جیسے بھی ہو سکے انگوٹھی حاصل کر لیں مگر دروازہ خلافِ اُمید سخت جان واقع ہُوا۔

سردار شاہو بھالا تھام کر صحن میں پہنچا اور اندھیرے میں اس طرح زمین پر لیٹ گیا کہ تاریکی میں زمین ہی کا جزو بن کر رہ گیا۔ اسی اثنا میں دروازہ کا ایک پٹ ٹوٹ کر گرا ساتھ ہی لاچی خاں شمشیرِ عُریاں تولے اندر داخل ہُوا اور گرج کر بولا۔

"سردار شاہو! سامنے آؤ۔"

ابھی اُس کے الفاظ کی گونج بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اندھیرے میں بھالے کا پھل بجلی کے کوندے کی مانند لہر لیتا ہُوا گزر گیا۔ دوسرے لمحے لاچی خاں کی مکروہ بھیانک چیخ تڑپی پھر وہ خُود بھی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح صحن میں آگرا۔ سردار شاہو کا بھالا اس کا پیٹ پھاڑ چکا تھا۔

دو ساتھی جو لاچی خاں کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ اچانک خوف سے اُچھل کر دروازے کی چوکھٹ میں جا گرے۔ اندھیرے میں "موت کی لہر" سانپ کی طرح اُن کے بالکل قریب سرسرائی۔ اگر وہ اُچھل کر پیچھے نہ ہٹ جاتے تو ایک نہ ایک ضرور اُس کا لقمہ بن جاتا۔

سردار شاہو لیٹے ہی لیٹے فوراً آگے کھسک آیا تھا مگر دونوں ساتھیوں نے بھالے کی چمک دیکھ لی اور تیزی سے چوکھٹ میں جا گرے تھے۔ ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی سردار نے اندھیرے میں پھر ہاتھ چلایا اور بھالے کا پھل ایک آدمی کے پیٹ میں اُتر گیا۔ تاریک فضا میں ایک اور مکروہ چیخ اُبھری اور زخمی گلی میں تڑپنے لگا۔ تیسرا آدمی بچ کر بھاگ نکلا۔ لیکن سردار نے تعاقب کے جوش میں باہر نکلنے کی غلطی نہیں کی۔ وہ بھالا تھام کر دیوار کے ساتھ ہی چپک کر کھڑا ہو گیا۔

شمشیر نے لاچی خاں کی چیخ بھی سُنی تھی لیکن اُسے یقین نہ آیا تھا کہ لاچی خاں ایسا بہادر، جہاں دیدہ اور ملاحوں کا سردار سے مات کھا جائے گا۔ اب دوسرا ساتھی اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ رہا تھا۔ شمشیر گھوڑے پر سوار دم بخود ——— حیران و ششدر اُس کی جان کنی کا نظارہ کر رہا تھا۔ سردار شاہو نے اس کے دو بہترین ساتھی جہنم واصل کر دیئے تھے۔ شمشیر کی نبضوں میں وحشی خون اُبلنے لگا۔

اس اثنا میں بستی کے کئی دروازے کھُل گئے اور بہتیرے لوگ بھالے اُٹھائے باہر نکل آئے تھے۔ وہ سردار کے مکان کی طرف چلے آتے تھے جس نے سینگ پھونک کر انہیں خطرے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن اندھیری گلیوں میں کئی لوگ ٹھٹک کر رک گئے۔ بستی کے شمالی سرے پر ایک عجیب سا شور بپا تھا اور تاریک فضا میں دُور کئی مشعلوں کے شعلے کانپ رہے تھے۔ وہ ان مشعلوں اور آوازوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے۔

شمشیر اس خطرہ سے بے خبر ——— بے پروائی میں کھڑا اپنے دو ساتھیوں کے عبرت ناک انجام پر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اُس نے بقیہ تفنگیں ہمراہیوں کو للکارا اور درندے کی مانند غرّاتی آواز میں حکم دیا۔

"اندر گھُس جاؤ اور سردار کی لڑکی اُٹھا لاؤ۔"

لیکن اس سے پہلے کہ ساتھی یہ حکم بجا لاتے اندھیرے میں ٹاپوں کی آواز اُبھری دوسرے لمحے تیمور شمالی سمت سے گھوڑا اُڑاتا شمشیر کے قریب پہنچ کر رکا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا

"سردار ——— خطرہ .....!"

تیمور کا سانس بُری طرح پھُولا ہُوا تھا۔ شمشیر نے برافروختہ لہجے میں پوچھا۔

"بے وقوف! کیا تم بستی کے بھیڑوں سے ڈرتے ہو؟"

"وہ ...... وہ لٹیرے نہیں سردار ـــــ!" تیمور نے شمالی جانب اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ جہاں شور و غل کی آوازیں تیز ہو چکی اور کئی مشعلیں تاریک فضا میں ہوائیوں کی مانند تیرتی پھر رہی تھیں۔

شمشیر نے پہلی مرتبہ اُدھر دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا۔

"کون ہیں وہ؟"

"میں نہیں جانتا سردار ـــــ!" تیمور کہنے لگا۔ "آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے شمالی سمت پہنچ کر بستی کے گرد گھیرا ڈالنا شروع کیا تو چند سوار اچانک اس طرح ہم پر ٹوٹ پڑے، جیسے انہیں پیروں نے اُگل دیا ہو۔ ان کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی حد نہ رہی کہ اُن سواروں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ میں نے انہیں خبردار کیا۔ وہ "شہزادۂ عالی" کے محافظ دستہ پر حملہ کر کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مگر جواب میں ایک آدمی نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں۔ تم نے صرف شاہی سواروں کا سوانگ بھر رکھا ہے"۔ ان کے حملوں سے ہمارے کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ وہ تعداد میں ہم سے دوگنے ہیں۔ اسی خطرہ کے پیشِ نظر میں آپ کو اطلاع دینے چلا آیا۔ میرے ساتھی انہیں روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے جلد نکل جانا چاہیئے۔ بستی کے لوگ بھی بیدار ہو چکے ہیں"۔

یہ نئی کہانی سن کر شمشیر سوچ میں پڑ گیا۔ بستی کے شمال میں شور و غل کی آوازیں تیز ہو گئی تھیں معلوم ہوتا تھا دو لشکر ایک دوسرے سے محوِ پیکار ہوں مگر اُن میں سے ایک فرار کی کوشش میں تھا اور وہ یقیناً شمشیر کا محافظ دستہ تھا۔

بستی کے بیشتر مکانوں میں لوگ جاگ اُٹھے اور دروازے کھول کر گلیوں میں نکل آئے تھے کچھ لوگ سردار کے مکان کی طرف بھاگے آ رہے تھے۔ اچانک تاریک گلی ایک بار پھر گھوڑوں کی ٹاپوں سے بج اُٹھی۔ چند بھگوڑے جن کے کپڑوں میں آگ لگ گئی تھی۔ بدحواسی میں اندھا دُھند گھوڑے بھگاتے چلے آ رہے تھے اور گلی میں "بھاگو ـــــ مارو ـــــ دوڑو ـــــ" کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ بھگوڑے سواروں کے عقب میں مشعل بردار سوار نیزے تانے چلے آ رہے تھے۔ تیمور گھبرا کر بولا۔

"سردار ـــــ! ہمارے ساتھی شکست کھا کر بھاگے آ رہے ہیں۔ یہ سوچنے کا

وقت نہیں۔ گھوڑے کو ایڑ لگائیے ـــــ اور نکل چلیئے"۔

ٹاپوں اور شور و غل کی آوازیں اب اور قریب آ گئی تھیں۔ گلی کے اندھیرے میں کئی سیاہ دھبے سردار کے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شمشیر کی جنگلی وحشت نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ تیمور کی بات مان لے۔ اگرچہ وہ اس غیر متوقع حادثے کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا۔ پھر بھی اُس نے اپنے ساتھیوں کو جنگل کی طرف نکل جانے کا حکم دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس عرصہ میں کئی بھگوڑے ساتھی بڑی بدحواسی کے عالم میں اس کے قریب پہنچ گئے تھے انہوں نے "انجانے حملہ آوروں" کی دہشت و خوفناکی کا ذکر کر کے شمشیر کو مزید پریشان کر دیا۔ جو اُن کے ساتھیوں کو مارتے کاٹتے چلے آ رہے تھے۔

شمشیر نے بڑی افراتفری میں فرار کا فیصلہ کیا تھا۔ مقابلہ کیے بغیر بزدلوں کی طرح بھاگنا غالباً اُس کی وحشیانہ زندگی کا سب سے پہلا اور شرمناک واقعہ تھا لیکن "بادشاہت کی مصلحتوں" نے اُسے فرار پر مجبور کر دیا۔ اس کے عربی النسل گھوڑے نے آندھی کے تیز و تُند جھونکے کی طرح فضا میں سپاٹا بھرا اور ساتکا ندی کی جانب رُخ پھیرا ہی تھا کہ جس طرح روایتی بھوت پریت پلک جھپکتے یک لخت عدم سے وجود میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح گلی کے موڑ پر چند سوار بھوتوں کی مانند اچانک نمودار ہوئے۔ جن کے آگے آگے خوفناک شکل و صورت کا ایک سوار چوڑے اور کٹے پھٹے پھل والا بھیانک نیزہ لہراتا اور گھوڑا اُڑاتا موت کی طرح سیدھا شمشیر کے سامنے آ رکا۔ جیسے برق و باد کا تُند بگولا انسانی جسم اختیار کر کے کسی کا راستہ روک لے۔

اس خوفناک سوار کے پہلو بہ پہلو ایک اور سوار شعل اُٹھائے اور ویسا ہی بھالا سنبھالے ہوئے تھا۔ مشعل کی کانپتی روشنی کے سائے اُس خوفناک آدمی کے چہرے پر منعکس ہو رہے تھے۔ جس کی بے ہنگم، بے ترتیب داڑھی مونچھوں اور چیتے کی مثل چمکتی آنکھوں نے چہرے کو اور زیادہ خوفناک اور سفاک بنا رکھا تھا۔ وہ شمشیر کے سامنے نیزہ لہرا کر دھاڑا۔ "ٹھہرو!"

یہ سب کچھ بالکل اچانک اور حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ظہور میں آیا۔ شمشیر نے تیزی اور پھرتی سے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور منہ زور جانور اپنی پچھلی ٹانگوں پر گویا الف ہو کے رہ گیا۔ ساتھیوں نے بھی گھوڑے روک لیے۔

اس کی پوری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اُسے اس جرأت و بے باکی سے روکا اور بلاشبہ ایسا بھیانک، خوفناک اور سفاک آدمی بھی زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے سامنے

گیا تھا۔ شمشیر نے اپنے جسم کے اندر ایک خنک لہر سی سرسراتی محسوس کی لیکن فوراً گرج کر بولا۔

"کون ہو تم بدتمیز ——— جس نے ایک شہزادے کو اس طرح روکنے کی گستاخی کی ہے؟"

اپنے سوال کے جواب میں اُسے مخاطب کی صورت سے بھی زیادہ خوفناک قہقہہ سُنائی دیا جس میں موت کی لرزہ خیز سیٹیاں بج رہی تھیں پھر ایک بھاری اور کھُردری آواز اُبھری۔

"واہ ——— شاہ زادہ ...... صاحب! تم اپنے دوست شمشیر ڈاکو کو نہیں پہچانتے؟"

شمشیر پہ گویا برقِ آسمانی ٹوٹ پڑی۔ نبضوں میں خون کی روانی یک لخت رُک گئی اور بدن پہ سکتہ طاری ہو گیا۔ "شمشیر ڈاکو" کے الفاظ نوکِ خنجر کی مانند اس کے دل میں پیوست ہو کر رہ گئے۔ اچانک اس نے جھرجھری سی لی اور بولا۔

"شمشیر ..... ڈا ..... کو ..... ؟"

"جی ——— ! شاہ ..... زادہ ..... صاحب ..... ب ..... !"

"نہیں ——— تم شمشیر ڈاکو نہیں!"

"اگر میں نہیں تو کیا شمشیر ڈاکو ——— تم ہو؟"

خوفناک آدمی نے نیزے کا پھل سیدھا کر دیا۔ شمشیر کی آنکھوں کے گوشوں سے خوف جھانکنے لگا ——— خوف ——— جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ پھر مُردہ سی آواز میں بولا۔

"کیا بکتے ہو ——— ایک شہزادے کا ڈاکو سے کیا واسطہ؟"

"پھر بھی تم رات کے اندھیرے میں گنا بستی کے سردار کو لوٹنے آ گئے کیوں شہزادہ صاحب! مگر یاد رکھو سردار شاہو، اُس کی بیٹی اور بستی کے سارے باسی میری پناہ میں ہیں۔ اگر تم نے آئندہ اِدھر کا رُخ بھی کیا تو یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا۔"

رات کے اندھیرے میں خوفناک آدمی کی آواز دُور تک گونجتی چلی گئی جسے بستی والوں نے بھی سُنا اور حیران رہ گئے ——— شمشیر اپنی "شہزادگی" کا بھرم قائم رکھتے ہوئے کسی زخمی درندے کی طرح غرّایا۔

"تم جو کوئی بھی ہو۔ اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔"

اُس کے مخاطب نے یک لخت اپنے خوفناک بھالے کو حرکت دی اور شمشیر پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اور خطرناک تھا کہ اگر شمشیر نے بڑی پھرتی سے گھوڑے کو موڑ نہ لیا ہوتا تو اُس کی شہ رگ کٹ جاتی کیونکہ حملہ آور نے اُس کی شہ رگ ہی کو نشانہ بنایا تھا اس کے باوجود بھالے کا کٹا پھٹا چوڑا پھل شمشیر کے کندھے کو چھید گیا اور اُس نے اپنے جسم پہ گرم گرم خون کی نمی محسوس کی۔ اس پہ خوفناک آدمی کی دہشت کچھ اس طرح مسلط ہو گئی تھی کہ مقابلے کا خیال ترک کر کے فرار ہی میں بہتری سمجھی اور گھوڑے کو سانگا ندی کی جانب موڑ کر ایڑ لگا دی۔ ساتھی بھی اُس کے پیچھے ہی پیچھے بھاگ اُٹھے۔

خوفناک آدمی نے اپنے "شکار" کو بھاگتے اور فرار ہوتے دیکھا تو گھوڑے کی لگام موڑ کر موجِ سیل کی مانند فضا میں لہراتا ہوا پلٹا اور ساتھیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کر کے شمشیر کے تعاقب میں چل دیا ——— ساتھیوں نے بھی گھوڑے موڑ لیے۔

شمال کی سمت سے آنے والے بھگوڑے اور اُن کا پیچھا کرنے والے مشعل بردار سوار بھی ندی کی جانب ہو لیے تھے۔ بھاگنے والے شمشیر کے ساتھی تھے۔

گھوڑوں کی ٹاپوں سے فضا گونج رہی تھی۔ تاریک رات میں بھاگتی دوڑتی شعلوں کی شعاعیں، بجلی کے کوندے کی مانند لپکتی جھپکتی تیز ہوا سے غول بیابانی کی عفریتی زبانوں کی طرح لہراتی کانپتی اور بستی کے در و دیوار پہ روشنی کے عکس بکھیرتی گزرتی گئیں۔ مدھم ہوتی روشنی میں بستی کے باسی جو نرسنگھے کی پُرخطر آواز پہ گھروں سے نکل آئے تھے۔ لاٹھیاں اور برچھیاں اُٹھائے سردار کے مکان کے آس پاس حیران و ششدر کھڑے تھے۔

سردار شاہو اور نیلی بھی گلی میں نکل آئے تھے۔ جہاں اب ایک مشعل بھی جھلملانے لگی تھی۔ اُس کی لرزتی، کانپتی روشنی میں شمشیر کے اُس ساتھی کی لاش بڑی بھیانک لگ رہی تھی جو گلی میں مر گیا تھا لیکن اس وقت سب لوگوں کی نظریں سانگا ندی پہ مرکوز تھیں جس کے ساحل پہ عجیب سی جنگ لڑی جا رہی تھی۔

شاہی محافظوں کی وردیوں میں ملبوس شمشیر کے ساتھی پُراسرار حملہ آوروں سے بچ نکلنے اور دریا پار کرنے کی جد و جہد میں مصروف تھے مگر مشعل بردار سواروں نے دریا میں بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

اس جنگ میں شمشیر کے کئی ساتھی بدحواسی میں مارے گئے۔ کئی زخمی ہوئے پھر بھی

وہ اپنے سردار کے ہمراہ دریا عبور کر کے جنگل میں گھس گئے ۔ پُراسرار سوار بدستور اُن کا تعاقب کر رہے تھے ۔

تھوڑی دیر کے بعد سانگا ندی کے کنارے پھر خاموشی چھا گئی ۔ ساحل کی ریت اور مٹی نے کئی آدمیوں کا خون جذب کر لیا ۔ تاریک رات کے سیاہ دامن کچھ اور تاریک ہو گئے ۔ پُرہول سناٹے میں ہوا سسکیاں بھر رہی تھی اور سردار شاہو کے دروازے پہ اہلِ بستی کا ہجوم حیران و ششدر کھڑا تھا ۔

لاچی خاں کی لاش بھی مکان کے صحن سے گلی میں گھسیٹ لی گئی ۔ مشعل کی لرزیدہ روشنی میں دونوں لاشیں بڑا بھیانک منظر پیش کر رہی تھیں ۔ جن کی ناکوں کے بانسے ٹیڑھے ہو گئے اور کھلی بے نور آنکھوں سے سفید سفید پُتلیاں باہر جھانک رہی تھیں اہلِ بستی سردار شاہو اور نیلی کے ارد گرد کھڑے ان عجیب و غریب واقعہ کی رُوداد سُن رہے تھے ۔ سب سے حیرت انگیز امر یہ تھا کہ پُراسرار سواروں کے سردار نے خود کو " شمشیر ڈاکو " ظاہر کیا اور صفدر نگر کے " ولی عہد شہزادہ خرم " کو انتباہ کیا تھا ۔ گونا بستی کے باسی اُس کی حفاظت و پناہ میں ہیں اور اگر اُس نے آئندہ اس بستی کا رُخ کیا تو اُس کے حق میں اچھا نہ ہوگا ۔ گویا " شمشیر ڈاکو " ایک " ولی عہد سلطنت " کو للکارے اور بستی سے مار بھگانے کی طاقت رکھتا تھا ۔

بستی کے بہتیرے لوگوں نے " شمشیر ڈاکو " کی آواز سُنی تھی اور سبھی اس بات پر حیران و ششدر رہ گئے تھے کیونکہ اُنہوں نے آج تک ڈاکوؤں سے کسی قسم کا واسطہ نہیں رکھا تھا ۔ شمشیر کے متعلق عام رائے اچھی نہیں تھی لیکن آج اُس نے " شہزادہ خرم " اور اُس کے " محافظ سواروں " کے خلاف بستی کے سردار کی حمایت کر کے اور گونا بستی کے باشندوں کی حفاظت و پناہ کا اعلان کر کے اُن سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا ۔ ابھی وہ انہی باتوں پر حیران ہو رہے تھے کہ اچانک گلی میں شور بلند ہوا اور کسی نے شیخ کے آنے کی اطلاع دی ۔

اُسی لمحے گلی کے اندھیرے میں ایک مشعل کی کپکپاتی روشنی کا ہالہ نمودار ہوا جو بتدریج اُن کی طرف بڑھ رہا تھا ۔

شیخ کو دیکھتے ہی لوگ راستہ سے ہٹنے لگے ۔ اُس کے پیچھے پیچھے دو نیزہ بردار بھی تھے ۔ وہ بڑے وقار سے چلا آ رہا تھا ۔ لوگوں نے مرشدِ روحانی کو گزرنے کا راستہ دے دیا اور نیلی نے آگے بڑھ کر جلدی سے اُس کے گھٹنے چھو لیے ۔ اُس کی پلکوں پر آنسو لرز رہے تھے ۔

اور ہونٹوں پہ غمِ محبت کی سسکیاں تڑپ رہی تھیں ۔ واقعہ ہی ایسا پیش آیا تھا کہ اب اُس کا محبت و خلوص سے اعتماد اُٹھ گیا اور وہ " شہزادہ خرم " کی بے وفائی پہ ماہیِٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگی تھی ۔

آج اس کے پیار کا عرش زمین پر گر کر چکنا چُور ہو گیا تھا اور اس کا " محبوب شہزادہ " ہی اس کی عزت اور جان کا دشمن بن گیا تھا ۔ جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا ۔ یہی صدمہ یہی دُکھ ــــ یہی غم آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ نکلا ۔ شیخ نے اُس کے سر پہ دستِ شفقت رکھا ۔ تسلی دی اور سردار شاہو سے " شہزادہ خرم " کی بدسلوکی اور " شمشیر ڈاکو " کی اچانک آمد و حمایت کی حیرت انگیز کہانی سُننے لگا ۔

رات کے پُرہول سناٹے میں شمالی ہوا کی سسکیاں تیز ہو گئی تھیں اور پہاڑوں کی طرف بادل کے حاشیے پر کبھی کبھی بجلی چمک جاتی تھی ۔ یہ اعلان تھا اس امر کا کہ باد و باراں کا طوفان گونا بستی کی طرف بڑھا آ رہا ہے ۔

منظر ۲۳

رُوح

○

اپنے "پُراسرار دُشمن" کے خوف سے شمشیر کو اُسی طرح بھاگنا پڑا جس طرح شیر شاہ سوری کے مقابلے میں ہمایوں بھاگ نکلا تھا۔ فرق یہ تھا ہمایوں نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور نظام سقہ کی مدد سے دریا تیر کر عبور کیا لیکن شمشیر نے گھوڑے کی پیٹھ پر سانگا ندی پار کی اور جنگل کی طرف بھاگا۔

اُس کی وحشیانہ زندگی میں یہ پہلا فرار تھا۔

حکومت و سلطنت کی ہوس اور تخت و تاج کی کشش نے اُس کی بہادری کو بُزدلی —— اور وحشت کو مصلحت میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ شمشیر ڈاکو "جو" بلائے آسمانی" سمجھا جاتا تھا۔ جس کی ہیبت و دہشت سے لوگ کانپ اُٹھتے تھے۔ رموزِ مملکت کی زد میں آ کر اور شہزادی گلبانو کی محبت میں اسیر ہو کر نہ صرف وحشت و بربریت کھو بیٹھا بلکہ اپنے ہی نام کی ہیبت سے بدحواس ہو کر متعدد ساتھیوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا جن کی بہادری پر خود اُسے ناز تھا۔ اب اُس کی رکاب میں صرف ۲۴ سوار تھے۔ جن میں اکثر خوفزدہ تھے۔

شکست و فرار کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا۔ لاچی خاں جو شمشیر کا "دماغ" کہلاتا

اور اُس کی حکومت و فرمانروائی کے نقشے تیار کر رہا تھا۔ سردار شاہو کے ہاتھوں کُتّے کی موت مارا جا چکا تھا۔ اگر شمشیر شاہی انگوٹھی کا راز جاننے کی کوشش میں نیلی کی تذلیل و گرفتاری پہ اصرار نہ کرتا تو لاچی خاں سردار کے بھالے کا شکار نہ ہوتا۔ تنہا لاچی خاں شمشیر کے تمام آدمیوں پر بھاری تھا اور اُسے کھو دینے کے بعد وہ اپنے آپ کو بے یار و مددگار محسوس کرنے لگا۔

ندی عبور کرنے کے بعد شمشیر نے اپنے پڑاؤ کا رُخ کیا۔ اُس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ دشمن سانگا ندی کے مغربی گھاٹ سے لوٹ جائے گا اور دریا عبور کر کے جنگل میں داخل ہونے کی غلطی نہیں کرے گا۔ ڈاکو اپنے عقب میں اُس خطرے کی دھمک بدستور سُن رہے تھے۔ جو جنگل میں بھی اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ اگرچہ عقب میں اب کسی مشعل کا شعلہ تک دکھائی نہ دیتا تھا اور ٹاپوں کی آواز بھی بہت مدھم —— بہت دُور سُنائی دے رہی تھی لیکن "پُراسرار دشمن" اُن کے پیچھے پیچھے جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔

شمشیر اور اس کے نائب تیمور نے جو زندگی میں پہلی بار فرار کی ذلّت سے دوچار ہوئے تھے، بیک وقت گردنیں موڑ کر اپنے عقب کا جائزہ لیا۔ جنگل کے سانس لیتے اندھیرے کو دیکھا اور اپنے ساتھیوں کو پڑاؤ اُٹھا کر معقد نگر پہنچنے کی ہدایت دے کر اُن سے کٹ گئے۔ انھوں نے اپنے بھاگتے گھوڑوں کی باگیں گھنے درختوں کی اس پٹی کی طرف موڑ لیں جو سانگا ندی کے ساتھ ساتھ ایک حاشیہ بناتی گھنے جنگل سے جا ملتی تھی۔ تیمور نے اپنے سردار کو یہی مشورہ دیا تھا انھیں اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہو کر جنگل کے دیکھے بھالے راستہ سے معقد نگر کا رُخ کرنا چاہئیے۔ "پُراسرار دشمن" یقیناً ان کے ساتھیوں کا پیچھا کرے گا اور وہ دونوں ان کے حملہ و محاصرہ سے بچ کر نکل جائیں گے۔ ساتھی جو جنگل کے کیڑے "تھے" اچھی طرح جانتے تھے خوفناک اندھیرے میں دشمن کو کیسے نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ انتہائی خطرہ کی صورت میں وہ جنگل کی حویلی میں بھی پناہ لے سکتے تھے۔ جہاں اُن کے کچھ ساتھی سلطانہ کی کمان میں موجود تھے۔

تیمور کے نزدیک وہ اپنی بازی مکمل طور پہ ہار بیٹھے تھے۔ اب مصلحت کا تقاضا یہی تھا دشمن سے مقابلہ کا خیال چھوڑ کر معقد نگر کی طرف پسپا ہو جائیں۔ جہاں تک گونا بستی کے سردار اور اس کی آفریدہ جمال لڑکی سے نمٹنے اور ولی عہد کی انگوٹھی حاصل کرنے کا تعلق تھا تیمور کے نزدیک یہ کام کسی دوسرے ذریعے سے بھی سرانجام دیا جا سکتا تھا۔ اصل مسئلہ انگوٹھی کا تھا۔ نجانے وہ نیلی کے ہاتھ کیسے لگی اور اس کے ساتھ کون سا واقعہ —— کون سا افسانہ —— کون سا راز وابستہ تھا لیکن

کچھ بھی سہی اگر شمشیر " شہزادہ خرّم ذی شان " کی حیثیت میں یہ موقف اختیار کرے کہ پہاڑی قلعے سے واپسی کے سفر میں اُس کی مہرِ خاص گر گئی یا چرا لی گئی اور وہ شاہی قانون کے مطابق ملزم کو حراست میں لے کر اس واقعہ کی تحقیق کرنا چاہے تو کوئی بھی اُس کی راہ میں حائل نہیں ہوگا اور وہ سرکاری طور پر سردار شاہو اور اس کی بیٹی کو اپنے حضور طلب کر کے حقیقتِ حال معلوم کر سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ خطرہ تھا۔ سردار شاہو اور نیلی نے شہزادہ خرم کی لاش دیکھ لی ہوگی اور ملکہ جہاں تک یہ راز پہنچانا چاہتے ہوں گے جس کے بارے میں نیلی نے اشارہ بھی کیا تھا لیکن جب شمشیر " شہزادہ خرّم " کے رُوپ میں زندہ و سلامت موجود ہے تو اُن کی کوئی بات ——— کوئی کہانی قابلِ اعتماد نہیں سمجھی جائے گی بلکہ شمشیر سوچ رہا تھا۔ اسی واقعہ کی آڑ لے کر وہ گونا بستی کو ملنے والی آزادی دوبارہ سلب کر لے اور اہلِ بستی کو سلطنت کا دشمن اور باغی قرار دے کر لاچی خاں کے خون اور اپنی توہین کا انتقام بھی لے لے۔

جنگل کی گھنی پٹی کے قریب انہوں نے اضطراری طور پر اپنے گھوڑے روک لیے اور ٹھٹک سے گئے۔ تاریک سناٹا شمال ہوا کے شور سے سنسنا رہا تھا۔ کبھی کبھی ہوا کے زور سے درختوں کے پتّے تالیاں سی پیٹ کر رہ جاتے تھے اور گھنی شاخوں میں تیز سرسراہٹیں زور زور سے سانس لینے لگتیں۔ شمشیر اور تیمور جنگل کی ان آوازوں سے مانوس اور ان آہٹوں، سرسراہٹوں کو بخوبی پہچانتے تھے لیکن ابھی ابھی وہ جنگل کی مانوس سرسراہٹوں میں ایک غیر مانوس، غیر فطری آواز سُن کر چونک سے گئے تھے۔

یہ مسلسل آواز گھنی پٹی کے درمیان اُبھری تھی اور شاخوں اور جھاڑیوں کی غیر فطری سرسراہٹ کے علاوہ سُوکھے پتوں کے چرمرانے کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ تھی جس کا مطلب یہی تھا۔ کوئی آدمی ——— یا ——— کوئی جانور درختوں کی گھنی پٹی کے درمیان سے گزرتا ہوا پہلی طرف کھسک گیا ہے کیونکہ " غیر فطری آواز " اُسی جانب کچھ فاصلے پر جا کر جنگل کی مانوس سرسراہٹوں میں گم ہو گئی تھی۔

اگر وہ کوئی جانور ہی تھا تو اُن کے گھوڑوں کی ٹاپیں سُن کر اور خطرہ محسوس کر کے دوسری جانب نکل گیا ہوگا۔ رات کو گھومنے والے جانور صرف شکار کی تلاش میں پھرتے مگر جنگل کے اس حصّہ میں شاذ و نادر ہی آیا کرتے تھے۔ کیونکہ گونا بستی کے پیچھے ندی میں جال ڈالنے اور مچھلیاں پکڑنے

…آ جاتے تھے۔ پھر وہ غیر مانوس ——— غیر فطری آواز کیسی تھی؟

تیمور نے گھنی پٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" سردار ——— ! ہم سانگا مدی کے ساتھ ساتھ گھنے جنگل کی طرف نکل جائیں گے۔ دشمن …ت سے واقف نہیں "

" بے وقوف …… " شمشیر کی آواز میں طعنہ و حقارت کا عنصر نمایاں تھا۔ یہ اس کی آواز …پہلو تھا ——— وہ لہجہ تھا جس میں شمشیر کی وحشیانہ فطرت اپنی بیداری کا پتہ دے رہی تھی۔ تیمور اس …کو سُن کر دم بخود رہ گیا جیسے اُس کے قریب ہی کوئی سانپ پھنکارا ہو۔

شمالی ہوا لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ پتّوں کے تالیاں پیٹنے اور شاخوں کے سرسرانے …علاوہ جنگل میں اور کوئی آواز سُنائی نہ دے رہی تھی۔ حتیٰ کہ اُن کا تعاقب کرنے والے سواروں …ٹاپیں بھی سنناتے اندھیرے میں ڈوب چکی تھیں۔ تیمور محسوس کر رہا تھا جنگل کے خوفناک …ے میں سردار اپنے اصل رُوپ میں آ چکا ہے۔ دوسرے لمحے تیمور کے اس اندیشے کی تصدیق …ئی۔ شمشیر زخمی سانپ کی طرح کروٹ لے کر بولا۔

" تیمور ——— ! ہم اسی گھنی پٹی میں دشمن کا انتظار کریں گے۔ وہ جنگل میں داخل …چکا ہے اور یقیناً یہاں سے گزرے گا …… اُس نے میرا نام تو اختیار کر لیا لیکن میری طرح …گل کے اسرار و خطرات کو نہیں سمجھ سکتا ——— جنگل میری جاگیر ——— میری دُنیا ہے اور …ں وہ میری دُنیا سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا "

تیمور کے کانوں میں موت کے گھنگھرو سے بجنے لگے۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی شمشیر کی وحشیانہ فطرت جو مصلحت کے غلاف میں لپٹ …ر سو گئی تھی بھیانک کروٹ لے کر جاگ اُٹھی۔ اب اُس کا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ کام …رنے لگا تھا۔

جنگل ——— شمشیر کی جاگیر تھی ——— اُس کی وحشت کا گہوارہ تھا بقا کی …درندگی کا میدانِ تربیت تھا ——— بہیمانہ زندگی کا بابِ آغاز تھا ——— جنگل کے انہی …دھیروں ——— انہی سناٹوں میں اس کی حیاتِ گزراں کے شب و روز گزرے تھے۔ اسی …ماحول نے اُسے وحشت و بربریت سکھائی اور آدمی سے درندہ بنا دیا تھا۔ جنگل ——— جو …اس کا ساتھی ——— محافظ ——— رفیق و ہمراز تھا، اُس کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا شمشیر

نے فیصلہ کیا، وہ جنگل ہی میں دشمن سے دو دو ہاتھ کرے گا۔ کیونکہ جانتا تھا۔ دشمن کا یہاں سے بچ نکلنا محض خوبیٔ تقدیر پر منحصر ہے اور شمشیر کا خیال تھا۔ وہ جنگل میں تقدیر کو بھی شکار کر سکتا، نیچا دکھا سکتا ہے پھر دشمن کی تو کیا ہستی ہے، جو اُسی کا نام لے کر اُسے مٹا رہا تھا۔

یہ محض تخت و تاج کی کشش تھی، حکومت و سلطنت کی ہوس تھی ـــــ شہزادی گلبانو کی محبت تھی جس نے اُسے "مصلحت" پر آمادہ کیا، ذہنی کچوکے دیئے اور وہ دشمن سے دامن بچا کر نکل آیا۔ ورنہ شمشیر کی لغت میں "بزدلی" کا لفظ ہی موجود نہ تھا۔ وہ تو جنگل کا خون پینے والا درندہ تھا۔ سانگانری کو بھاگم بھاگ عبور کرنے کے بعد جب جنگل کی مانوس فضا میں داخل ہوا۔ اس کے دل میں سوئے ہوئے جذبۂ سفاکی نے کروٹ لی اور وہ مصلحت کے غلاف اُتار کر پھر وہی درندہ۔ وہی شمشیرِ برہنہ بن گیا جس کی دھار پہ موت نے رقص کیے تھے۔

گھنے درختوں میں پہنچ کر شمشیر نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور تیمور مڑتے مڑتے بولا۔

"سردار ـــــ! جنگل واقعی ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا لیکن یہ نہ بھولیے آپ اس وقت شہزادہ خرم ذیشان کے روپ میں ہیں اور صفدر نگر کے ہونے والے بادشاہ۔"

"تمہارا خیال ہے، میں اس بات کو نہیں سمجھتا ـــــ؟"

"میرا مطلب ہے تاجپوشی سے پہلے آپ کا تصادم سے بچنا اور جنگ و جدل سے دور رہنا ہی مناسب ہے۔"

تیمور نے اپنی دلیل کو تخت و تاج سے آراستہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس نیک ساعت کے آنے تک جب آپ کے سر تاجِ شاہی رکھا جائے گا۔ اور شہزادی گلبانو کو دلہن بنا کر آپ کے ساتھ تخت پر بٹھایا جائے گا آپ کو کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے ـــــ اس وقت دشمن کی تعداد بھی ہم سے دوگنی ہے۔"

"کیا لاچی خاں کی موت نے تمہیں بھی بزدل بنا دیا ہے؟" شمشیر کے لہجے میں کوندے کی سی لپک تھی۔

"سردار ـــــ!" تیمور نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "آپ جانتے ہیں، میں بزدلوں سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ موت جو نیزے کی انی اور تلوار کی دھار میں چھپ کر بیٹھی رہتی ہے، آدمی کو کسی وقت بھی گلے لگا سکتی ہے۔ میں نے واپسی کا مشورہ صرف اس لیے دیا ہے کہ اگر ملکہ جہاں نے آپ کے زخمی ہونے کا سبب پوچھ لیا تو کیا جواب دیں گے آپ ـــــ؟"

ایک لمحہ کے لیے شمشیر کی نگاہوں میں ملکہ جہاں کا چہرہ اُبھرا اور اُسے بے چین کرتا ہوا [illegible]ر گیا۔ اُسی ساعت میں تیز ہوا کے جھونکے سے اُس کی شاہی قبا کے دامن نے فراٹا بھرا اور [illegible]ساتھ ہی شمشیر نے اپنے زخمی شانے میں درد کی ٹیسیں محسوس کیں جس سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ [illegible]ن آلود لباس اس کے زخم سے چپک رہا تھا۔ اسی لہو نے اس کی درندگی کو جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا [illegible]خمی سانپ کی مانند سسکاری لے کر بولا۔

"میرا دشمن میرے تعاقب میں ہے اور میں اُس کا حساب چکائے بغیر نہیں جا سکتا۔ [illegible]م دونوں میں سے صرف ایک کو زندہ رہنا ہے۔ مجھے ـــــ یا ـــــ اُسے۔"

تیمور کسی خیال میں کھو گیا تھا۔ اچانک اُس نے ایک نئے خطرے کا اظہار کر دیا۔

"سردار ـــــ! کہیں وہ شہزادہ خرم ہی نہ ہو؟"

"نہیں ـــــ" شمشیر نے پُر وثوق لہجے میں جواب دیا۔ "خرم مر چکا، اگر زندہ ہوتا [illegible]تو اُسے یہ آنکھ مچولی کھیلنے کی کیا ضرورت تھی، سیدھا ملکہ جہاں کے پاس جا کر میرا راز فاش کر [illegible]دیتا اور شہزادی گلبانو کی بجائے تخت و تاج کی فکر کرتا"

"پھر یہ دشمن کون ہو سکتا ہے ....."

ابھی تیمور نے فقرہ بھی پورا نہ کیا تھا کہ اُن کے عقب میں کچھ دور جہاں درختوں [illegible]کی شاخیں بانہوں میں بانہیں ڈالے جھول رہی تھیں، ایک کرخت اور کھردرے قہقہے کے گھنگھرو [illegible]سے بج اُٹھے۔ دونوں گھوڑوں کی پشت پر اس طرح اُچھل گئے جیسے اُنہیں بیک وقت کسی [illegible]بچھو نے ڈس لیا ہو۔ جنگل کے اندھیرے میں اُبھرنے والے غیر متوقع قہقہے میں سیکڑوں سانپوں [illegible]ور ہزاروں بچھوؤں کا زہر سرسرا رہا تھا۔ اُنہوں نے اپنے نیزے تان لیے۔ اندھیرے میں کچھ [illegible]بھی نظر نہ آتا تھا۔

اچانک خوفناک قہقہہ آپ سے آپ تھم گیا اور فضا پہ دوبارہ ایک پُر خطر ـــــ پُر اسرار ـــــ بوجھل سا سناٹا چھا گیا۔ بدحواس شمشیر نے خود کو سنبھالا اور جرأت کر کے بولا۔

"کون ہو تم ـــــ؟"

جواب میں کوئی آواز نہ اُبھری شمشیر پھر چلایا۔

"بولتے کیوں نہیں، کون ہو تم ـــــ؟"

"مجھے نہیں پہچانتے دوست!" کچھ فاصلے پر وہی کھردری آواز اُبھری، جیسے

کسی پھٹے ہوئے ڈھول کو زبان مِل گئی ہو ——— "میں شہزادہ خرم کی رُوح ہوں جس کا بھیس تم نے بدل لیا ہے"۔

خرم کا نام سُنتے ہی شمشیر کے بدن پر ایک عجیب سا لرزہ طاری ہو گیا لیکن فوراً ہی سنبھلا اور بڑی جرأت کے ساتھ بولا۔

"زندہ انسانوں کی رُوحیں جنگلوں میں نہیں بھٹکتیں، میں شہزادہ خرم تمہارے سامنے کھڑا ہوں"۔

اس کے جواب میں پھر اُسی غیر ارضی سی آواز میں ایک کھُردرا قہقہہ بلند ہوا لیکن اس بار اس میں طنز کے جیسیوں نشتر ——— اور خندہ استہزا کے سینکڑوں کوندے لپک رہے تھے۔ وہ بھیانک آواز جو شمشیر کا مضحکہ اُڑا رہی تھی۔ موت کی خُنک لہر بن کر اس کی ہڈیوں میں اُترتی جا رہی تھی۔ دشمن نے اُسے شہزادہ خرم ذیشان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا اُسے کیا جواب دے کہ اچانک استہزائیہ قہقہہ الفاظ کا جامہ پہننے لگا اور آواز آئی ——— "میرے دوست! تم ملکہ جہاں کے بڑھاپے اور شہزادی گلبا نو کی جوانی کو فریب دے سکتے ہو۔ وزیرِ سلطنت شبانی بابا کی دانائی اور سپہ سالار رستم خاں کی قوت و سپاہ کو دھوکا دے سکتے ہو۔ اُمرائے ریاست اور اعیانِ سلطنت کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو، لیکن رُوح کو فریب نہیں دے سکتے۔ جو تمہارے ماضی اور حال کو تم سے بھی زیادہ جانتی ہے۔ تم شہزادہ خرم نہیں شمشیر ڈاکو ہو ——— سانگا جنگل کے درندے جس نے لاچی خاں کے ذریعے ولی عہد اور اس کے محافظ سواروں کو چاند کی چودھویں رات اسی جنگل میں گھیر کر ہلاک کر دیا اور دوسرے روز خود "شہزادہ خرم" بن کر مقدر نگر پہنچ گئے۔ اہلِ شہر اس لیے دھوکا کھا گئے کہ تمہاری شکل و صورت ہو بہو بد نصیب خرم سے ملتی ہے جو تمہارے ظلم کا شکار ہوا لیکن تم سے شہزادہ خرم کے ہر قطرے کا حساب لیا جائے گا ——— اُس کے لہو کا ہر چھینٹا جس سے اُس کی قبا رنگین ہوئی تم سے انتقام کا طلب گار ہے ——— اور میں جو شہزادہ خرم ذی شان کی رُوح ——— اور ——— اور اس کے انتقام کا نشان ہوں تمہیں آگاہ کیے دیتا ہوں کہ تمہارے اِرد گرد اُس وقت تک رقصِ اجل ہوتا رہے گا۔ جب تک میرا جذبۂ انتقام مطمئن نہیں ہو جاتا ——— میرے چھوڑے ہوئے خنجر اُس وقت تک تمہاری شہ رگ کے آس پاس تڑپتے، مچلتے رہیں گے جب تک موت کی دہشت سے خون تمہاری نبضوں میں منجمد نہیں ہو جاتا ——— یاد رکھو شہزادی گلبانو میری

منگیتر اور نوروز خاندان کی عزت ہے تم جیسے لٹیرے اور ننگِ انسانیت کو شاہی خاندان کی عزت لوٹنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مت بھولو تمہارے اور شہزادی کے درمیان موت کے خنجر حائل ہو چکے ہیں۔ اگر تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اندھیرے کا خنجر تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔ اس لیے شہزادی سے دُور رہو اور اپنی موت کو قبل از وقت آواز نہ دو ——— لوحِ تقدیر پر تمہاری موت کا دن ضبطِ تحریر میں آ چکا اور وقتِ اجل متعین ہو چکا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس موت سے نہیں بچا سکتی ———"

جنگل کے ہونکتے تاریک سناٹے میں یہ آواز اس طرح گونجتی رہی جیسے موت کا فرشتہ کسی کا نوشتۂ قسمت پڑھ رہا ہو۔

اس خوفناک اور پُر اسرار آواز نے جو مہیب گنبد کے مشابہ تھی فضا پر ایک عجیب سی دہشت طاری کر دی اور خود شمشیر بھی جو جنگل کے خطروں سے مانوس اور تقدیر سے پنجہ آزمائی کا دعویٰ کرتا تھا اُس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ غیر معمولی بہادری اور فطری وحشت و درندگی کے باوجود توہم پرستی غالباً اُسے ورثے میں ملی تھی۔ جس طرح وہ شاہی محل میں کنیزِ خاص دلآرام کی حیرت انگیز معلومات کو اس کی پُر اسرار مخفی قوت یا سحر و طلسم کا کرشمہ سمجھ بیٹھا تھا ٹھیک اُسی طرح جنگل کی تاریکی میں "رُوح کی آواز" نے اُس پر خوف و ہراس طاری کر دیا۔

تیمور نے جو اس عجیب و غریب آواز کے اسرار جاننے اور شمشیر سے مخاطب ہونے والی "رُوح" کی ماہیت معلوم کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ اپنا گھوڑا شمشیر کے مرکب کے ساتھ ملا دیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

"سردار ——— ! یہ رُوح ہرگز نہیں بلکہ وہی دشمن ہے جس نے ہمیں متحیّر اور خائف کرنے کے لیے "شمشیر ڈاکو" کا سوانگ بھرا اور اب رُوح کا ڈھونگ رچا بیٹھا ہے ——— آپ یہیں کھڑے اُسے باتوں میں اُلجھائے رکھیں میں عقب سے جا کر اُس پر کمند پھینکتا ہوں۔ اگر میری کمند کے حلقہ میں پھنس گیا تو آپ کو اس خطرہ سے ہمیشہ کے لیے نجات مِل جائے گی ...."

لیکن ابھی سرگوشی کی سرسراہٹ بھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ کچھ فاصلے پر پھر وہی کھُردرا اور بھیانک قہقہہ بلند ہوا اور ساتھ ہی آواز آئی۔

"رُوح جانتی ہے۔ تم اُسے گرفتار کرنے کی سوچ رہے ہو مگر نہیں جانتے کہ اس وقت خود موت کے محاصرے میں ہو ——"

اس کے بعد ایک تالی بجی اور فوراً ہی اُن کے چاروں طرف عجیب سی آہٹیں جاگ اُٹھیں پھر لمحے سے شور کے درمیان درجنوں نیزے اور برہنہ شمشیریں بلند ہوئیں اور جنگل کے اندھیرے میں جیسے بجلیاں سی کوند گئیں۔

یہ سب کچھ اس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر ظہور میں آیا کہ شمشیر اور تیمور لنگ کی نبضیں ساکت ہونے لگیں۔ سنجانے اُن کے چاروں طرف اتنے آدمیوں نے کب اور کس طرح گھیرا ڈال دیا —— یا —— اُنہیں زمین نے اُگل دیا —— یا واقعی یہ کسی رُوح کی شعبدہ بازی تھی۔

نیزوں اور برہنہ تلواروں کے محاصرہ میں دونوں اس طرح ساکت و صامت اور دم بخود کھڑے تھے جیسے کسی نے سحر پھونک کر دو جیتے جاگتے آدمیوں کو پتھر کے مجسموں میں تبدیل کر دیا اور اُن سے قوتِ گویائی تک چھین لی ہو۔

جنگل میں شمالی ہوا کے جھونکے اب صحرائی بگولوں کی طرح رقص کرنے لگے۔ درختوں کے پتے تالیاں بجا رہے تھے اور شاخوں کی تیز سرسراہٹوں پہ جنگل کے سانس لینے کا گمان ہو رہا تھا۔ یا پھر ارواحِ خبیثہ بیابانوں اور ویرانوں سے نکل کر سارا جنگل میں جمع ہو رہی تھیں کہ شمشیر ڈاکو کی بے چارگی کا نظارہ کر سکیں جس نے شہزادہ خرم کا روپ دھار کر خود اپنے آپ کو مبتلائے فریب کر لیا تھا۔

ہوا کے شور میں ایک بار پھر "روح" کی آواز بلند ہوئی۔

"شمشیر —— ! یہ رُوح کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو یہ نیزے اور تلواریں شہزادہ خرم کا انتقام لینے کے لیے بے چین ہیں —— یہ سوار رُوح کے تابع اور انتقام کے طالب ہیں صرف تمہارا خون ان تلواروں کی پیاس بجھا سکتا ہے ——"

شمشیر نے تلواروں کی چمک دیکھی اور جھیاروں کی آہٹ سُنی جنھوں نے کسی طلسم ہوشربا کی مانند اچانک نمودار ہو کر انہیں محاصرے میں لے لیا تھا لیکن کوشش کے باوجود ابھی تک کسی آدمی کو نہ دیکھ سکا تھا۔ بس اندھیرے میں کچھ سیاہ دھبے سے متردد حرکت کرتے نظر آ رہے تھے، یہ بھی نہیں جانتا تھا وہ فی الواقع انسان ہی تھے یا انہیں کسی غیر ارضی مخلوق نے گھیر لیا تھا۔

جو صرف رُوحوں کے تابع ہوتی ہیں۔ وحشت و ہیبت سے اس قدر حواس باختہ تھا کہ زبان تک ہلانے کی سکت نہ رہی۔ اچانک وہ بلند آواز سے چلایا۔

"میں نے خرم کو قتل نہیں کیا ——"

"درندے ! اگر تُو نے خرم کو قتل نہیں کیا تو اُس کا رُوپ دھار کر لوگوں کو دھوکا کیوں دے رہا ہے ؟ یاد رکھ ! لاچی خاں کی طرح تیرے وہ سب ساتھی موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں گے جنہوں نے اسی جنگل میں ولی عہد کے محافظ دستے کے سواروں کو قتل کیا تھا۔ جنگل کی ہوائیں بھی اُن بے گناہوں کے خون کا قصاص طلب کر رہی ہیں۔"

شمشیر نے محسوس کیا 'روح' کی آواز بتدریج قریب آتی جا رہی ہے۔ پھر جنگل کے اندھیرے نے ایک سوار کا ہیولیٰ اُگل دیا اور دوسرے لمحے اس کے روبرو وہی خوفناک آدمی موجود تھا جس کی پہلی جھلک اُس نے گونا بستی میں سردار شاہو کے مکان کے قریب دیکھی تھی اور جس نے اپنا تعارف "شمشیر ڈاکو" کے نام سے کرایا تھا۔

اُسے دیکھتے ہی شمشیر نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک خنک سی لہر حرکت کرتے محسوس کی۔ اُس کا مقابل سوار اپنی بھیانک آواز میں جو رُوح کی آواز سے مختلف تھی کہنے لگا۔

"شمشیر —— ! تم نے یقیناً مجھے پہچان لیا ہوگا۔ میرا نام "شمشیر ڈاکو" ہے اور رُوح نے خرم کا انتقام میرے سپرد کیا ہے۔ تلوار اٹھاؤ۔ تمہارے دل میں کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ آج دو شمشیروں کو ٹکرا جانے دو۔"

شمشیر اگرچہ بُری طرح بدحواس ہو چکا تھا مگر مد مقابل کی للکار سن کر اُس کے سراپا میں فطری سفاکی نے کروٹ لی اور تلوار تول کر یک لخت اس طرح حملہ آور ہوا کہ اگر حریف نے بجلی ایسی تیزی سے پہلو نہ بدل لیا ہوتا تو شمشیر کی تلوار اُس کی گردن کاٹتی ہوئی گزر جاتی۔ جنگل کے اندھیرے میں دو تلواریں بڑی تیزی کے ساتھ ٹکرانے لگیں۔ لوہا لوہے سے بجنے لگا اور فضا سسکیاں سی بھرنے لگی جیسے زخمی کراہ رہا ہو۔

شمشیر نے اگرچہ ہر حملہ پوری درندگی اور سفاکی سے کیا اور ہر وار بڑی ہوشیاری سے روکا لیکن اس کا مقابل —— اُس کا ہم نام —— "شمشیر ڈاکو" تو گویا برقِ آسمانی اور سیلابِ ناگہانی سے بھی تیز تر واقع ہوا تھا اُس نے شمشیر کے پہلو میں زخم لگایا اور خون کی دھار بہہ نکلی۔ دوسری مرتبہ جب تلواریں ٹکرائیں تو مقابل نے اپنی تلوار کو اس طرح گھما کر اچانک جھٹکا دیا کہ

شمشیر کی تلوار فضا میں اُڑتی چلی گئی اور وہ بے دست و پا ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ حریف کی تلوار دوسری بار حرکت کرتی شمشیر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے سرپٹ چھوڑ دیا۔ نیزوں اور تلواروں کے حصار میں جو اُن کے اردگرد قائم تھا شمشیر نے ایک رخنہ دیکھ لیا تھا۔ اُسی رخنہ کو پھاند کر وہ موت کے حصار سے نکل آیا اور ہوا ہو گیا۔ تیمور نے بھی اپنے سردار کو فرار ہوتے دیکھ لیا۔ گھوڑے کی ایک ہی جست اسے پُراسرار سواروں کے حلقے سے باہر لے آئی اور اس نے بھی اپنے سردار کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔

یہ واقعہ کچھ اتنی سُرعت کے ساتھ عمل میں آیا کہ "پراسرار سواروں" کو شمشیر اور اس کے مفرور ساتھی کا راستہ کاٹنے کا ہوش ہی نہ رہا۔ جب تک وہ سنبھلتے دونوں گھوڑے دُور نکل گئے تھے۔

پُراسرار دشمن کے مقابلہ میں شمشیر دوسری بار بھاگا تھا۔ "شمشیر ڈاکو" نے شمشیر ڈاکو کو دوسری مرتبہ شکست دی تھی لیکن اس بار شمشیر کچھ ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ ساتھی پر کیا بیت گئی ہے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ تیمور پُراسرار سواروں کے حصار سے بچ نکلا اور اپنے سردار کے قدم بہ قدم اُڑتا چلا گیا۔

دونوں جنگل کے راستوں اور پیچ و خم سے آگاہ تھے۔ آگے پیچھے اُن کے گھوڑے گھنی پٹی سے نکل کر کھلے جنگل میں آ گئے اچانک انھوں نے اپنے عقب میں ایک ہیبت ناک —— اور —— تضحیک آمیز قہقہہ کی آواز سُنی —— یہ اُسی رُوح کی آواز تھی جس نے تھوڑی دیر پہلے شمشیر کے بدن سے "روحِ حیات" چھین لی اور اُن پر ایک طلسمی ہیبت و دہشت طاری کر دی تھی۔

شمشیر کو یوں محسوس ہُوا جیسے وہ بھیانک قہقہہ بدستور اُن کا تعاقب کر رہا ہو مگر جُوں جُوں وہ دُور ہوتے چلے گئے اُس رُوح فرسا قہقہہ کی آواز ڈوبتی چلی گئی حتیٰ کہ چند لمحوں کے بعد وہ آواز ہَوا کے شور میں گم ہو گئی۔

شمالی ہَوا فراٹے لیتی —— چیختی چلاتی —— ٹھوکتی ٹھوکتی اور درختوں کے درمیان سیٹیاں بجاتی گزر رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ویرانوں کی رُوحیں سانگا جنگل میں کھڑی شمشیر کی شکست و ناکامی پر قہقہے لگا رہی ہوں۔

(منظر ۲۴)

شعبدہ باز

○

شمشیر ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح شاہی محل میں لوٹ آیا اور طوفان کی اُترتی ہوئی موج کی طرح جو بار بار ساحل سے سر ٹکراتی ہے اپنے کمرۂ خاص میں پریشان پھر رہا تھا۔

یہ امر اطمینان بخش تھا محل میں کسی کو بھی اُس کی پُراسرار مہم کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ لوگ یہی سمجھتے رہے ولی عہد شکار کے لیے گیا لیکن خلافِ توقع رات ہی واپس آ گیا۔ کسی کو اس کے زخمی ہونے کی بھی خبر نہیں تھی۔

شمشیر نے خود بھی بڑی احتیاط سے کام لیا اور شاہی طبیب کی بجائے اپنے ہی ایک جرّاح سے زخموں پر مرہم پٹی کرا لی تھی۔ جو ایسے مواقع پر اس کے زخمی ساتھیوں کا علاج کرتا تھا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات اچانک ایسا خطرناک رُخ اختیار کر لیں گے اور اس کا پُراسرار دشمن گونا بستی میں اس کے لیے اس طرح موت کے دام بچھا دے گا۔ ذہن میں دلآرام کا نام بار بار ایک گھنٹی کی طرح بج رہا تھا۔ اُسی نے سب سے پہلے شاہی انگوٹھی کے متعلق ایک حیرت انگیز انکشاف کر کے اُسے حیران کر دیا تھا۔ یقیناً وہ جانتی تھی ولی عہد کی انگشتری گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلی کے پاس ہے۔ جبھی اُس نے شمشیر سے حفظِ جان کا وعدہ لیا مگر یہ تو شمشیر کی اپنی حماقت تھی کہ جونہی لاچی خاں نے انگوٹھی کے سلسلہ میں نیلی کی نشاندہی

کی وہ ضبط نہ کر سکا اور اپنے سواروں کو لے کر گونا بستی پر چڑھ دوڑا تاکہ انگوٹھی بزورِ طاقت حاصل کر لے اور اس حماقت کا انجام کس قدر ہولناک اور تباہ کُن نکلا ۔

شمشیر سوچ رہا تھا ۔ اب سردار شاہو اور نیلی اُس کے دُشمن بن چکے ہیں ۔ شاید دلارام بھی انگوٹھی حاصل نہ کر سکے ۔ اگر اس نے سردار کے گھر پر حملہ نہ کیا ہوتا ، نیلی کی گرفتاری کی کوشش نہ کی ہوتی تو بات اور تھی لیکن اب تو سارا معاملہ ہی بگڑ چکا اور اس کا پُرانا دشمن گونا بستی اور سردار کی حمایت کا اعلان کر چکا تھا ۔ اب اُسے انگوٹھی حاصل کرنے کے لیے کسی حکمتِ عملی ہی سے کام لینا ہوگا ۔ اس سلسلہ میں دلارام —— اور صرف دلارام اس کی مدد کر سکتی تھی ۔

تھوڑی دیر پہلے اُسے معلوم ہُوا تھا ۔ کنیزِ خاص قصرِ گلریز میں موجود ہے ۔ اُس نے کنیز شگوفہ کو فوراً اس کی طرف بھیج دیا ۔ اب کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا ۔ شگوفہ تو پیغام دے کر لوٹ آئی مگر دلارام نے جواب دیا تھا وہ اس کے پیچھے پیچھے آ رہی ہے ۔ اس واقعہ کو کتنی دیر ہو چکی دلارام ابھی تک نہ آئی تھی ۔

جوں جوں اُس کے آنے میں دیر ہو رہی تھی شمشیر کی پریشانی بڑھ رہی تھی اور وہ کمرہ میں جنگل کے بھوکے بھیڑیے کی مانند چکّر کاٹ رہا تھا ۔ کنیزِ خاص کتنی ہی مختار کیوں نہ ہو ۔ ایک شہزادہ کی حکم عدولی کی جرأت نہیں کر سکتی پھر دلارام اب تک کیوں نہیں آئی ۔ ابھی وہ شگوفہ سے جو کمرۂ خاص سے باہر غلام گردش میں اُس کے حکم کی منتظر تھی پوچھنے ہی والا تھا کہ زربفت کے پردوں کو حرکت ہوئی اور دلارام نے کمرے میں داخل ہو کر کورنش ادا کرتے ہوئے کہا ۔

" دیر سے آنے کی معافی چاہتی ہوں شہزادۂ —— عالی —— ! "

نہ جانے کیوں آج شمشیر کو پہلی بار دلارام کی زبان سے " شہزادۂ عالی " کا لقب اجنبی محسوس ہُوا ۔ یوں لگا جیسے کنیزِ خاص نے " شہزادۂ —— عالی " کہہ کر اُس کا تمسخر اُڑایا ہو ۔ وہ اس کے لہجے کی اجنبیت کو نظر انداز کرتا ہُوا بولا ۔

" دلارام —— ! کل تم اچانک کہاں چلی گئی تھیں ۔ ہم نے بہت تلاش کیا تمہیں ۔"

" خیریت باشد صاحبِ عالم —— ! " کنیز نے اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا

" مَیں آپ ہی کے کام کے لیے ذرا محل سے باہر چلی گئی تھی ۔ مگر حضور نے مجھے ڈھونڈنے کی زحمت کیوں فرمائی ؟ "

" تمہیں ایک حیرت انگیز خبر سنانا چاہتے تھے ۔"

" کنیز گوش بر آواز ہے ۔ وہ خبر اب سُنا دیجئے ! "

" لیکن اب اس کی نوعیت بدل چکی اور ہم ایک غلطی کر بیٹھے ہیں ۔"

" خاکم بدہن —— بھلا آپ کیوں غلطی کرنے لگے ۔"

شمشیر نے دلارام کے چہرے کا بغور جائزہ لیا ۔ اُس پر تسلیم و رضا کے تاثرات دیکھ کر اپنا رُخ دیوار کی طرف موڑ لیا اور بولا ۔

" کل —— اگر تم مل جاتیں تو شاید ہم غلطی نہ کرتے دلارام —— ! تمہارے جانے کے بعد اچانک ہمیں پتہ چل گیا کہ ہماری گم شدہ مہر گونا بستی کے سردار شاہو کی حسین و جوان بیٹی نیلی کے ہاتھ میں موجود ہے ۔ یہ خبر سُنتے ہی ہم صبر نہ کر سکے اور . . . . "

یک لخت شمشیر کچھ کہتے کہتے رُک گیا ۔ ایک لمحہ کے توقف کے بعد دلارام نے اس کا ادھورا فقرہ مکمل کر دیا ۔

" اور . . . . . اپنے دستہ خاص کے سواروں کو لے کر گونا بستی پر چڑھ دوڑے ۔ آپ نے سردار شاہو کے مکان کو گھیر لیا —— یہی نا ؟ "

شمشیر فرطِ حیرت سے اچھل کر یوں مڑا جیسے کسی نے عقب سے اس پر تلوار چلا دی ہو ۔ پلٹ کر دیکھا تو نگاہیں اس تبسم پنہاں کے گرداب میں اُلجھ کر رہ گئیں جو دلارام کے یاقوتی لبوں پر ٹھہرا رہا تھا ۔ شمشیر اس " تبسم پنہاں " کا مطلب سمجھنے سے عاری تھا ۔ " تو تم جانتی ہو ؟ "

دلارام نے گردن میں خفیف سا خم تسلیم پیدا کیا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی ۔

" صاحبِ عالم —— ! مَیں نے ایک بار پہلے بھی بتایا تھا ۔ مجھے بہت سے امور کی اطلاع آپ سے آپ ہو جاتی ہے ۔ یوں کہہ لیجئے ! حادثات خود بخود میرے پاس چلے آتے ہیں ۔"

شمشیر حیرت و تعجب سے اُسے گھورنے لگا ۔ دلارام نے اُسی تبسم —— اسی ادائے خاص سے دوسرا وار ' دوسرا انکشاف کیا ۔

" اس وقت آپ کے دوست سردار لاچی خاں کا کٹا ہُوا سر میرے کمرہ میں موجود ہے ۔"

شمشیر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ۔ وفورِ حیرت میں دم بخود اس نے کنیز کی طرف دیکھا اور کہا ۔ " لاچی خاں کی لاش تو رات سردار شاہو کے مکان میں گری تھی ۔ اس کا سر تمہارے مکان میں کہاں سے آ گیا ؟ "

دلارام نے ایک لمحہ خاموش رہ کر شمشیر کو اپنے حواس درست کرنے کا موقع دیا۔ پھر بتانے لگی ۔

" رات کے حملہ کے خلاف گونا بستی کے سردار نے ملکہ جہاں سے احتجاج کیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ لاچی خاں کا کٹا ہوا سر بطور تحفہ بھیجا ہے ۔ قاصد ملکہ عالیہ کے لیے پیغام لے کر آیا تھا کہ جب دربار جشن میں ملکہ جہاں نے گونا بستی کو شاہی عتاب سے آزاد کر دیا تھا تو رات کے اندھیرے میں ولی عہد نے اپنے سواروں کے ساتھ بستی پر حملہ کیوں کیا اور کیوں سردار کی بیٹی کو زبردستی اٹھائے جانے کی کوشش کی ! شہزادۂ عالی کے حکم پر لاچی خاں سردار کے مکان کا دروازہ توڑ کر اندر گھس آیا اور موت نے اُسے دبوچ لیا ۔ اب اس گستاخ کا سر ملکۂ عالیہ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے گونا بستی کے لوگ اپنی عزت کی حفاظت کر سکتے ہیں "۔

دلارام بولتی جا رہی تھی اور شمشیر کے چہرے کا رنگ اُڑتا جا رہا تھا ۔ وہ سردار کا پیغام سنا چکی تو کمرے میں سناٹا چھا گیا ۔ اس سناٹے میں شمشیر کی مضمحل سی آواز اُبھری ۔

" تو بات ملکہ جہاں تک پہنچ گئی ——— بہت بُرا ہو ۔"

" نہیں شہزادۂ عالی ! کنیز نے ایسا نہیں ہونے دیا "۔

شمشیر نے چونک کر کہا ۔ " کیا مطلب ؟

دلارام نے جواب دیا ۔

" مَیں نے بتایا ہے نا ، حادثات خود بخود میرے پاس چلے آتے ہیں ۔ یہ محض اتفاق تھا آپ کے پاس آنے کے لیے جب مَیں قصرِ گلریز سے نکلی ، چانک میرا خالہ زاد عبدالمنان بھاگا بھاگا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ گونا بستی کے سردار کا قاصد ملکہ جہاں کے حضور "ولی عہد" کی شکایت لے کر آیا ہے ۔ یہ خبر سنتے ہی مَیں فوراً صدر دروازے پر پہنچی اور سردار کے قاصد کو اپنے حجرہ میں لے آئی جہاں مَیں نے سردار کا پیغام اور لاچی خاں کا سر وصول کیا اور اسے یقین دلایا ۔ دونوں باتیں ملکۂ عالیہ تک پہنچا دی جائیں گی لیکن وہ کسی اور سے تذکرہ نہ کرے ۔ بس مَیں قاصد کو واپس بھیج کر سیدھی آپ کے پاس آ رہی ہوں ۔ جبھی تو کنیز کو حاضری میں دیر ہو گئی ۔ اگر بروقت قاصد کو نہ ملتی تو معاملہ بگڑ گیا ہوتا ——— مَیں نے رات کی کہانی ملکہ جہاں تک نہیں پہنچنے دی "۔

شمشیر نے اطمینان کا لمبا سانس لیا اور جذبات انگیز آواز میں بولا ۔

" دلارام ! ہم تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کریں ۔ فی الواقع تم ہماری سچی رفیق اور خیر خواہ ہو ——— "

" مگر اس کارنامہ کے لیے آپ کو میرے خالہ زاد عبدالمنان کا ممنون ہونا چاہیے دراصل اسی وفادار نے مجھے خطرہ سے آگاہ کیا اور مَیں نے فوراً جا کر بات سنبھال لی "۔

" ہم عبدالمنان کے بے حد شکرگزار ہیں دلارام ——— ! اور اس خدمت کا اسے انعام بھی دیں گے ۔ ہم اپنے وفاداروں کو کبھی نہیں بھولتے ۔ تمہارے ساتھ آج سے ہم تمہارے خالہ زاد کو بھی اپنے خاص آدمیوں میں شامل کرتے ہیں ۔ کہاں ہے وہ تم اسے اپنے ساتھ لے کر کیوں نہیں آئیں ؟ "

" عبدالمنان اس وقت میرے حجرے میں لاچی خاں کے سر کی حفاظت کر رہا ہے ، شاہ ..... زا ..... دۂ ..... عالی ..... ! "

دلارام نے " شہزادۂ عالی " کے دو لفظوں کو چار ٹکڑوں میں کاٹ کر رکھ دیا ۔ شمشیر کو شہزادہ کے لخت لخت ہونے کا احساس شاید اس لیے نہ ہو سکا کہ دلارام نے " وفاداری " کی ایک حیرت انگیز کہانی سنا کر اُسے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا ۔ اچانک شمشیر نے پوچھا ۔

" کیا عبدالمنان ہمارے محافظ دستہ کے افسرِ اعلیٰ کا فرض ادا کر سکے گا ؟ "

" کیوں نہیں ، وہ حضور کی حفاظت کے لیے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے "۔

" پھر ہم آج ہی رستم خاں سے کہہ کر اس کی تقرری کا پروانہ جاری کر دیں گے "۔

اچانک شمشیر کو کچھ یاد آیا اور وہ اداس لہجے میں بولا ۔

" دلارام ——— ! ہمیں افسوس ہے کہ لاچی خاں کے بے ہودہ مشورے میں آ کر ہم نے تم سے کیا ہوا معاہدہ بھی توڑ دیا اور محض اپنی گمشدہ انگوٹھی حاصل کرنے کے لیے ذلیل کی تذلیل کے مرتکب ہوئے مگر آئندہ ہم اپنا عہد نبھائیں گے "۔

" آپ کو عہد شکنی کی سزا بھی تو مل گئی "۔ دلارام کی زبان سے یہ فقرہ بے اختیار اور بالکل غیر ارادی طور پر نکل گیا ۔ اس فقرہ میں خنجر کی سی کاٹ تھی اور یہ خنجر شمشیر کے کلیجے تک اُتر گیا ۔

اس نے دلارام کی طرف یوں دیکھا جیسے جال میں پھنسا ہوا بھیڑیا اپنے شکاری کو دیکھتا ہے پھر یک لخت دو قدم آگے بڑھا اور بولا ——— " تم کہتی ہو تمہیں بہت سی

باتیں آپ سے آپ معلوم ہو جاتی ہیں "۔

" یہ درست ہے حضور ــــــ ! "

" تو پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ رات ہم پر حملہ کرنے والا کون تھا ؟ "

دلارام نے محسوس کیا ۔ اچانک شمشیر کی آواز ہی بدلی بلکہ اس کی صورت بھی بدل گئی ہے ۔ بڑی پھرتی سے اُچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی ۔ اب وہ پہلی سی دلارام نہیں تھی جو جنگل کے خونی بھیڑیئے سے ڈر جاتی ۔ اس کی اصلیت جان چکی تھی اب شہزادہ خرم ذیشان اور ظریف کمانڈر کی ہدایت پر اس کے قلب و ذہن پر چرکے لگانے کا فرض ادا کر رہی تھی ۔

شمشیر نے حیرت اور غصّہ کے ملے جلے ردِ عمل سے دلارام کو پرے ہٹتے دیکھا تو کچھ آگے بڑھا ۔ وہ اس کے ذہن کو ہلکا سا کچوکا دے کر بولی ۔

" اتنے قریب نہ آیئے صاحبِ عالم ! شاہ ..... زادے اور کنیز میں کچھ فاصلے ہوتے ہیں "۔

دلارام کے لبوں پر لرزتی ہوئی معنی خیز مسکراہٹ شمشیر کے ذہن پر ناگن کی طرح بل کھانے لگی ۔ اس نے رُکتے ہوئے پوچھا " تم نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا ۔ ہمارا وہ دشمن کون ہے جس نے رات ہم پر حملہ کیا تھا "۔

" تقدیر ہی آدمی کی دُشمن ہوتی ہے "۔

" ہم اس تقدیر کا نام پوچھنا چاہتے ہیں ۔ جس نے ہمیں رات سانگا جنگل میں گھیر لیا تھا ؟ "

دلارام ایک پل کے لیے کچھ سوچنے لگی پھر اس نے اپنی جیب سے پانسہ نکالا ۔ اسے شمشیر کے سامنے ایک میز پر پھینک دیا اور تین نشان کی شکل دیکھ کر بولی ۔

" آپ کا ایک ہی دشمن ہے سرکار ــــــ ! اور اس کا نام ہے شمشیر ــــــ ڈاکو ! "

دلارام نے بڑی جرأت سے کام لے کر اس کا نام لیا ۔ پانسہ تو محض ایک دکھاوا اور شمشیر کی ضعیف الاعتقادی کو مطمئن کرنے کا ایک ذریعہ تھا ورنہ جانتی تھی شہزادہ خرم کے رُوپ میں اس کے سامنے بنفسِ نفیس شمشیر ڈاکو کھڑا ہے ۔

" شمشیر ڈاکو " کے نام سے شمشیر پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ۔ حیران نگاہیں کبھی پانسہ کا طواف کرتی اور کبھی دلارام کے چہرے پر مرتکز ہو جاتی تھیں ۔ شاید سوچ رہا تھا ۔ یہ

...ین اور منہ چڑھی کنیز جو پانسہ پھینک کر آن کہے واقعات کا علم بھی حاصل کر لیتی ہے ۔ کیا ...ں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ؟

پہلی بار جب دلارام نے اُسے انگوٹھی کے بارے ایک حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین خبر ...ائی تھی جو بعد میں بالکل درست ثابت ہوئی تو شمشیر کو اس پر ایک جادوگرنی کا شبہ گزرا تھا ۔ ... وہ پانسہ پھینکنے والی کے رُوپ میں ظاہر ہوئی اور آج بھی اس کی اطلاع نے شمشیر کا دِل ...ویا تھا ۔ کیا وہ سچ مچ کسی پُراسرار قوت کی مالک ہے یا اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کر کے اپنی ...غیب بینی " کا مظاہرہ کرتی ہے ؟

دلارام سے ہوئی صد حماقت سرزد ہوئی تھی کہ اس نے شمشیر پر اپنی معلومات اور پُراسرار ...خصیت کا رعب جمانے یا اُسے ذہنی کچوکے دینے کے لیے اس کے پُراسرار دشمن کو " شمشیر ڈاکو " ...رار دیدیا ۔ وہ سوال کا جواب دینے کی پابند تھی اور کسی نہ کسی طرح ٹال مٹول بھی کر سکتی تھی لیکن ...انک جیب میں رکھے ہوئے پانسے کا خیال آیا پھر اس نے پانسہ پھینک کر اور " شمشیر ڈاکو " کا نام ...لے کر اسے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا ۔

اسے حیران و متفکر دیکھ کر دلارام نے پوچھ ہی لیا ۔

" شاہزادۂ عالی ! ــــــ آپ ایک ڈاکو کا نام سُن کر پریشان ہو گئے ۔ بھلا وہ آپ ...کا کیا بگاڑ سکتا ہے "؟

مگر شمشیر کا ذہن تو کچھ اور ہی تانے بانے بُن رہا تھا ۔ آہستہ سے دروازے کی طرف بڑھا ...ند دوسرے لمحے دروازہ بند ہو گیا ۔ دلارام کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔ سوچ بھی نہیں سکتی ...تی شمشیر ایسی خلافِ توقع حرکت کر گزرے گا ۔ نجانے وہ کیا چاہتا ہے ؛ کہیں اُسے یہ شبہ تو نہیں ...ہیں ہو گیا ۔ وہ اس کے ساتھ ڈراما کھیل رہی ہے ؛ اس صورت میں درندہ جو بھی کر گزرے کم ...ہے ۔ ایک لمحہ کے لیے دلارام کے جسم میں خنک سی لہر دوڑ گئی لیکن فوراً فیصلہ کیا کہ اس ...کے سامنے کسی کمزوری کا اظہار نہ کرے گی ۔

دروازہ بند کرنے کے بعد شمشیر پلٹا اور خوفناک نگاہوں سے گھورتا ہوا اس کے قریب ...کر رک گیا ۔ اتنا قریب کہ دونوں ایک دوسرے کے دِل کی دھڑکن تک سُن سکتے تھے ۔ اچانک ...وہ وحشیانہ لہجے میں بولا " کیا تمہارا پانسہ ہمیشہ صحیح خبر دیتا ہے "؟

" آج تک اس نے کوئی غلط خبر نہیں دی "۔

حضور کو نہ پہچان سکوں ——— ؟ یہ کیسے ممکن ہے ۔ میری نظر یں اس حقیقت کا انکار کریں جو مہر درخشاں کی مانند میرے سامنے ضیا ریز ہے ؟ کل کلاں اگر پانسہ یہ بتائے کہ میں دلارام نہیں بلکہ کوئی اور ہوں تو کیا میں اعتبار کر لوں گی ——— آپ اعتبار کر لیں گے ؟"

اگر چہرہ وہ کتاب ہے جس پر انسان کے قلب و ذہن پر گزرنے والی کیفیات کی تحریریں پڑھی جا سکتی ہیں تو اس وقت شمشیر کا چہرہ اس کے اطمینانِ قلب کی عکاسی کر رہا تھا۔ غالباً وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ بعض ان دیکھے واقعات کا علم رکھنے اور "ایک پر اسرار شخصیت" ہونے کے باوجود اگر دلارام کو کوئی شبہ ہوتا تو اس کے "شہزادہ خرم" ہونے پر اتنے وثوق و یقین سے اصرار نہ کرتی ۔ اس اطمینان کے ساتھ آج وہ اس کے "علم اور پانسہ" کی اہمیت کا بھی قائل ہو گیا مگر یہ خطرہ منحوس چمگادڑ کی طرح سر پر منڈلا رہا تھا کہ دلارام کسی وقت بھی اس کی حقیقت و اصلیت سے آگاہ ہو سکتی ہے ۔ اب دو ہی صورتیں تھیں ۔

اوّل ۔ وہ دلارام کی زندگی کا خاتمہ کر کے اسے ہمیشہ کے لیے رستہ سے ہٹا دے ۔

دوم ۔ یا پھر کسی نہ کسی طرح اسے اپنا بنا لے ۔

بہترین ساتھی اور صلاح کار سلاچی خاں کی ہلاکت کے بعد شمشیر کو ایک رفیق و ہمراز کی شدید ضرورت تھی جو شاہی محل میں جہاں قدم قدم پر خطرے سانس لے رہے تھے ۔ اس کی حفاظت و رہنمائی کا فرض ادا کر سکے ۔ چند روز کے اندر اس پر دلارام کی "اعلیٰ صلاحیتوں اور مخفی طاقتوں" کا جو انکشاف ہوا ۔ ان کے پیشِ نظر وہی ایک ایسی ہستی تھی جو اس کے کام آ سکتی لیکن سوال یہ تھا وہ اس پری کو شیشے میں کس طرح اتارے ؟

شاہی محل میں رونما ہونے والا ہر واقعہ اسے دلارام کی اہمیت کا احساس دلا رہا تھا ۔ وہ جوان تھی خوب صورت تھی ۔ عقلمند اور معاملہ فہم تھی اگر موازنہ کیا جائے تو شہزادی گلبانو سے زیادہ پرکشش تھی اور اس سے قطع تعلق کر کے وہ اپنے "پر اسرار دشمن" کی ضد بھی پوری کر سکتا تھا مگر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی شمشیر گلبانو چھوڑ کر تخت و تاج حاصل نہیں کر سکتا تھا ۔ صفدر نگر کی سلطنت گویا شہزادی گلبانو کا جہیز قرار پا چکی تھی اور ادھر "پر اسرار دشمن" کا خنجر ان دونوں کے درمیان حائل ہو چکا تھا ۔ اسی خنجر سے ڈر کر شمشیر کے ارادے متزلزل ہو گئے ۔ اب دلارام اس کے تاریک ذہن کے افق پر ایک نجمِ امید بن کر طلوع ہوئی ۔ اگر وہ شمشیر کا ساتھ دینے پر تیار ہو جائے تو کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے ۔ ورنہ

شاہی محل میں اس کی زندگی گردابِ ہلاکت کی نذر ہو جائے گی ۔

دلارام نے بھانپ لیا اس کے ذہن میں متضاد خیالات کی جنگ ہو رہی ہے ۔ ہمدردانہ لہجے میں بولی ۔

"شہزادۂ عالی ! آپ خاموش کیوں ہو گئے ۔ کیا سوچنے لگے ، اپنی تمام پریشانیاں کنیز کو سونپ دیجیے اور اس کی وفاداری پر اعتماد کیجیے ۔"

دلارام کو مائل بہ کرم دیکھ کر شمشیر کو جرأت ہوئی ۔ اس نے کہا ۔ "دلارام ! ہم بہت سی الجھنوں کا شکار ہیں ۔ اس وقت تمہارے سوا کسی سے امیدِ وفا نہیں رکھتے ۔ تمہارے علاوہ کسی کو اپنا نہیں سمجھتے ۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں صاحبِ عالم ! ملکہ جہاں کی ممتا آپ کے لیے تڑپتی ہے ۔ شہزادی گلبانو کی محبت حضور کے لیے وقف ہے اور کنیز تو . . . . ."

شمشیر نے اس کی بات کاٹ دی ۔

"ملکہ جہاں کی ممتا ہی نے تو ہمیں مبتلائے مصیبت کیا ہے ۔ شہزادی گلبانو کی محبت ہی تو ہمارے لیے وبالِ جان بن گئی ہے ۔"

کنیز نے چونک کر دیکھا اور حیرت زدہ سی ہو کر بولی ۔

"میں حضور کا مطلب نہیں سمجھی ۔"

"تم سب کچھ جانتی ہو ——— سب کچھ سمجھتی ہو ۔"

اچانک شمشیر نے نیا رخ بدلا اور صرف ایک قدم بڑھا کر اس کی کلائی دبوچ لی ۔ دلارام کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا ۔ شمشیر اسے کھینچتا ہوا نشست گاہ میں لے آیا اور اسے اپنے قریب بٹھا کر کہنے لگا ۔

"ہم جانتے ہیں ۔ تم ہماری خیر خواہ اور محرمِ راز ہو لیکن آج تم سے پیمانِ وفا چاہتے ہیں ۔ بولو ۔ ہمیں قول دو گی ؟ ہماری رفاقت کا عہد کرو گی ؟"

شمشیر کی وحشت نے دلارام کو پریشان سا کر دیا تھا ۔ پیشانی پر ناخوشگواری کی سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور سوچ رہی تھی ۔ شاید صدری کے نیچے پوشیدہ خنجر نکالنے کا وقت آ گیا ہے مگر اسی لمحے شمشیر نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور بولا ۔

"دلارام ! اگر تمہیں واقعی ہم سے کوئی دلچسپی ، کوئی ہمدردی ، کوئی محبت ہے

تو اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور ہمارا ہاتھ تھام کر قسم کھاؤ کہ وفا شکن نہ ہو گی اور ہر حال میں، ہر مرحلے میں ہمارا ساتھ دو گی۔ پانچ سال تم ہماری زبان "سمجھی جاتی تھیں۔ آج ہم تمہیں "اپنی جان" بنا لینا چاہتے ہیں —— تم ہماری جانِ آرزو اور سلطنت کی ملکہ ہو گی"۔

دلارام مچھلی کی مانند تڑپ کر اس کے حلقۂ گرفت سے نکلی اور ایک ستون سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ شمشیر کی وحشت و مصلحت نے انوکھے انداز میں اظہارِ محبت کر کے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ یہ تو جانتی تھی کہ سانگا جنگل کا درندہ شہزادہ خرم کے پُراسرار خنجر سے خوفزدہ ہو کر شہزادی گلبانو سے ترکِ تعلق پر مجبور ہوا ہے لیکن یہ بات وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ وہ اسے ایک شہزادی کا نعم البدل قرار دے گا بلکہ تاج شاہی اس کے سر پر رکھنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ یہ ایک عجیب و غریب اور خلافِ توقع واقعہ تھا جس نے دلارام کے ذہن میں بھونچال سا ڈال دیا۔

شمشیر اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ کنیزِ خاص کے چہرہ پہ ایک زلزلہ کے آثار دیکھے اور کہنے لگا۔

"دلارام —— ! تم نوجوان ہو —— خوبصورت ہو —— معاملہ فہم ہو اور شہزادی گلبانو سے کہیں زیادہ امورِ سلطنت کی خبر رکھتی ہو۔ ہم کئی دن سے تمہیں حالِ دل سنانے پر غور کر رہے تھے اور آج بلانے کا مقصد یہی تھا۔ تم سے تمہارا مشورہ —— تمہارا فیصلہ طلب کریں۔ تمہارے ساتھ پیمانِ وفا باندھیں اور یہ واضح کر دیں اگر ہمت اور کوشش کرو تو صفدر نگر کا تخت تمہارے قدموں سے دور نہیں"۔

شمشیر کا ایک ایک فقرہ —— ایک ایک لفظ سن کر دلارام کے ذہن میں حیرت و استعجاب کے جھاکے سے ہو رہے تھے۔ سوچنے لگی کہ اس انقلاب و انتخاب کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؛ مگر فوری طور پر معاملے کی تہہ کو نہ پہنچ سکی اور فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"یہ نہیں ہو سکتا"۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟" شمشیر کے لہجے میں کسی درندے کی سی غراہٹ تھی۔

"اس لیے کہ کنیزوں اور شہزادوں کے درمیان بڑے فاصلے ہوتے ہیں"۔

"ہم ان تمام فاصلوں کو پاٹ دیں گے" شمشیر اپنی کھردری آواز میں کہنے لگا۔

"ابھی ابھی تمہارے پانسہ نے کیا کہا تھا۔ ہم شہزادہ خرم ذیشان نہیں۔ اگر اوروں کے لیے ہوں

بھی تو تمہارے لیے ہرگز نہیں اور نہ تمہیں کنیز سمجھتے ہیں۔ تم شہزادی گلبانو سے زیادہ حکومت کی اہل ہو"۔

"میں آپ کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتی۔ اس معاملے میں آپ کو کوئی قول نہیں دے سکتی"۔

"ہم ہزار بار اصرار کریں گے"۔

"میں ہزار مرتبہ انکار کروں گی"۔

دلارام کا جواب سن کر شمشیر دم بخود رہ گیا۔ پھر بولا۔

"عورت کا انکار کبھی کبھی اس کی بدبختی بن جایا کرتا ہے"۔

یہ کسی انسان کی آواز ہرگز نہ تھی۔ ہر لفظ سے خون کی بو آ رہی تھی۔ سمجھ گئی جنگل کا درندہ زبردستی پیمانِ وفا چاہتا ہے۔ بصورتِ دیگر اس کی تلوار اپنا کام کرے گی۔ شمشیر کی آنکھوں میں غصہ کی بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ بڑے مشتعل انداز میں پلٹا اور دلارام کے سامنے موت کے فرشتے کی طرح کھڑا ہو گیا۔ آج کمر میں تلوار بھی آویزاں تھی اور ہاتھ کی صرف ایک جنبش پر میان سے باہر آ سکتی تھی۔ غراتے ہوئے لہجہ میں بولا۔

"دلارام! تم جانتی ہو۔ ہم اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات سننے کے عادی نہیں۔ ہم نے سوچ بچار کے بعد تمہارے حق میں فیصلہ دیا۔ تمہیں اپنا شریکِ سلطنت بنانا چاہا۔ تم سے وفاداری کا عہد مانگا اور تم نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ تمہیں ہم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم نے تمہارے بارے میں جو کچھ سوچا، جو کچھ سمجھا وہ سب غلط تھا اور جب ہمارا کوئی فیصلہ غلط ثابت ہو تو ہم اس پہ اپنی تلوار سے خطِ تنسیخ کھینچ دیا کرتے ہیں"۔

شمشیر نے دوسرے لفظوں میں موت کی دھمکی دی تھی مگر وہ بھی فیصلہ کر چکی تھی۔ خواہ قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے۔ کسی کمزوری —— کسی بزدلی کا اظہار نہ کرے گی۔ تڑپ کر ستون کی اوٹ سے نکلی اور حیرت انگیز جرأت سے بولی۔

"شہزادۂ عالی —— ! میرے علم کے مطابق ابھی تک کسی آہن گر نے وہ تلوار نہیں ڈھالی جو دلارام پر خطِ تنسیخ کھینچ سکے۔ آپ مجھے شمشیر کی دھمکی دے رہے ہیں۔ حالاں کہ آپ کی اپنی زندگی میری اس مٹھی میں بند ہے"۔

یہ خلافِ توقع جواب سن کر شمشیر حیران رہ گیا۔ دوسرے لمحے اس کا ہاتھ تلوار کے

قبضہ پر تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ تلوار نکالتا اچانک پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے ایک خنجر تیر کی مانند سنسناتا آیا اور شمشیر کے قریب ایک چوبی ستون میں پیوست ہوگیا۔ خنجر کی نوک میں ایک چھوٹا سا پارچہ پیوند کیا گیا تھا۔ شمشیر نے لپک کر خنجر ستون سے کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ منسلک پارچہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک پیامی خنجر ہے اور اسے صرف پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

شمشیر نے اس کی نوک سے پارچہ نکالا۔ اس پر صرف ایک جملہ تحریر تھا۔

"یہ خنجر تمہارے سینے میں بھی پیوست ہو سکتا تھا۔"

"شمشیر ڈاکو"

"شمشیر ڈاکو" کا نام پڑھتے ہی یک لخت شمشیر سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دشمن نے دن کے اجالے میں پیغام بھیجا اور اس کا مطلب یہ تھا وہ خود یا اس کا کوئی آدمی شاہی محل میں موجود ہے جو پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے لگا اس کی گفتگو سنتا رہا ہے۔ فوراً کھڑکی کی جانب لپکا اور خلا سے سر نکال کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن پائیں باغ سنسان اور خاموش تھا۔ وہاں انسان تو کیا کوئی پرندہ تک نظر نہ آتا تھا۔ شاید خنجر پھینکنے والا کوئی چھلاوہ تھا کہ پلک جھپکنے میں غائب ہوگیا۔

شمشیر اس کی تلاش سے مایوس و ناکام ہو کر پلٹا تو وہ سرے تحیر سے دوچار ہوا۔ دلارام جا چکی تھی اور کمرہ خالی پڑا تھا۔

وہ تیزی سے دروازہ کی طرف بھاگا۔ اسی لمحے شگوفہ طشتری میں پانی کی صراحی اور گلاس لیے نمودار ہوئی۔ شمشیر اپنی قدموں پر رک گیا اور سوالیہ نگاہوں سے کنیز کو دیکھنے لگا۔

"پانی کس نے طلب کیا ہے؟"

"آپ نے حضور!" شگوفہ نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی دلارام نے مجھے حکم دیا تھا۔"

"اوہ ..... ہاں ..... دلارام ٹھیک کہتی ہے۔"

یہ کہہ کر شمشیر نے گلاس کی بجائے صراحی اٹھا کر منہ کو لگا لی اور غٹا غٹ پینے لگا۔ فی الواقع اسے شدت کی پیاس لگ رہی تھی۔

(منظر ۲۵)

آوازِ شکست

○

دلارام ولی عہد کے کمرہ خاص سے نکل کر شاہی قصروں کے حاشیوں پر جھالروں کی مانند پھیلی غلام گردشوں کے درمیان ایک پرندے کی مانند اڑتی اور تیرتی چلی گئی۔

وہ جانتی تھی شمشیر کو جو دھمکی دے کر آئی ہے۔ اس کے الفاظ پیامی خنجر کے مضمون کی طرح اس کے دل میں رقص کرتے رہیں گے۔ دراصل شاہی محل میں اب شمشیر کی حیثیت ایک ایسے درندے کی سی تھی۔ جسے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ وہ اسی صورت میں خطرناک ہو سکتا تھا جب اس نفسیاتی پنجرے کی باڑھ توڑ کر باہر نکل آتا جو شہزادہ خرم نے "شمشیر ڈاکو" بن کر اس کے ارد گرد کھڑی کر دی تھی۔ شمشیر اس کے اندر تڑپ سکتا تھا۔ غرا سکتا تھا، دھمکیاں دے سکتا تھا۔ لیکن اس باڑھ کو توڑنے یا پھلانگنے کی طاقت سے بتدریج محروم ہوتا جا رہا تھا۔ آج تو خود دلارام نے اس کی بے بسی محسوس کر لی تھی۔

لاچی خاں کی موت کے بعد اس نے دلارام ہی کا سہارا لے کر اور اسے حکومت و سلطنت کا لالچ دے کر اس پُراسرار باڑھ کو پھاندنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ظاہر ہے ملکہ جہاں اور شہزادی گلبانو کے متعلق اس کے ارادے اب نیک نہیں تھے اور وہ دلارام کو شریکِ سلطنت بنانے کے وعدے پر ان دونوں کو کسی نہ کسی طرح اپنے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا پھر "اس پُراسرار دشمن"

پر ہاتھ ڈالنے کی سعی کرتا جس نے "شمشیر ڈاکو" بن کر اس کا ناک میں دم کر دیا تھا۔

دلارام نے شمشیر کی محبوبہ بننے اور شریکِ سلطنت ہونے سے انکار کر کے اس کے ذہن پر ایک کاری ضرب لگائی تھی۔ اگرچہ اس کی گرفت سے نکل آئی لیکن محسوس کر رہی تھی کہ شمشیر کا وجود سلطنت کے لیے بھیانک خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ نجانے شہزادۂ عالی اس کھیل کو ختم کیوں نہیں کر دیتے اور کیوں اسے ڈھیل دیئے جا رہے ہیں۔ غلام گردشیں عبور کرتے اس کے ذہن میں بار بار ایک ہی لفظ گونج رہا تھا۔

"سلطنت..... سلطنت..... سلطنت....."

صفدر نگر کی سلطنت واقعی خطرے میں تھی ایک ڈاکو —— ایک درندہ وارثِ تاج و تخت بن کر عنقریب اختیارِ حکومت سنبھالنے والا تھا۔ دربارِ جلوس میں اب ایک ماہ سے بھی کم مدت رہ گئی تھی۔ ہر گذرنے والا دن اس خطرے کو قریب لا رہا تھا اور شہزادہ خرم کو جو کچھ کرنا تھا اس دربار سے پہلے ہی پہلے کرنا تھا۔

یہی سوچتی دلارام ایک موڑ پر ظریف کماندار سے ٹکرا گئی جو بڑی جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دلارام کو بتایا۔

"سردار شاہو کی بیٹی ملکہ جہاں سے ملاقات کے لیے آ رہی ہے۔ وہ ملکہ کو ولی عہد کی کہانی سنانے اور انگوٹھی واپس کرنے آئی ہے۔ شہزادۂ عالی کا حکم ہے۔ تم نیلی کو روکو۔ اسے ملکۂ عالیہ تک نہیں پہنچنا چاہیے ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ اگر شمشیر کے کان میں خطرے کی بھنک بھی پڑ گئی تو شاید محل میں قتلِ عام شروع ہو جائے۔ شہزادۂ عالی نے کہا ہے تم کسی نہ کسی طرح نیلی کو اپنے کمرے میں لے جاؤ اور حکمِ ثانی کا انتظار کرو۔"

"کیا شہزادۂ عالی محل میں پہنچ چکے ہیں؟"

"فضول باتیں نہ کرو دلارام! ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اگر شمشیر کے آدمیوں نے نیلی کو دیکھ لیا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے تیمور کو بھوکے بھیڑیے کی طرح شاہی محل کے صدر دروازے پر منڈلاتے دیکھا تھا۔"

یہ اطلاع سن کر دل آرام سکتے میں آ گئی۔ کماندار نے مزید کہا۔

"شاہی انگوٹھی حاصل کرنے اور لاچی خاں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے تیمور نیلی کی گردن اڑا دینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ وہ نہیں جانتی اس نے شاہی محل کی طرف آ کر

تنی بڑی غلطی کی ہے۔ شہزادۂ عالی نے محل میں اس کی حفاظت کا فرض میرے اور تمہارے سپرد کیا ہے۔ بس اب دیر نہ لگاؤ۔"

غلام گردش سے نکل کر دلارام فوراً اس راستہ پر ہو لی جو صدر دروازہ کی طرف جاتا تھا۔ ابھی تھوڑی دور گئی تھی کہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ سامنے گونا بستی کے سردار کی بیٹی آفریدۂ جمالی نیلی گرفتہ تقدیر کی طرح تنہا چلی آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ولی عہدِ سلطنت کی انگوٹھی تھی اور صدر دروازے کے پہریدار اسے روکنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔

نیلی بھی دلارام کو دیکھ گئی۔ پہلی ملاقات کے بعد جس میں نیلی کو دھوکے سے بلایا گیا تھا۔ کنیزِ خاص کے بارے میں اس کے تاثرات کچھ نہیں تھے۔ دلارام کی پہلی سرد مہری نیلی کے دل پر نقش ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے اسے دیکھتے نیلی کے چہرے پر ناخوشگوار سے تاثرات ابھر آئے۔ اس کے برعکس دلارام نے اسے یوں ک کر سلام کیا اور اس طرح کورنش بجا لائی۔ جیسے وہ ملکہ جہاں یا پھر شہزادہ خرم ذیشان کو تعظیم ینے کی عادی تھی۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔

"میں گونا بستی کے معزز سردار کی بیٹی کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

نیلی کے کانوں میں گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ اسے اپنی سماعت پہ اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ لارام نے جس خلوص و ایثار کے ساتھ اس کا استقبال کیا کیا باعث تھا کیونکہ پچھلی مرتبہ جب وہ ا ہی محل میں لائی گئی تھی دلارام نے اسے کوئی حیثیت، کوئی اہمیت نہ دی بلکہ اس کی دل شکنی باعث بنی لیکن اس بار جب وہ ولی عہد کے خلاف ایک شکایت لے کر آئی کنیزِ خاص کی طرف ے یہ پذیرائی یقیناً حیرت انگیز تھی اس نے بڑے پُر وقار انداز میں کہا۔

"دلارام! میں ملکہ جہاں سے ملنے آئی ہوں۔ ان کے کمرے تک میری رہنمائی کرو۔"

"مجھے افسوس ہے بانو! آپ ملکۂ عالیہ سے نہیں مل سکتیں۔ کل سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اور کوئی ان سے ملاقات نہیں کر سکتا۔"

اس اطلاع پر نیلی پریشان سی ہو گئی۔ "مگر میرا ان سے ملنا بے حد ضروری ہے۔"

"میں مجبور ہوں بانو! ملکۂ عالیہ کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔"

نیلی کے دل کو دھچکا سا لگا۔ اچانک اسے شاہی انگوٹھی کا خیال آیا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ جس کی ایک انگلی میں صفدر نگر کی قسمت کا ستارہ چمک رہا تھا۔ کنیزِ خاص کے

سامنے الف کر دیا اور بولی ۔

" دلارام ——— ! میں تمہیں اس انگوٹھی کے نام پر حکم دیتی ہوں کہ مجھے ملکۂ عالیہ کے کمرہ تک لے چلو۔ شاہی محل کا کوئی غلام، کوئی محافظ روک نہیں سکتا "۔

" بے شک یہ درست ہے مگر آپ کو شاید معلوم نہیں پورے صفدر نگر میں یقیناً صرف مجھے حاصل ہے کہ میں اس انگوٹھی کو دیکھ لینے کے بعد بھی آپ کو ملاقات کی اجازت دوں یا روک لوں "۔

یہ جواب سن کر نیلی تصویرِ غم بن گئی ۔ وہ گونابستی سے کیا کیا ارمان لے کر چلی تھی ۔ خیال تھا جب ملکہ جہاں اس کی کہانی سنے گی ۔ یقیناً اپنے بیٹے ہی کو موردِ الزام ٹھہرائے گی ۔ جس نے بستی کی ایک سیدھی سادی لڑکی کو پیار کا فریب دے کر لوٹ لیا ۔ وہ ملکۂ عالیہ کو اپنا حالِ دل سنانے آئی تھی لیکن دلارام اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو گئی ۔ شدتِ غم سے آنکھوں میں آنسو تیر گئے ۔ دلارام نے پانی کی یہ چمک دیکھ لی اور تسلی کے لہجے میں بولی ۔

" بانو ! آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے ۔ میں یقین دلاتی ہوں اس وقت آپ کا ملکۂ عالیہ سے ملنا مناسب نہیں "۔

" تم نہیں جانتیں دلارام ' میرا ان سے ملنا کس قدر ضروری ہے ۔ اگر میں ملکہ جہاں سے ملاقات کیے بغیر لوٹ گئی تو ایک طوفان آجائے گا "۔

" میں سب کچھ جانتی ہوں بانو ! سب کچھ سمجھتی ہوں ۔ رات کے واقعے کو بھول جائیے ۔ رات آپ نے جو کچھ دیکھا ——— جو کچھ سنا وہ ایک ایسا خواب ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں "۔

نیلی دلارام کی زبان سے " رات کے واقعہ " کا ذکر سن کر دم بخود رہ گئی ۔

" کیا تم جانتی ہو رات گونابستی میں کیا ہوا تھا ؟ "

کنیزِ خاص نے اثبات میں سر کو جنبش دی ۔ " گونابستی میں ہونے والا کوئی واقعہ میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا ۔ اس لیے کہ گونابستی کے سردار کی معزز بیٹی صفدر نگر کی تقدیر بن چکی ہے "۔

اس حیرت انگیز انکشاف پر نیلی فرطِ تحیر سے اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی ٹھیک اسی لمحے دلارام کی آنکھوں میں بھی حیرت و خوف کی بجلیاں سی کوندنے لگیں اور اس کی نگاہیں

دوڑ کر صدر دروازے پر پہنچ گئیں جہاں اس نے شمشیر کے نائب تیمور کو محافظ دستہ کے پانچ " سپاہیوں " کے ہمراہ شاہی محل میں داخل ہوتے دیکھا ۔ ان کے آگے " ولی عہد " کے کمرہ خاص کی کنیز شگوفہ تھی ۔

دلارام کو صورتِ حال کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی ۔ غالباً پیامی خنجر کی اچانک اور خلافِ توقع آمد سے گھبرا کر شمشیر نے اپنے ساتھیوں کو بغرضِ حفاظت طلب کر لیا تھا ۔ شگوفہ ہی انہیں بلا کر لائی تھی ۔

ان کے درمیان اگرچہ کم از کم ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ تھا لیکن تیمور نے محل کی فصیل کے اندر داخل ہوتے ہی سردار شاہو کی بیٹی کو دیکھ کر اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو بھی آگاہ کر دیا تھا ۔

خطرے کو بھانپ لینے کے بعد دلارام نے جلدی سے نیلی کی کلائی پکڑ لی اور اسے غلام گردش کی طرف گھسیٹتی بولی ۔

" بانو ! جلدی کیجیے ——— ! میرے ساتھ آئیے ۔ دشمنوں نے آپ کو دیکھ لیا ہے "

نیلی نے دلارام کے چہرے پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں سی ضرور دیکھ لی تھیں مگر وہ یہ معما سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کے وہ دشمن کون ہو سکتے ہیں جن سے کنیزِ خاص بھی خائف ہے ۔ اس کے باوجود دلارام کے ساتھ دروازے کی طرف گھسیٹتی چلی گئی ۔ فوراً وہ غلام گردش میں پہنچ گئیں ۔ نیلی نے ایک لمحہ کے لیے پلٹ کر پیچھے نظر دوڑائی اور ولی عہد کے محافظ دستہ کی مخصوص وردیاں دیکھ کر معاملے کی نوعیت سمجھ گئی ۔ انہیں بھاگتے دیکھ کر تیمور اور اس کے پانچوں ساتھیوں نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی تھی ۔

دلارام رہداری عبور کر کے فوراً دوسری جانب نکل آئی اور غلام گردش کا موڑ کاٹ کر گھوم گئی ۔ یہاں اسے ظریف کماندار مل گیا ۔ وہ بولی ۔

" کماندار ——— ! تیمور پانچ آدمیوں کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہو چکا اور اس نے بانو کو میرے ساتھ دیکھ لیا ہے ۔ اگر وہ ہمارا پیچھا کرے تو اسے روک دو "۔

ظریف کماندار نے نیلی کو دیکھ کر بڑے ادب سے سلام کیا اور دلارام سے مخاطب ہوا

" تم انہیں اپنے کمرے میں لے جاؤ اور بے فکر رہو "۔

نیلی حیران تھی ۔ اس کا تعاقب کرنے والے " ولی عہد کے محافظ سپاہی " تھے ۔ دلارام

کھولے کر، ولی عہد کے کمرۂ خاص کی جانب چل دی۔ چلتے چلتے سوچنے لگی۔ شاید کماندار ظریف نے شہزادۂ عالی سے مل کر کوئی نیا مذاق چلایا ہے۔

*

دلارام نیلی کو لے کر اپنے حجرے میں داخل ہوئی۔ کنیزِ خاص کا یہ حجرہ دو حصّوں پر مشتمل اور شاہی کمروں کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا۔

حجرے میں پہنچ کر دلارام نے اطمینان کا سانس لیا اور بنتِ شاہو کو ایک دیوان پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر چاندنی بچھی تھی لیکن وہ تو مجسم سوال بن کر کھڑی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"دلارام! اس مہربانی کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں لیکن یہ معمّا میری سمجھ میں نہیں آسکا جب ولی عہد کے محافظ میرے دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں تو تمہیں میری حفاظت کی اتنی فکر کیوں ہے؟ تم میری دوست کس طرح ہو سکتی ہو؟ کیا وہ لوگ اس کمرے میں نہیں پہنچ سکتے؟"

"مطمئن رہیے بانو! یہاں کوئی نہیں آسکتا۔"

شاید تم نہیں جانتیں، رات ولی عہد کے حکم پر لاچی خاں نے ہمارے مکان میں گھسنے کی کوشش کی تو بابا نے اسے قتل کر دیا تھا۔ وہ لوگ مجھ سے اسی قتل کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ انہیں یہاں آنے سے کون روک سکتا ہے؟"

نیلی کے استفسار پر دلارام نے ہاتھ بڑھا کر ایک مستطیل طاقچہ کے چوبی پٹ کھول دیئے۔ دوسرے لمحے لاچی خاں کا کٹا ہوا سر نیچے آگرا اور لڑھکتا ہوا ٹھیک بنتِ شاہو کے قدموں میں رک گیا۔ نیلی خوف و تحیّر سے اُچھل کر پرے ہٹ گئی۔

دلارام نے شمشیر کو لاچی خاں کے سر کی جو کہانی سنائی وہ درست نہ تھی۔ سردار شاہو نے یہ سر ملکہ جہاں کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ شیخ کی ہدایت پر لاچی خاں اور اس کے ساتھی کی لاشیں سانگا ندی میں پھینک دی گئی تھیں تاکہ دریا کی مچھلیاں ضیافت اُڑا سکیں مگر شہزادہ خرم کے حکم پر ظریف کماندار نے لاچی خاں کی لاش نکال کر سر تن سے جُدا کر لیا تھا۔ پھر لاش تو دوبارہ ندی میں پھینک دی اور کٹا ہوا سر ایک کپڑے میں باندھ کر دلارام کو پہنچا دیا گیا تھا تاکہ شمشیر کو لاچی خاں کا بھوت دکھا کر خوف زدہ کیا جا سکے مگر دلارام نے اپنی "وفاداری" کا یقین دلانے کے لیے شمشیر کو ایک اور ہی کہانی سنا دی تھی۔

لاچی خاں کا سر دیکھ کر جو اس وقت بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ نیلی حیرت و خوف کی تصویر بن گئی۔ دلارام نے اُسے اٹھا کر پھر طاقچے میں بند کر دیا اور بولی۔

"اب تو آپ کو یقین آجانا چاہیے۔ رات گونا بستی میں جو کچھ بھی ہوا وہ میرے علم میں ہے۔"

"مگر لاچی خاں کا سر یہاں کس طرح آگیا۔ اس کی لاش تو ندی میں پھینک دی گئی تھی؟"

نیلی فی الواقع حیران و پریشان تھی۔ دلارام نے پلٹ کر اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا اور کہنے لگی۔

"بانو — ! آپ کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ لاچی خان کا سر میرے پاس کس طرح پہنچ گیا۔ حالات نے صورت ہی کچھ ایسی اختیار کر لی ہے کہ اگر میں بیان بھی کر دوں تو آپ اس پر یقین نہ کریں گی۔ اس کے باوجود میں یہ واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ پچھلی مرتبہ جب آپ محل میں آئی تھیں اس وقت میں خود آپ کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ نہ شہزادۂ عالی نے مجھے کچھ بتایا تھا۔ یہی وجہ ہے آپ نے میرے سلوک میں بیگانگی پائی ہوگی — مجھ سے اجنبیت محسوس کی ہوگی۔ میں نے آپ کی کہانی سنی مگر اس پر یقین نہیں کیا تھا کیوں کہ میری آنکھوں کے سامنے حجاب کے پردے حائل تھے لیکن اب حجاب کے پردے اُٹھ چکے ہیں۔ شہزادۂ عالی میرے سامنے اپنی کتابِ دل کھول چکے اور میں نے محبت کی داستان پڑھ لی ہے جو گونا بستی میں لکھی گئی تھی اب جان گئی ہوں۔ صفدر نگر کی تقدیر کا نیا ستارہ آپ کے خطِ جبیں سے اُبھرنے والا ہے۔ آپ ہی وہ پھول ہیں جو سارے گلستان کی زینت بننے والا ہے۔ آپ ہی۔ ۔ ۔ ۔"

نیلی حیرت و استعجاب کے عالم میں دلارام کی گفتگو سنتی رہی۔ اچانک اس نے دلارام کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دلارام — ! مجھے فریب دینے کی کوشش نہ کرو۔ میں تو ایک ایسا پھول ہوں جسے شاخ سے نوچ کر مسل دیا گیا۔ میں تو وہ منحوس ستارہ ہوں جو طلوع ہونے سے پہلے ہی قسمت کے اندھیروں میں ڈوب گیا ہے۔"

یہ کہتے کہتے نیلی کی آواز بھرا گئی مگر جذبات کی آنچ پہ پگھلتی اور بولتی چلی گئی —

"پچھلی بار جب میں شاہی محل میں آئی یا لائی گئی۔ تم نے میری کہانی پر اس لیے یقین نہیں کیا تھا۔ کہ تم اپنے شہزادہ کی مزاج شناس ہو تمہیں معلوم تھا شہزادے جب بستیوں سے گزرتے ہیں تو اپنے پیچھے کتنی کہانیاں" چھوڑ آتے ہیں جنہیں شاہی محلوں میں کوئی اہمیت نہیں جاتی۔

تم جانتی تھیں۔ میں بھی ایک "کہانی" بن جانے والی ہوں۔ کیونکہ شاہی محل میں پہنچ کر شہزادۂ عالی گونابستی میں پیش آنے والے واقعات کو بھول جائیں گے۔"

"نہیں بانو——! ایسا نہیں ہوا۔"

"میرا نام نیلی ہے۔ مجھے بار بار بانو کہہ کر شرمندہ نہ کرو۔ یہ لقب تو امیر زادیوں اور شہزادیوں کے لیے مخصوص ہے اور میں ایک غریب آدمی کی بیٹی ہوں۔"

دلارام خیال انگیز لہجے میں بولی۔

"میں نے تو سُنا ہے، آپ کا نام نیلوفر بانو ہے اور ہم اس نام کی عزت کرنے پر مجبور ہیں۔ بیس سال پہلے یہ نام صفدر نگر کے شاہی خاندان میں بھونچال بن کر آیا اور طوفان بن کر گزر گیا۔ بیس سال کے بعد یہ نام مقدر کے ستارہ کی طرح پھر طلوع ہوا ہے۔"

"یہ کیوں نہیں کہتیں، وقت نے پرانی کہانی پھر دُہرائی ہے اور گونابستی پر ایک بار پھر شاہی عتاب نازل ہونے والا بلکہ ہو چکا ہے۔"

"نہیں۔ اس بار کہانی کا انجام مختلف ہو گا۔ آپ کا نام شہزادہ خرم ذیشان کی زندگی بن چکا ہے۔ ان کا دل صرف آپ کے نام پر دھڑکتا ہے۔"

دلآرام نے جس وثوق و یقین کے ساتھ شہزادہ خرم کی محبت کا ذکر کیا۔ اس نے نیلی کے سوئے ہوئے جذبات کو پھر بیدار کر دیا۔ پلکوں پر اٹکے ہوئے آنسو کانپ کر ٹوٹے اور عارضوں پر بہنے لگے۔

"دلارام! تم کہتی ہو، رات گونابستی میں جو کچھ ہوا تم اس سے پوری طرح واقف ہو مگر میرا خیال ہے تم ان تیروں کی خلش سے آگاہ نہیں جو بات میرے دل میں ترازو کئے گئے۔ تم نے میرے کلیجے پر اُترنے والے وہ خنجر دیکھے ہی نہیں جن کے زخم زندگی بھر مندمل نہ ہو سکیں گے۔ تمہیں ان انگاروں کی تپش کا تجربہ ہی نہیں جو میرے دامن پر اُچھالے گئے۔ رات اگر تم نے شہزادہ کی گفتگو سُنی ہوتی تو یقیناً عورت کی بے بسی پہ تڑپ اُٹھتیں۔ میری بدنصیبی مجھے ایک زخمی مسافر کے رُوپ میں ملی اور میں پہچان نہ سکی کہ اس چہرے کے پیچھے ایک ولی عہد سلطنت چھپا بیٹھا ہے —— اگر معلوم ہو جاتا کہ ایک شہزادہ میری بدبختی کا بھیس بدل کر مجھ سے کھیلنے آیا ہے تو میں دل کی بازی یوں نہ ہار دیتی——"

دلارام اس کی دلی کیفیت سمجھتی تھی۔ اس کا دُکھ جانتی تھی لیکن اسے مطمئن کرنے سے

تاہم تبھی پھر بھی اس نے اپنے آنچل سے نیلی کے آنسو پونچھے۔ اسے لے کر دیوان کی چاندنی پر بیٹھ گئی اور بولی۔

"میں جانتی ہوں رات آپ نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا۔ اب پھر کہتی ہوں آپ شہزادۂ عالی سے نہیں بلکہ ان کے رُوپ میں جنگل کے ایک درندے سے ملی تھیں۔"

نیلی کی آنکھوں میں تحیّر کی جھلک نمودار ہوئی۔ اتنی گم کردہ ہوش نہ تھی کہ خواب اور حقیقت میں فرق محسوس نہ کر سکتی پھر رات کے خوفناک واقعہ کا ثبوت تو لاچی خاں کے کاسۂ سر کی شکل میں اسی کمرہ کے طاقچہ میں موجود تھا لیکن ابھی وہ کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ اسی وقت عقب میں کھٹکا سن کر دونوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔ ان کے سامنے دروازہ کے پٹ کھلے اور صفدر نگر کا وارثِ تخت و تاج شہزادہ خرم ذی شان اندر داخل ہوا۔

شہزادہ کو دیکھتے ہی وہ دونوں بیک وقت یوں اُچھل کر کھڑی ہو گئیں جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے اُنہیں یک لخت اچھال دیا ہو۔ ایک لمحہ کے لیے دلارام بھی بوکھلا اُٹھی کہ کہیں شمشیر ہی تو نہیں لیکن تھوڑی دیر پہلے اس نے شمشیر کے بدن پر جو لبادہ دیکھا وہ مختلف تھا۔ پھر شمشیر کے بائیں کان کی لَو تھوڑی کٹی ہوئی تھی۔ جب کہ اس وقت جو صورت سامنے تھی اس کے دونوں کانوں کی لَویں صحیح و سالم تھیں۔

دلارام سمجھ گئی۔ آنے والا شمشیر نہیں بلکہ اس کا محبوب شہزادہ خرم ذی شان ہے لیکن ان دونوں کی شکلوں میں اس قدر کامل مشابہت دیکھ کر دلارام کا ذہن جیسے آپ سے آپ گھومنے لگا۔ غالباً شہزادہ خرم نے اس کی گھبراہٹ اور پریشانی محسوس کر لی تھی۔ وہ بولا۔

"دلارام——! تم اس قدر پریشان کیوں نظر آتی ہو؟"

یہ آواز اگرچہ دلارام نے پانچ سال کے بعد سُنی لیکن اس کی جانی پہچانی تھی۔ پہاڑی قلعہ سے واپسی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ شہزادہ خرم اپنی اصل شکل و صورت کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوا اور دلارام کے سامنے آیا تھا۔ اس سے قبل اس نے اپنے شہزادہ کی داستان مصیبت ظریف کمانگر ہی کی زبانی سنی اور اسی کے ذریعے ہدایات وغیرہ موصول کرتی رہی تھی۔ اگرچہ وہ کئی بار شہزادہ سے ملنے اور اسے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کر چکی مگر اُسے ہمیشہ یہی جواب ملتا رہا کہ ابھی تک ملاقات کا وقت نہیں آیا۔ آج وہ بنفسِ نفیس دلارام کے کمرے میں موجود تھا۔

شہزادہ خرم کو دیکھتے اور اس کی آواز پہچانتے ہی دلارام آدابِ شاہی اور مصلحت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر آگے بڑھی اور وفورِ جذبات میں شہزادہ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ حجرے کی خاموش فضا میں اس کی بھیگی آواز تھرتھرا کر رہ گئی ——

"آقا حضور ....."

جب خرم نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھایا تو دلارام کی پلکیں بھیگ چکیں اور آنسو عارضوں پر بہہ رہے تھے۔ اس کا سارا جسم لرزش سے دوچار تھا۔ اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ "شہزادۂ عالی! میں نے آپ کو زندہ و سلامت دیکھ لیا۔"

نیلی تصویرِ حیرت بنی یہ سب کچھ یوں دیکھ رہی تھی جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ شہزادہ و کنیز کی یہ عجیب و غریب ملاقات اس کے لیے حیران کن تھی۔ اس کے نزدیک تو دلارام ہر وقت شہزادہ کی حاضری میں رہتی تھی مگر وہ اس سے یوں ملی تھی جیسے برسوں کے بعد ملاقات ہوئی ہو۔ پھر کنیز کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اسرار و تحیّر میں اضافہ کر رہے تھے۔ ایک اور خاص بات جو نیلی نے محسوس کی یہ تھی کہ شہزادہ خرم نے حجرہ میں داخل ہوتے ہی اسے سرسری نظروں سے یوں دیکھا جیسے نہیں دیکھا پھر اس کی ساری توجہ کنیزِ خاص پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اُسی سے مخاطب تھا اور نیلی اس کے الفاظ سن رہی تھی۔

"دلارام ——! ہوش میں رہو۔ اگر تم اسی طرح پریشان ہونے لگیں تو نیلی کی حفاظت کس طرح کر سکو گی؟"

نیلی نے چونک کر شہزادہ کی طرف دیکھا۔ اسی کے محافظ نیلی کی جان کے دشمن تھے اور وہی دلارام کو اس کی حفاظت کا فرض سونپ رہا تھا۔

نیلی پر حیرتوں کا پہاڑ سا ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ شہزادہ جو رات جنگل کے درندے کی مانند انتہائی خوفناک ہو گیا اور اس کی عزت و جان کا دشمن بن گیا تھا۔ اس وقت کتنا پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ کتنا بدل چکا تھا۔ اس نے خرم کی آواز میں بھی نمایاں فرق محسوس کیا۔ یہی وہ دل کش آواز تھی جس نے اس کی متاعِ زیست لوٹ لی اور اس کے دل میں پیار کی شمع روشن کر دی تھی۔ مگر رات اس آواز کو کیا ہو گیا تھا۔ خرم کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔

"نیلی ——! میں جانتا ہوں تمہیں بہت سی شکایات ہوں گی لیکن ان کے اظہار

کی ضرورت نہیں۔ رات جو کچھ ہوا وہ ایک خواب تھا۔ ایک سپنا تھا۔ ایک فریب تھا۔ ایک دھوکا تھا۔ اُسے بھول جاؤ۔"

نیلی جو حالات سے یکسر ناواقف تھی، شہزادہ خرم کی زبان سے "خواب و فریب" کے الفاظ سن کر دم بخود رہ گئی۔ اپنے "بے رحم محبوب" کی باتوں نے اس کے دل پر جیسے ایک نئی ضرب لگائی تھی۔ اچانک اس کے نتھنے پھڑکے، ہونٹوں کے گوشوں پر لرزش سی طاری ہوئی اور وہ کپکپائی گلوگیر آواز میں کہنے لگی۔

"میں وہ رات کس طرح بھول سکتی ہوں جس کے خونیں اندھیرے میرا مقدر بن چکے ہوں وہ قبر کی مانند تاریک اور موت کی طرح سرد رات مجھے اپنی لحد میں بھی یاد رہے گی ——"

خرم نے غمناک نظروں سے نیلی کو دیکھا وہ کہہ رہی تھی۔

"رات کے اندھیرے میں آپ نے میری عزت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی، اجالے میں آپ اس واقعہ پر پردہ ڈالنے آئے ہیں۔ یہ خوب انصاف ہے شہزادۂ عالی ——! میں اس رات کو بھول سکتی ہوں نہ اس اندھیرے کو فراموش کر سکتی ہوں جس نے مجھے آپ کی اصل صورت دکھائی۔"

"نیلی ——!" خرم کے لبوں پر ایک چیخ سی تڑپ کر رہ گئی۔

بنتِ شاہو کی پلکوں سے بھی آنسوؤں کے دو قطرے ٹوٹ کر اس کے شہابی عارضوں پر بہنے لگے۔ اس نے خرم کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ کی محبت میں دل ہارا تھا شہزادۂ عالی! اپنی عزت نہیں ہاری تھی۔ ہم لوگ غریب ضرور ہیں لیکن عزت کا بیوپار نہیں کرتے۔ غریبوں کے پاس عزت ہی وہ سرمایہ ہے جس کی خاطر وہ اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں ....."

خرم نے بات کاٹ دی۔

"نیلی! میں صرف یہ کہوں گا 'تم فریب خوردہ ہو .....'"

"بے شک قسمت نے مجھے فریب دیا ہے۔ بہت بڑا فریب۔"

شہزادہ نے تڑپ کر منہ دوسری طرف کر لیا اور زخمی لہجے میں بولا۔

"اپنی شکایت کو چند روز پر اُٹھا رکھو، فریب کا یہ پردہ خود بخود چاک ہو جائے گا۔ آپ سے آپ سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔"

"اب سمجھنے سمجھانے کے لیے باقی کیا رہ گیا ہے ——" نیلی کی آواز درد و کرب

سے بوجھل ہو رہی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں صرف اپنی قسمت سے گلہ ہے کہ میں نے وہ خواب ہی کیوں دیکھا جس کی تعبیر میری تباہی بن کر ظاہر ہونے والی تھی۔"

یہ کہہ کر نیلی نے اپنی انگلی سے وہ انگوٹھی اتاری جو اسے شہزادۂ خرم نے اپنے ہاتھ سے پہنائی تھی اور اُسے خرم کی طرف بڑھا کر بولی۔

"ذرا منہ ادھر پھیر کر دیکھیے! یہ وہی انگوٹھی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے آپ میرے خون کے پیاسے ہو گئے تھے ——— یہ وہی ناگن ہے جس نے میرے پیار کو ڈس لیا ہے ——— یہ وہی ہیرا ہے جو آپ نے مجھے بخشا اور عہد کیا تھا کہ میری خاطر اگر تخت و تاج کو ٹھوکر مارنا پڑی تو آپ دریغ نہیں کریں گے اور سلطنت چھوڑ کر صرف محبت کے لیے جئیں گے لیکن ابھی تو گنا بستی کی فضا میں آپ کے پیمانِ وفا اور اس کے الفاظ کی بھی گونج بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے ہم پر حملہ کر دیا اور انگوٹھی کے ساتھ میری جان لینے پر تُل گئے ——— یقیناً بستی کی ایک غریب لڑکی آپ کی منگیتر شہزادی گلبانو کی حریف نہیں ہو سکتی لیکن میں یہ معما سمجھنے سے قاصر ہوں جب آپ اپنی امانت ہر وقت واپس لے سکتے تھے تو رات کے اندھیرے میں لٹیروں کی طرح حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی ——— شاید اپنی منگیتر شہزادی کو خوش کرنے اور اُسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی خاطر آپ نے غریبوں کی توہین و تذلیل ضروری سمجھی ہو گی لیکن میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی اور آپ کی امانت لوٹانے کے لیے خود حاضر ہو گئی ہوں اگر چاہیں تو اس انگوٹھی کے ساتھ میری جان بھی لے سکتے ہیں۔ لیجیے اپنی امانت سنبھالیے! مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

نیلی کا ہر فقرہ ——— ہر لفظ نوکِ خنجر کی طرح خرم کے دل میں زخم لگاتا اور گھاؤ ڈالتا چلا گیا۔ اسی انگوٹھی کے لیے شمشیر نے گنا بستی پر حملہ کیا اور نیلی کی توہین و تذلیل پر تُل گیا تھا۔ اگرچہ خرم نے بروقت اطلاع پر اُس کا سارا منصوبہ درہم برہم کر دیا اور اپنی محبوبہ کی تذلیل کا پورا پورا حساب چکا دیا تھا لیکن وہ نیلی کو کس طرح بتاتا کہ جسے وہ خرم سمجھ کر نفرت کرنے لگی ہے وہ تو سانگا جنگل کا درندہ ——— شمشیر ڈاکو ——— تھا۔ مصلحت ابھی افشائے راز کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے نیلی کی باتیں سنتا اور گھائل پنچھی کی مانند تڑپتا رہا۔

شمشیر نے اُس سے تخت و تاج، اُس کا مرتبہ و مقام ہی نہیں چھین لیا بلکہ اُس کی محبت کو بھی گھائل کر دیا اور اُس کی عزیز از جان محبوبہ کے دل میں نفرت کی چنگاری روشن کر دی تھی۔ وہ دل ہی دل میں شمشیر کو اس جرم کی سزا دینے کے ارادے باندھ رہا تھا۔ نیلی کی طرف دیکھے بغیر پوچھا:

"نیلی ——— ! کیا رات تم نے میری آواز سنی تھی؟"

"آواز میں فرق ضرور تھا لیکن غصے میں آدمی کی آواز بدل جایا کرتی ہے۔"

نیلی نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا ——— "کیا آپ مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات آپ کے رُوپ میں دراصل آپ کا بھوت گنا بستی میں چلا گیا تھا؛ شہزادۂ عالی! زبان سے نکلا ہُوا لفظ اور کمان سے چھوٹا ہُوا تیر کبھی واپس نہیں آیا کرتا ——— اپنی امانت سنبھالیے اور مجھے اجازت دیجیے! میں صرف انگوٹھی واپس کرنے صفدر نگر آئی تھی۔"

خرم کو یوں محسوس ہُوا جیسے گلشنِ ہستی کی بہاریں اُس سے روٹھ گئی ہوں۔ بہرحال اس نے زخمی دل کے ساتھ اپنا رُخ موڑا اور نیلی کو دیکھ کر بولا۔

"تم نے گنا بستی سے نکل کر بہت بڑی غلطی کی ہاں ——— ! اس انگوٹھی کے ساتھ اگر کوئی تمہاری زندگی بھی چھین لیتا تو ———؟"

"تو شاید آپ کی بیقراری کو قرار آ جاتا۔"

یہ کہہ کر نیلی نے ولی عہد کی انگشتری دیوان کی چاندنی پر رکھ دی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ اُس نے دہلیز پر رُک کر ایک نظر شہزادہ پر ڈالی اور کہا ——— "شہزادۂ عالی! اگر مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی تو معافی چاہتی ہوں۔"

خرم نے پلٹ کر انگوٹھی اُٹھائی اور نیلی کے قریب جا کر بولا۔

"نیلی! جب شہزادے کسی کو کوئی تحفہ یا انعام دیتے ہیں تو واپس نہیں لیتے۔ تم چونکہ حالات سے واقف نہیں اس لیے یہ انگوٹھی تمہارے لیے خطرہ بن چکی ہے۔ میں اسے صرف تمہاری امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیتا ہوں لیکن دربارِ جلوس کی تقریب پر یہ انگوٹھی تمہیں واپس کر دی جائے گی۔"

"شکریہ، صاحبِ عالم! لیکن اب اس ڈھونگ کی ضرورت ہی کیا ہے میں یہ اطمینان لے کر جا رہی ہوں کہ میں نے آپ کی چیز لوٹا دی۔ اب اس انگوٹھی سے میرا کوئی واسطہ

نہیں ——"

"لیلی —— !"

"مجھے ہمیشہ کے لیے بھول جائیے شہزادۂ عالی !"

بنتِ شاہو لرزتی آواز میں بولی - "بیس برس پہلے ایک نیلی چاند کی چودھویں رات کو ساگنا ندی میں ڈوب گئی تھی —— بیس سال کے بعد دوسری نیلی شاہی سلطنتوں کے طوفان میں غرق ہو گئی - اب وہ کبھی واپس نہیں آ سکے گی"

یہ کہہ کر تیزی کے ساتھ باہر نکلی اور اُس کی پشت پر دروازہ بند ہو گیا - اس کے جاتے ہی شہزادہ خرم نے دلارام کو اشارہ کیا اور وہ بھی نیلی کے پیچھے ہی پیچھے حجرہ سے نکل گئی -

صفدر نگر کا ولی عہدِ سلطنت کنیز ِخاص کے حجرہ میں کسی رُوح کی مانند دل گرفتہ و غمگین کھڑا تھا اور اُس کی ہتھیلی پر شاہی انگشتری کا ہیرا جھلمل جھلمل کر رہا تھا -

منظر ۲۶

بنوکِ شمشیر

شمشیر دلارام کے جانے کے بعد دل پکڑ کر بیٹھ گیا - "شمشیر ڈاکو" کا بھوت اس کے ذہن کے ویرانہ میں رقص کر رہا تھا - اپنے پُراسرار خفیہ دشمن سے بے حد پریشان نظر آتا تھا جس نے آج دن کے اُجالے میں پیامی خنجر بھیج کر اسے بدحواس اور خوفزدہ کر دیا تھا -

فوری طور پر اُس نے شگوفہ کو بھگا دیا کہ اُس کے محافظ دستہ کے افسرِ اعلیٰ تیمور کو بلا لائے اور اُسے ہدایت کرے وہ کم از کم پانچ بہترین تیغ زنوں کو ساتھ لے کر آئے جو "قصرِ ذیشان" کی حفاظت کر سکیں -

اس کے نزدیک پُراسرار دشمن شاہی محل میں قدم رکھ چکا اور کسی وقت بھی دوسرا حملہ ہو سکتا تھا - اس انتظام کے باوجود شمشیر اپنے پوشیدہ دشمن اور اس کے مقصد کو سمجھنے سے قاصر تھا —— "وہ کون ہے —— کیا چاہتا ہے اور شاہی محل سے اس کا کیا تعلق ہے ؟"

شمشیر کمرۂ نشست میں بیٹھا اپنے حواس درست کر رہا تھا - وہ پیامی خنجر ہاتھ میں تھا جو تھوڑی دیر پہلے بائیں باغ کی طرف کھلنے والے دریچہ سے کسی طائرِ اجل کی مانند اُڑتا ہوا آیا اور چوبی ستون میں پیوست ہو گیا تھا کہ شگوفہ ہوا کے جھونکے کی طرح تیرتی داخل

ہوئی اور اس نے اطلاع دی تیمور پانچ تیغ زنوں کے ہمراہ قدم بوسی کی اجازت چاہتا ہے۔ شمشیر فوراً کھڑا ہو گیا۔ اُس نے حکم دیا۔

"پانچوں محافظ قصر کے چاروں طرف پہرہ دیں۔ صرف تیمور کو اندر بھیج دو۔"

تیمور نے آتے ہی شمشیر کے چہرہ اور اڑی اُڑی سی رنگت سے اندازہ کر لیا کہ وہ بے حد پریشان ہے۔ شمشیر نے پیامی خنجر اور وہ چھوٹا سا پارچہ جس پر دھمکی دی گئی تھی۔ اپنے نائب کے ہاتھ میں دے کر پورا واقعہ بیان کر دیا۔ تیمور بھی دم بخود رہ گیا۔

شمشیر نے خیال ظاہر کیا۔ "پُراسرار دشمن شاہی محل کے اندر موجود ہے اور یقیناً ابھی تک باہر نہیں گیا۔ دن کے اُجالے میں خنجر افگنی کر کے اُس نے حیرت انگیز جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ آج دوبارہ حملہ کرے لیکن کیوں نہ اُسے شاہی محل ہی میں تلاش کر کے گرفتار کر لیا جائے۔ شاہی تعمیرات کی فصیل کے اندر جو آدمی مشتبہ نظر آئے اُسے پکڑنے میں کوئی رُو رعایت نہ برتی جائے۔ خواہ وہ ملکہ جہاں کی اجازت ہی سے کیوں نہ آیا ہو۔"

تیمور نے بتایا۔ "ابھی ابھی اُس نے سردار شاہو کی بیٹی نیلی کو محل میں داخل ہوتے دیکھا تھا مگر جب وہ اُسے گرفتار کرنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھا۔ شاہی محل کی ایک کنیز نے دیکھ لیا اور نیلی کی کلائی پکڑ کر اُسے گھسیٹتی ہوئی غلام گردشوں میں غائب ہو گئی۔" یہ خبر سنتے ہی شمشیر ایک بار پھر بدحواس ہو گیا اور گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا۔

"وہ یقیناً ملکہ جہاں سے ملنے اور شکایت کرنے آئی ہو گی۔ تیمور ——! ملکہ سے اُس کا ملنا بے حد خطرناک ہو گا۔"

پھر اُس نے بتایا تھوڑی دیر ہوئی سردار شاہو نے لاچی خاں کا کٹا ہوا سر ملکہ جہاں کے پاس بھیجا تھا جسے کنیز خاص دلارام نے بڑی ہوشیاری سے روک لیا اور سردار کے پیغامبر کو ملکہ تک پہنچنے نہیں دیا۔ اب سردار کی بیٹی آ دھمکی ہے۔ وہ ضرور ملکہ کو رات کے واقعہ سے آگاہ کر دے گی —— اُف —— آج کا دن کس قدر منحوس ہے تیمور ——! نیلی کو کسی قیمت پر ملکہ سے نہیں ملنا چاہیے ورنہ ہمارا راز فاش ہو جائے گا۔"

"یہ کام تو صرف دلارام ہی کر سکتی ہے۔"

"دلارام ..... دلارام ....." شمشیر کے دماغ میں آندھی سی چلنے لگی۔

"تم کہتے ہو تمہیں آتے دیکھ کر شاہی محل کی کوئی کنیز نیلی کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

کیا اُس کنیز کو پہچانتے ہو؟"

"نہیں —— میں نے اُسے دُور سے دیکھا تھا۔ وہ آسمانی رنگ کا لباس پہنے تھی۔"

"آسمانی رنگ کا لباس؟" شمشیر کے تصور میں دلارام کا ہیولیٰ تھرتھرانے لگا جو تھوڑی دیر پہلے اسی رنگ کا لباس پہنے اُس سے ملنے آئی تھی۔

"کہیں وہ دلارام ہی نہ ہو —— تم دلارام کو نہیں جانتے؟"

"صرف نام سنا ہے۔ دیکھا نہیں ممکن ہے وہی ہو۔ کیوں نہ شگوفہ سے پوچھ لیا جائے۔ اُس نے بھی تو نیلی اور کنیز کو دیکھا ہو گا۔"

"شگوفہ ——!" شمشیر نے گونگ پر ضرب لگاتے ہوئے قریباً چلا کر آواز دی۔ دوسرے لمحے کنیز اس کے سامنے موجود تھی۔ شمشیر کی غضب ناک آواز نے اُسے خوفزدہ سا کر دیا تھا۔ آتے ہی کمر تک جھک گئی۔

"شگوفہ ——! تھوڑی دیر پہلے تو نے گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلی کو محل کے اندر دیکھا تھا؟"

"نیلی .....؟" کنیز کی آواز کانپ رہی تھی —— "ہاں ایک لڑکی نظر آئی تو تھی لیکن میں اُسے پہچانتی نہیں۔"

"تو اس کنیز کو تو ضرور پہچانتی ہو گی جو نیلی کو گھسیٹ کر لے گئی کہیں وہ دلارام تو نہ تھی؟"

شگوفہ نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا۔ اُسے کنیز کی شناخت سے انکار کر دینا چاہیے۔ اگرچہ جانتی تھی تیمور کو دیکھ کر دلارام ہی نیلی کو شاہی محل کی غلام گردشوں میں لے بھاگی تھی لیکن شمشیر کے اندازِ گفتگو نے اُس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ بولی۔

"صاحبِ عالم! دُوری کی وجہ سے میں اُس کنیز کو بھی پہچان نہ سکی۔ اگر وہ دلارام تھی تو اُسے بھاگنے کی ضرورت کیا تھی وہ تو حضور کی بڑی مخلص اور وفادار ہے۔"

گویا شگوفہ نے دلارام کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ شمشیر اُس کا جواب سن کر غضب ناک ہو گیا اور گرج کر بولا۔

"جا بھاگتی چلی جا، دلارام جہاں اور جس حالت میں بھی ہو اُسے ہمارے پاس لے آ۔ کہنا ایک پل کی دیر بھی مہلک ثابت ہو گی۔ تو سمجھ گئی؟"

شگوفہ نے اثبات میں گردن کو خم دیا پھر اُلٹے قدموں چلتی دروازہ تک آئی اور باہر نکلتے ہی تنہا ہوگئی ۔ اس کے جاتے ہی شمشیر کی روح معنوی جیسے تبدیل ہوگئی اور اس بھیڑیئے کی طرح جس کے منہ کا لقمہ چھین لیا گیا ہو بڑے غصہ میں کمرہ کے چکر کاٹنے لگا ۔ اس کے پیکر کے اندر سویا ہُوا شمشیر جاگ اُٹھا تھا ۔ اچانک تیمور کے سامنے رُک کر کہنے لگا ۔

" تیمور ــــــ ! اگر وہ دلارام ہی تھی جو نیلی کو لے کر بھاگی تو آج اس محل میں ، اس شہر میں ، اس دُنیا میں اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا "

تیمور نے چونک کر اپنے سردار کی طرف دیکھا ــــــ " مگر دلارام کو شہزادہ کی خاص کنیز اور وفادار ہے ۔ آپ نے خود بتایا ہے اُس نے لاچی خاں کا سَر ملکہ تک نہیں پہنچنے دیا ۔

" وہ جتنی وفادار ہے اُس سے زیادہ خطرناک بھی ہے ۔ پورے صفدر نگر میں صرف وہی جانتی ہے چاند کی چودھویں رات کو سانگا جنگل میں کیا ہُوا تھا "

تیمور دم بخود رہ گیا ۔ " کیا وہ یہ بھی جانتی ہے آپ شہزادہ خرم ...... "

شمشیر نے فوراً اشارہ سے اس کی بات کاٹ دی اور آہستہ سے بولا ۔

" ہوشیار باش ــــــ دیوار گوش دارد "

تیمور کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا ۔ اس نے معذرت طلب نظروں سے شمشیر کی طرف دیکھا اور وہ سرگوشیانہ لہجے میں اپنے نائب کو بتانے لگا کہ دلارام ایک ماہر پانسہ باز ہونے کی وجہ سے بعض اَن دیکھے واقعات بھی معلوم کر لیتی ہے ۔ آج ہی اس نے پانسہ پھینک کر یہ انکشاف بھی کر دیا تھا کہ وہ شہزادہ خرم نہیں ۔ سانگا جنگل کے واقعات کا علم رکھنے کے باوجود شہزادہ خرم کی ہلاکت سے بے خبر ہے ۔ اسی لیے اُس نے پہلی بار اپنے علم کو غلط قرار دیا تھا ــــــ شمشیر کہنے لگا ۔

" اس نے تین بار پانسہ پھینکا اور تینوں بار یہی جواب ملا کہ میں شہزادہ خرم نہیں وہ چونکہ مجھی کو شہزادہ سمجھتی ہے اس لیے اُس نے زندگی میں پہلی بار اپنے پانسہ پر یقین نہیں کیا لیکن اُس وقت میری جو کیفیت ہوئی تم اُس کا اندازہ نہیں لگا سکتے ۔ میں تو سَر سے پاؤں تک ساکت ہو گیا تھا "

اس حیرت انگیز انکشاف نے تیمور کو دم بخود کر دیا ۔ " پھر تو دلارام واقعی بجد خطرناک ہے اور اس کی زندگی ہم سب کی موت کا پیغام بن سکتی ہے "

" میرا بھی یہی خیال ہے مگر دلارام کو راستہ سے ہٹانے کی بجائے اُسے اپنا بنا لینا ہمارے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے ۔ آج میں نے اُسے شریکِ سلطنت ہونے اور شہزادی گلبانو کی جگہ دینے کی پیش کش بھی کر دی ۔ میرا خیال تھا وہ اس پیش کش پر خوش ہوگی لیکن اس نے میری پیش کش مسترد کر دی ۔ میں نے دھمکی دی اگر وہ میرے ساتھ شریکِ سلطنت نہ ہوئی تو زندہ نہ رہ سکے گی مگر دلارام نے جواب دیا ۔ آپ کی جان تو میری مٹھی میں بند ہے ۔ یہ کہہ کر کمرہ سے نکل گئی کیونکہ اسی لمحے پائیں باغ کی کھڑکی سے خنجر آڑتا ہُوا آیا اور میں اس طرف متوجہ ہو گیا ۔ مجھے خبر تک نہ ہو سکی وہ کب چلی گئی "

یہ کہہ کر شمشیر ایک پل کے لیے رُکا پھر کہنے لگا ۔

" دلارام کے الفاظ واؤ دروں کی طرح میرے دماغ میں گھوم رہے ہیں ۔ میں ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا ۔ کبھی سوچتا ہوں ۔ شاید اس نے ولی عہد کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا تھا کیونکہ انگوٹھی فی الواقع ولی عہدِ سلطنت کی جان ہے اور دلارام جانتی ہے ۔ میں وہ انگوٹھی کھو چکا ہوں مگر انگوٹھی کا کھوج مِل گیا ہے صرف اُسے حاصل کرنا باقی ہے ۔ کبھی خیال آتا ہے کہیں دل آرام میری اصلیت سے تو آگاہ نہیں ہو چکی ۔ اگر میری اصلیت جان چکی ہے تو اُس نے پانسہ کے جواب کو " جھوٹ " کیوں قرار دیا تھا ؟ اُس کے الفاظ نے مجھے پریشان کر دیا ہے ۔ آخر ان سے کیا مطلب اخذ کیا جائے ؟ "

تیمور بھی شمشیر کا بیان سُن کر شش و پنج میں مبتلا ہو گیا ۔ یک لخت اس نے کہا ۔

" سردار ! دُنیا کی ہر عورت شہرت اور حکومت کی طلب گار ہوتی ہے پھر دلارام نے آپ کی پیش کش کیوں مسترد کر دی ؟ " پھر ایک لمحہ رُک کر بولا ۔

" میرا خیال ہے ، وہ جان گئی ہے کہ آپ شہزادہ خرم نہیں "

شمشیر کے چہرے پر فکر و تردد کی ایک لہر تھرائی لیکن فوراً ہی فیصلہ کُن انداز میں بولا ۔

" نہیں ــــــ ابھی تک اُسے کچھ معلوم نہیں وہ مجھے شہزادہ خرم ہی سمجھتی ہے ۔ اگر میرے راز سے آگاہ ہوتی تو ملکہ جہاں کو ضرور مطلع کر دیتی "

" ہو سکتا ہے وہ کسی مصلحت کے تحت خاموش ہو "

" دلارام شاہی گھرانے کی وفادار ہے اور وفاداری مصلحت اندیش نہیں ہوتی "

اُسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ شمشیر نے پلٹ کر دیکھا، شگوفہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور اُس کا پھولا ہوا سانس اس امر کی غمازی کر رہا تھا کہ تیزی سے بھاگتی آئی ہے۔ شمشیر اُسے تنہا دیکھ کر گرجا۔

"دلارام کیوں نہیں آئی؟"

"وہ اپنے حجرے میں نہیں صاحبِ عالم!"

"ہو سکتا ہے ملکہ جہاں یا شہزادی گلبانو کی حاضری میں ہو۔"

"نہیں ——— میں نے ہر جگہ دیکھ لیا۔"

شمشیر کی پیشانی پہ فکر و تردد کی سلوٹ نمودار ہوئی پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا اور مضطرب سے لہجے میں بولا۔

"تُو ملکہ جہاں کے کمرے تک گئی تھی؟"

"گئی تھی سرکار ——— !"

"پھر تُو نے وہاں سردار شاہو کی بیٹی نیلی کو ضرور دیکھا ہوگا؟"

"نہیں شہزادۂ عالی! نیلی تو ملکۂ عالیہ کے دروازے تک پہنچی ہی نہیں۔ کسی نے بھی اُسے نہیں دیکھا۔"

"شہزادی گلبانو کے کمرہ میں ہو گی!" شمشیر کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

"وہاں بھی نہیں۔"

"پھر کہاں چلی گئی؟"

شگوفہ نے بتایا، "وہ دلارام کے حجرے سے لے کر 'قصرِ گلریز' تک ہر جگہ دیکھ آئی ہے۔ نہ تو دلارام ہی کہیں نظر آئی نہ بنتِ شاہو کا کچھ پتہ چل سکا۔ حتیٰ کہ کسی کنیز، کسی غلام، کسی چوبدار نے بھی اُنہیں نہیں دیکھا۔

شمشیر کے نقطۂ نظر سے یہ اطلاع اگرچہ تسلی بخش تھی کہ سردار شاہو کی بیٹی ملکہ جہاں سے نہیں مل سکی مگر حیرت انگیز بات یہ تھی وہ شاہی محل میں لینے کیا آئی تھی اور اچانک کہاں غائب ہو گئی؟ نیلی کے ساتھ دلارام کا بھی کوئی پتہ نہ تھا۔ سوچنے لگا۔ ضرور دلارام ہی نے اُسے کہیں غائب کر دیا ہے۔ یقیناً اُس نے ولی عہد کی انگشتری حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔

شمشیر کے تصور میں شاہی انگوٹھی کا ہیرا شمعِ اُمید بن کر چمکنے لگا۔ اس نے شگوفہ

رخصت کر دیا اور تیمور سے کہنے لگا۔

"تیمور ——— ! دلارام سردار کی بیٹی سے ولی عہد کی انگوٹھی حاصل کر لے گی مگر انگوٹھی اُس وقت تک مجھے نہیں دے گی جب تک میں اُس کی تمام شرائط نہیں مان لیتا۔"

"سردار ——— ! آپ تو اُسے شریکِ سلطنت ہونے کی پیش کش بھی کر چکے ہیں۔ جسے اُس نے قبول نہیں کیا پھر اس سے بڑی شرط اور کیا ہو سکتی ہے؟"

تیمور کا استدلال دلچسپ بھی تھا اور درست بھی۔ جو کنیز صفدر نگر کی ملکہ بننے سے انکار کر چکی وہ بھلا معمولی شرائط کو کب خاطر میں لائے گی۔ لیکن سبحانے کیوں شمشیر کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور یہ دھڑکن کسی نادیدہ خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ زخمی سانپ کی طرح بل کھا کر پلٹا اور بولا۔

"کچھ بھی ہو۔ ولی عہد کی انگوٹھی اب دلارام کے ہاتھ نہیں لگنی چاہیے۔ نیلی محل میں داخل ہو چکی ہے اور ابھی تک واپس نہ گئی ہو گی۔ ہم خود اُسے تلاش کریں گے۔ سردار شاہو اور اُس کی بیٹی دونوں میرے لیے خطرہ بن چکے ہیں۔ میں اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے کچل دینا چاہتا ہوں۔"

شمشیر اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے جو کمر میں لٹک رہی تھی بھوکے بھیڑیے کی طرح دروازے کی جانب لپکا اور تیمور بھی پیچھے ہو لیا ——— شگوفہ جو غلام گردش کے چوبی حجرے میں کھڑی تھی حیرت پاش نظروں سے دیکھتی ہی رہ گئی۔

نیلی دلارام کے حجرے سے نکلی تو اُس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

شاہی محل میں شہزادہ خرم کی ملاقات قطعی غیر متوقع تھی۔ وہ ملکہ جہاں سے ملنے اور اُسے اپنی بدنصیبی کا افسانہ سنانے آئی تھی۔ سوچا تھا۔ وہ ولی عہد کی انگوٹھی بھی ملکہ ہی کو واپس کرے گی۔ جس کی بدولت رات اس کی عزت خطرے میں پڑ گئی لیکن شاہی محل میں آتے ہی دلارام نے آ لیا اور اپنے حجرے میں لے گئی جہاں ہر بات اُس کی توقع کے برعکس پیش آئی۔

وہی شہزادہ جو رات کسی جنگل کے درندے کی مانند اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اور نیلی کو اپنے ہاتھ سے شاہی انگوٹھی پہنا کر سوال کر رہا تھا۔ کہ اس نے یہ مہرِ خاص کہاں سے اور کس طرح حاصل کی ہے؟ آج پھر اُس کے محبوب کا وہی روپ اختیار کر چکا تھا جس کے

پیار میں نیلی نے اپنے دل کی بازی ہار دی تھی ——— آج پھر اسے اپنی زندگی، اپنی نبضِ حیات قرار دے رہا تھا جس کی ہر ضرب کے ساتھ اُس کا دل دھڑکتا ہے۔ اُس نے کس معصومیت، کس بے بسی، کس بے چارگی سے درخواست کی تھی کہ وہ رات کے خونیں واقعہ کو بھول جائے کہ وہ ایک خواب تھا۔ ایک فریب تھا ——— ایک دھوکا تھا نیلی کے دل و دماغ حیرتوں کے بھنور میں اُبھرتے ڈوبتے رہے تھے۔ شہزادہ خرم نے ایک حقیقت کو خواب اور ایک سچائی کو جھوٹ کیوں ظاہر کیا تھا؟ کہیں وہ خود ایک خواب۔ ایک فریب۔ ایک دھوکا تو نہیں کہیں وہ خود فاترالعقل اور دیوانہ تو نہیں، کہیں اُس کے دماغ پہ کسی آسیب یا بدرُوح کا سایہ تو نہیں؟

اس قسم کے کتنے ہی سوال اُس کے ذہن کے سنسان ویرانے میں بگولوں کی مانند گردش کر رہے تھے۔ مگر اُس کا ذہن کسی سوال کا کوئی شافی جواب نہ دے سکا۔ دل کسی طرح مطمئن ہونے میں نہ آتا تھا۔ صرف ایک ہی تصور ——— ایک ہی خیال بار بار ڈسے جا رہا تھا کہیں یہ سب کچھ شہزادی گلبانو کا کیا دھرا تو نہیں؟

گلبانو شہزادہ خرم کی منگیتر تھی۔ دربارِ جشن میں اُس کے روبرو اُن دونوں کی شادی کا اعلان ہوا تھا اور جب نیلی اپنی خوشیوں کے محل صفدر نگر میں مسمار کرنے کے بعد گونا بستی پہنچی تو ایک روز اُس کا محبوب شہزادہ کس طرح چپکے سے دوبارہ اس کی دُنیا میں آیا اور محبت کے ویرانے میں خوشیوں کے نئے پھول کھلا کر چلا گیا۔ اس نے اپنی مجبوریوں کا راز نہیں کھولا تھا۔ یقیناً شاہی مصلحتوں نے جو شہزادی گلبانو کو اس کی شریکِ حیات بنانے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ خرم کے ہونٹوں پر خاموشی کا تالہ ڈال دیا تھا۔ اُس کی رُوح کس قدر بے چین، مضطرب اور اُداس تھی۔ یقیناً گلبانو نے شہزادہ خرم کی اُداسی کا راز معلوم کر لیا ہوگا کہ وہ گونا بستی کی ایک لڑکی کو اپنی محبت ——— اپنی شاہی مہر تک سونپ آیا ہے پھر اُسی نے جوشِ رقابت میں شہزادہ کو مجبور کیا ہوگا کہ وہ نیلی سے محبت کا رشتہ توڑ دے شاہی انگوٹھی واپس لے آئے اور اُس لڑکی کو پہچاننے تک سے انکار کر دے جو جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنے لگی ہے۔

ذہن اگرچہ اس کہانی کو ماننے سے انکار کر رہا تھا کیونکہ اس کی منطق غلط اور استدلال کمزور تھا لیکن دل میں شہزادی گلبانو کی رقابت کی چنگاری سُلگ رہی تھی۔ جوں جوں یہ خیال

کہ وہ اُس کے محبوب شہزادے کی منگیتر اور اعلانِ شاہی کے مطابق اُس کی ہونے والی ملکہ ہے کے دل میں رقابت کی آگ اسی شدت سے بھڑکنے لگتی۔ اُس نے شہزادی گلبانو ہی کو بربادیٔ محبت کا ذمہ دار ٹھہرا لیا تھا۔

دلارام کے حجرے سے نکلتے ہی دل میں شہزادی گلبانو سے ملنے کی خواہش چٹکیاں نے لگی۔ کیا خبر دوبارہ شاہی محل میں داخل بھی ہو سکے یا نہیں۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی رقیب سے رُو در رُو گفتگو کرنی چاہیے۔ اُسے یہ بتا دینا چاہیے کہ محبت وہ جذبہ ہے جو صرف شہزادیوں کی ملکیت نہیں بلکہ بستی کی غریب لڑکیوں کے دل میں بھی کروٹ لیتا اور انہیں محبوب کی خاطر جانفروشی تک لے آتا ہے۔

اس نے شہزادی گلبانو سے ملاقات کا فیصلہ تو کر لیا لیکن "قصرِ گلریز" کے راستہ سے واقف نہ تھی۔ بلند و بالا فصیلوں کے اندر گھری شاہی محلات کی آبادی تو بجائے خود ایک "شہرِ نگاراں" کا نقشہ پیش کرتی تھی اور بنت شاہو نہیں جانتی تھی۔ اس "شہرِ نگاراں" میں اس کی رقیب شہزادی کس طرف رہتی ہے۔ "قصرِ گلریز" کو کون سا راستہ جاتا ہے۔

غلام گردش کی "بھول بھلیوں" میں چلتے چلتے اچانک رُک گئی۔ ایک حبشی خواجہ سرا مخالف سمت سے آ رہا تھا جب وہ قریب پہنچ گیا تو نیلی نے دریافت کیا۔

"کیا تم مجھے شہزادی گلبانو کا کمرہ بتا سکتے ہو؟"

خواجہ سرا نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا پھر شاہی محل کی مخصوص زبان میں کہا

"قربانت شوم! باندی قصرِ گلریز ہی میں جا رہی ہے، میرے ساتھ آ جائیے"۔

نیلی ایک عجیب سے ولولہ کے ساتھ خواجہ سرا کے پیچھے ہو لی۔ دوسرے ہی لمحے دونوں غلام گردش کے ایک موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

ابھی نیلی اور حبشی خواجہ سرا کو رُوپوش ہوئے بمشکل دو تین ساعتیں گزری ہوں گی کہ وسطی غلام گردش میں دلارام کے حجرے کا دروازہ کھلا اور وہ ایک بے چین رُوح کی مانند باہر نکلی۔ اس نے طویل غلام گردش کا آخری سرے تک جائزہ لیا مگر وہ دُرِّ نایاب جسے وہ تلاش کر رہی تھی کہیں نظر نہ آیا۔

دلارام ہَوا کے جھونکے کی مانند سیدھی اس راہداری کی طرف اُڑتی چلی گئی جس

سے گزر کر شاہی محل کے باسی اس وسیع و عریض میدانِ بہاراں میں پہنچتے تھے۔ جس کے بیچوں بیچ ایک راستہ صدر دروازے تک چلا گیا تھا۔ محل کا یہ حصّہ غیر آباد اور اس وقت بھی سنسان پڑا تھا۔

دلارام غلام گردشوں کے درمیان اڑتی فوراً ہی اس راہداری میں پہنچ گئی جہاں سے بنتِ شاہد کو گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے گئی تھی لیکن اس کی حیرت کی حد نہ رہی جب اسے نیلی کہیں دکھائی نہ دی۔ محل کی دوسری سمت وسیع و عریض میدان میں بیرونی دروازے کی طرف جانے والا راستہ خالی تھا اور دور دور تک نیلی کا سایہ تک نظر نہ آتا تھا۔

دلارام حیران و ششدر رہ گئی۔ نیلی پر لگا کر بھی اڑتی تو اتنی جلدی محل سے باہر نہ جا سکتی تھی۔ محل کے اندر کسی اور سے اس کی ملاقات کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ کسی کو جانتی تھی نہ کوئی اسے پہچانتا تھا پھر اس طرح اکا ایکی کہاں غائب ہو گئی۔

جونہی وہ راہداری سے گزر کر دوسری جانب کی غلام گردش میں پہنچی نجانے کس گوشے ـــــ کس کونے کھدرے سے نکل کر ظریف کماندار اس کے سامنے آ گیا۔ وہ کسی بھوت کی مانند بالکل اچانک ہی نمودار ہو گیا تھا۔ دلارام کو پریشان دیکھ کر بولا۔

"قربانت شوم۔ کیا ملاقات ختم ہو گئی۔"

ظریف کماندار کو دیکھتے ہی دلارام نے قدرے اطمینان کا سانس لیا۔ ظریف محض نیلی کی حفاظت ہی کے پیشِ نظر یہاں چھپ کر بیٹھا تھا دلارام بولی۔

"کماندار! نیلی ابھی ابھی صاحبِ عالم سے رخصت ہو کر باہر نکلی تھی لیکن کہیں نظر نہیں آتی ـــــ تم نے دیکھا ہے اسے!"

"میں تو اسی کے انتظار میں بیٹھا تھا لیکن بانو ابھی تک نہیں آئی۔"

"نہیں آئی!" دلارام کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "مگر اسے شہزادۂ عالی سے رخصت ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ میں بھی چند ساعتوں کے بعد اس کے پیچھے ہی پیچھے حجرے سے نکل آئی تھی مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ نجانے کہاں چلی گئی۔"

ظریف کماندار نے اس کی تشویش انگیز گفتگو سنی تو حیران رہ گیا۔

"تمہارے حجرہ سے نکل کر اسے اسی طرف آنا چاہیئے تھا۔"

دونوں حیران و ششدر کھڑے تھے یک لخت دلارام ایک نئی فکر سے حواس

باختہ سی ہو گئی ـــــ "کہیں وہ ملکہ جہاں کے کمرے کی طرف نہ چلی گئی ہو؟"

نیلی چونکہ شاہی محل میں ملکہ ہی سے ملنے آئی تھی اس لیے یہ اندیشہ کچھ بے جا نہ تھا۔ کہ شہزادہ خرم سے رخصت ہونے کے بعد اس نے ملکہ جہاں کے کمرہ کا رخ کر لیا ہو۔ اب وہ اتنی انجان بھی نہیں تھی کہ شاہی محل میں آ کر ملکہ جہاں کے کمرۂ خاص تک نہ پہنچ سکتی۔ شہزادہ خرم نے دلارام کو واضح ہدایت کی تھی کہ نیلی کو کسی قیمت پر ملکہ سے ملنے نہ دیا جائے اس کے نزدیک یہ ملاقات کسی بھی پہلو سے مناسب نہیں تھی۔

اس خیال کے آتے ہی دلارام کے حسین چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ پریشان کن آواز میں بولی۔

"کماندار ـــــ! تم یہیں انتظار کرو۔ میں ملکۂ عالیہ کے کمرہ کی طرف جا رہی ہوں۔ اگر بانو اسی طرف گئی ہے تو ابھی اسے ملاقات کی اجازت نہ ملی ہو گی۔"

یہ کہہ کر پھر راہداری کی طرف مڑی اور بگولے کی طرح اڑتی چلی گئی، کماندار کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ راہداری میں غائب ہو گئی تو ظریف بھی پلٹا اور ستونوں کی آڑ میں چلتا اپنی "کمین گاہ" میں پہنچ گیا۔ جہاں چھپ کر وہ ہر آنے جانے والے پر نظر رکھ سکتا تھا۔ یہ کمین گاہ دراصل غلاموں کا ایک بے آباد حجرہ تھا جو شرقی سمت کی غلام گردش کے گوشے میں تیار کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی "قصرِ شہریار" تھا۔ جہاں بیس سال پہلے سلطان مرحوم کا بھائی شہزادہ اورنگ شہریار اپنے دوستوں اور ملنے والوں سے ملاقات کرتا تھا لیکن بیس سال پہلے گوالبتی میں پیش آنے والے حادثہ کے بعد جب شہزادہ شہریار اپنی محبوبہ نیلی کے ساتھ سانگاندی کے طوفان کی نذر ہو گیا تو صفدر نگر کے شاہی محل پر ایک قیامت بیت گئی تھی۔ بس اسی وقت سے "قصرِ شہریار" بے آباد پڑا تھا۔ اس کے ساتھ غلاموں کا یہ حجرہ بھی سنسان ہو گیا تھا۔ نیلی کی حفاظت کے لیے ظریف کماندار نے اسی حجرہ کو منتخب کیا تھا۔

دلارام ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اڑتی اور غلام گردشوں کے موڑ کاٹتی ملکہ جہاں کے کمرہ تک پہنچی۔ اس کی نظر سب سے پہلے اس دریچۂ انصاف پر پڑی جس کے نیچے کھڑے ہو کر ہر مظلوم اور فریادی کو انصاف طلب کرنے اور ملکۂ جہاں کو پکارنے کی اجازت تھی۔

اگر کوئی شخص ریاست میں ہونے والے کسی ظلم کی فریاد لے کر شاہی محل میں آتا اور اسے ملکہ سے ملاقات کی اجازت نہ ملتی تو دریچۂ انصاف کے نیچے کھڑے ہو کر ملکہ جہاں کو پکار سکتا تھا اور اس کی پکار سن کر وہ بہ نفسِ نفیس اس جھروکہ میں نمودار ہوتی تھی جو "دریچۂ انصاف" کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔

دلارام کی نگاہیں ناکام لوٹ آئیں۔ دریچۂ انصاف کے نیچے کسی متنفس کا سایہ بھی نہیں تھا۔ البتہ کمرہ خاص کے محافظ اپنی اپنی جگہ موجود تھے۔ دروازہ پر کسی اضطراب و پریشانی کے آثار نہ تھے۔ غنچہ جو دلارام کے بعد ملکہ جہاں کی حاضری میں رہتی تھی۔ اپنے حجرہ کی دہلیز پر پُرسکون بیٹھی تھی جس کا مطلب یہ تھا اس وقت کوئی ملاقاتی ملکہ کے کمرے میں موجود نہیں مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ نیلی کمرہ کے باہر بھی کہیں نظر نہ آئی۔

دلارام کو اس طرح پریشان اور تیز قدموں سے آتے دیکھ کر غنچہ لپک کر حجرہ سے باہر آگئی۔ سب کنیزیں، غلام، چوب دار اس کے مرتبہ سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ دلارام نے آتے ہی پوچھا۔

غنچہ ——! ابھی ابھی کوئی لڑکی تو ملکہ جہاں سے ملنے نہیں آئی؟"

"نہیں تو ——" اس نے بڑے ادب سے جواب دیا اور اس کے گزرنے کے لیے جگہ چھوڑ دی۔ سوچا شاید دلارام ملکہ سے ملنے آئی ہے مگر وہ کھڑی رہی۔ پھر اس نے غنچہ کو ہدایت کی کہ اگر گونابستی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلوفر بانو ملکۂ عالیہ سے ملاقات کے لیے آئے تو اسے اجازت نہ دی جائے یہ شہزادۂ عالی کا حکم ہے۔

غنچہ نے حیرت کے ساتھ سر کو جھکا دیا۔ دلارام اسی گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں پلٹ رہی تھی کہ اس نے ایک جانب سے داروغۂ محل خوب صورت بیگ کو آتے دیکھا۔ کنیز خاص کو دیکھتے ہی اس نے سلام کیا اور حیران سا ہو کر بولا۔

"خیریت باشد دلارام! بڑی پریشانی نظر آتی ہو؟"

دلارام نے بتایا۔ وہ ایک لڑکی کو تلاش کر رہی ہے جو ملکۂ عالیہ سے ملنے آئی تھی لیکن نہ جانے اچانک کہاں غائب ہو گئی؟

"لڑکی ——؟" خوب صورت بیگ نے تعجب سے پوچھا۔ "تمہارا مطلب گونابستی کی اس حسینہ سے تو نہیں جس نے دربار میں رقص کیا تھا؟"

"ہاں ہاں —— میں اسی کو تلاش کر رہی ہوں۔ تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟"

"تھوڑی دیر پہلے وہ حبشی خواجہ سرا غنچہ کے ساتھ "قصرِ گلریز" کی طرف جا رہی تھی ——"

"قصرِ گلریز؟" دلارام کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے پھر وہ خوبصورت [illegible] اور غنچہ کو سرگوشیانہ لہجے میں ہدایت دینے لگی کہ اگر شہزادۂ عالی نیل یا اس کے بارے [illegible] دریافت کریں تو لاعلمی کا اظہار کر دیا جائے۔

منظر ۲۷

زخمِ دل

شہزادی گلبانو اپنے تصورات کے کھنڈروں میں کسی بے چین روح کی طرح گھوم رہی تھی۔

گزشتہ تین روز سے شمشیر (جسے وہ شہزادہ خرم سمجھ کر متاعِ دل لٹائے جا رہی تھی) اسے ملنے آیا تھا، نہ قصرِ گلریز میں کوئی محفلِ نشاط آراستہ ہوئی تھی۔

شہزادہ خرم کے اس پارچہ کا ذکر سن کر جس میں اس نے شہزادی گلبانو کو اپنی بہن ظاہر کر کے شادی سے انکار کر دیا اور ایک غریب لڑکی سے اپنی محبت کا انکشاف کیا تھا۔ گلبانو کے دل پر کیا قیامت نہ بیت گئی۔ ایک ہی رات کے اندر کسی سوگوار بیوہ کی طرح اس کی امیدوں کی شمعیں دم توڑنے لگی تھیں لیکن دلارام کے ذریعے گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی کو فریب سے شاہی محل میں بلا کر اور اس کی "بے سر و پا" داستانِ محبت سن کر شہزادی گلبانو کے دل سے تمام وسوسے، سب اندیشے یک دم کافور ہو گئے تھے۔

گلبانو کے دل میں شہزادہ خرم کے پیار کی شمع اس وقت روشن ہوئی، جب اس کا بچپن گڑیوں سے کھیلتا تھا۔ دونوں بچے ہی تھے کہ سلطان مرحوم نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ان کی منگنی کی رسم ادا کر دی۔ گلبانو نے ہوش سنبھالتے ہی جو پہلا

…وہ سنا، وہ یہ تھا کہ وہ شہزادہ خرم کی شریکِ حیات بننے والی ہے۔

اب اسی شدت سے وہ "ولی عہد" کی قربت کی طلب گار تھی تاکہ اپنی …بت کو پروان چڑھا سکے لیکن ادھر گلبانو کے ذہن سے شکوک و شبہات کے اندھیرے …ود ہوئے ادھر شمشیر کی تقدیر میں ایک نیا پیچ آ پڑا اور "پُراسرار دشمن" نے اس کے …ل میں خطرۂ جان کا خنجر پیوست کر دیا۔ اس نے شمشیر کو صرف سات روز کی مہلت دی …ی کہ نہ صرف شہزادی گلبانو سے فوراً ترکِ تعلق کرے بلکہ شادی سے انکار بھی کر دے۔

مہلت کے ان سات دنوں سے تین دن گزر چکے تھے اور ان تین ایام میں …شیر نے قصرِ گلریز کا رُخ نہیں کیا تھا۔ اسی اچانک تبدیلی نے گلبانو کو حیران و پریشان …ر دیا تھا کہ شہزادہ جو پہاڑی قلعہ سے واپسی کے بعد اپنی حسین و رنگین شامیں قصرِ گلریز …ں گزارنے کا عادی ہو چکا اور اسے اپنی وارفتگیٔ عشق سے پریشان کر دیا کرتا تھا۔ …ایکی کنارہ کش کیوں ہو گیا؟ دو روز اس کی آمد کا انتظار کیا لیکن جب شمشیر نے اس …ف قدم بھی نہ رکھا تو شہزادی نے اپنی کنیز کے ہاتھ پیغامِ ملاقات بھیجا۔ خیریت دریافت …ی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ شہزادۂ عالی آج شام قصرِ گلریز کو رونق بخشیں مگر شمشیر …ے ناسازیٔ طبع کا بہانہ کر کے کنیز کو واپس بھیج دیا۔ خود اسی روز تیسرے پہر کے قریب …کار کی خاطر سانگا جنگل کی طرف چلا گیا تھا۔

اس عجیب و غریب رویہ نے گلبانو کے دل میں کئی سوراخ کر دیئے۔ ذہن میں …یشوں نے نئے سانپ رینگنے لگے۔ سوچنے لگی گونا بستی جنگل سے دور تو نہیں، شکار …ے بہانے کہیں وہ بستی کی حسینہ ہی سے ملنے نہ گیا ہو؟

رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتی رہی اور صبح ہی صبح یہ اطلاع سن کر وہ مجھ رہ …ئی کہ ولی عہد آخرِ شب شکار سے لوٹ آیا تھا۔ اس خبر نے گلبانو کا سکونِ قلب چھین …یا۔ کوئی بھی شکاری صرف رات گزارنے کے لیے جنگل کا رُخ نہیں کرتا ——

پھر اس کے خیالوں کے چور دروازہ سے نیلی دھم سے ذہن کے دالان میں آ کودی …گر ولی عہد شکار کے بہانے کسی سے ملنے ہی گیا تھا تو مطلوبِ تمنا اور کون ہو سکتی ہے؟

گلبانو دیر تک خیالات کا تانا بانا بنتی اور اندیشوں کی لہروں پر بہتی رہی۔ اس …قت بھی وہ انہی وسوسوں کا شکار تھی اور اس کے خیال کا پرندہ سانگا جنگل سے نکل

کر گونابستی کی طرف مائلِ پرواز تھا کہ قصرِ گلریز کے دروازے پر شور سا اُبھرا اور اس نے ایک نسوانی آواز سنی۔

"ایک عورت کو دوسری عورت سے ملنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ میرے رستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے اندر جانے دو۔"

شہزادی حیران و ششدر رہ گئی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی جو گونابستی کی حسینہ نیلی کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسرے لمحے اس کی تصدیق ہو گئی کیونکہ ایک آزردہ جمال لڑکی کنیز کو ایک طرف دھکیل کر کمرے میں گھستی آ رہی تھی اور وہ گونابستی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلو فر بانو ہی تھی۔

شہزادی نے حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس اثنا میں کنیز جو دیہاتی حسینہ کا ہلکا سا جھٹکا کھا کر پرے لڑھک گئی تھی پھر سنبھلی اور اسے روکنے کی خاطر دوبارہ جھپٹنے ہی والی تھی کہ شہزادی گلبانو کی آواز بلند ہوئی۔

"جمالو ——! راستے سے ہٹ جاؤ اور بانو کو آنے دو۔"

حکم سنتے ہی کنیز سہم کر پیچھے ہٹ گئی اور نیلی آسمان کی خیالی اپسرا یا عہدِ ضمیات کی کسی دیوی کی مانند بڑے وقار اور شانِ تحمل کے ساتھ چلتی آگے بڑھی۔ صورت کی طرح اس کی رفتار میں بھی ایک جادو تھا۔ شہزادی سے صرف چند قدم کے فاصلے پر رک گئی اور شکایت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"مجھے معلوم نہ تھا۔ شاہی محل میں ایک عورت سے عورت کی ملاقات پر بھی پابندی ہو گی۔"

"مگر میں نے یہ پابندی ہٹا دی ہے۔ اب تمہیں کوئی شکایت نہ ہونی چاہیے۔"

نہ جانے کیوں نیلی کو خلافِ توقع قصرِ گلریز میں دیکھ کر گلبانو کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کے ذہن میں کسمسانے والے خدشات جن پر تھوڑی دیر پہلے وہ پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ یک لخت سانپ کی طرح پھن اٹھا کر جھولنے لگے۔ اس نے سوچا۔ نیلی کی آمد بے وجہ نہیں ضرور وہ اس کے دل پہ کوئی نیا زخم لگانے آئی ہے۔ اس کے اندیشے حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گئے اور کوئی آوازِ غیب پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔

"یہی ہے تیری رقیب —— دشمنِ محبت —— جو تجھ سے تیرے محبوب شہزادے کو چھین لینا چاہتی ہے۔"

گلبانو نے اس کے حسن و جمال کا جائزہ لیا اور منہ موڑ لیا۔ وہ نیلی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھ کر اس سے نگاہیں ملانے کا حوصلہ نہ کر سکی۔ بنتِ شاہو نے محسوس کیا۔ اس کی آمد شہزادی کے لیے وجہ فکر بن گئی ہے۔

"شاید میری آمد شہزادی کو ناگوار گزری ہے؟"

نیلی کے الفاظ کی چبھن گلبانو نے اپنے دل میں محسوس کی اور بدستور منہ دوسری جانب کیے بولی۔

"تمہیں اس کی فکر نہ ہونی چاہیے۔ میرے دل پہ ایسے کئی زخم ہیں۔ اپنی آمد کا مقصد بیان کرو۔"

"آپ کے دل پر زخم؟" نیلی نے حیرانگی سے پوچھا —— "کس نے لگائے؟"

گلبانو کو یوں لگا جیسے زخمِ دل کا ذکر چھیڑ کر گونابستی کے سردار کی بیٹی نے ایک شہزادی کا تمسخر اڑانے کی کوشش کی ہو۔ اچانک اسے خیال آیا کیوں نہ وہ اپنے خدشات ظاہر کر کے اسی کو مورد الزام ٹھہرائے، اسے ذہنی طور پر شکست دے دے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ یک لخت پلٹی اور نیلی کی طرف انگلی سیدھی کرتی بولی۔

"تم نے —— میرے دل پر تم نے زخم لگائے ہیں بانو ——!"

فی الواقع نیلی یہ غیر متوقع جواب سن کر دنگ رہ گئی۔ اس کے ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے —— "میں نے؟"

"ہاں —— تم نے۔" فرطِ جوش میں شہزادی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تمہیں علم تھا شہزادہ خرم میری محبت —— میری زندگی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی تم نے میری محبت پر چھاپہ مارا ہے۔ خرم کو مجھ سے دور رکھنے —— چھین لینے کی کوشش کی ہے۔ میں جانتی ہوں اس نے تین روز سے قصرِ گلریز کا رُخ کیوں نہیں کیا۔ محض تمہاری وجہ سے ......"

نیلی حیران و ششدر کھڑی شہزادی گلبانو کی کہانی سنتی رہی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"کل میں نے ولی عہد کو خود بلایا۔ دعوتِ ملاقات دی لیکن ناسازیِ طبع کا بہانہ۔

"اس نے میری دعوت مسترد کر دی اور خود شکار کے لیے سانگا جنگل کی طرف چلا گیا مگر شکار ... بس دکھاوا تھا در حقیقت وہ تم سے ملنے گیا۔ اسے تمہاری کشش کھینچ کر لے گئی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں ـــــ؟"

نیلی تو خود اسے الزام دینے آئی تھی کہ ولی عہد کو اسی نے اکسا کر بھیجا ہوگا مگر یہاں مضمون ہی دیگر پیش آیا تھا۔ اس نے محسوس کیا شہزادی کے الفاظ میں طعن کا نشتر بھی ہے۔ شکایت کی تلخی بھی ہے۔ محبت کی کسک بھی ہے مگر حیران تھی۔ اسے کیا جواب دے۔ اپنا دردِ دل کس طرح اور کہاں سے بیان کرے کہ گلبانو نے اپنے الفاظ پر زور دے کر پوچھا۔

"نیلوفربانو ـــــ! تم بولتی کیوں نہیں ـــــ خاموش کیوں ہو گئیں ـــــ جواب دو، کیا رات شہزادہ خرم تم سے ملنے گنا بستی میں نہیں گیا تھا؟"

شہزادی گلبانو نے اپنے خدشات کو زبان بخش دی تھی لیکن دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ نیلی اس کے اندیشوں کی تردید کر دے۔ صاف صاف کہہ دے کہ ولی عہد نے تو کبھی گنا بستی کا رخ بھی نہیں کیا مگر افسوس گلبانو کی دعائے دل قبول نہ ہو سکی۔ نیلی نے درد انگیز اور طعن آمیز انداز میں اقرار کر لیا۔

"ہاں ـــــ یہ درست ہے۔ کل رات شہزادۂ عالی میرے مکان پر آئے تھے۔"

مگر نیلی ابھی اس کی آمد کا مقصد بیان نہ کر پائی تھی۔ ابھی اس نے آنے والے کی وحشت کا ذکر نہ کیا تھا کہ شہزادی گلبانو گھائل پنچھی کی طرح تڑپ کر ـــــ تلملا کر رہ گئی۔

"آہ ..... میرے اندیشے درست ثابت ہوئے ..... خرم شکار کھیلنے نہیں شکار ہونے گیا تھا۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ..... میرا دل ..... ہائے میرا دل ....."

یہ کہتے کہتے گلبانو نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دل یوں تھام لیا جیسے وہ سچ مچ اس کے سینے سے باہر اچھلا پڑ رہا تھا۔ چہرے پر غم کے سائے چھا گئے۔ رنگت یک لخت زرد پڑ گئی۔ بدن کانپنے لگا۔ نیلی نے اس کی حالت اچانک بگڑتے ہوئے دیکھی تو دم بخود رہ گئی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ فرطِ الم سے غش کھا کر گرنے ہی والی تھی کہ نیلی نے آگے بڑھ کر فوراً تھام لیا۔ وہ اس کے بازوؤں میں جھول کے رہ گئی۔

یہ حالت دیکھ کر نیلی کے ہوش اڑ گئے۔ گلبانو کا جسم یکایک سرد ہو گیا تھا۔ نیلی

نے اسے دیوان پر لٹا دیا اور جلدی سے کلائی تھام کر ڈوبتی ہوئی نبض تلاش کرنے لگی۔ نبض چل ضرور رہی تھی لیکن اس کی ہر ضرب بتدریج مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ جیسے وہ گہرے پانی میں ڈوب رہی ہو۔

نیلی نے فوراً کنیز کو آواز دی جو شہزادی کی تہدید سن کر باہر چلی گئی تھی۔ اس نے آ کر شہزادی کو بے ہوش دیکھا تو چلا اٹھی۔ "ہائے اللہ ـــــ! یہ کیا ہو گیا۔"

بنتِ شاہو نے جمالہ کو حکم دیا کہ وہ شہزادی کے تلوے سہلائے پھر خود بھی اس کی ہتھیلیاں رگڑنے لگی۔ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ گرم ہونے لگے۔ ڈوبتی نبض ابھر آئی، چہرے کی زردیوں میں زندگی کی رنگت نے لہر لی۔ چند ساعتوں کے بعد شہزادی کے پپوٹے لرزنے لگے پھر اس نے ہولے سے آنکھیں کھول دیں اور خالی خالی ویران نظروں سے کمرے کو دیکھنے لگی۔

جمالہ نے شہزادی کو ہوش میں آتے دیکھا تو جلدی سے اٹھی اور ایک طاقچے سے ہاتھی دانت کی چھوٹی سی ڈبیہ اٹھا لائی۔ اس نے ڈبیہ کھولی۔ کمرے میں زعفران کی سی خوشبو تیر گئی پھر چاندی کے چمچہ میں تھوڑی سی معجون بھری اور شہزادی کی طرف بڑھا کر بولی۔

"خمیرہ مروارید ہے سرکار! دل کو طاقت دے گا۔"

گلبانو کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کی بجلیاں سی کوند رہی تھیں جیسے وہ سوئی ہوئی کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ مشیٔ فی النوم کے مریض کی طرح اس نے خاموشی سے معجون کھا لی۔ جس نے فوری اثر دکھایا۔ ذہن و شعور پر چھائی کثیف دھند آہستہ آہستہ اٹھنے لگی۔ ہولے ہولے مطلع صاف ہوتا چلا گیا اور چند ہی ساعتوں میں وہ معاملے کی نوعیت کو سمجھ گئی۔ کنیز نے پوچھا۔

"سرکار ـــــ! حکم ہو تو شاہی طبیب کو حاضری کا حکم دیا جائے؟"

"نہیں ـــــ"

شہزادی نے انکار کر دیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسی لمحے اس کی نگاہ نیلی پر پڑی جو اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔ گلبانو کو ہوش میں دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے شہزادی صاحبہ!"

نیلی کی آواز نے اس کے شعور کو جھنجھوڑ سا دیا۔ یہی آفریدہ جمال حسینہ جو اس وقت

خیریت کی طلب گار ہے ساری مصیبت کی ذمہ دار تھی۔ اسی نے تو یہ انکشاف کر کے، کہ شہزادہ خرم کل رات اس کے مکان پر آیا تھا۔ گلبانو کے ہوش و حواس پر بجلی گرا دی اور وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکی تھی۔ اپنی رقیب کو طالبِ خیریت دیکھ کر دل میں ایک ٹیس ایک چبھن سی محسوس کی اور احساسِ کرب سے بچنے کی خاطر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ نیلی نے بڑی محبت و شفقت کے انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔

"شکر ہے آپ کی طبیعت ٹھیک ہو گئی"

"خوب—— !" گلبانو نے اپنے ہونٹ کاٹ لیے اور طنز آلود لہجے میں کہنے لگی۔ "آگ بھی تمہی نے لگائی تھی——"

"شہزادی گلبانو—— ! میں تو . . . . ."

مگر گلبانو نے اسے بولنے اور غلط فہمی دُور کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ تو جیسے بھری تھی۔ غبارے کی طرح ایک دم پھٹ پڑی۔

"نیلوفر بانو—— ! تم نے ایک ایسا کھیل رچایا ہے جس کے بھیانک انجام سے خود ناواقف ہو۔ تم نے اس خرمن میں چنگاری پھینکی ہے جس کے شعلے پوری سلطنت کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ تم نے میرا حق چھیننے کی کوشش کی اور اس پیار پر ڈاکہ ڈالا ہے جس کی ڈور میرے بچپن سے بندھی ہے—— میں نے خرم سے اس وقت پیار کیا تھا۔ جب میں اس لفظ کا مطلب بھی نہیں سمجھتی تھی اور تم میری زندگی بھر کے خوابوں کو منتشر کرنا چاہتی ہو۔ پہلی بار میں نے تمہارے پیار کی بے سر و پا کہانی سُنی تو اس پر یقین نہیں کیا تھا۔ کیونکہ پہاڑی قلعے سے واپس آ کر شہزادہ خرم نے مجھے اپنی محبت بخش دی تھی۔ اس کی شامیں قصرِ گلریز میں گزرتی رہیں۔ وہ دل و جان سے مجھ پر فدا تھا۔ اس کے جوشِ بے پایاں کو دیکھ کر میں خود ورطۂ حیرت میں گم ہو گئی کیونکہ یہ بیقراریاں اس کے مزاج کے خلاف تھیں لیکن گذشتہ تین روز سے وہ یکسر بدل گیا ہے۔ اس نے ملکہ بیگم کو بھی خط لکھا ہے کہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ کسی بستی کی غریب لڑکی کو اپنی نگاہوں کا مرکز بنا چکا ہے۔ بلاشبہ وہ لڑکی تمہی ہو۔ تمہی نے شہزادہ خرم کو بہکایا، ورغلایا اور مجھ سے دُور کر دیا ہے مگر یاد رکھو—— تم اس کی زندگی کے اُفق پر بدبختی کا ستارہ بن کر چمکی ہو۔ اگر خرم نے مجھ سے شادی نہ کی تو صفدر نگر کی سلطنت سے محروم ہو جائے گا—— ملکہ جہاں

کی ممتا تڑپ کر دم توڑ دے گی۔ امرائے ریاست اس سے قطع تعلق کر لیں گے اور تمہارے علاوہ وہ دُنیا کی ہر راحت، ہر آسائش، ہر نعمت حتیٰ کہ ماں کی ممتا سے بھی محروم ہو جائے گا۔ تمہاری طلب اسے سوکھے درخت کی طرح ساری دنیا سے کاٹ کر پھینک دے گی اور وہ ایک ناکام و نامراد آدمی کی مانند داغِ حسرت لیے دُنیا سے رخصت ہو جائے گا . . . . ."

"گلبانو—— !" نیلی فرطِ الم سے چلّائی۔ "اپنی زبان سے ایسے منحوس الفاظ نہ نکالو"۔

اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تاکہ شہزادی کے نازیبا الفاظ اس کی سماعت سے نہ ٹکرا سکیں مگر گلبانو تو جیسے اس کے خرمنِ محبت کو پھونک دینے پر تُلی ہوئی تھی کہنے لگی۔

"نیلی—— ! اگر تم خرم کا بھلا چاہتی ہو تو اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جاؤ۔ اسے بھول جاؤ۔ فراموش کر دو تم سے ترکِ تعلق کے بعد ہی وہ دُنیا میں شہرت و ناموری حاصل کر سکتا ہے۔ اگر تمہاری محبت نے اُسے بہکا دیا تو صفدر نگر کی ریاست اپنے جائز حکمران سے محروم ہو جائے گی۔ سلطنت کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ نوروز خاندان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا اور تاریخ میں تم ایک ایسی عورت کے نام سے یاد کی جاؤ گی جو نوروز سلطنت کی تباہی و بربادی کا باعث بن گئی——"

نیلی حیران و دم بخود کھڑی تھی۔ وہ کیا کہنے آئی تھی اور کیا سُن رہی تھی۔ گل بانو کے تند و تیز فقروں نے اس کے سینے میں ایک ہلچل سی ڈال دی۔ وہ تو رات ہی سے ترکِ تعلق کا فیصلہ کر چکی اور بالکل اچانک قصرِ گلریز میں چلی آئی تھی تاکہ شہزادی گلبانو کو اس کی کامیابی پر مبارک باد دے سکے لیکن یہاں شہزادی نے ایک ایسی کتاب کھول دی جس کا مضمون ہی مختلف تھا۔ ابھی تک فیصلہ نہ کر سکی تھی کہ گلبانو کو کن الفاظ میں شکستِ دل کی خبر سنائے۔ وہ تو شہزادی کے جذبۂ محبت اور خرم سے والہانہ دل بستگی کو دیکھ کر سکتے میں آ گئی اور حیران تھی کہ جب شہزادہ نے گلبانو ایسی پیکرِ اخلاص اور بچپن کی رفیق کا دل توڑ دیا تو اس کی محبت پر بھی بجلیاں گرا سکتا ہے۔ اسے ولی عہد کے عجیب و غریب کردار اور لحظہ بہ لحظہ بدل جانے والے مزاج پر تعجب ہو رہا تھا جو گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشہ تھا۔

گونابستی میں نیلی سے محبت کے عہد و پیمان اور قصرِ گلریز میں شہزادی گلبانو کے ساتھ انجمن آرائی ——— آخر ایک ہی شخص کے یہ متضاد پہلو کیوں ؟

نیلی کے چہرے پر فکر و پریشانی کے سائے دیکھ کر گلبانو کے دل میں اُمید کی شمع جھلملانے لگی ۔ اپنے جذبۂ محبت سے نیلی کے دل سے خرم کی یادوں کے نقش بھی مٹا دینا چاہتی تھی ۔ اچانک اس نے ایک نیا رُوپ بدلا اور سراپا درد بن کر کہنے لگی ۔

" نیلوفر بانو ——— ! شاید تم نہیں جانتیں ۔ آج سے بیس برس پہلے بھی گونابستی ہی کے طفیل صفدر نگر پر ایک قیامت گزر چکی ہے ۔ محبت کے بادلوں میں چھپ کر بیٹھنے والی اس بجلی کا نام بھی نیلوفر ہی تھا جو شاہی محل پر گری اور نوروز خاندان کی خوشیوں کا چمن جل اُٹھا ——— ممکن ہے ——— تم نے یہ واقعہ سُنا ہو کیونکہ تمہارا بھی نام نیلوفر ہے اور تم بھی سردار کی بیٹی ہو لیکن تمہیں یہ علم نہ ہوگا بیس برس قبل گونابستی کی برقِ محبت نوروز خاندان کے جس شہزادے پر گری وہ میرے ہی والد اورنگ شہریار تھے ——— "

نیلی کے لیے یہ انکشاف یقیناً حیران کن تھا ۔ اسے یہ تو علم تھا ۔ بیس برس پہلے گونا بستی کے سردار کی بیٹی نیلی اور صفدر نگر کا شہزادہ شہریار چاند کی چودھویں رات کو سانگا ندی میں ڈوب مرے تھے مگر یہ نہیں جانتی تھی ۔ اورنگ شہریار شہزادی گلبانو کا باپ تھا ۔ اس نے حیرت و ہمدردی کے ملے جُلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا ۔

شہزادی کہنے لگی ۔

" میرے والد شہزادہ اورنگ شہریار سلطان مرحوم کے چھوٹے بھائی اور ان کے ولی عہد تھے ۔ سلطان ان سے بھائی کی بجائے بیٹے کی طرح پیار کرتے اور اُنہیں بہت عزیز رکھتے تھے ۔ کیونکہ چچا سُلطان اولادِ نرینہ سے محروم تھے ۔ میری والدہ نوروز خاندان کی ایک شہزادی تھی ۔ اس کی شادی سلطان مرحوم نے بڑی دھوم دھام سے کی ۔ صفدر نگر میں سات روز تک جشنِ شادی برپا رہا ۔ اس موقع پر گونابستی کے سردار کی بیٹی نیلوفر جو تمہاری طرح رقص و نغمہ میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی ۔ شاہی تقریب میں رقص کرنے آئی تھی ۔ جب وہ لوٹ کر گئی تو صفدر نگر کے شاہی ایوانوں میں بھونچال آ چکا تھا ۔ گونابستی کی مغنیہ شہزادہ شہریار کا صبر و قرار بھی لُوٹ کر لے گئی ۔

میرے والد کو پتہ چلا گونابستی میں چاند کی ہر چودھویں رات کو قبائلی رقص ہوتا ہے ۔ جس میں سردار کی بیٹی نیلوفر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہے وہ شادی شدہ اور سلطنت کے ولی عہد تھے ۔ ان کا ایک گنواری لڑکی سے میل جول کسی طرح مناسب نہ تھا مگر دِل کے ہاتھوں مجبور تھے ۔ چاند کی چودھویں رات کو نیلی کا رقص دیکھنے گونا بستی پہنچ گئے اور اسے اپنے دِل کی دھڑکنوں کا پیغام سُنا آئے ۔

اس کے بعد انہوں نے معمول بنا لیا کہ چاند کی ہر چودھویں رات کو " چاند رقص " دیکھنے کے لیے بستی میں پہنچ جاتے ۔ آہستہ آہستہ بستی کے لوگ ان سے گھل مِل گئے ۔ سردار کی بیٹی نیلی جانتی تھی ، ان کی شادی ہو چکی ہے اس کے باوجود وہ ان کی محبت میں گرفتار ہو گئی اور دونوں کے درمیان عہد و پیمان ہو گئے ۔

میرے والد اور نیلی کی خفیہ ملاقاتیں پوشیدہ نہ رہ سکیں ۔ آخر یہ راز شاہی محل میں آشکار ہو گیا ۔ سلطان مرحوم اور ملکہ جہاں کی پیشانی پر غصّہ و قہر کی شکنیں نمودار ہوئیں ۔ شہزادہ شہریار کا شادی کے بعد بستی کی ایک معمولی لڑکی سے محبت کرنا نہ صرف نوروز خاندان کی توہین بلکہ اس شہزادی کی حق تلفی بھی تھی جو اُن کی شریکِ حیات تھی ۔

سلطان نے چھوٹے بھائی کو سمجھایا ۔ ملکہ جہاں نے شہریار کو واسطے دیئے کہ وہ خاندان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہ بنیں ۔ بھلا ایک شہزادہ اور ایک مچھیرن لڑکی میں کیا واسطہ مگر محبت نے انہیں شاہی نسل و خون کے اِمتیاز سے بیگانہ کر دیا ۔ انھوں نے ملکہ جہاں کے سامنے یہ نظریہ پیش کیا کہ خون کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔ اصل شے ماحول ہوتا ہے اور انسان اپنے گرد و پیش ہی کا اثر قبول کرتا ہے ۔ نیلوفر جب گونابستی سے نکل کر شاہی محل میں آئے گی ، ماحول سے متاثر ہو کر وہ بھی شاہی طور طریقے سیکھ لے گی مگر ملکہ جہاں نے اس امر کی شدید مخالفت کی اور کہہ دیا ۔

" اگر شہریار نے نیلی کا خیال ترک نہ کیا تو اسے ولی عہدی سے محروم کر دیا جائے گا "۔

اِدھر سلطان نے بھائی کی زندگی پر پہرے بٹھا دیئے اور اُنہیں حکماً گونابستی جانے سے روک دیا ۔

اِنہی دِنوں ملکہ جہاں اُمید سے تھیں اور ریاست میں شہزادہ کی پیدائش کے

لیے دعائیں مانگی جا رہی تھیں ۔ خدا کی شان کہ دعائیں مستجاب ہوئیں اور ملکہ جہاں کی گود ہری ہوئی ۔ شہزادہ خرم ذی شان کی ولادت ساری ریاست کے لیے پیغامِ مسرت لے کر آئی مگر جس روز صفدر نگر میں جشنِ میلاد منایا جا رہا تھا اُسی رات شہزادہ اورنگ شہریار شاہی محل سے نکل گئے اور پھر لوٹ کر نہیں آسکے ۔ وہ چاند کی چودھویں رات تھی اور انھوں نے نیلی کو کہلا بھیجا تھا وہ چودھویں رات کو ہر قیمت پر اس سے ملنے آئیں گے ۔ اگر سلطان نے انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا تو زنجیریں توڑ کر بھی اس کے پاس پہنچ جائیں گے ۔

چاند کی چودھویں رات کو دستور کے مطابق گونا بستی میں رقص ہوا اور نیلی جھانجھنوں کی موسیقی پہ ناچتی رہی ۔ برسات کی وجہ سے ندی میں طغیانی تھی اور سرکش موجیں اچھل پڑتی تھیں ۔ اچانک دریا کے اس پار سانگا جنگل کے ساحل پہ ایک آواز —— ایک پکار بلند ہوئی ۔ یہ آواز میرے والد کی تھی ۔ طغیانی کی وجہ سے اس رات ندی کو عبور کرنا ممکن نہ تھا ۔ مگر والد نے نیلی کو پکارا اور ایفائے عہد کی خاطر ندی میں چھلانگ لگا دی ۔

ان کی آواز سن کر نیلی جھانجھنوں کی موسیقی برساتی ساحل کی طرف بھاگی ۔ اس نے ایک چھوٹی کشتی کھول کر ندی میں ڈال دی اور سرکش موجوں کو چیرتی اپنے محبوب کی طرف بڑھی ۔ بستی والوں نے لاکھ آوازیں دیں —— روکا —— منع کیا کہ وہ ندی میں کشتی نہ ڈالے کیونکہ سیلاب زور پر تھا لیکن جب تک لوگ ساحل پر پہنچے نیلی اپنی کشتی کھیتی وسطِ دریا میں پہنچ چکی تھی ۔

میرے والد طوفان کی بپھری موجوں سے لڑتے بڑھے جا رہے تھے کہ اچانک گرداب میں پھنس گئے انھوں نے نیلی کو آواز دی وہ تیر کی مانند کشتی لے کر وہیں پہنچی تاکہ انہیں بھنور سے نکال سکے لیکن وہ تو گردابِ اجل تھا ۔

نیلی کی کشتی بھنور میں پھنس کر اُلٹ گئی اور وہ بھی گردابِ ہلاکت کی لہر کے ساتھ گھومتی ہوئی میرے والد کے پاس پہنچ گئی ۔ دونوں نے بھنور سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر گردابِ اجل کی لہریں انہیں قعرِ دریا میں لے آئیں ، دونوں موجِ فنا کے ساتھ ایسے ڈوبے کہ پھر نہ اُبھر سکے ۔

بستی والوں نے بڑی کشتیاں ندی میں ڈالیں اور انہیں بچانے کے لیے تیزی سے وسطِ دریا کی طرف لپکے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی دونوں گردابِ اجل کی نذر

ہو چکے تھے ۔ اہلِ بستی ساری رات اور سارا دن پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے رہے ۔ ملّاحوں نے غوطے لگائے ۔ ماہی گیروں نے جال ڈالے لیکن ان کی لاشیں تک دستیاب نہ ہو سکیں ۔

جب شہزادہ اورنگ شہریار کی غرقابی کی خبر شاہی محل میں پہنچی ۔ محل پر بجلی سی ٹوٹ پڑی ۔ میری والدہ فرطِ صدمہ سے غش کھا کر گریں ۔ سلطان مرحوم بھائی کے غم میں دیواروں سے سر ٹکرانے لگے اور ملکہ جہاں پر سکتہ سا طاری ہو گیا ۔ جن محلوں میں شہزادہ خرم کی ولادت کا جشن منایا جا رہا تھا ماتم کدہ بن گئے ۔

اس حادثہ کے پانچ ماہ بعد میں پیدا ہوئی لیکن میری ولادت بھی سانحہ سے کم نہ تھی ، ادھر میں نے دنیائے فانی میں قدم رکھا ۔ ادھر والدہ عالمِ جاودانی کو سدھاریں ۔ میں اپنی پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو چکی تھی ۔ یہی وجہ ہے ملکہ جہاں اور سلطان مرحوم میرا خاص خیال رکھتے تھے ۔ انھوں نے بچپن ہی میں مجھے شہزادہ خرم سے منسوب کر دیا لیکن کیا خبر تھی ۔ بیس سال کے بعد تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی ۔ گونا بستی میں ایک نئی نیلوفر محبت کی بجلی کا روپ دھار لے گی اور وہ بجلی میرے ہی آشیانے پہ گرے گی —— "

یہ کہانی سنا کر شہزادی گلبانو خاموش ہو گئی اور ایک لمحہ ٹھہر کر بولی ۔

" مجھے میرے والد کی داستانِ محبت سے بالکل بے خبر رکھا گیا تھا لیکن چند روز قبل جب تمہارا نام شہزادہ خرم کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا دلارام نے بیس سال پہلے کی یہ داستان سنائی ۔ نیلو ! میں تم سے دریافت کرنا چاہتی ہوں کیا گونا بستی کی بجلیوں نے میرا ہی گھر تاک رکھا ہے ؟ بیس سال قبل ایک نیلی نے میری ماں کا سہاگ چھینا تھا ۔ بیس سال بعد تم میری دنیا لوٹ لینا چاہتی ہو ۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ؟

گلبانو نے یہ سوال کچھ ایسے درد انگیز لہجے میں کیا تھا کہ نیلی تڑپ کر رہ گئی اور بولی ۔

" گلبانو —— ! میں تمہیں مبارکباد دینے اور تمہارا شہزادہ تمہیں لوٹانے آئی تھی "

یہ مژدۂ جانفزا سن کر شہزادی گلبانو کے لبوں کے کنارے لرزنے لگے ۔ وفورِ مسرت سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے ۔ وہ خوشی سے بولی —— " نیلوفر بانو —— ! "

پھر آگے بڑھ کر گونا بستی کی حسینہ کو اپنے گلے سے لگا لیا ۔

اس لمحے جب دو جانیاں گلے مل رہی تھیں ۔ شمشیر ایک بگولۂ صحرائی کی طرح قصرِ گلرینہ میں داخل ہوا ۔ جمال نے فوراً راستہ چھوڑ دیا ۔ اندر آ کر جب اس نے شہزادی

گلبانو کو نیلی سے بغل گیر ہوتے دیکھا تو ایک جھٹکے کے ساتھ وہیں رُک گیا۔

شہزادی نے شمشیر کو اس طرح اچانک اور اطلاع دیئے بغیر آتے دیکھا تو حیرت و مسرت سے پاگل ہو گئی۔ سمجھی شاید ولی عہد بھی روزہ غیر حاضری کی تلافی کرنے آیا ہے لپک کر آگے بڑھی اور شمشیر کے قریب پہنچ کر بولی۔

"شہزادۂ عالی ـــــ! آپ نے مجھے اپنے استقبال کا موقع بھی نہیں دیا۔"

"اوہ ـــــ گلبانو ـــــ! ہمیں افسوس ہے۔" شمشیر اُکھڑے ہوئے انداز میں کہنے لگا ـــــ "دراصل ابھی ابھی اطلاع ملی تھی کہ سردار شاہو کی بیٹی قصرِ گلریز میں دیکھی گئی ہے یہ خبر سُن کر ہمیں فوری طور پر آنا پڑا اور تمہیں اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دے سکے۔ ہمیں نیلی سے ایک بہت ضروری کام ہے۔"

گلبانو کو شمشیر کے اچانک آنے کی جتنی خوشی ہوئی تھی سب کافور ہو گئی۔ وہ اس کے لیے نہیں بلکہ نیلی کی خبر سُن کر آیا تھا۔ اس کا مطلب ہے وہ نیلی کو اس سے زیادہ اہم ـــــ زیادہ ضروری سمجھتا ہے کہ محض اس کی خاطر قصرِ گلریز میں بھاگا آیا۔ گلبانو کے ہونٹوں پر مدھم سی آہ ٹوٹ کر بکھر گئی اور بے دلی کے ساتھ راستے سے ہٹ گئی۔

شمشیر آگے بڑھا اور نیلی سے صرف ڈیڑھ دو قدم کے فاصلے پر رُک گیا جو اسے حیرت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی، بولا۔

"نیلی ـــــ! تمہیں تھوڑی دیر کے لیے کمرے تک چلنا ہوگا۔"

گونا بستی کی حسینہ نے اس کی آواز کے فرق کو نمایاں طور پر محسوس کیا۔ تھوڑی دیر پہلے جب خرّم دلآرام کے حجرے میں اچانک آگیا تو اس کی آواز میں ملائمت اور کشش تھی لیکن اس وقت کھُردری اور سپاٹ آواز رات والے درندے کی یاد تازہ کر رہی تھی۔ وہ اس تغیّر پر دم بخود رہ گئی۔

"آپ کو جو کچھ کہنا ہے یہیں کہیئے تاکہ آپ کی ہونے والی شریکِ زندگی شہزادی گلبانو بھی سُن سکے۔"

"ہمیں افسوس ہے یہاں مطلب کی بات نہیں ہو سکتی۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

یہ کہہ کر شمشیر واپسی کے لیے مُڑا نیلی نے شہزادی گلبانو کی طرف دیکھا۔ اس کی

نظروں میں عورت کی بے بسی اور مجبوری کروٹیں لے رہی تھی۔ گلبانو نے اشارہ کیا اور وہ شمشیر کے پیچھے ہولی۔

جونہی نیلی کمرے سے نکل کر غلام گردش میں آئی۔ پانچ ننگی تلواروں نے اسے اپنے حلقہ میں لے لیا اور یہ پانچوں شمشیر زن وہی تھے۔ جنہیں نیلی نے تیمور کے ہمراہ اپنے تعاقب میں آتے دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ تیمور بھی موجود تھا۔

نیلی اس غیر معمولی اور وحشت انگیز صورتِ حال پر ٹھٹک کر رہ گئی اور خوفزدہ سی ہو کر پیچھے ہٹی۔ اسی لمحے ایک تلوار کی نوک اس کی پسلی سے آلگی اور ساتھ ہی شمشیر کی پھنکار سُنائی دی۔

"اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو چُپ چاپ چلتی رہو۔"

نیلی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا یہ تو سو فی صد رات والے درندے کی آواز تھی مگر تھوڑی دیر پہلے جب شہزادہ اسے دلآرام کے حجرے میں بلا کر لایا پُرسکون، کیسا با اخلاق اور کس قدر مختلف تھا۔ چند ہی لمحوں کے اندر اسے کیا ہو گیا؟

وہ ولی عہد کے متضاد رویّے اور کردار کو سمجھنے سے قاصر تھی مگر دل کی ہر دھڑکن خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔

"دھک ..... دھک ....."

"خطرہ ...... خطرہ ......"

نیلی کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ وہ پانچ برہنہ شمشیروں کے حلقے سے نکل کر بھاگ نہ سکتی تھی۔ اس خیال سے سَر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی۔ شاید یہ لوگ اس سے لاچی خاں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

شہزادی گلبانو شوقِ تجسس میں یونہی دروازے میں آکھڑی ہوئی لیکن جب اس نے گونا بستی کی حسینہ کو پانچ برہنہ شمشیروں کے حلقہ میں جاتے ہوئے دیکھا تو تصویرِ حیرت بن گئی۔ قریب تھا کہ وہ خوف سے چیخ اُٹھے مگر فرطِ تحیّر سے اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔

قصرِ گلریز سے تھوڑے فاصلہ پر سیدھی غلام گردش کو کاٹتی تنگ سی گلی میں ایک

آسمانی سایہ اچانک اس طرح ٹھٹک کر رُکا' جیسے اُڑتا ہوا کوئی تیر یا گرتی ہوئی کوئی بجلی یک لخت رُک جائے پھر تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ کر وہ سایہ گلی کے نکڑ پر رُوپوش ہو گیا۔ اگر اس نے کمال پھرتی اور ہوشیاری سے خود کو چھپا نہ لیا ہوتا جو بنتِ شاہو کو ننگی تلواروں کے حلقہ میں لیے اس تنگ اندھیری گلی کے بالکل قریب آگئے تھے ۔

وہ آسمانی سایہ شاہی محل کی کنیز خاص دلارام کے علاوہ اور کسی کا نہ تھا جو نیلی کی تلاش میں قصرِ گلریز کی جانب چلی آتی تھی کہ اچانک شمشیر و تیمور کی جھلک دیکھ کر بجلی ایسی سرعت کے ساتھ گلی کی نکڑ میں سمٹ گئی ۔

دلارام نے نکڑ سے سر نکال کر اس بھیانک نظارہ کی جھلک دیکھی ۔ پانچ برہنہ شمشیروں کے دائرے میں اسیر شہزادہ خرم کی تقدیر ـــــــ گرنالبتی کی آفریدہ جمال حسینہ نیلی اپنی موت کے قدم گنتی چلی جا رہی تھی ۔ دلارام یوں دل تھام کر رہ گئی جیسے اس کی تمام حفاظتی تدبیریں خاک میں مل گئی ہوں مگر دوسرے ہی لمحے وہ سنبھلی اور آندھی کے طوفانی جھونکے کی مانند مخالف سمت میں اُڑتی چلی گئی ۔

(منظر ۲۸)

بھیانک آدمی

o

تخیر بگولے کی طرح کمرۂ خاص میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے نیلی کو اندر دھکیل دیا گیا۔ دوسرے لمحے تیمور دروازے پر پہنچا اس نے شگوفہ کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں ' جو سردار شاہو کی بدنصیب بیٹی کو ننگی تلواروں کے پہرے میں ذبح ہونے والی بھیڑ کی طرح ولی عہد کے کمرہ میں دھکیل دیے جانے پر بید مجنوں کی طرح کانپ کر رہ گئی ۔ تیمور غراتی آواز میں بولا۔

" شگوفہ ـــــــ ! اگر تم نے زبان کھولی اور کسی کو اطلاع دینے کی کوشش کی تو زندہ نہ رہو گی "

یہ کہہ کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور شگوفہ پتھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت کھڑی بند دروازے کو دیکھنے لگی ۔ پانچ شمشیر زنوں میں سے دو موت کے فرشتوں کی مانند اس کے پاس ہی ٹھہر گئے جیسے وہ دروازے پر پہرہ دے رہے ہوں اور بقیہ تین قصرِ ولی عہد کے پائیں باغ کی طرف چلے گئے ۔

شگوفہ نے سب کچھ یوں دیکھا جیسے خواب دیکھ رہی ہو' آج تک ولی عہد کے دروازہ پر ننگی تلوار کا پہرہ نہ لگا تھا۔

نیلی کو حواس باختہ اور پریشان دیکھ کر شمشیر کا بھیانک قہقہہ اس طرح بلند ہوا جیسے کسی ہرنی کو اپنے پنجوں میں دیکھ کر درندہ خوشی سے دہاڑتا ہے۔ نیلی خوفزدہ ہونے کی بجائے حیران ہو رہی تھی —— کیا انسان اتنی جلد اپنی فطرت، اپنی آواز بدل سکتا ہے؟

شمشیر جوشِ مسرت میں جھومتا آگے بڑھا اور نیلی سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر رک گیا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی پکڑ لی۔ نیلی نے کوئی تعرض نہ کیا اور شمشیر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"خوبصورت ہو —— نوجوان ہو —— یہ غنچے سے ہونٹ، یہ گلاب عارض، یہ پیمانوں کی سی مست آنکھیں —— نری قیامت ہو۔" شمشیر سچ مچ اس کے جلوۂ حسن میں کھو کر رہ گیا۔

نیلی نے اس کی آنکھوں میں اجنبیت کے ساتھ وحشت و درندگی کی جھلک بھی دیکھی چہرہ اگرچہ وہی تھا لیکن اس میں پیار اور اپنائیت کی کوئی علامت نظر نہ آ سکی۔ نیلی نے اپنی ٹھوڑی سے شمشیر کا ہاتھ پرے ہٹا دیا اور خشمگیں لہجے میں بولی۔

"اپنے ہوش میں رہیئے شہزادۂ عالی!"

"تمہیں دیکھ کر ہوش میں کون رہ سکتا ہے۔"

ولی عہد کے اس اوباشانہ اندازِ گفتگو نے نیلی کو حیران و پریشان کر دیا، وہ کہہ رہا تھا —— "یا تم اتنی حسین نہ ہوتیں یا ہم اتنے جوان نہ ہوتے تبھی بتاؤ ہم کیا کریں؟"

"میں آپ کی بے ہودہ گفتگو سننے نہیں آئی۔"

"او ہو...... ناراض ہو گئی بلبل ——؟"

یہ کہہ کر شمشیر نے ایک بار پھر اس کی ٹھوڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن نیلی نے اس کی کلائی پر اس طرح پنجہ مارا کہ وہ درد سے تلملا اٹھا۔ ساتھ ہی اس کی تمام خوش مذاقی رخصت ہو گئی اور غصہ میں گرج کر بولا۔

"تمہاری یہ جرأت!"

"مطلب کی بات کیجئے شہزادہ صاحب!"

"اگر مطلب ہی جاننا چاہتی ہو تو انگوٹھی ہمارے حوالے کر دو۔"

"انگوٹھی ——؟" نیلی پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کیوں کہ تھوڑی ہی دیر

دلارام کے حجرے میں وہ انگوٹھی اُسے واپس کر چکی تھی۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کون سی انگوٹھی؟"

"ولی عہد کی شاہی مہر، جو رات تمہارے ہاتھ میں تھی۔"

"مگر اس وقت میرا ہاتھ خالی ہے۔"

نیلی نے دایاں ہاتھ بلند کر دیا۔ وہ خالی تھا۔ کسی انگلی میں انگوٹھی نہیں تھی شمشیر پریشان ہو گیا —— "انگوٹھی کہاں گئی؟"

"واپس کر دی۔"

"کس کو؟"

"جس نے دی تھی۔"

"کس نے دی تھی تمہیں وہ شاہی انگوٹھی؟"

"آپ —— نہیں جانتے کیا؟"

شمشیر بوکھلا کر رہ گیا۔ سوال ہی ایسا تھا جو خنجر کی طرح دل میں اتر گیا۔

"نہیں —— ہم نہیں جانتے۔"

"نہ سہی —— آپ کا جاننا ضروری نہیں۔"

نیلی کا خیال تھا۔ وہ جان بوجھ کر تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہا ہے۔ مذاق کر رہا ہے۔ مگر جواب سن کر وہ شعلے کی طرح بھڑک اٹھا۔

"ہمارا جاننا کیوں ضروری نہیں —— وہ انگوٹھی ہماری شاہی یادگار ہے تمہیں بتانا ہوگا۔ انگوٹھی تم نے کب، کہاں اور کس سے لی تھی۔"

نیلی کو یہ بات بہت گراں گزری۔ آخر چاہتا کیا ہے؛ اس نے گویا قصہ ہی ختم کر دیا اور طنز آلود لہجے میں بولی۔

"شہزادۂ عالی! اگر آپ جاننا ہی چاہتے ہیں تو سنیئے! انگوٹھی مجھے شہزادہ خرم نے دی تھی۔"

اس کا خیال تھا۔ اب یہ فضول بحث ختم ہو جائے گی مگر شہزادہ خرم کا نام شمشیر کے شعور پر شعلہ سا بن کر گرا۔ چہرے پہ ایک رنگ آیا اور گزر گیا۔ ہونٹ تھرتھرائے۔

"شہزادہ ...... خرم ......؟"

"جی ــــــ !"

"لڑکی ! ہم سے مذاق نہ کرو۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔"

"مذاق مَیں نہیں آپ کر رہے ہیں۔"

"خوب ــــــ تو انگوٹھی تمہیں شہزادہ خرّم نے دی تھی ؟"

یہ کہہ کر شمشیر نے بجلی ایسی تیزی سے جھپٹ کر اس کی کلائی دبوچ لی۔ جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ لیا اور غصّے میں دانت پیس کر غرایا۔

"مگر ہم کون ہیں ؟"

جھٹکے کے ساتھ ہی نیلی اُس کے جسم کے ساتھ آ لگی تھی۔ اس قدر قریب ہو کر اُس نے شمشیر کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ اس پر اپنے پیار کا کوئی نقش ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی محبت کا کوئی رنگ تلاش کرنا چاہا مگر وہاں تو سوائے اجنبیت کی گرد کے اور کچھ نہ مِل سکا۔ آشنائی کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی نہ دے سکی۔ اچانک اس کی نظریں شمشیر کے بائیں کان کی کٹی لَو پر جا پڑیں اور وہ کٹا ہُوا کان اس کی نگاہوں کے دائرے میں ہاتھی کے کان کی طرح بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔

فرطِ حیرت سے نیلی کی آنکھیں تابہ بن گئیں۔ کیونکہ تھوڑی دیر پہلے ولاام کے حجرے میں جب اُس نے شہزادہ خرم کی صورت دیکھی اس کے دونوں کان بالکل صحیح وسلامت تھے مگر اس وقت جو شہزادہ اُس کے سامنے کھڑا تھا اُس کے بائیں کان کی لَو کٹی ہوئی تھی۔ ایک ہی شکل، ایک ہی صورت، ایک ہی نام، ایک ہی حیثیت کے دو آدمیوں کے درمیان یہ اختلاف اگرچہ بڑا معمولی تھا لیکن یہی معمولی سا اختلاف نیلی کے ذہن پر شعلہ بن کر رقص کرنے لگا۔ اس کا شعور اسی ایک نقطہ پر گھومنے لگا ــــــ اب یہ راز بھی کھُل گیا کہ ایک ہی آدمی دُو آوازیں کیوں رکھتا ہے ؛ ایک ہی شخص متضاد کردار کا مالک کیوں ہے ؟

دراصل وہ ایک آدمی نہیں بلکہ ایک ہی شکل، ایک ہی صورت، ایک ہی نام ایک ہی حیثیت کے دو مختلف آدمی ــــــ دو مختلف کردار ہیں جنہیں وہ غلطی سے ایک سمجھتی رہی۔ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد کہ منصور نگر کے شاہی محل میں ایک ہی شکل و صورت، ایک ہی نام کے دو شہزادے موجود ہیں۔ دہشت و وحشت کے مارے نیلی کے

ے کا رنگ اُڑ گیا۔ حلق سے ایک لرزہ خیز چیخ بلند ہوئی جو در و دیوار کو چیرتی نکل گئی۔ نیلی کی یہ کیفیت دیکھ کر ــــــ ناگہانی چیخ سُن کر شمشیر حواس باختہ سا ہو گیا۔ اسی گھبراہٹ میں نیلی کی کلائی پر اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ یوں بدک کر، اُچھل کر، ڈر کر پیچھے ہٹی جیسے اُس نے کان کٹے شہزادہ کے رُوپ میں اپنی موت کو دیکھ لیا ہو۔

شمشیر کے ساتھ تیمور بھی جو کچھ فاصلے پر ایک ستون سے ٹیک لگائے اُن کی گفتگو سُن رہا تھا۔ بدحواس ہو کر نیلی کی طرف لپکا اور قریب آ کر بولا۔

"کیا ہُوا ــــــ تم کس شے سے ڈر گئی ہو ؟"

مگر نیلی نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ دی۔ جیسے اُس کی آواز سُنی ہی نہیں۔ اُسے دیکھا ہی نہیں۔ اُس کی وحشت زدہ ــــــ دہشت زدہ نگاہیں تو شمشیر کے چہرے پر مرتکز تھیں شمشیر کو محسوس ہوا کہ وہ نگاہیں اس کے ذہن میں چھید کرتی اندر گھُستی آ رہی ہیں۔ اس احساس سے گھبرا کر آگے بڑھا اور نیلی خوفزدہ سی پیچھے ہٹنے لگی۔ وہ رُک گیا۔ نیلی بھی رُک گئی۔ پھر کہنے لگا۔

"تم ڈر کیوں گئیں ــــــ چیخنے کیوں لگیں ؟"

نیلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر بولا۔

"ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ ہماری انگوٹھی کہاں ہے ؛ تم کہتی ہو انگوٹھی تمہیں شہزادہ خرّم نے دی تھی ــــــ ہم منصور نگر کے ولی عہد شہزادہ خرم تم سے مخاطب ہیں۔ ہمیں قطعاً یاد نہیں ہم نے انگوٹھی تمہیں کب، کہاں اور کیوں دی تھی ؟"

اس دوران نیلی نے اپنے حواس پر قابو پا لیا۔ اُس پر شاہی محل کا ایک بہت بڑا راز منکشف ہو چکا تھا۔ یہ جان لینے کے بعد کہ شہزادہ خرم ایک نہیں دو ہیں سوال صرف یہ باقی رہ جاتا تھا۔ اُن میں اصل شہزادہ ــــــ اصل خرّم کون ہے ؟

شمشیر کی اوباشانہ گفتگو سُن لینے کے بعد اُس کے قلب و ذہن نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ وہ شہزادہ خرم نہیں ہو سکتا۔ اُسے اپنے محبوب خرّم کی وہ گفتگو یاد آئی تھی۔ جب دربارِ جشن کے دوسرے ہی روز گونا بستی میں پہنچا اور اس نے نیلی کو بتایا تھا کہ تقدیر نے اس کے ساتھ بڑا بھیانک مذاق کیا ہے۔ یقیناً وہ یہی مذاق تھا جس کا مفہوم وہ اب سمجھ رہی تھی اُس نے سوچا اب تو صرف مصلحت اور ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ورنہ طیش میں آ کر یہ درندہ جو خود کو "شہزادہ خرم" کہتا ہے کہیں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔

اُسے خاموش دیکھ کر شمشیر نے پھر پوچھا۔

'تم نے جواب نہیں دیا۔ ہم نے انگوٹھی تمہیں کب، کہاں اور کیوں دی تھی؟'

نیلی نے چونک کر دیکھا اور جواب دیا۔

'وہ تو میں نے مذاق کیا تھا آپ سے ——— جھوٹ بولا تھا کہ انگوٹھی مجھے شہزادہ خرم نے دی تھی'۔

شمشیر نے اُسے چبھتی نظروں سے دیکھا اور اُس کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔

'جھوٹ تم اب بول رہی ہو، مذاق تم اب کر رہی ہو اور ہم نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ ہم سے مذاق کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ تمہیں صاف صاف بتانا ہوگا، شہزادہ خرم ...... مطلب ہے ہم تمہیں کہاں ملے تھے۔ ہم نے انگوٹھی تمہیں کب دی تھی؟'

شمشیر کی اُکھڑی اُکھڑی سی گفتگو سے نیلی نے اُس کے دل کا چور پکڑ لیا تھا لیکن فی الحال اخفائے راز ہی میں مصلحت تھی، کہنے لگی۔

'شہزادہ صاحب! جب آپ پہلے کبھی ملے ہی نہیں۔ جب کل رات سے قبل ہماری ملاقات ہی نہیں ہوئی تو اب مجھے انگوٹھی بھلا کیسے دیتے؟'

'پھر شاہی انگوٹھی تمہارے پاس کیسے پہنچ گئی؟'

نیلی نے ایک لمحہ سوچا پھر کہا۔

'کل رات تک مجھے اور میرے بابا کو معلوم نہیں تھا۔ جو انگوٹھی میں نے پہن رکھی ہے، وہ ولی عہد کی ہے۔ یہ راز تو آپ کی آمد پر کھلا۔ آپ نے پوچھا ہے۔ انگوٹھی ہمارے پاس کیسے پہنچ گئی ——— تو سُنیے! چند روز کا ذکر ہے۔ بابا نے سانگا ندی میں جال ڈالا اور ایک بہت بڑی مچھلی پکڑی۔ گھر لا کر اُسے ذبح کیا تو اُس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی برآمد ہوئی ہم بہت حیران ہوئے۔ انگوٹھی کا نگینہ خوب چمک رہا تھا۔ بابا نے مجھے دے دی۔ بھلا ہم غریبوں کو کیا خبر تھی کہ اُس کا پتھر کیسا ہے۔ یہ تو اب معلوم ہوا کہ وہ پتھر نہیں ایک قیمتی ہیرا تھا ——— یہ ہے اصل کہانی'۔

یہ عجیب و غریب کہانی سُن کر شمشیر اور تیمور کی نظریں دوڑ کر آپس میں مل گئیں۔ لاچی خاں تو پہلے ہی بتا چکا تھا۔ شہزادہ خرم کی لاش کہیں سانگا ندی میں گری اور مچھلیوں کا سامانِ ضیافت بنی ہوگی۔ نیلی نے غیر شعوری طور پر اُن کے اندیشوں کی تصدیق کر دی۔ اس لیے دونوں ہی اس

پر یقین کر بیٹھے ——— اچانک شمشیر پلٹا۔

'اب وہ انگوٹھی کہاں ہے؟'

یہ سوال یقیناً پریشان کن تھا۔ کیا بتاتی کہ تھوڑی دیر پہلے انگوٹھی اُس کے ... مالک شہزادہ خرم کو واپس کر چکی ہے۔ وہ دلارام کی احتیاط اور تیمور کو دیکھ کر ... لے جانے کا مقصد سمجھ رہی تھی۔ اُسے شہزادہ خرم کے الفاظ یاد آ رہے تھے کہ ——— ... گوٹھی کے ساتھ اگر کوئی تمہاری زندگی بھی چھین لیتا تو ———؟

وہ سوچ رہی تھی۔ اُس نے اپنے محبوب کو ناحق طعنے دیئے۔ اُس کا دل دکھایا ... ! یہ راز اس پہ پہلے کھل گیا ہوتا لیکن اب وہ انگوٹھی کے متعلق کیا بتائے ——— کیا ... اب دے؟

اچانک شمشیر کی آواز پھر گونجی۔

'تم خاموش کیوں ہو گئیں ——— کیا سوچنے لگیں۔ بتاؤ انگوٹھی کہاں ہے؟'

یک لخت نیلی فیصلہ کُن آواز میں بولی۔

'انگوٹھی آب آپ کو نہیں مل سکتی؟'

'کیوں؟'

'آج ہی میں نے اُسے سانگا ندی میں پھینک دیا تھا۔ شاید کوئی مچھلی اُسے پھر ... لے جس انگوٹھی کی وجہ سے میری توہین ہوئی۔ میں اسے اپنے پاس کیوں رکھتی'۔

اُس نے یہ بات کچھ اتنے وثوق و یقین کے ساتھ کہی کہ شمشیر اور تیمور ورطۂ ... رت میں ڈوب گئے۔ جیسے وہ سفینۂ اُمید جو کنارے پر آ لگا تھا۔ خلافِ توقع موجِ ... کی لپیٹ میں آ جائے۔ اس اطلاع نے شمشیر کے دل میں غم و غصّہ کا ایک طوفان موجزن کر دیا اور وہ فرش پہ پاؤں پٹک کر گرجنے برسنے لگا۔

'یہ جھوٹ ہے، غلط ہے۔ تم نے انگوٹھی چھپالی ہے۔ ہمیں دھوکا دے ... ی ہو لیکن یاد رکھو جب تک اصلیت بیان نہ کرو، جب تک ہم اپنی شاہی مُہر حاصل ... کر لیں۔ تم اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی'۔

'انگوٹھی جہاں سے ملی تھی وہیں لوٹا دی گئی۔ آپ کو یقین نہ آئے تو میرا قصور؟'

"مت بھولو لڑکی ـــــ ! اس انگوٹھی کی خاطر ہمارا ایک بہترین نائب لاچی خان تمہارے مکان پر قتل ہو چکا ہے ۔ اس کے علاوہ ہم اپنے پندرہ محافظوں سے بھی محروم ہو چکے ہیں جو رات گونا بستی کے تصادم میں موت کے گھاٹ اتر گئے ۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو اتنے آدمی موت کے منہ میں جھونک کر ہم اپنی انگوٹھی سے دستبردار ہو جائیں گے ـــــ تمہیں آسانی سے چھوڑ دیں گے ؟"

رات کے واقعات یاد کر کے شمشیر کا غم و غصہ بڑھتا جا رہا تھا ۔ گونا بستی کا سردار شاہو اور اس کی آفریدۂ جمال لڑکی ہی تو اس کے ساتھیوں کی شکست و تباہی کا پیش خیمہ بنے تھے ۔ اس تباہی کے بعد اب نیلی اسے مرگِ اُمید کا پیغام سُنانے آئی تھی ۔ اُس کے جسم کا رُواں رُواں انتقام کی آگ میں جل اُٹھا ۔ یک لخت اُس نے نیلی کی طرف اُنگلی اُٹھا دی ۔

"تم اور تمہارا باپ قانون کے مجرم ہو ۔ تھوڑی دیر میں سپاہی آ کے تمہیں بھی زنجیروں میں جکڑ کر لے آئیں گے ۔ ہم اس بستی کو نیست و نابود کر دیں گے ۔ جہاں ہم پر تلوار اُٹھائی گئی ۔ گونا بستی کا ایک ایک آدمی دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائیگا ۔"

نیلی شمشیر کے بھیانک عزائم سُن کر خوف سے کانپ اُٹھی لیکن فوراً ہی اپنے مُرشدِ رُوحانی کا خیال آیا ۔ بیس سال تک گونا بستی محض شیخ ہی کے فیضِ روحانی کی بدولت ہر بلا سے محفوظ رہی تھی ۔ اُسی کے حُسنِ تدبّر اور جلوہ و کرشمہ نے تمام بستی کی حفاظت کی تھی اور وہ لوگ جو بستی والوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ لے کر آئے شیخ کی رُوحانی کرامت سے خود مبتلائے عذاب ہوئے تھے ۔ رات کیا ہُوا تھا ۔ بھلا بستی کا سردار شاہی سواروں کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا لیکن غیبی امداد نے کس طرح حالات کا پانسہ پلٹ دیا نیلی کا یقین تھا ۔ یہ سب کچھ اُس کے مرشدِ روحانی کی ایمانی طاقت کا کرشمہ تھا ۔ جب تک شیخ موجود ہے ۔ بستی پر کوئی مصیبت نہیں آ سکتی ۔ اسی احساس نے اس کی ڈھارس بندھائی اور سوچنے لگی ۔ یقیناً شیخ اس مصیبت سے آگاہ ہو چکا ہوگا اور معجزانہ طور اُس کی مدد کرے گا ۔

اِس احساس کے ساتھ ہی نیلی کے دِل پر منڈلانے والے خوف کے بادل چھٹ گئے ۔ نبضوں میں خون کی حرارت تیز ہو گئی اور ترکی بہ ترکی جواب دیا ۔

"شہزادہ صاحب ! آپ کس قانون کی بات کر رہے ہیں ؟ ہم نے کون سا جرم کیا کہ آپ رات کے اندھیرے میں ہماری عزت لُوٹنے چلے آئے ؟ آپ کو یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ بلا وجہ بستی کو گھیر لیں ؟"

شمشیر اور تیمور حیرت پاش نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگے ۔ وہ کہہ رہی تھی ۔

"ڈریئے ـــــ ! قدرت کے اُس قانون سے جو ظالموں کی گردن دبوچ لیتا ہے ۔ ڈریئے ! خُدا کے اُس انصاف سے جس کی عدالت میں شاہ و گدا سب برابر ہیں ۔ میں خبردار کیے دیتی ہوں ۔ اگر آپ نے گونا بستی کی طرف انگلی بھی اُٹھائی تو شیخ کا غضب آپ کو پھونک ڈالے گا ـــــ کیا رات کا سبق آپ اتنی جلدی بھول گئے ؟"

نیلی اپنے اصل رُوپ میں جلوہ گر ہو رہی تھی ۔ اِس رُوپ نے شمشیر کو حیران و پریشان کر دیا ۔ وہ تو ڈرا دھمکا کر انگوٹھی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن بنتِ شاہو نے اُس کا داؤ اُسی پہ اُلٹ دیا ۔ دانت پیس کر کہنے لگا ۔

"تو تم ہمیں سبق دینے آئی ہو ؟ رات کا واقعہ یاد دلا کر ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنا چاہتی ہو ؟ وہ شیخ کون ہے جس کے شعلۂ غضب سے ہمیں ڈرا رہی ہو ۔ کہیں وہی لٹیرا تو شمشیر فا کو نہیں بن بیٹھا ؟"

اپنے مُرشدِ رُوحانی کی اس توہین و تذلیل پر گونا بستی کی حسینہ کا خون کھول اٹھا نبضوں میں لہو کی بجائے پگھلی آگ تیرنے لگی ۔ تمام آدابِ شاہی کو بالائے طاق رکھ کر ببھو کی شیرنی کی طرح گرجی ۔

"ادب سے بات کرو شہزادے ! اگر تم نے پھر شیخ کے متعلق بے ہودہ الفاظ استعمال کیے تو اپنی موت کو آواز دے کر بلاؤ گے ۔"

اس کے ساتھ ہی نیلی نے بجلی ایسی سُرعت سے جھک کر اپنی پنڈلی سے بندھی چھوٹی سی چرمی میان سے خنجر کھینچ لیا ۔ شمشیر کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں ۔ نیلی کے الفاظ اُس کے ذہن کے ویرانہ میں صحرائی بگولوں کی مانند گردش کر رہے تھے ۔

گونا بستی کی حقیر لڑکی نے اُس کے شاہی بھرم کو ٹھوکر ماری اور اُسے یوں مخاطب کیا جیسے وہ کوئی معمولی آدمی ہو ۔ یہی نہیں بلکہ خنجر نکال کر اُس کی وحشت و سفاکی کو جھنجھوڑ دیا تھا ۔ ایک بے بس لڑکی اُس پر خنجر نکالے ۔ یہ اُسے کب گوارا تھا ۔ شمشیر

کے ہوش و حواس غصّہ کی آگ میں جل اُٹھے۔ اسی طیش کے عالم میں اُس کے ذہن میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔

"بستی کا شیخ ہی "شمشیر ڈاکو" ہے۔ وہی میرا "پُراسرار دشمن" ہے۔ جسے میں شاہی محل میں تلاش کر رہا تھا۔ میرے راستے کی دیوار ——— میرے ارادوں کی شکست ——— وہی ہے..... وہی ہے..... وہی ہے......"

اس "آوازِ غیب" کو سُن کر جو فی الاصل اس کے اپنے ہی خوف، اپنے ہی وہم کی صدائے بازگشت تھی۔ شمشیر کی نبضوں میں خون سانپ کے زہر کی طرح سرسرانے لگا۔ نیلی کی جراًت نے اگرچہ اُسے دم بخود کر دیا لیکن گستاخ لڑکی کو سزا دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تیمور نے یہ مشکل بھی آسان کر دی جو بڑی ہوشیاری سے کھسکتا ہوا بنتِ شاہو کے عقب میں پہنچ گیا تھا۔ پھر اُس نے چیتے کی طرح جھپٹ کر نیلی کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔

شمشیر کے ہونٹوں پر ایک بھیانک قہقہہ ناچ اُٹھا۔ نیلی کی کلائی ابھی تک تیمور کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس کی مضبوط گرفت میں کسی مچھلی کی مانند تڑپ رہی تھی۔

اچانک شمشیر درندے کی آواز میں غرّایا۔

"تیمور ——— ! اس حسین ناگن کو ہمارے قریب لاؤ۔"

تیمور اُسے گھسیٹ کر شمشیر کے سامنے لے آیا۔

"اب تم بتاؤ گی۔ ہماری انگوٹھی کہاں ہے؟ وہ شمشیر ڈاکو کون ہے جس نے رات ہم پر حملہ کیا تھا؟"

"مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے مقدر سے پوچھو۔"

نیلی کا جواب سُن کر تیمور نے اُسے ایک جھٹکا دیا اور غصّہ میں بولا۔

"شہزادہ عالی کے حضور ادب سے بات کرو ورنہ تمہاری زبان کاٹ لی جائیگی۔"

"یہ شہزادہ خرم نہیں، ڈاکو ہے، لٹیرا ہے۔" غصّہ میں نیلی کی زبان سے غیر شعوری طور پر بھی بات نکل گئی شمشیر سکتے میں آ گیا۔

"اچھا تو تم یہ بھی جانتی ہو۔ اب تمہیں کسی قیمت پر معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے راز کو جاننے والے موت کے اندھیروں میں گُم ہو جاتے ہیں۔ پھر تمہارا دامن تو لاچی خاں کے لہو سے بھی آلودہ ہے۔ اپنے دوست کا انتقام لیے بغیر ہمیں چین نہیں آئے گا۔"

یہ کہہ کر تیمور سے مخاطب ہوا۔ "تیمور اس کی زبان کاٹ دو۔ تاکہ یہ کسی اور کو ہمارے راز سے آگاہ نہ کر سکے۔"

شمشیر نے فوراً نیلی کی کلائیوں کو شکنجے میں جکڑ لیا اور تیمور وہی خنجر لے کر جو بنتِ شاہو نے پنڈلی کی چرمی میان سے کھینچا تھا۔ اُس کی زبان کاٹنے پر تیار ہو گیا۔

نیلی کے ذہن پر موت کے اندھیرے لہرا گئے۔ اُن اندھیروں میں اس نے بجلی سی چمکتی دیکھی۔ یہ خنجر کی دھار تھی جو اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔ وہ اس بکری کی طرح بے بس تھی جسے قصاب ذبح کرنے سے پہلے اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔ اس نے ریڑھ کی ہڈی میں خنک لہر محسوس کی۔

شمشیر نے عقب سے اُس کی زلفوں کو مٹھی میں لے کر اس طرح جھٹکا دیا کہ نیلی کا مُنہ بالکل تیمور کے خنجر کی زد میں آ گیا۔ اس کے حلق سے چیخ اُبھری۔ شمشیر اس کی بے بسی کا مضحکہ اُڑاتے بولا۔ "اب بلاؤ اپنے شیخ کو ——— وہ آ کر تمہیں چھڑائے۔"

نیلی اُس کی گرفت میں کراہ رہی تھی۔ تیمور نے خنجر مُنہ کے قریب لا کر دوسرے ہاتھ سے اس کی زبان پکڑنے کی کوشش۔ نیلی کی چیخ حلق ہی میں دم توڑ کر رہ گئی لیکن ابھی تیمور کا ہاتھ اُس کی زبان کو چھونے نہ پایا تھا کہ اچانک پائیں باغ کا دریچہ کوئی آواز یا آہٹ پیدا کیے بغیر کھُل گیا۔ اور اُس کے خلا سے ایک خنجر نشانہ باندھ کر پھینکا گیا جو کمرے کی فضا کو تیرِ قضا کی طرح چیرتا ہوا اُڑتا اور سیدھا تیمور کے حلق میں "گھپ" سے پیوست ہو گیا۔

خنجر پھینکنے والے نے حلق ہی کا نشانہ لیا تھا اور یہ نشانہ اتنا صحیح تھا کہ خنجر تیمور کی اُبھری ہوئی شہ رگ کے نیچے حلق کے گڑھے میں لگا اور چار پانچ انگشت کے برابر اندر کھُب گیا۔

خُون کا فوارہ اُبل پڑا۔ تیمور کے زخمی حلق سے خرخراہٹ کی مکروہ آواز اس طرح نکلی جیسے کسی بیل کا نرخرہ کٹ جانے سے دم توڑنے کی آوازیں نکلتی ہیں۔ اُس کے ڈیلے فرطِ حیرت سے باہر نکل آئے۔ خنجر ہاتھ سے گر پڑا۔ دوسرے لمحے وہ خود بھی تڑپتا خرخراتا ہوا کسی شہتیر کی مانند فرش پر اُلٹ گیا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ پہلے تو شمشیر حادثہ کی نوعیت ہی نہ سمجھ سکا کہ

مچا گیا ہے۔ "قصر ذیشان" کے باہر پانچ شمشیر زن پہرہ دے رہے تھے۔ اس کے نقطہ نظر سے کوئی پرندہ بھی قصر کے آس پاس پر نہ مار سکتا تھا مگر تیمور کے گرتے ہی اُس کی نگاہ پائیں باغ کے دریچہ پر پڑی۔ نیلی کو چھوڑ کر وہ جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا اور حیرت پاش غضبناک نظروں سے اپنے نائب کو دیکھنے لگا جو خون میں لت پت ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح فرش پہ دم توڑ رہا تھا۔ اُس کے حلق سے نکلنے والی "خر۔۔۔۔۔ خر۔۔۔۔۔" کی آواز کے ساتھ ہی خون کی پتلی پتلی دھاریں اُڑ رہی تھیں۔

نیلی بھی اس دہشت انگیز منظر کو دیکھ کر سہم گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تیمور خنجر اُٹھائے اس کی زندگی کا رشتہ کاٹنے والا تھا اور اب وہی تیمور اُس کی نظروں کے سامنے زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس حیاتِ بے ثبات پر نیلی کا دل کانپ اُٹھا۔

اچانک ایک مکروہ خرخراہٹ کے ساتھ تیمور کے حلق سے لہو کی پچکاریاں دُور تک اُڑتی چلی گئیں اور ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی —— اُسی لمحے دریچے میں آہٹ اُبھری۔ شمشیر کی نگاہوں نے دوڑ کر آہٹ کا تعاقب کیا اور یہ دیکھ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ اُس کا "پُراسرار دشمن" —— "شمشیر ڈاکو" دریچہ کے خلا سے کُود کر اندر داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لمبی —— سیدھی تلوار تھی —— شمشیرِ بُرّاں جس کی دھار پہ بجلیاں رقص کر رہی تھیں۔

ایک پل کے لیے شمشیر کی یہ حالت کہ ؏ "کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں"۔ موت کی طرح "پُراسرار دشمن" کی ناگہاں آمد نے اُسے حواس باختہ کر دیا مگر دشمن کا ارادہ بھانپ کر فوراً سنبھلا اور با دلِ نخواستہ تلوار کھینچ کر مقابلہ پہ آمادہ ہو گیا۔ غیر شعوری طور پہ اس کی زبان سے نکلا۔

"کون ہو تم ۔۔۔۔۔ یہاں کیا لینے آئے ہو۔۔۔۔۔؟"

جواب میں کمرے کی فضا بھیانک قہقہہ سے مرتعش ہو گئی۔

"اپنے دوست کو نہیں پہچانتے؟"

گھنی اور خوفناک داڑھی اور مونچھوں کے درمیان اُس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ صورت ہی کچھ ایسی بھیانک تھی کہ دیکھ کر ہول آتا تھا۔ نیلی تصویرِ حیرت بنی اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھا اور بنتِ شاہو سے کہنے لگا۔

"نیلی —— ! اپنا خنجر اُٹھاؤ اور ایک طرف ہٹ جاؤ۔ یہ لوگ تمہاری زبان کاٹنا چاہتے تھے لیکن اب میں بتاؤں گا زبان کیسے کاٹی جاتی ہے۔"

نیلی دنگ رہ گئی۔ اس آواز میں اُسے اپنائیت کی جھلک محسوس ہوئی۔ یہ خوفناک آدمی جو کوئی بھی تھا اس کے حق میں بہرحال "رحمت کا فرشتہ" بن کر نمودار ہوا تھا۔ اگر چند لمحے دیر سے آتا تو شاید تیمور کی بجائے اس وقت فرش پر اُس کی ذبح کی ہوئی لاش پڑی ہوتی —— اس نے اپنے محسن کی ہدایت پر عمل کر کے آگے بڑھ کر تیمور کی لاش کے قریب پڑے خنجر کو اُٹھا لیا پھر تیزی سے چلتی اُس کے عقب میں پہنچ گئی کیونکہ محسن نے اُسے دریچے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں تو شہزادہ صاحب!" یک لخت بھیانک آدمی کی آواز گونجی۔ "نیلی سے آپ کس انگوٹھی کے بارے میں پوچھ رہے تھے؟"

شمشیر حیرت زدہ اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا مگر زبان گنگ ہو گئی تھی۔

"بولیے نا شہزادہ۔۔۔۔ صاحب ۔۔۔۔۔ ! آپ کو کس انگوٹھی کی تلاش ہے شاید یہ خادم آپ کی کوئی خدمت کر سکے؟"

نہ چاہنے کے باوجود شمشیر کو زبان ہلانا پڑی "ہم شاہی انگوٹھی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"

"مگر تمہارا شاہی انگوٹھی سے کیا واسطہ؟" اچانک بھیانک آدمی کا لب و لہجہ بدل گیا —— "تمہیں اس انگوٹھی کی اتنی فکر نہ ہونی چاہیے۔"

"کیا بکتے ہو۔ وہ ہماری امانت ہے۔ ولی عہد کی مہرِ خاص۔" شمشیر نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔

"ارے۔۔۔۔۔ رے۔۔۔۔۔ رے۔۔۔۔۔ ناراض ہو گئے ولی عہد جی! مگر تمہاری شاہی امانت غریب نیلی کے پاس کیسے پہنچ گئی" —— پھر کچھ سوچتے ہوئے تمسخر انگیز لہجے میں بولا —— "اوہ یاد آیا۔ نیلی خوب صورت ہے —— جوان ہے۔ غنچہ سے ہونٹ۔ گلاب سے عارض۔ پیمانوں کی سی مست آنکھیں۔ نری قیامت ہے۔ تمہارا دل اس قیامت پر آ گیا۔ اور تم نے شاہی انگوٹھی اپنی "محبت کا تحفہ" کہہ کر نیلی کے ہاتھ میں پہنا دی ہوگی۔ کیوں ولی عہد جی! ہے نا یہی بات؟"

یہ گفتگو سن کر نیلی کے عارضوں پہ حیا کی سُرخی دوڑ گئی۔ اُس نے شرم سے سر جھکا

یا۔ مگر شمشیر شعلے کی طرح بھڑک اُٹھا۔

"بکواس بند کرو۔"

"بکواس ——؟" بھیانک آدمی نے قہقہہ لگایا۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نیلی کے سامنے یہی شاعری کر رہے تھے۔ میں نے کہہ دیا تو بکواس ہو گئی۔ واہ —— شاہزا..... دہ..... صا..... حب —— !"

شمشیر کٹ کر رہ گیا۔ جھنا کر بولا۔

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"مدد کرنا چاہتا تھا۔ تم نیلی کے حسن کی تعریف کر رہے تھے نا۔ میں سمجھا شاید تمہیں محبت ہو گئی ہے مگر تم تو محبت کے نام پر کاٹنے کو دوڑتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں نیلی سے نہیں اُس انگوٹھی سے پیار ہے۔ جو کل رات تم نے نیلی کے ہاتھ میں دیکھ لی تھی..... بڑے بد ذوق آدمی ہو یار! پیکرِ حسن کو چھوڑ کر پتھر کو چاہتے ہو۔ ارے ولی عہد کی انگوٹھی کا ہیرا ایک پتھر ہی تو ہے۔"

شمشیر اپنے دشمن کی طنزیہ باتوں پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"ارے..... تم تو بالکل خاموش ہو گئے۔ بولتے ہی نہیں۔ شاید انگوٹھی نہ ملنے کا زیادہ ہی صدمہ ہوا ہے مگر افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمت کرو، ہو سکتا ہے تمہاری مراد تمہیں مل جائے....."

شمشیر بدستور خاموش اور قہر آلود نگاہوں سے حریف کو دیکھ رہا تھا۔ بھیانک آدمی شاید اُسے تڑپانے میں لذت محسوس کر رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور شمشیر سے مخاطب ہوا۔

"شاہزادہ..... صاحب! دیکھو کہیں تم اِسی انگوٹھی کے لیے تو مجنوں نہیں ہو رہے؟"

شمشیر کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ولی عہد کی مُہرِ خاص —— شاہی انگشتری اُس کے "پُراسرار دشمن" کے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ اُس کا نایاب ہیرا لعل شب چراغ کی طرح جھلمل جھلمل کر رہا تھا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن یہ کوئی دھوکا نہ تھا۔ فریب نظر نہ تھا۔ سورج کی مانند چمکتی ہوئی حقیقت تھی کہ شاہی انگوٹھی

وقت بھیانک آدمی کے ہاتھ میں تھی۔

شمشیر کے علاوہ نیلی کی صورت بھی دیدنی تھی۔ وہ بھی ولی عہد کی مُہرِ خاص اپنے ...ک محسن کے ہاتھ میں دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گئی تھی۔ ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ...ں نے یہی انگوٹھی شہزادہ خرم کو لوٹائی تھی۔ پھر شاہی مُہر اس پُراسرار آدمی کے ہاتھ ...ے لگ گئی؟

"کیوں ولی عہد جی! انگوٹھی پسند آئی؟"

شمشیر چونک اُٹھا اور ہمت کر کے بولا —— "یہ انگوٹھی تمہارے پاس کیسے ...نچ گئی؟"

"کیا میرے ہاتھ میں اچھی نہیں لگ رہی؟"

"ہمارے سوال کا جواب دو۔ تم نے انگوٹھی کہاں سے لی؟"

"سنا ہے شہزادہ خرم نے یہ انگوٹھی اپنی محبوبہ کو پہنائی تھی۔ اُسے نہ جانے کیوں پسند ...نہ آئی اور واپس کر گئی....." اُس نے نیلی کو کن انکھیوں سے دیکھا۔

شمشیر نے اُس کی بات کاٹ دی —— "بے ہودہ باتیں نہ کرو اور صاف صاف ...بتاؤ۔ انگوٹھی تمہیں کس نے دی؟"

"صاف صاف بتاؤں؟ —— اچھا تو پھر سنو۔ یہ انگوٹھی میرے پردادا نے میرے دادا کو، میرے دادا نے میرے باپ کو دی تھی۔ باپ نے میرے حوالے کر دی اور مرتے وقت نصیحت کی تھی۔ بیٹا ——! یہ جادو کی انگوٹھی ہے، سنبھال کر رکھنا۔ آج کل چور اُچکے بہت ہیں۔ بس اُسی وقت سے میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ کیا مجال کوئی اُچکا اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ بھی جائے۔ اُس کی آنکھیں نکال دوں گا۔ ہاں ——"

شمشیر اس "یاوہ گوئی" پر تڑپ اُٹھا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔"

"سیدھی طرح کیوں بتاؤں؟ کیا اپنی طرح مجھے بھی بے وقوف سمجھتے ہو۔ واہ —— یہ اچھی رہی، ایک تو انگوٹھی دکھاؤ۔ دوسرے سیدھی طرح بتاؤ کہ کہاں سے لی ہے؟ بھلا میں تمہیں کیوں بتاؤں کہ یہ انگوٹھی مجھے نیلی نے دی ہے —— ہاں، میں تمہاری

طرح بڑھو نہیں.....

ابھی بھیانک آدمی کا سلسلۂ کلام جاری تھا کہ شمشیر نے اُسے غافل پا کر اچانک حملہ کر دیا اور اس پھرتی سے تلوار ماری کہ نیلی کے ہونٹوں پر چیخ تڑپ اُٹھی۔ کیونکہ شمشیر کی تلوار بجلی کی طرح سیدھی بھیانک آدمی کی گردن پر آئی تھی۔ شمشیر نے ایسا جچا تُلا ہاتھ مارا تھا کہ ایک ہی وار سے گردن کٹ کر لڑھک جاتی لیکن نجانے اُس آدمی نے کس صفائی کا مظاہرہ کیا اور مہلک وار کیسے بچا گیا۔ نیلی نے اُسے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ حرکت کرتے دیکھا تھا۔ پھر اُس کی سیدھی لمبی شمشیر کوندے کی طرح لپکی تھی جس سے واضح ہو گیا کہ وہ غافل ہرگز نہیں تھا کیونکہ غافل آدمی اتنی تیزی سے حرکت نہیں کرتا۔ نہ حریف کا ناگہانی وار روک سکتا ہے۔

بہرحال جو کچھ بھی ہوا پلک جھپکنے کے اندر ہو گیا اور نیلی یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ شمشیر کی تلوار اس کے ہاتھ سے نکل کر پرندے کی طرح اُڑتی چلی گئی اور "جھنن" کی جھنکار کے ساتھ دُور جا گری۔ وہ بے دست و پا ہو چکا تھا اور اُس کا "پُراسرار دشمن" بدستور شمشیر تھامے سامنے کھڑا تھا۔

یہ اُس بھیانک آدمی کی شمشیر زنی کی مہارت کا حیرت انگیز مظاہرہ تھا جس نے نیلی کو دم بخود کر دیا اور اس کے ہونٹوں پر تڑپنے والی غمناک چیخ آوازۂ مسرت میں بدل گئی۔

شمشیر اِس طرح بدحواس کھڑا تھا جیسے موت نے اُسے دبوچ لیا ہو۔ بھیانک آدمی کی نوکِ شمشیر اُس کے سینے کو چھو رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا —— "یار شمشیر کے معاملے میں تو تم بڑے اناڑی ہو۔ نہ جانے ولی عہد بن جانے کا مشورہ تمہیں کس بے وقوف نے دیا تھا۔"

شمشیر کی نبضوں میں خون رُک رُک کر چلنے لگا۔ اس نے زندگی میں کبھی اس قسم کا عجیب و غریب آدمی دیکھا تھا نہ ایسی ذلت آفریں شکست اُٹھائی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ بھیانک آدمی اس کی آنکھوں کے گوشوں سے جھانکتے خوف کو دیکھ کر بولا۔

—— "گھبراؤ نہیں، میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ میرا نام "شمشیر ٹاکو" ہے اور میں اپنے دشمن کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا عادی ہوں۔ تم زندگی سے چھٹکارا چاہو گے لیکن زندگی تمہیں نہیں چھوڑے گی۔ تم مرنے کی تمنا کرو گے مگر موت تمہارے قریب نہیں آئے گی۔

تھی کہ ایک روز تم میرے پاؤں پر سر رکھ دو گے۔ کیوں —— رکھ دو گے نا، یار! بولو تو سہی تمہاری سِٹی کیوں گم ہو گئی؟"

مگر شمشیر کی قوتِ گویائی جیسے سلب ہو چکی تھی۔

"ولی عہد صاحب! ایسی بھی کیا بے رُخی، تم نے تو چپ کا روزہ رکھ لیا۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔ پھر ملاقات ہو گی۔ اب اجازت دو اور ہاں پائیں باغ میں تمہارے شمشیر زنوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ تیمور کے ساتھ ان بیچاروں کے کفن دفن کا انتظام بھی کر دینا۔ کیا یاد کریں گے۔"

اس کی شمشیر بدستور شمشیر کے سینے پر تنی تھی۔ اپنی توجہ ہٹائے بغیر بولا۔ "نیلی! تم بھی ولی عہد صاحب سے رخصت لو اور دریچے سے پائیں باغ میں کود جاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔"

نیلی نے فوراً ہدایت پر عمل کیا اور دریچے سے باغ میں کود گئی۔ بھیانک آدمی نے ایک بار پھر انگوٹھی والا ہاتھ لہرایا اور بولا —— "یار ولی عہد صاحب! معاف کرنا یہ انگوٹھی میرے مرحوم باپ کی نشانی ہے ورنہ تمہیں بخش دیتا۔"

یہ کہہ کر لپک کر دریچے کے پاس پہنچا اور باہر کود گیا۔ پھر دریچے کے پٹ بند ہو گئے۔

شمشیر کے ہوش و حواس سلب ہو چکے تھے۔ بُت کی طرح ساکت و صامت کھڑا رہا۔ اچانک اس نے تلوار اُٹھائی اور دروازہ کی طرف بھاگا۔ جب دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ دونوں شمشیر زن ننگی تلواریں اُٹھائے پہرہ دے رہے تھے اور شگوفہ اپنے حجرہ میں سہمی بیٹھی تھی۔ شمشیر کو دیکھتے ہی دونوں ساتھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے لیکن شمشیر غلام گردش کا موڑ کاٹ کر بھاگتا چلا گیا۔

پائیں باغ میں اِملی کے پیڑ کے نیچے تین شمشیر زنوں کی لاشیں قطار میں پڑی تھیں اور تین شمشیریں اُن کے سینوں میں پیوست تھیں۔ پائیں باغ میں بھیانک آدمی اور نیلی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

(منظر ۷۹)

عجب ملاقات

○

بھیانک آدمی نیلی کا ہاتھ تھامے بائیں باغ میں گھنے پودوں کی آڑ میں بھاگتا چلا گیا۔ تھوڑی دُور جا کر باغ چھوڑ کر غلام گردش میں آ گیا اور بھول بھلیوں کی طرح مختلف موڑ کاٹتا ملکہ جہاں کے قصر میں اس چھوٹے سے کمرے میں داخل ہُوا جہاں سے ایک زینہ اُوپر جاتا تھا۔

انہیں دیکھتے ہی شاہی محل کی کنیز خاص دلارام اور ظریف کماندار نجانے اچانک کہاں سے نمودار ہو گئے۔ نیلی کو تو یوں لگا تھا جیسے وہ کسی طلسم سے یک لخت عدم سے وجود میں آ گئے ہوں۔

یہ وہی کمرہ تھا جس میں سرنگ کا خفیہ دھانہ تھا۔ ظریف کماندار نے آگے بڑھ کر زینہ کا پتھر ہٹایا اور خفیہ رستے کا دہانہ کھُل گیا پھر چاروں باری باری سیڑھیاں اُتر کر سرنگ میں آ گئے اور ظریف کماندار نے خفیہ دھانے کو بند کر دیا۔ سرنگ میں اندھیرا تھا لیکن دلارام نے فوراً موم شمع روشن کر لی جس کی روشنی میں وہ با آسانی آگے بڑھتے رہے۔ نیلی تصویرِ حیرت بنی جیسے کٹ پتلی کی طرح کسی کے اشارے پر حرکت کر رہی تھی۔

شاہی محل کی خفیہ سرنگ باغِ نوروز کے ایک حجرہ میں نکلتی تھی۔ یہ حجرہ باغ کے اس حصّہ میں تھا جو کبھی زمانہ میں نوروز خاندان کی شہزادیوں اور بیگمات کی

سیر و تفریح کے لیے مخصوص تھا۔ کوئی نامحرم اِدھر پاؤں بھی نہیں رکھ سکتا تھا لیکن جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، باغ مدت سے ویران پڑا تھا۔ سنگِ سُرخ کی بارہ دری اُجاڑ تھی اور وہ حوض جو کبھی وقت پانی سے بھرا رہتا تھا اور جس میں سیمیں بدن شہزادیاں تیرتی اور نہاتی تھیں خشک ہو چکا تھا۔ فقط برسات کے ایّام میں اس کے اندر کچھ پانی جمع ہو جاتا جو سڑاند اور بساند کے مرحلوں سے گزرتا ہُوا سوکھ جایا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حوض کی تہ میں سبز کائی اور جالے کے حلقے سے نظر آتے تھے۔

اس حوض کے مغرب میں شہزادیوں اور بیگمات کے آرام کے لیے ایک ہشت پہلو عمارت تھی جس کے آٹھ دروں میں سے پانچ درے اینٹوں سے بند کر دیئے گئے تھے۔ صرف تین درے، تین دروازے کھلے تھے۔

بھیانک آدمی نے نیلی، دلارام اور ظریف کماندار کے ساتھ سرنگ کے حجرہ سے نکل کر اسی ہشت پہلو عمارت کا رُخ کیا لیکن جونہی حوض کے پاس سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے نیلی ہشت پہلو عمارت کے اندر متعدد سایوں کو حرکت کرتے دیکھ کر ششدر رہ گئی جب بھیانک آدمی انہیں ساتھ لے کر ایک درے میں داخل ہُوا عمارت کے اندر گھومتے پھرتے ہوئے سائے مؤدب ہو گئے۔ نیلی نے حیرت پاش نگاہوں سے دیکھا۔ وہ لوگ تعداد میں ستّر اسّی سے کم نہ تھے۔ ان کے لباس قریباً ایک جیسے تھے اور وہ ہشت پہلو عمارت میں چھاؤنی ڈالے پڑے تھے۔ اسے یہ سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ یہ "شمشیر ڈاکو" کے وہی پُر اسرار ساتھی تھے جنہوں نے رات کو گونا بستی میں اچانک ولی عہد کے محافظ سواروں کو گھیر لیا اور مارتے کاٹتے اُنہیں سانگا ندی کے پار بھگا دیا تھا۔

اب اسے "شمشیر ڈاکو" کی قوت کا احساس ہُوا۔ وہ کوئی معمولی آدمی ہرگز نہیں تھا۔ نیلی نے چور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک طرف کھڑا اپنے جانبازوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ فوراً ہی ان سے رخصت ہو کر عمارت کے مشرقی گوشے کی طرف ہو لیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا الگ تھلگ کمرہ بنا ہُوا تھا۔ نیلی نے حیرت و استعجاب کے عالم میں لوگوں کو نہایت خاموشی سے بکھرتے اپنے اپنے ٹھکانوں، اپنے اپنے حلقوں میں جاتے دیکھا۔ پھر دلارام کے ساتھ اس نے بھی اس کمرے کا رُخ کیا جہاں بھیانک آدمی ظریف کماندار کے ہمراہ داخل ہُوا۔

وہ ایک مختصر سا حجرہ تھا جس کی مشرقی دیوار کے ساتھ چوبی تخت بچھا تھا۔ تخت قالین سے آراستہ تھا۔ اسی دیوار میں چند ہاتھ کے فاصلے پہ ایک چھوٹا سا غرفہ تھا۔ غرفہ کے دہانے سے خشک حوض، سنگِ سرخ کی ویران و سنسان بارہ دری اور وہ گنبد نما حجرہ نظر آتا تھا جس کے اندر خفیہ سرنگ کا دہانہ کھلتا تھا۔

نیلی دلارام کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئی تو ظریف کماندار نے دروازہ ہی میں جھک کر سلام کیا اور باقاعدہ کورنش ادا کی۔ نیلی حیران و ششدر دیکھتی ہی رہ گئی۔ ظریف کماندار نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کیا سمندر نگر کی ہونے والی ملکہ نیلوفر میرا سلام قبول نہیں فرمائیں گی؟"

نیلی کی حیرت پاش نگاہیں ظریف کماندار پہ مرتکز ہو گئیں۔ دلارام نے بھی بڑے مودب پیرایہ میں اپنے ہاتھ سینے پہ باندھ لیے اور نیلی کے سامنے گردن کو ذرا سا خم دے کر بتانے لگی۔

"بانو حضور! ظریف کماندار ولی عہد سلطنت شہزادہ خرم ذی شان کا بڑا مخلص اور بے تکلف دوست ہے اور شہزادۂ عالی سے بھی ہنسی مذاق سے باز نہیں آتا۔"

"مگر اس وقت مذاق نہیں صرف سلام کر رہا ہوں۔" کماندار کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

دلارام کے رویہ نے نیلی کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ وہ بھی اس حجرہ میں آتے ہی اچانک بڑی مودب ہو گئی تھی۔ نیلی کو یہ تکلف ——— یہ مذاق پسند نہ تھا۔ اس کے ذہن میں تو ایک اور ہی آندھی چل رہی تھی اور وہ اپنے محبوب شہزادے ——— اپنے خرم سے ملنے کے لیے بے چین تھی اس نے پوچھا۔

"دلارام! یہ بتاؤ شہزادۂ عالی کہاں ہیں؟"

"شہزادۂ عالی؟" دلارام تعجب سے بولی۔ "ابھی تو آپ "شہزادۂ عالی" کے کمرے سے آ رہی ہیں۔"

اگر میں بروقت نہ پہنچ جاتا تو "شہزادہ صاحب" نے نیلی کو اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی میں پہنچا دیا ہوتا۔" بھیانک آدمی جسے وہ "شمشیر ڈاکو" کے نام سے جانتی تھی۔ اچانک ہی مخمل کے بھاری اور دبیز پردے سے نکل کر سامنے آ گیا جس نے حجرہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

اپنے خوفناک محسن کو دیکھ کر نیلی کی آنکھوں میں ممنونیت کی جھلک نمودار ہوئی۔

آہستہ سے بولی۔ "میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ اگر آپ بروقت نہ آتے تو میری زندگی واقعی خطرے میں تھی۔"

"مگر وہ انگوٹھی کا کیا قصہ تھا؟" بھیانک آدمی اپنی اُلجھی ہوئی داڑھی کھجانے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت رقص کر رہی تھی۔

نیلی نے جواب دیا۔ "دلارام جانتی ہے۔"

"مگر ہم بھی تو سنیں۔ ولی عہد کی انگوٹھی تمہارے پاس کیسے پہنچ گئی؟"

بنتِ شاہو کے چہرے پر شرم و ندامت اور پریشانی کے ملے جلے آثار ہویدا ہوئے اس نے بے بسی سے دلارام کی طرف دیکھا۔ "دلارام! تم انہیں بتا دو۔"

"نہیں" بھیانک آدمی فوراً بولا "ہم تمہاری کہانی تمہاری زبانی سنیں گے۔"

نیلی کو ہچکچاتے، گھبراتے دیکھ کر اس نے پھر کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو تم ولی عہد پہ گرج برس رہی تھیں۔ تم نے خنجر نکال کر اس شیر کی سٹی گم کر دی تھی مگر ہمارے سامنے ہچکچا رہی ہو کیا ہم شہزادے سے بھی بڑے ہیں۔"

دلارام نے اصرار کیا۔ "بانو! یہ آپ کے محسن ہیں۔ انہیں انگوٹھی والا قصہ سنا دیجیے نا ———"

مجبوراً نیلی کو چودھویں رات کا واقعہ دہرانا پڑا جو پہلے دلارام کو سنا چکی تھی اس نے بتایا کہ چاند کی چودھویں رات کو کس طرح شہزادہ زخمی ہو کر گونا بستی میں آیا اور چار دن ان کا مہمان رہا۔ چوتھے روز اس نے اپنی شاہی انگوٹھی نیلی کے ہاتھ میں پہنا دی۔ یہ کہانی اس وقت ایک سنسنی خیز تحیر میں داخل ہوئی جب "شہزادہ خرم" محافظ دستہ کے ہمراہ رات کو گونا بستی پہنچ گیا اور نیلی سے انگوٹھی کا مطالبہ کرنے لگا۔ نیلی نے بتایا "شہزادہ" نے اُسے جاننے پہچاننے سے انکار کر دیا اور پوچھنے لگا۔ "اس نے انگوٹھی کہاں سے لی ہے؟" وہ اس سوال سے دم بخود رہ گئی۔ "ولی عہد" کی بے رخی، بے وفائی، بے رحمی پر اس کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ تقدیر سے لڑنے کی بجائے اپنی شکست قبول کرے گی اور کل ہی شاہی محل میں پہنچ کر انگوٹھی ملکہ جہاں کو واپس کر دے گی چنانچہ آج وہ انگوٹھی واپس کرنے آئی تھی کہ دلارام اسے اپنے حجرے میں لے گئی جہاں اس نے اپنے محبوب شہزادہ خرم کو دیکھا

اس کی باتیں سنیں اور دنگ رہ گئی کیونکہ وہ رات والے "شہزادہ خرم" سے بہت مختلف تھا مگر یہ سمجھ کر کہ وہ شاید اپنی شاہی مصلحتوں کے باعث مجبور ہے اس نے اپنے محبوب کی امانت لوٹا دی اور وہاں سے نکل آئی مگر آج وہ شہزادی گلبانو کے کمرے میں پہنچی تو شہزادہ خرم" پھر اچانک نمودار ہوا اور اسے مجبور کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ اب وہ پھر اسی وحشی انسان کا روپ اختیار کر چکا تھا جس نے رات گونا بستی میں اس کے خرمنِ محبت کو پھونک دیا تھا۔ نیلی نے کہا۔

"اس نے پھر مجھ سے انگوٹھی کا مطالبہ کیا جسے میں تھوڑی دیر پہلے واپس کر آئی تھی میں حیران و ششدر رہ گئی اور سمجھی شاید مذاق کر رہا ہے لیکن وہ مذاق ہرگز نہ تھا اس نے میری کلائی دبوچ لی اور وحشیانہ جھٹکا دیا بس اس جھٹکے میں میری آنکھوں نے ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا اور مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ یہ وہ آدمی ہرگز نہیں جس نے میرے دل میں محبت کی شمع جلائی تھی بلکہ اسی شکل و صورت، اسی نام کا دوسرا آدمی ہے ـــــ وہ شہزادہ خرم ہرگز نہیں یقیناً کوئی لٹیرا ہے۔"

"بہت دیر سے سمجھیں لیکن خیر..... سمجھ تو گئیں۔" بھیانک آدمی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ "مگر تم نے ایک ہی نام، ایک ہی شکل کے دو آدمیوں میں امتیاز کیسے کر لیا؟"

"کان کی لَو سے۔ لٹیرے شہزادہ کے دائیں کان کی لَو کٹی ہوئی ہے۔"

اس انکشاف پر دلارام اور ظریف کماندار ششدر رہ گئے۔

اپنی کہانی سنانے کے بعد نیلی پھر دلارام سے مخاطب ہوئی۔ "تم بتاتی کیوں نہیں، شہزادۂ عالی کہاں ہیں؟"

"نہیں...... ہیں...... آ جائیں گے۔"

"کب آ جائیں گے؟" نیلی بضد ہو کر بولی۔ "وہ جہاں بھی ہوں مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

"مگر شہزادہ خرم سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟" بھیانک آدمی نے کہا۔ "جب تم اس سے ترکِ تعلق کر چکیں، محبت کا تحفہ لوٹا چکیں تو اب خرم سے کیا کام؟"

"میں نے غلط فہمی میں ان کا دل دکھایا ہے۔ معافی مانگنا چاہتی ہوں۔"

"مگر مجھے تو اطلاع ملی ہے جب سے تم نے انگوٹھی واپس کی اور روٹھ کر گئی ہو شہزادہ خرم نے اپنے دوستوں سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے دنیا ترک کر دی۔ نہ جانے کہاں گوشۂ تنہائی میں بیٹھا تڑپ رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے تم شہزادہ خرم کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اُسے بھول جاؤ۔"

"نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" یہ کہہ کر نیلی نے دلارام کو جھنجھوڑ دیا اور کپکپاتی آواز میں بولی۔ "دلارام! خدا کے لیے مجھے شہزادہ خرم کے پاس لے چلو۔ وہ مجھے ضرور معاف کر دیں گے۔"

دلارام نے کوئی جواب نہ دیا مگر بھیانک آدمی نے پھر سوال کر دیا۔

"تو کیا تم نے جھوٹ موٹ کا ترکِ تعلق کیا تھا؟"

نیلی کی پلکوں پہ آنسوؤں کے قطرے لرزنے لگے۔ یہی اس سوال کا جواب تھا۔

بنتِ شاہو کی بے چینی، بے قراری اور تڑپ دیکھ کر ظریف کماندار کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ بھیانک آدمی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "اب بات کو زیادہ پریشان نہ کیجئے شہزادۂ عالی!"

یہ کہہ کر اس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر بھیانک آدمی کی داڑھی پکڑ لی اور اسے ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔ وہ کہتا ہی رہا۔

"ارے گستاخ ـــــ! بدتمیز!! داڑھی کی توہین کر رہے ہو۔"

مگر ظریف کماندار نے ایک نہ سنی بھیانک آدمی کی خوفناک گھنی داڑھی اس کے ہاتھ میں لٹک رہی تھی اور نیلی کے سامنے شہزادہ خرم ذی شان کھڑا تھا۔ اس کا محبوب یہ تماشا دیکھ کر حیران ششدر رہ گئی۔ ظریف کماندار نے فوراً دلارام کا ہاتھ پکڑا اور یہ کہہ کر۔ "قربانت شوم! ذرا بات تو سنو" اسے باہر کھینچ لے گیا۔

شہزادہ خرم کے لبوں پر تبسم دیکھ کر نیلی کے دل میں بجھتے چراغ پھر جل اٹھے۔ محبت کے کنول پھر کھل اٹھے ہونٹوں کے گوشے پھڑپھڑانے لگے۔

"شہزادۂ عالی ـــــ!"

اور لپک کر اس کے بازوؤں میں سما گئی۔ ولی عہد نے مسکرا کر کہا۔

"شہزادۂ عالی نہیں ـــــ خرم......"

اس نے نیلی کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اُوپر اُٹھایا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ سُرخ سُرخ نتھنے گلاب کی پنکھڑی کی مانند پھڑک رہے تھے۔ خرم حیران ہو کر بولا۔

"نیلی ۔۔۔! یہ رونے کا کون سا مقام ہے؟"

بنت شاہو گلوگیر آواز میں کہنے لگی۔

"آپ نے مجھ سے حقیقت کیوں چھپائی۔ صاف صاف کیوں نہ بتا دیا کہ آپ کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر جب آپ گوناں بستی میں ٹھہرے ہوئے تھے آپ کا ایک ہم شکل تخت و تاج کا دعویدار بن بیٹھا ہے۔"

خرم نے حیرت آمیز مسکراہٹ سے کہا۔

"ارے ۔۔۔۔ تم تو سب کچھ جانتی ہو۔"

"مگر یہ بھید مجھ پر آج ہی کھلا ہے ورنہ یہی سمجھتی رہی آپ نے محبت کے نام پر میرے ساتھ ایک خوفناک مذاق کیا تھا۔ کھلونا سمجھ کر مجھ سے کھیلنا چاہا تھا ۔۔۔ میں غریب جو تھی۔"

خرم نے نیلی کے آنسو پونچھتے ہوئے پیار بھرے لہجہ میں کہا۔

"نیلی! کیا میں اتنا ہی ظالم نظر آتا ہوں۔ تم نے میری محبت پر، میری وفا پر یقین کیوں نہ کیا؟" پھر خود ہی کہنے لگا۔ "لیکن اس میں تمہارا بھی کیا قصور ۔۔۔ حالات نے شکل ہی ایسی اختیار کر لی تھی۔ میرے دشمن نے کھیل ہی ایسا کھیلا کہ تم تو کیا امی حضور تک دھوکا کھا گئیں اس کی شکل حیرت انگیز طور پر مجھ سے ملتی ہے اور اسی شکل کی وجہ سے اس نے مجھے سلطنت اور محبت سے بھی محروم کر دینا چاہا۔"

نیلی کا ہاتھ تھام کر وہ چوبی تخت پر بیٹھ گیا اور بتانے لگا گوناں بستی سے واپسی کے بعد جب وہ اسے سردار شاہو کے ساتھ سہتے شہر پناہ میں چھوڑ کر نکلا تو سرائے کے منتظم داراب ہی کی زبانی پتہ چل گیا تھا کہ شہزادہ خرم کو سمندر نگر میں آئے تو چار روز ہو چکے ہیں اور شہر میں اسی کی آمد پر چراغاں ہو رہا ہے۔ پھر اس نے بتایا۔ وہ دوسرے دن دربار جشن میں پہنچا جہاں نیلی کو رقص کرنا تھا تو یہ دیکھ کر تصویر حیرت بن گیا کہ ہو بہو اس کا ہم شکل ولی عہد بن کر ملکہ جہاں کے پہلو میں بیٹھا تھا۔

قدرت کے اس بھیانک مذاق پر جو کیفیت ہوئی اس کا اندازہ بھلا کون لگا

ہے لیکن اسی روز وہ اپنے دوست ظریف کماندار کی جاگیر پر پہنچ گیا اور اسی رات نے شہزادہ خرم سے "شمشیر ڈاکو" کا روپ دھار لیا کیونکہ اس کا ہم شکل دراصل سالگا کا خوفناک لٹیرا شمشیر ہی تھا۔

نیلی یہ داستان سُن کر دنگ رہ گئی اس نے پوچھا۔

"لیکن آپ کو بھیس بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھے ملکہ جہاں کے پاس جاتے اس دھوکے باز کی قلعی کھول دیتے۔"

خرم نے بتایا اگر وہ اپنی اصل شکل کے ساتھ محل میں داخل ہوتا تو ملکہ جہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا کیونکہ شمشیر نے اس کے ہم شکل ٹھاکو کی کہانی تراش کر اس کی ہلاکت کا جملہ انتظام پہلے ہی کر لیا تھا۔ اگر وہ کسی طرح ملکہ جہاں تک پہنچ بھی جاتا تو وہ ٹھاکو جو اپنی شکل سے فائدہ اٹھا کر صرف سلطنت پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ اپنے پچاس ساتھیوں کے ساتھ نہ صرف محل پر قبضہ کر لیتا بلکہ ملکہ اور شہزادی گلبانو کے علاوہ نوروز خاندان کے دیگر افراد کی زندگیاں بھی خطرہ میں پڑ جاتیں اور کیا عجب وہ انہیں قتل ہی کر دیتا۔

سلطان مرحوم کی ایک معمر پھپی اور دو بہنیں اپنے کنبوں سمیت شاہی محلات کی چار دیواری کے اندر مقیم تھیں جنہیں نوروز خاندان میں بڑی اہمیت حاصل تھی علاوہ ازیں ملکہ جہاں کے چند عزیز بھی انہی قصروں میں آباد تھے جو جنوب کی جانب قصر گریز سے ملحق تھے۔ خرم نے انکشاف کیا نوروز خاندان کے نو مرد، گیارہ خواتین اور تیرہ بچے خطرے میں تھے جن میں اس کے رشتہ کے بھائی بہن بھی شامل تھے۔ ان کی زندگی بچانے کی خاطر مجبوراً اسے ایک نیا راستہ اختیار کرنا اور شمشیر ڈاکو کا روپ دھارنا پڑا۔

اب نیلی کو پتہ چلا۔ اس کے محبوب شہزادے کو کیسی کیسی پریشانیوں کا سامنا تھا اور اس نے کس ہوشیاری کے ساتھ شمشیر کا فریب اسی پر اُلٹ دیا تھا۔ خرم نے بتایا وہ اپنے دشمن کو ذہنی طور پر حواس باختہ کر چکا ہے۔ بہت جلد اسے زندہ گرفتار کر لے گا۔ ہاں وہ اسے زندہ ہی گرفتار کرنا چاہتا ہے صرف ہلاکت ہی مقصود ہوتی تو کبھی کا ہلاک کر چکا ہوتا۔ اسی لمحے دروازے پر کھٹکا ہوا۔ پھر ظریف کماندار کی آواز سنائی دی۔ "باادب ۔۔۔۔ باملاحظہ ۔۔۔۔ ہوشیار ۔۔۔۔ ظریف کماندار خلوت کو جلوت میں بدلنے اور رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لیے حاضر خدمت ہو رہا ہے ۔۔۔۔"

اس آواز کے ساتھ ہی کماندار دلارام کا ہاتھ تھامے اور اسے قریباً گھسیٹتا ہوا کمرے میں داخل ہوا ۔ خرم اور نیلی مسکرا کر رہ گئے ۔ اس نے آتے ہی خبر سنائی ۔

"شہزادۂ عالی ـــــ ! ولی عہد بہادر نے حکم صادر کیا ہے کہ شاہی محل کی کنیز خاص دلارام اور اس کے خالہ زاد عبدالشان کو فوراً حاضر کیا جائے ۔"

خرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ فوراً کافور ہوگئی پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا ۔

"فی الحال محتاط رہو ۔ وہ اپنی شکست و ناکامی کا غصہ دلارام پر اتارنا چاہتا ہے ـــــ بھیڑیئے کو اپنے زخم چاٹنے دو ۔"

(منظر ۴۰)

انکشاف

شمشیر کی حالت فی الواقع بہت ابتر تھی ۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے تقدیر اس کے خلاف صف آرا ہو چکی ہے ۔

تھوڑی دیر پہلے جب اس کا پُراسرار دشمن " نیلی کو لیکر پائیں باغ کے دریچہ سے فرار ہوا چند ساعتوں کے لیے اس کے ہوش و حواس تک جواب دے گئے تھے پھر سنبھلا اور بڑی پھرتی سے باہر بھاگا تھا لیکن پائیں باغ میں اسے کوئی سایہ بھی نہ مل سکا تھا ۔ اس نے اپنے تینوں شمشیر زنوں کی لاشیں کمرۂ خاص ہی میں منتقل کر دی تھیں جہاں پہلے ہی تیمور کی لاش اس کے منصوبہ کا مضحکہ اُڑا رہی تھی ۔ شمشیر کے پچاس ساتھیوں میں سے بیس ختم ہو چکے تھے جن میں وہ اس کے بہترین نائب، اس کے دماغ اور بازو سمجھے جاتے تھے ۔ لاچی خان اور تیمور صرف آٹھ پہر کے اندر یکے بعد دیگرے کٹ چکے تھے ۔ اب وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو چکا تھا ۔

شمشیر کے ساتھ اس کے دونوں شمشیر زنوں کے رنگ بھی اُڑ گئے تھے جنہوں نے اپنے تین ساتھیوں کی لاشیں پائیں باغ میں اُٹھا کر کمرۂ خاص میں پہنچائی تھیں اور اس وقت شمشیر سے چند قدم کے فاصلے پر اس کے نئے حکم کے منتظر تھے بالخصوص تیمور ایسے

بہادر کی موت نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا۔ شمشیر اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ شاہی محل سے یکے بعد دیگرے چار لاشوں کا نکلنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہوتیں اور بات ملکہ جہاں تک پہنچ جاتی۔ وہ چاہتا تھا کوئی ایسی ترکیب کرے کہ لاشیں یا تو کہیں پائیں باغ ہی میں گڑھا کھود کر دفن کر دی جائیں، یا انہیں کسی عقبی راستہ سے چپ چاپ محل سے باہر نکال دیا جائے مگر یہ اس کے بختِ نارسا کی نحوست ہی تھی۔ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ملکہ جہاں ہوا کے تیز جھونکے کی مانند اندر داخل ہوئی۔ شگوفہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اندر پہنچی۔ چند قدم کے فاصلے پر پیچھے پیچھے شاہی محل کا داروغہ خوب صورت بیگ پانچ مسلح محافظوں کے ہمراہ چلا آتا تھا۔

ملکہ جہاں کو دیکھتے ہی شمشیر یوں اچھل کر کھڑا ہوا جیسے کسی انتہائی زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ چہرے کا رنگ اور پیلا پڑ گیا۔ ذہن میں بھونچال سا آ گیا۔ ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

"امی حضور ——— ! آپ ...... ؟"

ملکہ جہاں جواب دیئے بغیر تیزی سے آگے بڑھی اور ٹھیک تیمور کی لاش سے دو قدم پر رک گئی۔ شمشیر زنوں کی لاشیں اس سے پرے قطار میں رکھی تھیں ملکہ جہاں نے چاروں لاشوں کو دیکھا اس کی نگاہوں میں حیرت ضرور تھی۔ مگر خوف ہرگز نہیں تھا پھر اس نے شمشیر کی طرف نظر اٹھائی اور غصہ و تحکم سے بولی۔

"خرم ——— ! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"

شمشیر کے عیار دماغ نے فوراً ایک کہانی تراش لی اور بتایا۔ محافظ دستہ کے یہ تینوں شمشیر زن اپنے افسر تیمور سے باغی ہو گئے تھے۔ انہوں نے جوش میں تلواریں کھینچ لیں اور نتیجہ ان چاروں کی ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

"اور یہ لڑائی تمہارے کمرے میں ہوئی تھی؟"

"جی ..... جی ہاں ..... میں نے تھوڑی دیر پہلے تیمور کو بلایا تھا۔ ابھی وہ مجھ سے گفتگو کر رہا تھا کہ یہ تینوں تلواریں سونتے داخل ہوئے ....."

شمشیر نے صاف جھوٹ بولا۔

"خوب" ——— ملکہ جہاں مضحکہ سا اڑاتے ہوئے کہنے لگی ——— "محافظ دستہ

کے سپاہیوں میں یہ حوصلہ کب سے پیدا ہو گیا کہ وہ تلواریں سونتے ولی عہد کے کمرۂ خاص میں داخل ہونے کی جرأت کریں؟"

شمشیر بغلیں جھانکنے لگا۔ اس کے پاس ملکہ کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ ادھر شگوفہ حیران و دم بخود اس کے چہرہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی شہزادہ صریح جھوٹ بول رہا تھا۔ مگر کیوں ——— جب کہ وہ ملکہ جہاں کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کر چکی تھی۔

"آج کوئی لڑکی بھی تمہارے کمرے میں لائی گئی تھی؟"

یہ سوال نوکِ تلوار کی طرح اس کے دل میں چبھ کر رہ گیا۔ اس کی نظریں دوڑ کر شگوفہ کے چہرے پر پڑیں اور وہ بھانپ گئی۔ اسے انتباہ کر دیا گیا تھا اگر اس نے کسی سے گونا بستی کے سردار کی بیٹی کا تذکرہ کیا تو وہ زندہ نہ رہے گی اور شگوفہ نے اس واضح حکم کی خلاف ورزی کر کے اس کے غرور کو للکارا تھا پھر وہ ملکہ جہاں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ گونا بستی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلی تھی۔ اس پر ایک الزام ہے اور اسی الزام کے سلسلہ میں اُسے طلب کیا گیا تھا۔"

"رات تم نے گونا بستی پر حملہ بھی کیا تھا؟"

ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شمشیر کٹ کر رہ گیا مگر جواب دینے کی بجائے اس نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ اس کی خاموشی سے ملکہ سمجھ گئی اس کے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ وہ "اپنے بیٹے" کی خودسری پر بے حد غمگین اور پریشان تھی۔ ہر آنے والا نیا دن ایک نئی کہانی بیان کرتا تھا۔ محسوس کر رہی تھی، شوہر کی وفات کے بعد اس نے "شہزادہ خرم" پر جتنی محنت کی تھی وہ ضائع ہو چکی ہے۔ زندگی میں پہلی بار مایوس ہوئی تھی۔

"خرم ——— ! تم پہاڑی قلعہ سے جن نئے دوستوں کو ساتھ لے کر آئے مجھے ان پر پہلے ہی اعتماد نہیں تھا۔ آج ثابت ہو گیا۔ میرے خدشات درست تھے۔ تم نے ناقابلِ اعتبار اور سرکش آدمیوں کو اپنے محافظ دستہ میں جگہ دے کر ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے میں آج ہی سپہ سالار رستم سے کہہ کر محافظ دستہ کو بدل دوں گی۔"

"امی حضور ——— !" شمشیر جلدی سے پلٹا۔ اس کی آواز میں احتجاج تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری اس خودسری کو برداشت نہیں کر سکتی۔ تم کئی اہم باتیں مجھ سے پوشیدہ رکھنے اور جھوٹ بولنا سیکھ گئے ہو۔ شاہی محل کے پہریداروں کا

افسر مجھے بتا چکا ہے۔ تیمور اپنے پانچ سپاہیوں کے ہمراہ محل میں داخل ہوا تھا اور تم کہتے ہو۔ تین محافظ اس سے جھگڑنے کا ارادہ لے کر بعد میں آئے تھے۔ آخر تمہیں اس غلط بیانی کی ضرورت کیوں پیش آئی ——— ؟"

شمشیر کے ماتھے پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ جواب دیتا بھی۔ ملکہ جہاں داروغۂ محلات خوب صورت بیگ سے مخاطب ہوئی۔

"خوب صورت بیگ ——— ! جب تک نئے محافظ دستہ کا تقرر عمل میں نہیں آتا۔ ولی عہد کی حفاظت کا فرض تمہارے سپرد کیا جاتا ہے۔ خبردار ——— ! کوئی آدمی ہتھیار لے کر شہزادہ خرم کے کمرہ میں داخل نہ ہو۔ ان شمشیر زنوں کو فوراً رخصت کر دو اور یہ چاروں لاشیں اپنی نگرانی میں دفن کرا دو۔ اس سلسلے میں کسی اور کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ تجہیز و تکفین کے معاملے میں پوری احتیاط ملحوظ رکھو۔"

یہ کہہ کر ملکہ مڑی۔ اس نے شمشیر کو کچھ کہنے سننے کا موقع نہیں دیا اور کمرے سے نکل گئی۔ بشگوفہ بدستور اس کے پیچھے لپکتی جھجکتی چلی۔ اب وہ ایک ساعت کے لیے بھی یہاں ٹھہرنا اور شہزادۂ عالی کے عتاب کا شکار نہ ہونا چاہتی تھی۔

ملکہ جہاں کے نکلتے ہی خوب صورت بیگ نے دونوں شمشیر زنوں کو حکم دیا وہ فوراً کمرے سے باہر نکل جائیں۔ شمشیر صورتِ حال کو مزید خراب کرنا نہ چاہتا تھا۔ جب اس کے ساتھیوں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس نے کہا۔

"خوبصورت بیگ کے حکم کی تعمیل کرو۔ اگر ہمیں تمہاری خدمات کی ضرورت پیش آئی۔ تو ہم داروغہ جی سے کہہ کر تمہیں بلوا لیں گے۔"

ساتھی بھی سمجھ گئے۔ ان کا سردار فی الحال جھگڑے سے بچنا چاہتا ہے۔ انہوں نے سلام کیا اور چپ چاپ نکل گئے۔ خوبصورت بیگ نے اپنے مسلح محافظوں کو سمجھایا کہ لاشیں فصیل کے عقبی دروازہ سے باہر پہنچا دیں اور اس کا انتظار کریں۔ محافظ باری باری چاروں لاشیں اُٹھا کر لے گئے تو خوب صورت بیگ نے بھی رخصت طلب کی اور کہا۔

"شہزادۂ عالی ——— !" غلام کو اپنا ادنیٰ خادم سمجھیں۔ حضور کے اشارہ پر اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا دُکھ ہوا کہ محافظ دستہ کے سپاہی برہنہ شمشیریں لے کر حضور کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں حالانکہ کسی شخص کو ہتھیار بند ہو کر قصرِ ذی شان میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔ اگر حضور رکن ... حکم دیا ہوتا۔ کیا مجال کہ کوئی پرندہ بھی پَر مار جائے۔"

شمشیر کا ذہن بے حد پراگندہ تھا۔ فی الواقع اس وقت اسے ایک ایسے ... ضرورت تھی جو اس کے کمرے کی حفاظت کا فریضہ ادا کر سکے۔ پُراسرار دشمن نے دن دہاڑے شاہی محل میں داخل ہو کر اور اس کے دوسرے بازو تیمور کو کاٹ کر شمشیر کو نہ صرف بے دست و پا کر دیا بلکہ اس کے دل و دماغ پر دہشت بٹھا دی تھی۔ اب حیران و پریشان تھا۔ اس نامعلوم دشمن سے اپنا پیچھا کس طرح چھڑائے ؟ خوبصورت بیگ کی زبان سے ہمدردی اور وفاداری کا اظہار سن کر دل کو کسی قدر حوصلہ ہوا اور اس نے جواب دیا۔

"ہمیں افسوس ہے ہم آج تک تمہیں غلط سمجھتے رہے ——— خوب صورت بیگ : اگر تم ہمارا ساتھ دو تو ہم ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"مصیبت . . . . ؟ قربانت شوم . . . . . حضور پر بھلا مصیبت کیوں آئے ؟"

"ہے ایک مصیبت۔ تم آج رات ہمیں ملو۔ ہم بتائیں گے تمہیں کیا کرنا چاہیے اگر اس امتحان میں پورے اُترے تو دربار جلوس پر تمہارا عہدہ بڑھا دیا جائے گا"

خوب صورت بیگ کمر تک جھک گیا۔ "غلام کی عزت افزائی ہو گی سرکار !"

اس کے بعد شمشیر نے داروغہ کو رخصت کر دیا اور خود کمرۂ نشست میں آ کر کرسی پر گر پڑا۔ بڑی شدت کے ساتھ شراب کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ ایک کنیز اس وقت بھی حاضری میں موجود تھی لیکن اس نے خود ہی شراب کی صراحی نکالی، پیمانہ بھرا اور یکے بعد دیگرے کئی جام چڑھا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے برسوں کا پیاسا ہو۔

شراب نے اس کے اُڑے ہوئے ہوش بحال کر دیئے دماغ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عود کر آئی۔

گونا بستی کے سردار شاہو کی لڑکی کے ساتھ ہی اس کے پُراسرار دشمن کا ہیولیٰ بھی ذہن کے پردے پر اُجاگر ہو گیا۔ آج اس نے دوسری بار شکست اُٹھائی۔ اپنا دوسرا بازو کٹوایا۔ اس کے باوجود شاہی انگوٹھی حاصل نہ کر سکا تھا۔ اس نے گزرے حالات پر غور کیا تو محسوس ہوا۔ نیلی اسے فریب دے رہی تھی۔ انگوٹھی سانگا ندی میں پھینک دینا سراسر افسانہ تھا

ورنہ وہی انگوٹھی — وہی مہرِ خاص جس کے لیے وہ کئی دن سے بے چین تھا — اس کے "پُراسرار دشمن" کے ہاتھ میں کیوں نظر آتی ——؟

ساتویں پیمانے پر شمشیر کے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے اور انہیں جھماکوں کے درمیان نیل کے افسانے پر غور کرتا رہا۔ اپنے نامعلوم دشمن "شمشیر ڈاکو" کی حقیقت واصلیت تک پہنچنے کی خاطر حالات کا تجزیہ کرتا رہا اور آج کے واقعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ گونا بستی کے شیخ کے علاوہ اور کوئی شخص "شمشیر ڈاکو" نہیں ہو سکتا۔ وہ جانتا ہے۔ چاند کی چودھویں رات کو سانگا جنگل میں شہزادہ خرم کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا اور کس طرح شمشیر نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شہزادہ کو ختم کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لی ہے۔ چنانچہ جس طرح شمشیر نے "شہزادہ خرم" کا رُوپ دھار لیا ہے اسی طرح گونا بستی کا شیخ "شمشیر ڈاکو" بن کر ڈرا دھمکا رہا ہے لیکن وہ ملکہ بیگم یا اعیانِ سلطنت کو اصل شہزادہ کی موت اور شمشیر کی اصلیت سے اس لیے آگاہ نہیں کر سکتا کہ شاید کوئی بھی اس کی کہانی پر یقین نہ کرے۔ اوّل تو شمشیر کی شکل خرم سے اس قدر ملتی ہے کہ اس پر کسی قسم کا دھوکا ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے شمشیر اور اس کے مشیر لاچی خاں نے تبدیلی کا ڈرامہ اس خوبصورتی سے کھیلا تھا کہ ہر شخص شمشیر کو "شہزادہ خرم" ہی سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے اس کا دشمن حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود شہزادہ خُرم کی موت کا اظہار کرتے ہچکچاتا ہے مگر ہو سکتا ہے کسی روز زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے اس لیے شیخ کو زبان کھولنے سے پہلے ہی ختم کر دینا ضروری ہے۔

لاچی خاں اور تیمور کے بعد اس کی نگاہِ انتخاب بیگو پر پڑی اس کے ساتھیوں میں وہی اب ان کی جگہ سنبھال سکتا تھا نشے کی لہروں کے درمیان اس نے گونا بستی کے شیخ کو گھیر کر اچانک قتل کر دینے کا منصوبہ تیار کر لیا۔

ملکہ جہاں ابھی شام کے کھانے سے فارغ ہوئی تھی کہ خوبصورت بیگ نے فوری حاضری کی اجازت طلب کی۔

ملکہ اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ خوبصورت بیگ نے کورنش ادا کی اور ایک پارچہ اس کی طرف بڑھاتے گویا ہوا۔ "یہ پارچہ تیمور کی صدری کی جیب سے برآمد ہوا تھا——

چاروں لاشیں ایک گڑھے میں دفن کر دی گئی ہیں مگر پہلے اُن کی تلاشی لے لی گئی تھی۔"

ملکہ جہاں نے پارچہ کھول کر دیکھا تو اس کا چہرہ یک لخت زرد پڑ گیا پھر جوں جوں اسے پڑھتی چلی گئی، عارضوں پر مختلف رنگ ابھرتے ڈوبتے رہے۔ پڑھ چکی تو نڈھال ہو کر مسند پر گر گئی۔ خوب صورت بیگ نے فوراً وضاحت کی۔

"سرکار مجھے علم تھا حضور کو تکلیف ہو گی لیکن میری وفاداری اس خطرناک راز کو چھپانے کی جرأت نہ کر سکی اور میں نے یہ پارچہ حضور کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھا۔"

"خوبصورت بیگ! تم نے اچھا کیا ہمیں اس قیامت سے آگاہ کر دیا جو بے خبری میں ہم پر ٹوٹنے والی تھی۔ اگر تم یہ پارچہ ہم تک نہ پہنچاتے تو ہم تمہیں نمک حرام سمجھتے.... لیکن یہ بتاؤ تمہارے علاوہ اس پارچہ کے مضمون سے اور کون کون آگاہ ہے؟"

ملکہ کی آواز صدمہ کے بوجھ سے بُری طرح نڈھال تھی۔

"میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا سرکار!"

"ٹھیک ہے" ملکہ نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا۔ "تم بھی اپنی زبان بند رکھو۔" یہ کہہ کر وہ عزم کے ساتھ اٹھی۔ گونگ پر ضرب پڑی اور فوراً ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔ "وزیرِ سلطنت شابی بابا اور سپہ سالار رستم خاں کو اسی وقت ہماری حاضری کا پیغام دو۔ انہیں کہو اگر کھانا کھا رہے ہوں تو لقمہ چھوڑ دیں اور چلے آئیں۔"

سر کو خم کر کے کنیز اُلٹے قدموں باہر چلی گئی۔ تو خوبصورت بیگ نے ملکہ کو اس گفتگو سے بھی آگاہ کر دیا جو آج ہی ولی عہد سے ہوئی تھی اور جس میں اس نے داروغۂ محلات کو ایک ضروری خدمت کے لیے رات کے وقت اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔ خوبصورت بیگ کی یہ اطلاع بھی بڑی اہم تھی۔ آخر ولی عہد اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟

ملکہ جہاں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد گردن اُٹھائی اور کہا۔ "تم آج رات شہزادہ سے ملو اور وہ جو خدمت تمہارے سپرد کرے اس سے ہمیں آگاہ کر دو....؟"

خوبصورت بیگ نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ملکہ جہاں نے مزید ہدایات دینے کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ کمرے سے نکل گیا ملکہ پھر وہی پارچہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس بار اس کے چہرے پر غم و غصہ کی لہریں باہم ٹکرا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہی پارچہ وزیرِ سلطنت شبانی کے بوڑھے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا اور وہ اپنی لرزتی آواز میں اس کا مضمون پڑھ رہا تھا تاکہ رستم خاں بھی سن سکے - ان سے پرے ملکہ جہاں مسند پہ بیٹھی تھی -

پارچہ کا مضمون پڑھتے ہوئے بوڑھے شبانی کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی - ہونی بھی چاہیئے تھی کیونکہ اس پارچہ میں دراصل انہی تینوں کے قتل کا منصوبہ درج تھا جسے تیمور نے لکھا اور ولی عہد نے معمولی سی ترمیم کے ساتھ منظور کیا تھا - تیمور کی عبارت حسبِ ذیل تھی :-

" ملکہ جہاں' وزیرِ سلطنت شبانی خان' اور سپہ سالار رستم خاں ہمارے ارادوں سے آگاہ ہو چکے ہیں - بالخصوص میں رستم خاں کی طرف سے خطرے کی بُو سونگھ رہا ہوں - اس لیے شاہی محل کے ساتھ صفدر نگر پر مکمل اقتدار حاصل کرنے کے لیے اِن تینوں کو ٹھکانے لگا دینا نہایت ضروری ہے ورنہ ممکن ہے آپ کا " پُر اسرار " دشمن جشنِ تاجپوشی پر کوئی ایسا فتنہ کھڑا کر دے جس پر ہم قابو نہ پا سکیں - فوج اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد ہم اس دشمن کا سر بھی کچل دیں گے " -

(تیمور خاں)

اس منصوبہ میں " ولی عہد " نے یہ ترمیم کی تھی :-

" مجھے شبانی بابا اور رستم خاں سے کوئی دلچسپی نہیں جب تک وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار کے عہدوں پر میرے اپنے آدمی مقرر نہ ہو جائیں حکومت میرے ہاتھ میں نہیں آ سکتی - چاند کی دسویں رات ' ان بوڑھوں کی زندگی کی آخری رات ہونی چاہیئے لیکن ملکہ جہاں کے بارے میں کبھی بھول کر بھی ایسی بات نہ سوچو -

اوّل - وہ ماں ہے - اگر اسے ختم کر دیا گیا تو لوگ اعتراض کریں گے میں ماں کی حفاظت نہ کر سکا -

دوم - وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور میں اس کی محبت کا جواب ہلاکت سے نہیں دینا چاہتا -

سوم - مت بھولو - اقتدارِ حکومت ملکہ جہاں کے ہاتھ میں ہے -

جشنِ تاجپوشی پر وہی اختیارات مجھے منتقل کرے گی - اس کی رضامندی کے بغیر میں صفدر نگر کا قانونی سلطان نہیں بن سکتا -

چہارم - ہمیں ایک عورت سے ڈرنے کی ضرورت بھی کیا ہے - اگر ملکہ نے کسی وقت میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی ' تو معاملے کی نوعیت بدل جائے گی اور ہم اسے قید یا نظر بند کر سکتے ہیں -

(ولی عہد)

اس ترمیم پر تیمور نے صرف یہ رائے ظاہر کی تھی :-

" جشنِ تاجپوشی تک ملکہ جہاں کی زندگی بلاشبہ ضروری ہے مگر یہی عورت آپ کی راہ میں کانٹے بکھیر دے گی اور آپ کو ایک دن اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا "

(تیمور)

اس کے بعد پارچہ کے کونہ میں تین سطروں کی عبارت سیاہی کے دھبوں کی وجہ سے پڑھی نہ جاتی تھی - بوڑھا وزیر قندیل کی روشنی میں صرف چند الفاظ ہی پڑھ سکا -

" ولی عہد " کی انگوٹھی ...... ولارام ...... عہدہ ...... گونابستی ......

نیلی ...... ملکہ جہاں ...... خطرہ ہے ...... اس کو فوراً قتل کر دینا چاہیئے " -

ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کا مفہوم واضح نہیں تھا - غالباً آخری سطر میں گونابستی کے سردار شاہو کی بیٹی نیلی کے فوری قتل کا ذکر کیا گیا تھا - لیکن تینوں یہ معاً سمجھنے سے قاصر تھے کہ بنتِ شاہو نے ولی عہد کا کیا بگاڑا ہے وہ لوگ اسے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں ؟

بہر حال یہ تھا اس پارچہ کا مضمون جو تیمور کی لاش سے برآمد ہوا تھا - شمشیر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اقتدار کی سازش کا منصوبہ جو گونابستی سے واپسی کے بعد تیار کیا گیا تھا ' تیمور کی صدری میں ہوگا ورنہ کسی کو بھی تیمور کی لاش کے قریب پھٹکنے نہ دیتا لیکن اس کا خوبصورت بیگ کے ہاتھ لگنا اور ملکہ جہاں تک پہنچ جانا صاف ظاہر کرتا تھا - اگر ...بسی غیبی قوت کا نام ہے تو وہ یقیناً شمشیر کے خلاف سرگرم عمل ہو چکی تھی -

پارچہ کا مضمون پڑھنے کے بعد شبانی بابا کی حالت تو بالکل غیر ہو گئی - رستم خان بھی دم بخود بیٹھا تھا - جس " شہزادہ " کی سلطنت کو وہ دونوں ایک امانت سمجھ کر

دن رات کام کرتے رہے - اس پر قبضہ جمانے کی خاطر وہ اُنہی کے خون کا پیاسا بن جائے گا، یہ بات وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے - البتہ ملکہ جہاں کی نبضوں میں دوڑتا ہوا مشتعل خون اس کے چہرے کو گلنار کر رہا تھا - وہ غصہ میں بولی -

"یہ سازش خرم کے اُن دوستوں کی ہے جنہیں وہ پہاڑی قلعہ سے ساتھ لے کر آیا ہے - وہ سلطنت کے پُرانے وفاداروں کو قتل کر کے خود اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن جب تک میں زندہ ہوں اس قسم کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی - ان حالات کے پیشِ نظر میں "ولی عہد" کی تاجپوشی بھی ضروری نہیں سمجھتی - اپنے خاص اختیارات سے کام لے کر میں کل ہی دربارِ جلوس کی تقریب منسوخ کر دوں گی "

یہ کہہ کر ملکہ جہاں رستم خاں کی طرف پلٹی -

"رستم خاں ! میں تمہیں حکم دیتی ہوں - ولی عہد کے محافظ دستہ کے ان تمام سواروں کو آج ہی رات گرفتار کر لو جو پہاڑی قلعہ سے اس کے ساتھ آئے تھے اور خرم کو اس کے کمرۂ خاص میں نظر بند کر دو - اس پر آئینِ سلطنت سے غداری اور حکومت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی سازش کے الزام میں مقدمہ چلے گا - تم دونوں گواہ رہو - نوروز خاندان کے کسی ولی عہد نے آج تک اس قسم کی ذلیل سازش نہیں کی - خرم سے میرا اعتماد اُٹھ چکا -"

رستم خاں نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہا -

"ملکۂ عالیہ کے ہر حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے - میں نے پہاڑی قلعہ کے سالار اور نوروز خاندان کے بوڑھے اتالیق فیروز شاہ کو صفدر نگر میں طلب کیا ہے تاکہ ولی عہد کے محافظ دستہ اور تیمور کے بارے میں حقائق معلوم کر سکوں - میرا خیال ہے قاصد اُسے لے کر آج ہی رات یہاں پہنچ جائے گا "

"یہ تم نے بہت اچھا کیا - میں خود فیروز شاہ سے ملنا چاہتی تھی - آخر وہ پانچ سال خرم کو کیا تعلیم اور کیسی تربیت دیتا رہا کہ وہ ایک قانون شکن باغی بن کر واپس آیا ہے ...."

ابھی ملکہ کی بات جاری تھی کہ کنیز داخل ہوئی اور اس نے دلارام کی حاضری کے لیے اجازت طلب کی - دلارام کی بے وقت حاضری نے ملکہ جہاں کو چونکا دیا وہ معتمد اور وفادار ہی نہیں عقل مند اور معاملہ فہم بھی تھی - اس نے کئی بار اہم گتھیاں سلجھائی اور اس کی پریشانیاں دور کی تھیں - اس کی آمد خالی از علت نہ ہو سکتی تھی - نہ جانے کون سی خبر لے کر آئی تھی -

لیکن اس وقت ملکہ اپنے مشیرانِ خاص کے ساتھ انتہائی اہم اور خفیہ مسئلے پر گفتگو کر رہی تھی لہٰذا اس نے حکم دیا دلارام اس کے فارغ ہونے تک انتظار کرے -

کنیز ابھی ہدایت لے کر پلٹی تھی کہ اسی لمحے دلارام کمرے میں داخل ہوئی اور کورنش کے لیے جھک گئی - ملکہ اور دونوں مشیر حیرت سے اُسے دیکھنے لگے - دلارام سلام کر چکی تو بولی -

"سرکار ! اس جرأت کے لیے معافی چاہتی ہوں - کنیز وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار کی موجودگی ہی میں ملاقات ضروری سمجھتی ہے "-

"مگر تم نہیں جانتی ہم اس وقت کتنے اہم معاملے پر گفتگو کر رہے ہیں اور کس قدر پریشان ہیں ...."

"کنیز آپ کی پریشانی کا سبب جانتی ہے سرکار !"

"کیا .... ؟" ملکہ جہاں کی آنکھیں تحیر سے کھل گئیں -

دلارام نے اس تحیر میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا - "اگر آپ اس وقت ولی عہد سلطنت کے بارے میں پریشان ہیں تو کنیز بھی اسی سلسلہ میں ایک خوفناک حقیقت کا انکشاف کرنے حاضر ہوئی ہے "

شباقی بابا اور رستم خاں حیرت سے اچھل کر پیچھے ہٹے - دلارام کہہ رہی تھی -

"مگر افشائے راز سے پہلے کنیز جان بخشی چاہتی ہے "

ملکہ جہاں ورطۂ حیرت میں گم تھی - دلارام نے ولی عہد سلطنت کا نام لے کر اس ڈرامے میں سنسنی پیدا کر دی تھی وہ جلدی سے بولی -

"ہم نے تمہاری جان بخشی کی ——— جلدی کہو ولی عہد کے متعلق کس خوفناک حقیقت کا انکشاف کرنے آئی ہو ؟"

"سرکار ——— حقیقت خوفناک بھی ہے اور ناقابلِ یقین بھی - شاید آپ تسلیم نہ کریں لیکن ...." دلارام پُر وثوق ——— پُر یقین لہجے میں بولی -

"میں جو کچھ کہوں گی اس کا ثبوت بھی رکھتی ہوں - آپ یہ سُن کر یقیناً حیران ہوں گے - شہزادہ خرم ذی شان کے نام سے جو شخص آج کل شاہی محل میں مقیم ہے - وہ میرے آقا حضور شہزادہ خرم ذی شان نہیں ......"

دلارام کے الفاظ بارود کی طرح پھٹے اور ان تینوں کے ہوش و حواس جیسے بھک سے اُڑ گئے۔ ذہنوں میں ایک قیامت خیز دھماکا ہوا۔ ایک حشر انگیز زلزلہ سا آیا اور ملکہ جہاں کی چیخ کمرے کی فضا میں تڑپنے لگی۔

"دلارام......!"

فی الواقع یہ ایک ناقابلِ یقین انکشاف تھا کیا کنیز خاص خود پاگل ہو گئی یا انہیں پاگل سمجھتی ہے۔ شباتی بابا اور رستم خاں پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت و صامت تھے۔ ملکہ جہاں کی آنکھیں از دیادِ حیرت سے تارہ بن کر رہ گئیں۔ دلارام کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکی ہو۔ اسے اپنا کمرہ ہی نہیں پورا محل ——— پوری دنیا گھومتی، گردش کرتی نظر آ رہی تھی اور دلارام کے الفاظ خیالی بھوتوں کی مانند مشعلیں اٹھائے رات کے اندھیرے میں اس کے اِردگرد وحشیانہ انداز میں ناچ رہے تھے۔ اس کے جسم پر ایک عجیب سا لرزہ ہوا پھر سنبھل کر بولی۔

"دلارام ——— ! اگر وہ شہزادہ خرم نہیں تو کون ہے ؟"

"ملکہ حضور! کنیز آپ کے سامنے غلط بیانی کی جرأت نہیں کر سکتی۔ میں نے یہ انکشاف وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار کی موجودگی میں اس لیے ضروری سمجھا کہ یہ بھی گواہ رہیں جس شخص کو ہم لوگ ولی عہدِ سلطنت شہزادہ خرم ذی شان سمجھتے رہے وہ دراصل سانگا جنگل کا خوفناک لٹیرا شمشیر ڈاکو ہے۔"

"شمشیر ڈاکو ——— ؟" بیک وقت تحیّر میں ڈوبی ہوئی تین آوازیں بلند ہوئیں اور اُن کے چہروں پر حیرت و استعجاب کا نیا طوفان موجزن ہو گیا۔

"جی ہاں شمشیر ڈاکو ......" دلارام نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ "جس کی شکل حیرت انگیز طور پر ہمارے آقا حضور شہزادہ خرم ذی شان سے ملتی ہے لیکن آواز مختلف ہے ملکہ عالیہ کو یاد ہو گا۔ جب نقلی ولی عہد پہاڑی قلعہ سے آیا اور شاہی محل میں داخل ہوا حضور اس کی آواز سن کر چونک گئی تھیں کیونکہ وہ آواز شہزادہ خرم ذی شان کی نہیں تھی ......"

"ہاں ...... ہمیں یاد ہے"۔ ملکہ جہاں نے سوچ کر کہا۔ "ہم نے اس کی بدلی ہوئی آواز پر تعجب کا اظہار کیا اور اس نے جواب دیا تھا کہ پہاڑی قلعہ کی آب و ہوا کے باعث اس کا گلا خراب ہو گیا اور وہ کئی روز بیمار پڑا رہا تھا۔"

"مگر یہ سب کچھ غلط ہے ہمارے آقا حضور شہزادہ خرم [illegible] نہیں ہوئے۔ نہ ان کا گلا خراب ہوا، ورنہ فیروز شاہ حضور کو ولی عہد کی علالت کی [illegible]"

"ہاں ہم خود حیران ہوئے تھے فیروز شاہ نے ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی۔" [illegible] جہاں جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے بولی۔ "ہمیں یہ بھی یاد ہے جب وہ ہم سے ملا اس نے آداب ملاقات میں بھی ٹھوکر کھائی تھی مگر ...... خرم کہاں چلا گیا ؟"

"یہ ایک دل گداز کہانی ہے، ملکہ عالیہ!" دلارام کہنے لگی ——— "شمشیر ڈاکو کی شکل آقا حضور شہزادہ خرم ذی شان سے ملتی تھی۔ اسی شکل کی وجہ سے اس نے صفدر نگر کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے ایک نائب لالچی خاں کو پہاڑی قلعہ میں سرکاری راہنما کی حیثیت میں بھیجا جس نے جا کر یہ ظاہر کیا اسے سپہ سالار رستم خاں نے شہزادہ کی راہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ جب آقا حضور اپنے دس سواروں کے ہمراہ صفدر نگر کی طرف روانہ ہوئے جن کا افسر بہادر خاں تھا تو لالچی خاں ہی اس قافلہ کی راہنمائی کر رہا تھا۔ وہ بدمعاش شاہی قافلہ کو دھوکا سے سانگا جنگل میں لے گیا جہاں رات کے اندھیرے میں چالیس پچاس ڈاکوؤں نے انہیں اچانک گھیر لیا۔ بہادر خاں اور اس کے سواروں نے ڈاکوؤں کا مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن وہ تھوڑے اور ڈاکو زیادہ تھے پھر جنگل کا اندھیرا۔ بہادر سمیت شاہی دستہ کے تمام سوار ہلاک ہو گئے ......"

"اور خرم ——— خرم کا کیا ہوا ؟"

ملکہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔ شہزادہ کے قافلہ پر حملہ کی کہانی سنتے ہی اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور آنکھوں میں پانی سا تیر گیا تھا۔

"شہزادہ خرم لڑائی میں زخمی ضرور ہوئے لیکن وہ اندھیرے میں ڈاکوؤں کا گھیرا توڑ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے سانگا ندی عبور کر کے گونا بستی کے سردار شاہو کے گھر پناہ لی تھی۔"

پھر دلارام نے وہ واقعات دہرائے جو سانگا جنگل کے حملہ کے بعد اس وقت تک پیش آئے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کس طرح سردار شاہو کی بیٹی نیلی نے دن رات شہزادہ خرم کی خدمت کی۔ جنہوں نے اپنی اصلیت چھپا کر خود کو ایک سوداگر ظاہر کیا تھا۔ کس طرح [illegible] عبد اس کے خلوص، ایثار اور پیار کو دیکھ کر اس سے محبت کرنے لگے اور [illegible] تھے روز نامہ

بستی سے روانہ ہوئے تو انہوں نے شاہی انگوٹھی نیلی کے ہاتھ میں پہنا دی۔ مگر جب وہ صفدر نگر پہنچے، سرائے شہر یار کے نگران داراب کی زبانی سے یہ اطلاع سن کر دنگ رہ گئے کہ شہزادہ خرم تو چار روز پہلے ہی صفدر نگر آ گیا اور اس کا فقیدالمثال استقبال ہوا تھا۔ چنانچہ شہر میں ہونے والا چراغاں اس کی آمد کا ثبوت تھا۔

دوسرے روز دربار جشن میں جب شہزادہ حضور نے آپ کے پہلو میں اپنے ہم شکل کو تخت شاہی پر ولی عہد کی حیثیت میں جلوس فرما دیکھا تو دم بخود رہ گئے۔ اب انہیں پتہ چلا سانگا جنگل میں ہونے والے حملہ کا مقصد کیا تھا۔

دراصل شمشیر آقا حضور کو قتل کر کے ان کی جگہ خود لینا چاہتا تھا مگر یہ خوش قسمتی تھی کہ شہزادۂ عالی اس قاتلانہ حملے سے بچ گئے البتہ ڈاکو اس غلط فہمی میں رہے کہ وہ سانگا ندی میں گر کر ہلاک ہو چکے۔ اس غلط فہمی کی وجہ شہزادۂ عالی کا گھوڑا، تلوار اور کلاہ و کلغی تھے۔ یہ سب کچھ انہیں سانگا ندی کے کنارے ملا تھا۔۔۔۔"

ملکہ جہاں، وزیر سلطنت شبانی اور سپہ سالار رستم خاں دلارام کی زبانی شہزادۂ خرم کی عجیب و غریب کہانی سن کر ورطۂ حیرت میں ڈوبتے چلے گئے۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ حالات سے مجبور ہو کر شہزادہ خرم نے اپنے دوست ظریف کماندار کے مشورہ پر "شمشیر ڈاکو" کا روپ دھار لیا اور اس لٹیرے کو پریشان کرنے لگے جو "شہزادہ خرم" بن کر شاہی محل پر قابض ہو گیا تھا۔

تینوں اس انکشاف پر اچھل کر رہ گئے۔ اس نے ولی عہد کی انگوٹھی کا بھی قصہ سنایا جسے حاصل کرنے کے لیے شمشیر نے گونا بستی پر حملہ کیا تھا۔ آخر میں کہنے لگی۔

"وہ لٹیرا لاچی خاں اور تیمور کے ساتھ مل کر سلطنت پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا اور شبانی بابا اور رستم خاں کو راستہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا لیکن لاچی خاں کو سردار شاہو نے اپنے گھر میں اور تیمور کو خود شہزادۂ عالی نے شاہی محل میں جہنم رسید کر دیا۔"

جب ملکہ جہاں نے سنا کہ تیمور اور تین شمشیر زنوں کو شہزادہ خرم نے ہلاک کیا تھا جو بنتِ شاہو کو ننگی تلواروں کے سایہ میں شمشیر کے پاس اس لیے گھیر لائے تھے کہ اس غریب کو قتل کر دیا جائے تاکہ وہ کسی کو شہزادہ خرم اور شاہی انگوٹھی کے راز سے آگاہ نہ کر سکے تو ملکہ کی نگاہوں میں وہ چاروں لاشیں گھوم گئیں جنہیں وہ آج ہی ولی عہد کے کمرے میں دیکھ

...ئی تھی اور جن کے بارے میں شمشیر نے اسے ایک اور ہی کہانی سنائی تھی۔

دلارام نے یہ بھی بتایا کہ نقلی ولی عہد شہزادۂ عالی کے یارِ غار ظریف کماندار کو نہیں جانتا ...اور اسے دلارام کا خالہ زاد عبدالمنان سمجھتا ہے کیونکہ خود ظریف کماندار نے اپنا تعارف اسی نام ...سے کرایا تھا۔

یہ تحیر خیز کہانی سن کر وہ تینوں حیران و ششدر رہ گئے۔ اچانک ملکہ جہاں نے پوچھا۔
"اس وقت خرم کہاں ہے؟"

"آقا حضور کمرہ سے باہر آپ کی قدم بوسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے مجھے اس لیے بھیجا تھا کہ میں آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کر سکوں۔"

یہ کہہ کر دلارام پیشی اور کنیز سے مخاطب ہوئی کہ وہ ملاقاتی کو اندر آنے دے، مگر دوسرے لمحے جو بھیانک آدمی کمرے میں داخل ہوا اسے دیکھتے ہی رستم خان کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر پڑا اور تلوار مچھلی کی طرح تڑپ کر میان کے باہر آ گئی۔ بھیانک آدمی انہی قدموں پر رک گیا اور مسکرا کر بولا۔

"رستم خاں! کیا تم ہمارا استقبال تلوار سے کرو گے؟"

یہ جانی پہچانی سی آواز سن کر ان کے چہروں پر حیرت کی ایک اور لہر گزر گئی مگر دوسرے ہی لمحے بھیانک آدمی نے ہاتھ کے ایک ہی جھٹکے سے اپنی داڑھی مونچھ الگ کر دی۔ اب ان کے سامنے شہزادہ خرم ذی شان کھڑا تھا۔ رستم خاں اور شبانی بابا کے ہونٹ ایک ساتھ تھرتھرائے۔ "شہزادۂ عالی!"

بیٹے کی داستانِ مصیبت سن کر اور اب اسے صحیح و سالم دیکھ کر ماں کے سینے میں بھی مامتا کا طوفان سا امڈ پڑا تھا مگر اس سے پہلے کہ شہزادہ اس کی قدم بوسی کے لیے آگے بڑھتا ملکہ جہاں نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے وہیں روک دیا اور بولی۔

"شبانی بابا۔۔۔! رستم خان۔۔۔!! میں نے اپنے بیٹے کی صورت دیکھ لی اور آواز پہچان لی ہے۔ اس بار میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ تمہیں یاد ہوگا نوروز خاندان میں جب کوئی ولی عہد پیدا ہوتا ہے اس کی پشت پر سلطنت کا نشانِ شمشیر داغ دیا جاتا ہے جو اس کے وارثِ تخت ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ خرم کی ولادت پر بھی مخصوص نشان داغا گیا تھا۔۔۔ شبانی بابا۔۔۔! آگے بڑھو، شہزادہ کی پشت سے کپڑا ہٹاؤ اور دیکھو نشانِ

شمشیر ہے یا نہیں ؟"

شبانی بابا نے شہزادہ کے بدن سے لباس ہٹا دیا۔ اس کی گردن کے نیچے پشت پر نشانِ شمشیر موجود تھا۔ جیسے دیکھتے ہی شبانی بابا اور رستم خاں نے سر جھکا دیے۔

اس تصدیق کے بعد ملکہ جہاں نے فرطِ محبت میں اپنے بازو کھول دیئے اور شہزادہ خرم نے آگے بڑھ کر پہلے ماں کے قدم چھوئے پھر " امی حضور ۔۔۔! " کہہ کر والہانہ طور پر اس کے بازوؤں میں سما گیا۔ ملکہ جہاں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ بیٹے کی پیشانی چوم رہی تھی اور کہتی جاتی تھی۔

" میرے بیٹے ...... میرے خرم ...... میرے چاند ......!"

شہزادہ خرم کی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں۔ ماں کے پیار نے اس کا دل گداز کر دیا تھا۔ کمرہ میں ایک عجیب سا درد انگیز سناٹا چھا گیا۔ اس سناٹے میں صرف دل دھڑک رہے تھے۔ سبھی ماں بیٹے کی اس ملاقات سے بہت متاثر ہوئے۔ ملکہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

" میں بھی حیران تھی، میرا خرم بدل کیوں گیا ......"

" امی حضور ۔۔۔! آپ کا خرم کبھی نہیں بدل سکتا خواہ قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے۔"

ماں سے ملنے کے بعد شہزادہ خرم وزیرِ سلطنت اور سپہ سالار سے بھی باری باری بغل گیر ہوا پھر کہنے لگا۔

" شبانی بابا ۔۔۔! رستم خان ۔۔۔! آپ لوگوں کے دم قدم سے میری زندگی کی بہاریں ہیں۔ میں جانتا تھا شمشیر اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے میرے بزرگوں کو رستہ سے ہٹا دینا چاہتا ہے ۔۔۔ میری زندگی کی بہاریں لوٹ لینا چاہتا ہے۔ مگر بخدا ۔۔۔! میں غافل نہیں تھا۔ میں نے وہ ہاتھ کاٹ دیئے ہیں جو آپ پر اٹھنے والے تھے ۔۔۔ بھلا خرم یہ کیسے برداشت کر لیتا ایک ڈاکو کی تلوار ان بزرگوں پر اٹھے جنہوں نے مجھے گود میں کھلایا اور میرے ناز اٹھائے تھے۔"

رستم خاں نے کہا ۔۔۔ " شہزادۂ عالی ۔۔۔! ہم تو یہ پارچہ پڑھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ اس میں " ولی عہد " نے تیمور کو مشورہ دیا ہے۔ ہم دونوں کو چاند کی دسویں رات کو ختم کر دیا جائے۔"

" رستم خان ۔۔۔! وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا جب میری تلوار اپنے بزرگوں کے خلاف اٹھے گی۔ میں اس سلطنت اس تخت و تاج کو ٹھوکر مار دوں گا جو مجھے آپ جیسے بزرگوں سے برگشتہ کر دے۔"

" شہزادۂ عالی ۔۔۔! " رستم خاں کی آواز بھرا گئی۔ پھر انہوں نے دیکھا معتمد کمر کے آہن مزاج سپہ سالار کی آنکھیں فرطِ جذبات میں بھیگتی چلی گئیں اور اس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ کر رخساروں پر بہنے لگے ۔۔۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے تھے۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔

" سلطنت آپ کی امانت ہے۔ ہم اپنی جانوں پر کھیل کر اس کی حفاظت کرتے رہے ہیں اور دشمن ہماری لاشوں کو روند کر ہی آپ کے تخت کی طرف بڑھ سکتا ہے؟"

یہ کہہ کر رستم خاں ملکہ جہاں کی طرف متوجہ ہوا۔

" ملکہ حضور ۔۔۔! مجھے رخصت دیجئے تاکہ میں ابھی اور اسی وقت اس ڈاکو کو گرفتار کروں جو "شہزادہ" بن کر شاہی محل میں داخل ہوا اور اس وقت ولی عہد کے کمرے میں آرام کر رہا ہوگا ۔۔۔"

" رستم خاں ۔۔۔! " اچانک ملکہ کی بجائے شبانی بابا نے جواب دیا۔ " اس لٹیرے کی گرفتاری تمہارا فرض ہے مگر وہ زندہ گرفتار ہونا چاہیے۔"

ابھی اس کی آواز کی گونج بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ داروغۂ محلات خوبصورت بیگ لرزاں و ترساں بھاگتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

" غضب ہو گیا ملکہ عالیہ ۔۔۔! شہزادۂ عالی نے اپنے پورے محافظ دستہ کو شاہی محل میں طلب کر لیا اور تمام مسلح چوبداروں کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

ملکہ جہاں نے کہا۔ وہ پریشان نہ ہو اور مختصر الفاظ میں صحیح واقعہ گوش گزار کرے مگر اس تسلی کے باوجود خوبصورت بیگ کا خوف کم نہ ہوا۔ وہ شہزادہ خرم کو دیکھے بغیر کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔

" میرے جانے سے پہلے ہی شہزادۂ عالی اپنے تیس شمشیر زنوں کو محل میں بلا چکے اور تمام مسلح چوبدار اور محافظ گرفتار کر لیے گئے تھے۔ جونہی میں ان کے کمرے میں داخل

ہُوا اور شمشیر زنوں نے مجھے بھی پکڑ لیا پھر شہزادۂ عالی نے دریافت کیا۔

"دلارام کہاں ہے؟"

میں نے جواب دیا۔

"صبح صرف ایک بار نظر آئی تھی پھر دکھائی نہیں دی۔"

"محل سے نکل کر وہ کہاں جاتی ہے؟"

مجھے علم نہ تھا۔ میں نے لاکھ انکار کیا مگر وہ کہتے رہے۔ تم ضرور جانتے ہو اور ہم سے غداری کر رہے ہو۔ اگر تم نے اس کے ٹھکانے کا پتہ نہ دیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ ابھی وہ مجھے ڈرا دھمکا رہے تھے کہ ایک شمشیر زن بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ولی عہد کو بتایا۔

"ابھی ابھی شاہی کنیز شباتی بابا اور رستم خاں کو اپنے ساتھ لے کر ملکہ جہاں کے قصر میں داخل ہوئی ہے۔"

یہ سنتے ہی شہزادۂ عالی خوفناک لہجے میں بولے۔ اچھا ہوا وہ دونوں اپنے پاؤں سے چل کر مقتل میں پہنچ گئے۔ آج رات ان کی موت انہیں شاہی محل میں گھیر لائی ہے۔ پھر انہوں نے مجھے غسل خانہ میں بند کر دیا کہ واپسی پہ مجھ سے نمٹیں گے اور اپنے شمشیر زنوں کو حکم دینے لگے۔ وہ ملکہ جہاں کے قصر کو اس طرح گھیر لیں کہ کوئی بھی بچ کر نکل نہ سکے۔ میری قسمت اچھی تھی کہ غسل خانے کا عقبی دریچہ مقفل نہ تھا اور کسی نے اس پہ توجہ نہ دی تھی میں فوراً پائیں باغ میں کود گیا اور بھاگتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔

سرکار ——! شہزادہ عالی خون خرابے پر تلے ہوئے ہیں اور کوئی دم میں یہاں آیا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں یہ قصر چاروں طرف سے گھیر لیا جائے گا۔ ابھی وقت ہے یہاں سے نکل چلیے ——!"

اس اثناء میں شہزادہ خرم نے دوبارہ بھیانک آدمی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کم از کم خوبصورت بیگ کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ اصل شہزادہ تو اس کے پاس ہی کھڑا تھا جس نے ابھی ابھی اپنی ہیئت تبدیل کر لی ہے۔ جونہی خوبصورت بیگ نے اپنی بات ختم کی۔ وہ کہنے لگا۔

"امی حضور ——! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے جانباز آپ کے قصر

کی حفاظت کر رہے ہیں۔ میں جانتا تھا تیمور کی ہلاکت کے بعد وہ بھیڑیا صفت دشمن پہ اتر آئے گا۔ اس لیے میں نے شہزادی گلنار کو بھی یہیں بلا لیا ہے۔ ظریف کماندار شہزادی کو لے کر آیا ہی چاہتا ہے۔ ہم اسی کمرے میں شمشیر کا انتظار کریں گے۔"

یہ کہہ کر شہزادہ نے دلارام کو اشارہ کیا اور وہ "قصر جہاں" کے اس کمرہ کی طرف لپکتی چلی گئی جس کے زینوں پر سرنگ کا خفیہ دہانہ کھلتا تھا۔

خوب صورت بیگ حیرت پاش نظروں سے بھیانک آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی معروف آواز نے داروغۂ محلات کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

(منظر ۱۳)

جواں بخت

○

خوب صورت بیگ کی اطلاع غلط نہ تھی۔ چند ہی لمحوں میں شمشیر نے اپنے تیس شمشیر زنوں کے ہمراہ ملکہ جہاں کے قصر کو گھیر لیا۔

اس نے بیس آدمی قصر کے اردگرد پھیلا دیئے کہ کوئی آدمی باہر نہ نکل سکے اور دس ڈاکوؤں کو ساتھ لے کر غلام گردش کے اس حجرہ کے سامنے نمودار ہوا جہاں ہر وقت پانچ مسلح محافظ پہرہ دیتے تھے۔ ان پانچوں نے ولی عہد کے حکم پر تلواریں اور نیزے فرش پر ڈال دیئے۔ دوسرے لمحے ڈاکوؤں نے ان کی مشکیں کس دیں —— شاہی محل کے محافظ شہزادہ کو اس روپ میں دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

قصر جہاں کی کنیز بھی گرفتار کر لی گئی۔ اس نے تصدیق کی وزیر سلطنت شبانی اور سپہ سالار رستم خاں کچھ دیر پہلے ملکہ جہاں کے کمرہ میں گئے تھے اور ابھی تک باہر نہیں نکلے ملکہ دلارام بھی اسی کمرہ میں موجود ہے۔ یہ مژدہ سن کر شمشیر کی خوشی کی حد نہ رہی۔ وہ تو صبح سے دلارام کی تلاش میں تھا۔

شمشیر نے صرف دو آدمی کنیز اور محافظوں کی نگرانی کے لیے باہر چھوڑے۔ بقیہ آٹھ ڈاکوؤں کو لے کر کمرۂ خاص میں گھستا چلا گیا۔ چھوٹی سی راہداری عبور کر کے وہ آٹھ ننگی شمشیروں کے ساتھ بگولے کی سی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

ملکہ جہاں مسند پر بیٹھی شبانی بابا اور رستم خاں سے مصروفِ گفتگو تھی جو دائیں بائیں کھڑے تھے۔ ان تینوں کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نظر نہ آتا تھا۔ جونہی ملکہ جہاں نے شمشیر کو اس طرف آتے دیکھا چونکنے کی بہترین اداکاری کی اور مشتعل سی ہو کر مسند سے اٹھی۔

"اس گستاخی کا کیا مطلب؟"

"ملکہ حضور!" شمشیر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں رات کے وقت وزیر اور سپہ سالار یہاں کیا کر رہے ہیں؟ میں محل میں ان لوگوں کی موجودگی کا مقصد جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم شاہی محل میں اپنی موجودگی کا مقصد بتا سکتے ہو؟"

ملکہ جہاں کے اس ذو معنی فقرے کو سن کر شمشیر بری طرح چونک اٹھا۔

"کیا شاہی محل میں میری موجودگی غیر ضروری ہے؟"

"کم از کم اس کمرے میں تمہاری موجودگی قطعی غیر ضروری ہے۔"

"تو پھر آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں۔ میں اس کمرے میں آپ کے ان دونوں خیرخواہوں کے سر لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں"

"کیا بکتے ہو؟"

"اوہو...... آپ تو ناراض ہو گئیں۔" پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "میری اطلاع کے مطابق دلارام کو بھی اسی کمرہ میں ہونا چاہیے تھا مگر کہیں نظر نہیں آتی۔ شاید چلی گئی۔"

ملکہ نے قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ بغلی کمرہ کے دروازہ سے نکل کر ظریف کماندار کمرۂ خاص میں داخل ہوا لیکن جونہی اس نے آٹھ عدد ننگی شمشیروں کو دیکھا مارے ڈر کے اچھل کر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں گر پڑا۔ پھر ڈرتے ڈرتے سنبھلا اور اٹھ کر بغلی دروازے کی طرف بھاگا۔ شمشیر گرج کر بولا۔

"عبدالمنان......!"

ظریف کماندار انہی قدموں پر رک گیا۔ پھر خوف سے تھرتھراتا، کانپتا آگے بڑھا اور آ کر شمشیر کی ٹانگوں سے لپٹ کر گھگھیانے لگا —— "حضور —— ! سرکار ——!! میں بالکل بے قصور ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔"

"کھڑے ہو جاؤ۔"

ظریف کماندار لرزتا، کپکپاتا کھڑا ہو گیا۔ شمشیر نے پوچھا۔

"دلارام کہاں ہے؟"

یہ سن کر ظریف نے گھبراہٹ میں اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ پھر ڈرتے ڈرتے بولا ——— "میرے پاس تو نہیں ہے سرکار!"

"ابے ہم نے پوچھا تھا وہ کہاں ہے۔ تم اس کے خالہ زاد ہو ضرور جانتے ہو گے وہ کہاں رہتی ہے؟"

"اپنے گھر میں سرکار!"

"اس کا گھر کہاں ہے؟"

"جہاں وہ رہتی ہے حضور!"

شمشیر نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم اس کا گھر نہیں جانتے؟"

"نہیں ———" ظریف کماندار نے نفی میں سر ہلایا۔ "دراصل میں اس کا نقلی خالہ زاد ہوں، اصلی نہیں۔"

شمشیر غصہ میں دانت پیسنے لگا۔ "کیا تمہیں کسی نے شہزادوں سے گفتگو کرنے کی تمیز نہیں سکھائی؟"

"میرے ابا مرحوم نے سکھائی تھی حضور! مگر بھول گیا، اب آپ سے دوبارہ سیکھ لوں گا۔ آپ کو تمیز ضرور آتی ہو گی کیونکہ آپ تو بالکل اصلی شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔"

"بے شک ہم تمہیں تمیز سکھائیں گے۔" یہ کہہ کر شمشیر نے تلوار اس تیزی سے گھمائی کہ اس کی گردن کے لیے ایک ہی وار کافی تھا لیکن وہ بجلی ایسی تیزی سے اچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹا اور آداب بجا لایا۔

شمشیر کی تلوار جو پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آئی تھی اس کے اپنے ہی ایک ساتھی کی گردن میں پیوست ہو گئی دوسرے لمحے اس کا لاشہ فرش پر تڑپنے لگا اور خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔

شمشیر "عبدالمنان" کی پھرتی پر دنگ رہ گیا۔ جو دور کھڑا اسے فرشی سلام کر رہا تھا۔ اس نے دم توڑتے ہوئے ڈاکو کی طرف دیکھا پھر جنگل کے وحشی درندے کی طرح کچلیاں چمکاتا اور غراتا ظریف کماندار کی طرف بڑھا۔ ملکہ گرج کر بولی۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ وشبانی اور رحم خاں سے پہلے عبدالمنان کا سر کاٹنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"کیا اتنے سروں کا اچار ڈالو گے؟" ظریف کماندار نے فقرہ کسا۔

شمشیر غصہ میں تلوار لہراتا اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ منعا کمرے کے تاریک حصے میں ایک بھیانک قہقہہ بلند ہوا جسے سنتے ہی شمشیر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا وہ اس آواز کو خوب پہچانتا تھا اپنی قدموں پر رک گیا۔ ظریف کماندار اسے اشارہ سے اپنی طرف بلا رہا تھا مگر شمشیر کی نگاہیں تو اس سیاہ ہیولے پر مرکوز تھیں جو آہستہ آہستہ اندھیرے کے غلاف سے نکل کر روشنی میں آ گیا تھا۔ شمشیر کے ہوش اڑ گئے وہ اس کا پراسرار دشمن تھا ——— وہی بھیانک آدمی۔

"تم ..... ؟" شمشیر تھوک نگل کر رہ گیا مگر جلدی سنبھلا اور بولا ——— "آج تم زندہ بچ کر نہیں جا سکتے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے شمشیر زنوں کو حکم دیا وہ آگے بڑھ کر بھیانک آدمی کے پرخچے اڑا دیں لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔

شمشیر نے غصہ بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا پھر فوراً ہی اسے نیزوں کے وہ پھل نظر آ گئے جو اس کے ساتھیوں کی پشت میں چبھ رہے تھے۔ صرف شمشیر کے عقب میں کوئی نیزہ نہیں تھا۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر وہ بدحواس ہو گیا۔ اسی لمحے عقب سے آواز بلند ہوئی۔

"تم لوگ ایک قدم آگے نہیں بڑھو گے تلواریں پھینک دو۔"

مجبوراً ڈاکوؤں کو حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔ شمشیر پاگل ہوا جا رہا تھا۔ بھیانک آدمی کا قہقہہ پھر بلند ہوا۔

"دوست! سنا ہے تم شمشیر زنی میں بڑے ماہر ہو اور تمہارا نام بھی شمشیر ہے۔"

"کیا کہتے ہو....." شمشیر نے جرأت دکھائی۔ "میں شہزادہ خرم ہوں۔"

"اگر شہزادہ خرم تم ہو....." بھیانک آدمی نے ایک ہی جنبش میں داڑھی مونچھ اتار کر پھینک دی۔ "تو پھر میں کون ہوں؟"

اب شمشیر کے سامنے شہزادہ خرم اپنی اصلی شکل و صورت میں کھڑا تھا۔ یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھ کر اس پہ گویا بجلی آسمانی ٹوٹ پڑی۔ خوف سے اچھل کر پیچھے ہٹا۔

"مجھے دیکھ کر ڈر گئے؟ سانگا جنگل میں تم نے میرے سواروں کو دھوکے سے گھیر کر مارا تھا لیکن شاہی محل میں آ کر خود دھوکا کھا گئے میں جب رات چاہتا تمہیں آسانی سے

…تا تھا۔ تمہاری شہ رگ ہر وقت میرے خنجر کی زد میں تھی لیکن میں تمہیں زندہ گرفتار … چاہتا تھا……

شہزادہ کو غافل پا کر شمشیر نے یک لخت اس پر اس تیزی کے ساتھ حملہ کر دیا کہ ملکہ جہاں کے ہونٹوں پر چیخ سی تڑپ کر رہ گئی مگر خرم غافل کب تھا اس نے وار بڑی خوبصورتی سے روکا اور بولا۔

"تمہاری یہ حسرت بھی پوری ہو جانی چاہئیے۔"

شمشیر بھوکے درندے کی طرح اچھل اچھل کر پے در پے وار کرتا رہا مگر خرم نے اس کا ہر وار بڑی پھرتی سے روکا چند ہی لمحوں میں شمشیر ہانپنے لگا اب خرم کے حملے شروع ہوئے شمشیر بُری طرح خوفزدہ ہو گیا۔ کیونکہ ہر حملہ جان لیوا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے بچتا رہا۔

اسے تھکا کر، بدحواس کر کے شہزادہ خرم نے اس کے دائیں پہلو میں شمشیر لہرائی اور اس کی نوک لباس کو چیر کر شمشیر کے بدن پر خونی لکیر کھینچ گئی۔ شمشیر کرب آمیز آواز میں چلایا۔ شہزادہ نے دوسری لکیر اس کی کلائی پر کھینچی اور اچانک ایسا ہاتھ مارا کہ شمشیر کے ہاتھ سے شمشیر نکل گئی اور چھن سے فرش پر گر پڑی۔

شمشیر خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اسی لمحہ خرم نے تلوار کی نوک اس کی شہ رگ پر رکھ دی اور ڈاکو کا بدن ٹھنڈے پسینے میں بھیگ گیا۔

ملکہ جہاں، شبانی خاں، رستم خاں، خوب صورت بیگ اور اس سے پرے شہزادی گلبانو، دلارام اور بنتِ شاہو سب کے سب شہزادہ خرم کی شمشیر زنی پر عش عش کر اٹھے۔

اسی وقت ظریف کماندار بیرونی دروازہ سے کمرہ میں داخل ہوا۔ نہ جانے وہ کب باہر چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے شہزادہ خرم کے جانباز پندرہ سولہ ڈاکوؤں کو ہانکتے ہوئے اندر لائے جن کے ہاتھ پُشت پر بندھے تھے۔

تمام ڈاکوؤں کو ایک کونے میں جمع کر دیا گیا۔ جانبازوں کے نیزوں کے پھل ان کی پسلیوں میں چبھ رہے تھے اور تلواریں سروں پر چمک رہی تھیں۔ ظریف کماندار ان سے فارغ ہو کر پہلے ملکہ جہاں کے حضور جھکا پھر شہزادہ خرم کو تعظیم دیتا ہوا شمشیر کی طرف پلٹا۔

"سرکارِ والا تبار! دیکھئے عبدالمنان کے جوہر۔ تمہارے لومڑوں کو کس طرح باندھ لایا۔ چھ گیدڑ بھاگنے کی کوشش میں موت کے جنگل میں پہنچا دیئے گئے جہاں وہ ہمیشہ پھریں گے۔ پدرم شمشیر بود۔"

پھر وہ شمشیر کے سامنے کسی لڑاکی عورت کی طرح ہاتھ نچاتا اور تمسخر اڑاتا ہوا کہنے لگا۔

"ابے گھامڑ! تو شہزادہ خرم ذی شان تو بن بیٹھا مگر شہزادہ کے بچپن کے دوست کو نہ پہچان سکا۔ میں عبدالمنان نہیں ظریف کماندار ہوں شہزادہ خرم کے اتالیقِ اوّل کا بیٹا اور بچپن کا دوست ——— کیا اب میں تجھے دلارام کے گھر کا پتہ بتاؤں؟" وہ انگشتِ شہادت سے اپنا سینہ ٹھونکتا ہوا بولا۔ "یہ ہے اس کا گھر۔"

سب لوگ ظریف کماندار کی باتوں پہ مسکرانے لگے۔ دلارام نے خود کو شرم سے نیلی اور شہزادی گلبانو کی اوٹ میں چھپا لیا تھا۔ ادھر شمشیر کی یہ حالت کہ کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں۔ وہ اپنے خیال کے مطابق شاہی محل میں ایک ناٹک کھیل رہا تھا مگر جو ڈراما اس کے ساتھ کھیلا جا رہا تھا۔ اس سے غافل رہا۔ اب یہ ڈراپ سین بالکل ویسا ہی تھا۔ جیسا شہزادہ خرم چاہتا تھا۔

خرم اور شمشیر کی شکل حیرت انگیز طور پہ ملتی تھی۔ ایک پر دوسرے کا گمان ہوتا تھا۔ فرق تھا تو آواز میں، کوئی ظاہری امتیاز تھا تو صرف اتنا کہ شمشیر کے ایک کان کی لو کٹی ہوئی تھی۔ اس مشابہت نے سب کو حیران کر دیا۔

شہزادی گلبانو نیم تاریک گوشہ میں تصویرِ حیرت بن کے رہ گئی۔ وہ شہزادہ خرم کے دھوکا میں ایک ڈاکو سے پیار کرتی رہی تھی۔

اچانک ملکہ جہاں آگے بڑھی اور شمشیر کے بالکل سامنے آکر رکی۔ اس کی آواز نے طلسمِ محویت توڑ دیا۔

"شمشیر ——— ! تم نے ڈاکے مارے، لوگوں کو لوٹا، بے گناہوں کو قتل کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت اور عوام کو دھوکا دیا۔ نقلی شہزادہ بن کر ایک ماں کے جذبات اور ایک شہزادی کی عزت اور محبت سے کھیلنے کی کوشش کی۔ تمہارے جرم اتنے زیادہ، اتنے بھیانک ہیں کہ ان کے سامنے موت کی سزا بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے باوجود ہم تمہارا بیان سنیں گے۔ تمہیں صفائی کا موقع دیں گے۔ ہمیں بتاؤ تم کون ہو۔ کہاں پیدا ہوئے، تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟"

شمشیر نے ملکہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ شاید وہ ان میں رحم کی جھلک تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس نے نظریں چرا لیں اور ڈوبی سی مدھم آواز میں کہنے لگا۔

"میں کچھ نہیں جانتا، میرے ماں باپ کون تھے۔ کہاں رہتے تھے کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن کی صورت دیکھی نہ اُن کے نام سُنے۔ شاید وہ میرے پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔ شاید ولادت کے بعد انہوں نے مجھے کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا یا کسی بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دیا تھا، میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ غریب تھے یا امیر، محتاج تھے یا غنی، رحم دل تھے یا ظالم مجھے علم نہیں، میں نے سانگا جنگل کی ایک شکستہ حویلی میں ہوش سنبھالا اور درندوں کی آوازیں سُنتا جوان ہو گیا۔

سانگا جنگل میں سردار نے میری پرورش کی، مجھے ڈاکہ زنی سکھائی۔ اس کے ساتھ پانچ اور ڈاکو اسی حویلی میں رہتے تھے۔ بڑے خوفناک بڑے بھیانک مگر اپنے سردار کا حکم بے چون و چرا مانتے تھے۔

سردار اس وقت جب میرا بچپن صرف تین سال کا تھا مجھے کسی بستی سے اٹھا لایا تھا، میں اس بستی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ اسی نے میرا نام شمشیر رکھا، میری پرورش کی اور مجھے اپنے پیشے کا وارث بنایا، میں سترہ سال کا تھا جب وہ مر گیا اور ڈاکوؤں نے مجھے اپنا سردار بنا لیا کیونکہ میں بہادر اور دلیر تھا۔ ایک ڈیڑھ سال کے اندر میں نے ساتھیوں کی تعداد بڑھا لی۔ جنگل کی حویلی کو تعمیر و مرمت کے بعد ایک مضبوط پناہ گاہ بنا دیا۔ جہاں ہم قانون کے محافظوں اور جنگل کے درندوں سے محفوظ تھے۔

میری قسمت میں ڈاکہ زنی لکھی تھی۔ لوگوں سے چھین جھپٹ کر کھانا میرا مقدر بن گیا تھا۔ اگر بچپن میں سردار کی بجائے مجھے کوئی فقیر اغوا کر لیتا تو شاید میں بھی آج بازاروں میں بھیک مانگ رہا ہوتا۔ اگر میں کسی اچھے آدمی کے ہاتھ لگتا تو ضرور اچھا آدمی بنتا مگر مقدرات اٹل ہیں۔ بچپن کی تربیت نے مجھے ڈاکو بنا دیا۔

لاچی خاں میرا ایک نائب تھا ایک روز اس نے یہ انکشاف کر کے مجھے حیران کر دیا کہ میری شکل ہو بہو صفدر نگر کے ولی عہد شہزادہ خرم ذی شان سے ملتی ہے جو بہار شی قلعہ میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد عنقریب صفدر نگر لوٹنے والا ہے اگر اُسے ہلاک کر کے میں خود شہزادہ خرم بن جاؤں تو صفدر نگر کی بادشاہت مفت میں ہاتھ آسکتی ہے۔ چنانچہ

لاچی خاں کے ذریعے ہم نے شہزادہ کو سانگا جنگل میں گھیر ...
میری بد نصیبی کہ ولی عہد بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

میں نے سلطنت پر قبضہ کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں ناکام ... میری کہانی۔ اب آپ جو سزا دینا چاہیں دیں۔ میں رحم کی درخواست نہیں کروں گا۔ کیونکہ جب میں نے کسی پر رحم نہیں کیا تو کسی سے رحم کیوں مانگوں؟"

یہ رُوداد سُنا کر شمشیر خاموش ہو گیا اور کمرے میں ایک بوجھل سا سناٹا چھا گیا۔ اچانک ملکہ جہاں کی آواز سُنائی دی۔

"تم اپنے ماں باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟"

"نہیں —— صرف اتنا یاد ہے۔ سردار کے پاس آنے سے پہلے غالباً میں کسی درویش کے پاس رہتا تھا۔ ایک مرتبہ خود سردار نے بتایا تھا کہ وہ ایک فقیر تھا۔"

اچانک ایک بھاری اور پُر رعب آواز نے سب کو چونکا دیا۔

"ملکہ حضور! یہ آپ کو کچھ نہیں بتا سکے گا کیونکہ خود نہیں جانتا مگر میں نے ابھی ابھی دالان میں کھڑے ہو کر شمشیر کی کہانی سنی ہے اور اب آپ کو بتا سکتا ہوں، یہ کون ہیں؟"

سب کی نظریں دوڑ کر دروازہ پر مرکوز ہو گئیں جہاں گونا بستی کا شیخ چاندی کی موٹھ والا بھاری عصا لیے سردار شاہو کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ بولا۔

"شمشیر کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ سردار شاہو کی بیٹی نیلی کہاں ہے۔ وہ بستی سے نکل کر شہر کی طرف آئی تھی پھر لوٹ کر نہیں گئی۔ ہم دونوں اسی کی تلاش میں آئے ہیں۔"

ملکہ کی بجائے جواب شہزادہ خرم نے دیا۔

"محترم شیخ! نیلی بالکل محفوظ اور اس وقت یہیں موجود ہے۔"

نیلی نے بھی جو شہزادی گلبانو اور دلارام کے ساتھ نیم تاریک گوشے میں کھڑی تھی۔ اپنے مُرشدِ روحانی کی آواز سُن لی۔ وہ دروازہ کی طرف لپکی اور شیخ کے پاس پہنچ کر ادب سے جھک گئی پھر اس نے اپنے بابا کو سلام کیا۔

ملکہ جہاں نے حیرت سے شیخ کی طرف دیکھا۔

"تم شمشیر کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

[illegible] نے بنتِ شاہ کے سر پر اپنے ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ملکہ حضور ——! آپ کے ایک بیٹے نے اس غریب لڑکی کو زندگی بخشی مگر آپ کا دوسرا بیٹا اس بچاری کی جان لینے پر تُل گیا۔"

"دوسرا بیٹا ——؛ ہمارا کوئی دوسرا بیٹا نہیں۔"

"ملکۂ عالیہ! آپ بھولتی ہیں۔ آپ کے ہاں توام بچے پیدا ہوئے تھے اور یہ بدبخت شمشیر آپ ہی کا فرزندِ اول 'جواں بخت' ہے۔"

"جواں بخت کا نام سن کر ملکہ یوں تڑپی جیسے کوئی ننھا سا چوزہ اس کے پاؤں تلے آ گیا ہو۔ ساتھ ہی شہزادہ خرم نے شمشیر کے حلق سے تلوار ہٹالی۔

"جواں بخت —— بے شک ہمارے جڑواں بچے کا نام یہی تھا مگر وہ تو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گیا تھا۔ مُردہ بچے کی تجہیز و تکفین سلطان مرحوم کے چھوٹے بھائی شہزادہ اورنگ شہریار کے سپرد کی گئی تھی جس نے اسے باغِ نوروز میں دفن کر دیا تھا۔ چنانچہ جواں بخت کی قبر باغِ نوروز میں آج بھی موجود ہے۔"

"آپ بجا فرماتی ہیں۔" شیخ نے جواب دیا —— "باغِ نوروز میں ایک ننھی سی قبر کھودی گئی تھی لیکن اس میں جواں بخت دفن نہیں ہوا تھا۔"

"تمہیں کیا معلوم"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے سرکار! آج آپ کو اس راز سے آگاہ کیے دیتا ہوں، جو آپ سے چھپایا گیا تھا۔"

شیخ ایک لمحہ رُک کر بیان کرنے لگا۔

"آپ کو یاد ہو گا، جواں بخت پہلے پیدا ہوا تھا، اس لیے ولی عہد بھی وہی تھا چنانچہ نوروز خاندان کے دستور کے مطابق اس کی پشت پر نشانِ شمشیر داغا گیا۔ جراح کی غلطی سے بچہ تکلیف سے بلبلا اُٹھا۔ اس نے چیخ ماری اور دوبارہ سانس نہ لے سکا۔ سب نے یہی سمجھا، بچہ فوت ہو گیا جس پر محل میں کہرام مچ گیا مگر ایک پہر کے بعد دوسرے بچے خرم نے جنم لیا اور اس کی ولادت کی خوشی میں جواں بخت کا غم بھول گیا۔

سلطان نے اس کی تجہیز و تکفین کا فرض شہزادہ اورنگ شہریار کے سپرد کیا تاکہ وہ خاموشی سے اسے دفن کر آئے۔ شہریار نے اپنے ملازم کو ساتھ لیا اور بچہ کو دفن کرنے کی بجائے ایک طبیب کے پاس لے گیا اور خدا کی قدرت کہ بچے کا دم رکا [illegible] مرا [illegible] تھا صرف حبسِ دم کا شکار ہو گیا تھا۔

شہریار نے بچہ طبیب ہی کے گھر چھوڑا۔ کفن میں چیتھڑے بھرے تو غلام کو ساتھ لے جا کر باغِ نوروز میں مصنوعی جنازہ دفن کر دیا۔ شہزادہ اورنگ شہریار نے ایک خاص مقصد کے تحت سلطان اور ملکہ کو بچے کی زندگی سے بے خبر رکھا تھا۔ چنانچہ شمشیر وہی بچہ ہے۔ جو ایک فقیر کے ہاں پلنے لگا اور جب تین برس کا ہوا ایک روز اسے سانگا جنگل کا سردار اُٹھا کر لے گیا جس نے جواں بخت کا نام شمشیر رکھا اور اسے ڈاکہ زنی کا پیشہ وراثت میں سونپ کر مر گیا۔

"ملکہ بیگم! آپ کے دونوں بچے ہم شکل تھے اور ایک خاص بات یہ ہوئی تھی، کہ دونوں کے جسم پر ولی عہدی کا نشانِ شمشیر داغا گیا تھا۔ دیکھیے شمشیر کا جسم میرے بیان کی تصدیق کرے گا۔"

یہ کہہ کر شیخ نے آگے بڑھ کر شمشیر کے بدن سے اس کا دریدہ لباس ہٹا دیا اور سب لوگ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ اس کی پشت پر بھی ویسا ہی نشانِ شمشیر موجود تھا جیسا شہزادہ خرم کے جسم پر تھا۔ ملکہ جہاں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"بے شک شمشیر میرا بیٹا ہے۔ میرا جواں بخت ہے۔"

شمشیر کی حالت اس قیدی سے مختلف نہیں تھی جسے عین وقت پر پھانسی کے تختے سے اُتار لیا جائے۔ ملکہ جہاں کو اچانک کچھ یاد آیا اور وہ یک لخت شیخ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"مگر تم کون ہو۔ تمہیں یہ باتیں کیونکر معلوم ہوئیں —— تم یہ سب کچھ کیسے جانتے ہو؟"

اس اچانک سوال پر شیخ گھبرا گیا —— بوکھلا گیا، پریشان سا ہو کر بولا۔

"میں ایک بدنصیب انسان ہوں اور سب کچھ کیسے جانتا ہوں یہ بجائے خود ایک راز ہے اور میں ملکہ جہاں سے درخواست کروں گا وہ اس راز کو راز ہی رہنے دیں۔"

"نہیں ——" ملکہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور ساتھ ہی شیخ کی طرف انگلی اُٹھا دی —— "تمہاری آواز میں شناسائی کی جھلک ہے۔ تمہاری باتوں کا انداز اجنبی نہیں —— گفتگو کا لہجہ پرایا نہیں ..... یوں لگتا ہے، میں نے یہ آواز کبھی پہلے بھی سنی تھی مگر .....

پہچان نہیں آ رہا ..... کون ہو تم ؟"

"میں وہ زندہ لاش ہوں جسے لوگ بیس سال ہوئے اپنے ذہنوں میں دفن کر چکے ہیں ــــــ"

"اور ..... نگ ..... شہر ..... یار ....." ملکہ کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے اور شیخ نے سر جھکا دیا۔

"ملکہ جہاں نے مجھے پہچان لیا ہے۔ واقعی میں سلطان مرحوم کا بھائی اورنگ شہریار ہوں جس کے بارے میں آج تک یہی کہانی مشہور ہے کہ وہ بیس سال پہلے گونابستی کی حسینہ نیلی کے ساتھ سانگاندی میں غرق ہو گیا تھا مگر میں نے دنیا ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ میں ہی وہ فقیر تھا جس نے تین سال تک شہزادہ جواں بخت کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور ایک روز اسے کھو بیٹھا۔"

شیخ کے اس انکشاف پر کمرے میں جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ سب سے پہلے سردار شاہو اور اس کی بیٹی نیلی اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگے پھر شہزادہ خرم اور شمشیر کی نگاہیں دوڑ کر اس کے چہرہ پر مرتکز ہو گئیں۔

نیم تاریک گوشہ میں کھڑی شہزادی گلبانو کے ہونٹوں پر ایک سسکی تڑپ گئی اور دلارام نے اسے فوراً تھام لیا۔ اپنے "مرحوم" باپ کو زندہ و سلامت دیکھ کر حیرت و مسرت سے گلبانو کی عجیب حالت ہو گئی تھی اگر دلارام نے اسے تھام نہ لیا ہوتا تو شاید گر گئی ہوتی۔

اس کے بعد قصر جہاں کی فضا مسرت آمیز سسکیوں، خوشی کے آنسوؤں اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے ماں بیٹے، باپ بیٹی، بھائی بھائی اور چچا بھتیجوں کے باہمی ملاپ کی خوشبو سے معمور ہو گئی۔

جب گونابستی کے شیخ یا شہزادہ اورنگ شہریار نے شہزادی گلبانو کے ہونٹوں پر تڑپنے والی سسکی کی آواز سنی، پدرانہ شفقت کے جوش میں لپکتا ہوا بیٹی کی طرف بڑھا اور اس سے لپٹ گیا۔

ادھر شمشیر نے اٹھ کر ملکہ جہاں کے قدم تھام لیے اور ماں کے پاؤں پر سر رکھ کر زار و قطار رونے لگا۔ قصر جہاں میں کوئی فرد ایسا نہ تھا۔ جو اس دلگداز منظر کو دیکھ کر اپنے آنسو ضبط کر سکا ہو۔ سب کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔

ملکہ جہاں نے شمشیر کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور روتے ہوئے بولی۔

"میرے بیٹے! میرے جواں بخت!! اٹھو تمہاری جگہ قدموں میں نہیں سینے میں ہے تقدیر نے تمہارے ساتھ جو ناانصافی کی ہے میں اس کی تلافی کروں گی۔"

شمشیر آنسوؤں سے ڈوبی آواز میں کہنے لگا۔

"ماں! میں کیسا بدنصیب بیٹا ہوں۔ پیدا ہوتے ہی تمہاری گود سے جدا کر دیا گیا پھر چچا سے بچھڑا اور جب جوان ہوا تو بدبختی نے میرے ہاتھوں میں شمشیر برہنہ دے دی کہ اپنے ہی عزیزوں کی گردنیں کاٹنے نکلوں۔ اپنے ہی چمن کی رونقیں پامال کروں۔ اپنا ہی گھر پھونک کر تماشا دیکھوں۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں بیٹے! یہ اس تقدیر کا کھیل ہے جو ہنستے بستے شہروں کو پل بھر میں کھنڈر بنا دیتی اور بڑے بڑے جہاں پناہوں سے ان کے مرتبے چھین لیتی ہے۔ زمانے کی گردش تمہیں غلط راستوں پر لے گئی لیکن ہر شے ایک دن اپنی اصلیت پہ لوٹ آتی ہے ــــ بدنصیب تو میں تھی جس نے اپنا جگر گوشہ اپنے ہاتھوں موت کے حوالے کر دیا تھا ــــ"

شمشیر ماں کے بازوؤں سے نکلا تو اس کی بھیگی ہوئی نظریں خرم کے چہرے سے ٹکرائیں اور "خرم ــــ!" کہہ کر والہانہ، بے تابانہ اس سے لپٹ گیا۔

دونوں بھائی اس طرح بغل گیر ہوئے جیسے طوفان کی دو بپھری ہوئی لہریں آپس میں ٹکراتی اور ہم کنار ہو جاتی ہیں۔ دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے روتے رہے شمشیر کہہ رہا تھا ــــ

"خرم مجھے معاف کر دو، میں نے سلطنت کی خاطر تمہاری زندگی چھین لینا چاہی ــــ میں تمہارا مجرم ہوں۔"

"اگر تم ایسا نہ کرتے تو آج ہم کیسے ملتے ..... روٹھی تقدیر ہم پر مہربان ہو گئی تھی۔ اس نے تمہیں شاہی محل کا راستہ دکھایا جہاں ماں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

خرم سے بغل گیر ہونے کے بعد شمشیر نے وزیر سلطنت شباقی بابا اور سپہ سالار رستم خاں سے بھی معافی مانگی پھر وہ خرم کا ہاتھ تھامے شہزادی گلبانو کے پاس پہنچا اور بولا۔

"گلبانو ــــ! میں تم سے بھی معافی چاہتا ہوں۔ خرم بن کر تمہیں دھوکا دیا

رہا۔ اب محترم ہی کو اپنی سفارش کے پیسے لے کر آیا ہوں "۔

گگبانو نے شرما کر سر جھکا لیا اور شمشیر اورنگ شہریار کے قدموں سے لپٹ کر کہنے لگا۔

' چچا حضور ـــــ ! آپ ہی نے مجھے زندگی بخشی ' میری پرورش کی - مجھ پر آپ کا حق سب سے زیادہ ہے ..... "

شیخ نے اپنے عصا کی طرح شمشیر کو بھی تھام لیا پھر دونوں لپٹ گئے۔ باہر رات کی پہلی نوبت بج رہی تھی -

(منظر ۴۲)

شیخ کی داستان

یہ انکشاف بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ گونا بستی کا شیخ جسے لوگ اپنا مرشدِ روحانی مانتے تھے - دراصل شہزادہ اورنگ شہریار ہے جس نے بیس برس قبل محبت کی خاطر شاہی محل کو چھوڑ دیا اور چاند کی چودھویں رات کو جب سانگا ندی میں سیلاب کی باڑھ چل رہی تھی اپنی محبوبہ نیلی کے ساتھ ہی غرق ہو گیا تھا -

اورنگ شہریار کس طرح بچ گیا حالانکہ بستی والوں نے دونوں کو ہلاکت خیز بھنور میں ڈوبتے دیکھا تھا پھر کشتیاں ندی میں اتار دیں - جال پھینکے اور غوطہ خور انہیں ڈھونڈتے رہے مگر اُن کی لاشیں بھی نہیں مل سکی تھیں -

شہریار کو اگر طوفانی موجوں نے بستی سے کہیں دُور ساحل پر اُگل دیا تھا تو حیرت اس بات پر تھی کہ وہ گونا بستی کا شیخ کس طرح بن گیا اور بستی والے اُسے پہچان کیوں نہ سکے کہ وہی شہزادہ اورنگ شہریار ہے ؟ "

ملکہ جہاں اور وزیرِ سلطنت شباقی بابا نے اصرار کیا تھا وہ اُنہیں اپنی سرگزشت سنائے کہ اس پر کیا بیتی اور قبائے شہریاری اُتار کر اس نے فقیری جامہ کیوں پہن لیا ؛

شیخ انہیں اپنی آپ بیتی سنانے پر آمادہ ہو گیا چنانچہ دوسرے دن قصرِ خاص میں

...مند ہوئی جہاں ملکہ اپنے دونوں بیٹوں شہزادہ جواں بخت (شمشیر) اور شہزادہ خرم ذی شان کے درمیان مسند پر متمکن تھی۔ شہزادی گلبانو، نوروز خاندان کی دیگر خواتین اور خاص خاص اُمرا کی بیگمات پسِ پردہ جھروکوں میں بیٹھی تھیں۔

مسند کے سامنے وزیرِ سلطنت شیبانی خاں، سپہ سالار رستم خان، ریاست کا دیوان شاہی طبیب، شہزادہ خرم کا یارِ غار ظریف کماندار، خوبصورت بیگ، سرائے شہریار کا جگتی منتظم داراب اور چند دیگر معززین کے علاوہ گونا بستی کا سردار شاہو بھی بستی کے دو تین معتبر آدمیوں سمیت موجود تھا۔

ان سب سے الگ تھلگ شاہی مسند اور حاضرین کی نشستوں کے درمیان شیخ چاندی کی موٹھ والا عصا لیے اپنے جامۂ فقیری میں ایک مسند پر بیٹھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب حاضرین شیخ کو مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور قصرِ خاص پر سناٹا سا طاری تھا اور جھروکوں پر لٹکتے پردوں کے پیچھے بھی بیگمات سانس روکے بیٹھی تھیں۔ ملکہ جہاں کے اشارے پر شیخ نے اپنی سرگزشت کا آغاز کیا اور کہنے لگا۔

"میری زندگی ایک ادھوری محبت کی داستان ہے مگر محبت کی ناکامی نے مجھے ایک ایسی منزل کا راستہ دکھایا جس سے پہلے میں واقف نہیں تھا۔ جیسا سب لوگ جانتے ہیں اور مجھے اپنی زبان سے بھی بیان کرتے ہوئے کوئی ندامت محسوس نہیں ہوتی کہ میں نے گونا بستی کی ایک غریب لڑکی نیلی سے محبت کی اور ایسی تھی وہ محبت جس کے سامنے کائنات کی ہر چیز حقیر معلوم ہوتی تھی۔

مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ میرے بھائی سلطان مرحوم اور ملکہ جہاں مجھ سے بہت پیار کرتے اور ولی عہدِ سلطنت کی حیثیت میں میرے تمام حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے نوروز خاندان کی شہزادی گلنار سے میری شادی بھی کر دی۔ ہم میاں بیوی ایک دوسرے سے خوش تھے۔ اُس وقت تک میں محبت کے کسی حادثے سے دوچار نہ ہوا تھا۔ مجھے خبر تھی کہ محبت کے بغیر زندگی اس ویرانے کی مانند ہے جہاں بادِ نسیم کا گزر نہیں ہوتا۔ مگر ایک رات اچانک اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی۔ میں اپنے محافظوں کے ہمراہ گونا بستی سے گزرا اور ندی کنارے محبت کے اس حیرت انگیز حادثے سے دوچار ہوا جو دو دلوں کو پہلی ہی نظر میں ایک ساتھ دھڑکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

گونا بستی کے ملاح اور مچھیرے چودھویں رات کا جشن منا رہے تھے اور ان کے درمیان سردار کی لڑکی جس کا نام مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ نیلوفر تھا، رقص کے جادو جگا رہی تھی۔

بستی کا سردار میری رکاب تھام کر کھڑا ہو گیا اور صفدر نگر کے ولی عہد کی آمد کو اپنی خوش بختی سے تعبیر کرنے لگا مگر میں تو رقص کے جادو میں کچھ اس طرح کھو گیا تھا کہ اس کی کسی بات پر توجہ ہی نہ دے سکا۔ اور جب رقص تھما دل پر قیامت سی بیت گئی کیونکہ میرے سامنے ایک ایسی لڑکی کھڑی تھی جس کے رُوپ کا ہر انداز انوکھا اور جس کی ہر نگاہ مجھے محبت کی دعوت دے رہی تھی۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ نیلی کائنات کی تمام لڑکیوں سے زیادہ خوب صورت تھی، لیکن جب ہماری نظریں ملیں تو یوں لگا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ اسے دیکھ لینے کے بعد ہی مجھ پر یہ راز منکشف ہوا کہ عورت اگر کائنات کا حُسن ہے تو اُس کی محبت ایک عطیۂ آسمانی ہے۔ اسی لیے ازل سے مرد عورت کی محبت میں اسیر ہوتا رہا اور وہ اس کی کمزوری سمجھی جاتی ہے۔

اس واقعے کے بعد میں کسی نہ کسی بہانے چاند کی ہر چودھویں رات کو گونا بستی پہنچ جاتا اور نیلی کا رقص دیکھتا۔ اُس سے ملتا اور اپنے دل کی بیقراریوں کا حال بیان کرتا تھا۔ اس بھید سے صرف میرا ملازمِ خاص داراب واقف تھا۔

پُرانی روایت کے مطابق بستی کے ملاح اور ماہی گیر بڑی باقاعدگی سے چودھویں کا جشن مناتے اور نیلی ناچتی تھی۔ وہ لوگ خود بھی نہیں جانتے کہ جشن اور ناچ کی رسم کب اور کیسے شروع ہوئی مگر چودھویں کا جشن منانا اور سردار کی لڑکی کا رقص کرنا اُن کی پُرانی رِیت ہے۔

میں نے بڑے بوڑھوں سے سُنا کہ اُن کے پُرکھوں نے چاند کے مہینے کو دو پاکھوں میں بانٹ دیا تھا۔ پہلا حصّہ اُجالے اور چاندنی کا پاکھ کہلاتا، جب چاندنی مکمل ہوتی ہے۔ یہ پاکھ "شُدی پکش" ہے۔ دوسرا حصّہ اندھیرے کا پاکھ یا "بدی پکش" سمجھا جاتا ہے۔ جب اندھیرا مکمل اور گھور ہو جاتا ہے۔

چودھویں رات کو "پورن ماشی" کی رات اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ چاند کے پورے ہونے کی تاریخ ہے۔ چاندنی یا اُجالا چونکہ زندگی کی علامت ہے۔ اس لیے پُرانے وقتوں

کے لوگ پورنماشی یا چاند کی چودھویں رات کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور چاند مہینے کی اسی تقسیم کے مطابق بعض علاقوں میں "چودھویں کا جشن" منانے کی ریت چلی ہو گی مگر میں سمجھتا ہوں، گونابستی میں اس روایت کا تعلق ضرور محبت کی کسی کہانی سے ہے کیونکہ چودھویں رات کے جشن میں سردار کی لڑکی کا رقص کرنا ضروری ہے۔ شاید اگلے وقتوں میں محبت کی کسی کہانی کا آغاز چاند کی چودھویں رات سے ہوا ہو گا اور اس کہانی کی ہیروئن سردار کی لڑکی ہو گی۔

آہستہ آہستہ میری محبت کا راز فاش ہونے لگا۔ وہ کرن جو نیلی کی آنکھوں سے نکل کر میرے دل کے تاریک حجرے کو منور کر گئی، محبت کی چاندنی میں ڈھلتی چلی گئی۔

میں شہزادی گلنار کا شوہر اور صلدر نگر کا ولی عہد تھا۔ سلطان کے بعد مجھے کاروبارِ حکومت سنبھالنا تھا مگر میرے ساتھ محبت کا جو واقعہ ہو گزرا تھا میں اپنی رفیقِ حیات کو اس سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شہزادی گلنار کو اپنا حال سنایا۔ ڈرتا تھا کہیں وہ خفا نہ ہو جائے لیکن میں اس بات پر فخر کر سکتا ہوں کہ میری رفیقِ حیات بڑی فراخ دل اور اپنے شوہر کے جذبات کو سمجھنے اور اس کا ساتھ دینے والی عورت تھی۔ اس نے نہ صرف مجھے نیلی سے ملنے کی اجازت دے دی بلکہ کہا کہ وہ ملکہ جہاں سے سفارش کر کے نیلی سے دوسری شادی کا بندوبست کرے گی۔

گونابستی کے سردار کو ہماری محبت پہ کوئی اعتراض نہ تھا مگر صرف ایک خوف اسے پریشان رکھتا کہ کہیں بستی پہ کوئی آفت نہ آ جائے اور وہ آفت بہرحال مقدر تھی جس سے کہیں واقف نہ تھا۔ شاید سلطان میری دوسری پر آمادہ ہو جاتے اور نیلی کو شاہی حرم سرا میں داخلہ کی اجازت بھی مل جاتی لیکن جیسا میں نے عرض کیا ہے۔ ہماری محبت کی بربادی مقدر تھی اور اس پہ برقِ آسمانی سے بھی کہیں زیادہ خوفناک بجلی ٹوٹنے والی تھی جو ٹوٹی اور دو کشتگانِ محبت کو جلا کر بھسم کر گئی ——

اس بجلی کا نام ملکہ جہاں ہے جو اس وقت میرے رو برو مسند پہ بیٹھی ہیں کیونکہ ملکہ جہاں نے سلطان مرحوم کو میرے خلاف ورغلایا، بھڑکایا اور ایک طوفان اٹھایا کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں اور اگر گونابستی کی ایک غریب لڑکی شاہی محلوں میں داخل ہو گئی تو نعوذ خاندان رسوا ہو جائے گا اور لوگوں کے دلوں سے شاہی خواتین کا احترام اٹھ جائے گا ——"

ملکہ جہاں کی ذات پہ اس الزام کے ساتھ ہی محفل میں ایک سنسنی سی پھیل گئی اور

شیخ اپنے عصا کی نقرئی موٹھ کی طرف لہرا کر کہنے لگا۔

"یہی عورت جس کا میں نے ہمیشہ ماں کی طرح احترام کیا۔ میری محبت کی تباہی کا باعث بنی۔ اس نے شہزادی گلنار کو ملامت کی کہ وہ میرے حق میں نیلی کی سفارش کر کے نعوذ خاندان کی توہین کر رہی ہے۔ شاہی قوانین کا مذاق اڑاتی ہے۔

ملکہ جہاں نے نیلی کی محبت کے ساتھ اس کی غربت کا بھی تمسخر اڑایا کہ وہ گونابستی کے ملاحوں اور مچھیروں کی ایک مفلس لڑکی ہے اور شاہی محلات میں صرف شہزادیاں اور اونچے خاندانوں کی صاحبزادیاں ہی داخل ہو سکتی ہیں۔

ایسی عورت نے جوان ایام میں امید سے تھی۔ میری اور نیلی کی محبت کے درمیان بادشاہت اور رعایا —— امیری اور غریبی —— شاہی خون اور نسل —— خاندانی عزت و وقار اور قانون کی اونچی دیواریں کھڑی کر دیں اور سلطان کو مجبور کر دیا کہ وہ مجھ سے پیار کا رشتہ توڑ لیں اور اعلان کر دیں کہ اگر میں محبت کی دیوانگی سے باز نہ آیا تو ولی عہدی کے اعزاز سے محروم کر دیا جاؤں گا۔

نیلی کی محبت کے سامنے مجھے تاج و تخت ہیچ معلوم ہو رہے تھے۔ میں سلطنت و حکومت کی عظمتیں ایک غریب لڑکی کے بھولے سے تبسم پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور سلطان سے عرض گزار ہوا کہ مجھے حکومت اور بادشاہت نہیں چاہیے۔ میں صرف اپنی محبت کی تکمیل چاہتا ہوں لیکن ملکہ جہاں نے میرے اس جواب کو گستاخی اور اپنی توہین پر محمول کیا اور میری نظر بندی کا اشارہ دیا کہ کچھ عرصہ قید رہوں گا تو محبت کا نشہ اتر جائے گا۔ چنانچہ سلطان نے مجھے شاہی محل میں نظر بند کر دیا۔ صرف داراب کو مجھ سے ملنے جلنے کی اجازت تھی۔

گونابستی کے سردار کو بھی ڈرایا دھمکایا گیا کہ وہ اپنی لڑکی کو محبت کا ناٹک کھیلنے سے باز رکھے ورنہ بستی کے ساتھ اسے بھی تہس نہس کر دیا جائے گا۔

میری نظر بندی پہ دوسرا مہینہ جا رہا تھا کہ ملکہ جہاں کے وضعِ حمل کی ساعت آ گئی اور رات کے پہلے پہر "جہان بخت" کی ولادت ہوئی جس کی خوشی میں میری نظر بندی ختم ہو گئی اور میں سلطان کو مبارک باد دینے کے لیے حاضر ہوا۔ انہوں نے وفورِ جذبات میں مجھے گلے سے لگا لیا اور کہا۔

"خدا نے ہمیں بیٹا دیا ہے لیکن ہم اعلان کرتے ہیں کہ سلطنت پہ پہلا حق تمہارا

بنارا بیٹا تمہارے بعد ولی عہد ہوگا ——"

حالاں کہ مجھے ولی عہدی کے اعزاز سے دلچسپی تھی نہ حکومت و سلطنت سے کوئی سروکار تھا۔ اسی لمحے اچانک خبر آئی کہ ملکہ جہاں کے بطن میں ایک دوسرا بچہ بھی ہے جس کی پیدائش تھوڑی دیر میں متوقع ہے۔ یہ سنتے ہی سلطان نے دوسرے بچے کی پیدائش سے قبل ہی جواں بخت کی پشت پر ولی عہدی کا نشانِ شمشیر داغنے کا حکم دے دیا تاکہ اس کا حق ثابت رہے لیکن یہ کام چونکہ عجلت میں اور قبل از وقت کیا گیا تھا اس لیے نشانِ شمشیر داغتے وقت جواں بخت کی چیخ سینے ہی میں گھٹ کر رہ گئی اور اس کا دم اُلٹ گیا۔

شاہی طبیب نے سانس کی آمد و شد کے لیے بڑے جتن کیے مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اسے مردہ سمجھ لیا گیا۔ ساری خوشیاں ماتم میں تبدیل ہوگئیں۔ سلطان دل تھام کر رہ گئے۔ تاہم پورے ایک پہر کی تاخیر سے مایوسی اور بے یقینی کے اندھیرے میں خوشی کی ایک اور کرن پھوٹی اور ملکہ جہاں کے ہاں دوسرے بیٹے نے جنم لیا جس کا نام اس دوسری خوشی کی مناسبت سے خرم رکھا گیا۔

سلطان چاہتے تھے کہ اس افسوسناک واقعہ کی تشہیر نہ ہو جو دراصل ان کی جلدبازی کے نتیجے میں پیش آیا تھا۔ انہوں نے جواں بخت کی تجہیز و تکفین میرے سپرد کی تاکہ کسی کو اس حادثہ کی خبر نہ ہو سکے۔

جو لوگ پہلے بچے کی وفات سے آگاہ تھے انہیں منع کر دیا گیا کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔ عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ توام بچوں میں سے ایک فوت ہو جائے تو دوسرے کی زندگی بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ غالباً سلطان نے اسی لیے پیش بندی ضروری سمجھی تھی۔

میں اپنے ملازمِ خاص داراب کے ساتھ جواں بخت کو دفنانے کے لیے باغِ نوروز کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ہم اس کے دروازہ میں داخل ہوئے تھے کہ مُردہ بچے نے جو ایک چھوٹے سے کفن میں لپٹا تھا اچانک میرے بازو پر ٹانگ چلائی۔

ہم دونوں دنگ رہ گئے۔ کفن سرکا کر بچے کا چہرہ دیکھا تو اس پر بدستور موت کی زردیاں کھنڈی ہی تھیں۔ داراب کے مشورے سے بچے کو دفن کرنے کی بجائے میں ایک حکیم کے پاس لے گیا۔ اس نے بچے کو اُلٹا لٹا کر پشت تھپتھپائی پھر منہ میں منہ ڈال کر اس کے سینے میں اپنا سانس داخل کرنے لگا اور خدا کی قدرت کہ اس عمل سے بچے کے سینے میں اٹکا ہوا دم

چل پڑا۔ اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکلی اور مُردہ زندہ ہوگیا۔

میں اس واقعہ پر حیران بھی تھا اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید اس حکمتِ الٰہی میں ملکہ جہاں اور سلطان کے لیے کوئی تادیب پنہاں ہے اور اس خیال کے پیشِ نظر جو اچانک غیب سے میرے ذہن میں ڈالا گیا۔ میں نے داراب اور حکیم کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ جواں بخت کے جی اُٹھنے کا کسی سے ذکر نہیں کریں گے اور داراب ہی چوری چھپے اس کی پرورش کرے گا۔

اس کے بعد ہم نے کفن میں چیتھڑے بھرے اور باغِ نوروز کے باغبانوں اور نوکروں کی موجودگی میں ایک مصنوعی جنازہ دفن کر دیا۔ کیونکہ اس وقت تک صبح نمودار ہو چکی تھی۔ اس طرح باغِ نوروز میں جواں بخت کی چھوٹی سی قبر نمودار ہوئی جسے بعد ازاں پختہ کر دیا گیا۔

اس وقت میں خود بھی نہیں جانتا تھا کہ شہزادے کی دوسری زندگی کو جو محض خدا کی بخشش تھی۔ ملکہ جہاں اور سلطان اور لوگوں سے کیوں چھپا رہا ہوں۔ بس کوئی غیبی طاقت مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ شاید قدرت چاہتی تھی کہ یہ بچہ شاہی محلوں کی بجائے کسی غریب کے جھونپڑے میں پرورش پائے اور دنیا کو معلوم ہو سکے کہ انسانوں کے درمیان خون اور نسل اور خاندانی وقار کی جو دیواریں بلند کر دی گئی ہیں وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ انسان غریب ہو یا امیر، فقیر ہو یا بادشاہ' خون سب کا سُرخ ہوتا ہے۔

اُدھر چودھویں رات قریب آ رہی تھی اور میں جانتا تھا نیلی میری جُدائی میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہوگی چنانچہ شاہی محل سے چوری چھپے نکلا اور پیادہ پا گوتا بستی کی طرف چل دیا۔ ابھی رات اپنے پچھلے پہر سے گزر رہی تھی کہ سانگا ندی پر پہنچ گیا مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ندی میں زبردست طغیانی تھی اور گھاٹ پر کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ طوفان کے باعث ساری کشتیاں بستی کے ساحل پر اکٹھی کر دی گئی تھیں۔

کشتی کے بغیر سانگا ندی کو عبور کرنا جان جوکھوں کا کھیل تھا۔ برسات کی وجہ سے دریا نہ صرف طغیانی پر تھا بلکہ طوفان کی باڑھ اتنی تُند و تیز تھی کہ کوئی ملاح بھی رات کے وقت اس طوفان میں کشتی اتارنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا مگر میں نیلی سے بہرحال ملنا اور اُسے اپنی لافانی محبت کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ یہی چاند کی چودھویں رات ہماری زندگی کا محور

بن گئی تھی ۔

گونا بستی میں ندی کنارے پورنماشی کی محفل جمی تھی اور نیلی اپنے مشعل بردار ساتھی کے ہمراہ رقص کر رہی تھی ۔ اگر ندی میں سیلاب کی باڑھ چل رہی تھی تو میرے دل میں محبت کا طوفان موجزن تھا ۔ میں نے ساحل پر کھڑے ہو کر نیلی کو آواز دی اور یہ سوچ کر دریا میں چھلانگ لگا دی کہ طوفان کی باڑھ کو چیرتا ہوا نکل جاؤں گا ۔

دوسرے کنارے پر نیلی نے میری آواز سن لی پھر یہ دیکھ کر کہ میں دریا میں کود پڑا ہوں وہ دیوانہ وار گھاٹ کی طرف بھاگی اور ایک چھوٹی ناؤ میں بپھری لہروں کا سینہ چیرتی میری طرف بڑھنے لگی ۔

جوشِ محبت نے مجھے اس بات پر غور کرنے کا بھی موقع نہیں دیا تھا کہ اس موسم میں دریا عبور کرنا انسانی طاقت سے بعید ہوتا ہے ۔ طوفانی موجوں سے لڑتے لڑتے میرا دم ٹوٹنے لگا ۔

نیلی نے میری کیفیت کو بھانپ لیا اور اپنی ڈگمگاتی کشتی کو سنبھالتی وسطِ دریا تک پہنچ گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ مجھے سہارا دیتی' ناؤ ایک بڑے گرداب میں پھنس کر ناگہاں الٹ گئی اور نیلی لٹو کی مانند گھومتے ' چکراتے بھنور میں اترنے لگی ۔ اس نے خود کو بچانے کی بہت کوشش کی ۔ میں بھی اپنے جسم کی تمام تر طاقت صرف کرتا بھنور کی طرف لپکا کہ اسے قعرِ دریا سے بچا سکوں لیکن کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور اس کے ساتھ میں بھی گرداب اجل میں اتر گیا ۔

پھر کیا ہوا یہ میں نہیں جانتا ۔ البتہ ڈوبنے سے پہلے میں نے گونا بستی کے ملاحوں کو بھاگتے' دوڑتے اور گھاٹ سے کشتیاں کھولتے ضرور دیکھا تھا ۔

ہوش آیا تو ایک درویش کے جھونپڑے میں لیٹا تھا جو گونا بستی سے بہاؤ کے رخ گیارہ بارہ میل دور تھا ۔ غالباً طوفان کی باڑھ نے مجھے ساحل پر اچھال دیا اور وہ درویش ہی بے ہوش یا مردہ سمجھ کر اٹھا لایا تھا ۔ ہوش میں آتے ہی میں نے سب سے پہلے نیلی کے بارے میں پوچھا مگر درویش نے بتایا کہ ندی میں کئی دن سے باڑھ چل رہی ہے اور اس نے میرے سوا کسی اور کو نہیں دیکھا ۔ اگر میرے ساتھ کوئی لڑکی بھی ڈوبی تھی تو ضرور اس کی لاش طوفانی موجوں کے ساتھ کہیں آگے بہہ گئی ہوگی کیونکہ گونا بستی تو یہاں سے بارہ

میل دور ہے ۔

یہ سن کر میرے حواس اڑ گئے اور میں چلایا کہ ——— " اگر نیلی مر گئی ہے ۔ تو میں جی کر کیا کروں گا ——— "

یہ کہہ کر دریا کی طرف بھاگا کہ ڈوب مروں مگر درویش نے مجھے سمجھایا ۔ انسان کا اپنی زندگی پر اختیار نہیں ۔ مجھے ڈوبنا ہوتا تو کبھی کا ڈوب چکا ہوتا لیکن پورے چار پہر دریا میں غرق رہنے کے باوجود اگر قدرت نے مجھے زندہ رکھا ہے تو ضرور اس میں کوئی الٰہی مصلحت ہے اور مجھے اس کی مصلحت کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے ۔

درویش کی اس بات نے میرے قدموں میں زندگی کی زنجیر ڈال دی اور میں خود کو موت کے حوالے نہ کر سکا ۔ یہ المناک حقیقت بھی جلد معلوم ہو گئی کہ نیلی جو میری محبت' میری زندگی تھی' ساگنا ندی میں غرق ہو چکی ہے اور گونا بستی کے ملاح' مچھیرے اور غوطہ خور بڑی کوشش کے باوجود اس کی لاش بھی تلاش نہیں کر پائے ۔

میں بھی ان کے سامنے نیلی کے ساتھ ہی غرق ہوا تھا اور وہ اس خوف سے لرزہ براندام تھے کہ نہ جانے اس حادثہ کے بعد ان پر مزید کون سا قہر و عتاب نازل ہوگا ۔

نیلی کی غرقابی کے ساتھ ہی میری دنیا اجڑ گئی ۔ مجھے شاہی محلوں سے' محلوں کی زندگی سے' زندگی کی چہل پہل سے حتیٰ کہ دنیا سے نفرت ہو گئی ۔ جس دنیا میں نیلی نہیں تھی ۔ میں وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا مگر درویش بابا نے میری ڈھارس بندھائی اور سمجھایا ۔

" آدمی دنیا میں اپنی مرضی سے نہیں آتا بھیجا جاتا ہے اور جب تک بھیجنے والا اسے نہیں بلاتا اس کا واپس جانا عبث ہے ۔ کیونکہ موت کا دروازہ نہیں کھلے گا "۔

یوں لگتا تھا' اب دنیا میں میرے لیے کچھ باقی نہیں رہا ۔ محبت کی دیوانگی مجھے شاہی محلات سے نکال لائی تھی اور میں وہاں لوٹ کر جانا نہ چاہتا تھا ۔ درویش بابا نے کہا ۔

" شاہی محلوں میں لوٹ کر جاؤ یا نہ جاؤ مگر زندگی تمہارے پاس قدرت کی ایک امانت ہے ۔ جس کی حفاظت تم پر فرض ہے "۔

درویش کی باتوں میں زندگی تھی' روشنی تھی' پیار تھا ۔ میں نے اسی جھونپڑی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ۔

میرے اور نیلی کے غرق ہونے کی خبر اڑتی ہوئی صفدر نگر پہنچی اور شاہی محل پر

ی بن کر ٹوٹی ۔ شہزادی گلنار غش کھا کے گر پڑی اور ہوش میں آئی تو ملکہ جہاں پر الزام کی انگلی اٹھائی کہ اُن کی ضد نے نورمذ خاندان کی ایک شہزادی کا سہاگ لوٹ لیا ۔ سلطان میرے غم میں دیواروں سے سَر ٹکرانے لگے ۔ ملکہ جہاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا یا نہیں مگر شاہی محلات پر ماتم، سوگ اور غم کے اندھیرے چھا گئے ۔

سُنا ہے میرے غم میں کئی روز تک محل سرائیں ماتم سرائیں بنی رہیں ۔ مَیں نے علیحدگی اور خاموشی اختیار کر لی کہ اب قدرت جو کچھ چاہتی ہے وہی کچھ ہونا چاہیئے ۔ شہزادہ جواں بخت کے ساتھ مَیں بھی نورمذ خاندان اور دُنیا والوں کے لیے مر گیا ہوں ۔ اب مجھے اپنی قبر سے باہر نہیں آنا تھا ۔

مَیں نے درویش کی جھونپڑی میں فقیری جامہ پہن لیا ۔ داڑھی بڑھائی اور اُس کی ہدایت پر کشکولِ گدائی لے کر لوگوں کے دروازے پر بھی گیا تاکہ میرے ذہن سے بادشاہت اور امارت اور اعلیٰ نسبی کی رہی سہی بُو بھی نکل جائے اور مَیں اپنے آپ کو عام انسانوں سے بھی کمتر سمجھوں ۔

اس طرح درویش بابا نے عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی طرف میری رہنمائی کی اور مجھے ایک نئی محبت کا عرفان بخشا ۔ آہستہ آہستہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ قدرت نے میرے دِل میں زلیخا کے پیار کا شعلہ اس لیے بھڑکایا تھا کہ وہ آگ مجھے جلا کر بھسم کر دے اور اس خاکستر سے عشقِ حقیقی کی چنگاری نمودار ہو ۔

ادھر مَیں درویش کی جھونپڑی میں معرفتِ کردگار کا ایک نیا ورق اُلٹ رہا تھا ادھر گونا بستی پر شاہی عتاب ٹوٹنے لگا ۔ سردار کو اذیت ناک سزا دی گئی جس کی تاب نہ لا کر وہ کچھ عرصہ چارپائی پر پڑا رہا پھر ملکِ عدم کو سدھارا ۔ بستی کے لوگوں پر پابندی عاید کر دی گئی کہ وہ صفدر نگر میں داخل نہیں ہو سکتے ۔ وہ لوگ دریا سے مچھلیاں پکڑتے اور شہر میں فروخت کر آتے تھے مگر اُن کا دھندہ ٹھپ ہو گیا ۔

مجھے اب دُنیا اور دُنیا کے کاروبار سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ آہستہ آہستہ میری زندگی کا محور تبدیل ہو رہا تھا ۔ اب ایک نئی منزل تھی، ایک نیا راستہ تھا ۔ درویشی اور فقیری کی زندگی اختیار کر کے مَیں اپنے دِل کے آئینے سے دُنیا کا مَیل صاف کرنے اور معرفتِ الٰہی کے کوچے میں داخل ہونے کے لیے جھونپڑی میں چلّہ کشی بھی کرنے لگا ۔ آس پاس کے

دیہات کے علاوہ کبھی کبھار گونا بستی کے لوگ بھی درویش بابا سے خیر و برکت حاصل کرنے آتے تھے لیکن مجھے کوئی بھی نہ پہچان سکا ۔ میری زندگی بدل گئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ مَیں خود بھی بدل گیا تھا ۔

مجھے درویشی اختیار کیے ابھی چھ مہینے گزرے تھے کہ اچانک شہزادی گلنار کے انتقال کی خبر نے دِل پر ایک اور چرکا لگایا ۔ میری بیوی ایک بچّی کو جنم دے کر اور دِل پر میری موت کا گہرا زخم لے کر دُنیا سے رخصت ہو گئی ۔ وضعِ حمل کے ساتھ ہی اُس کی زندگی کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا ۔ بچّی کا نام گلبانو رکھا گیا ۔

بیوی کے مرنے کا صدمہ تو تھا لیکن میری حالت میں کوئی تبدیلی نہ آ سکی ۔ مَیں دُنیا اور دُنیا والوں سے بدستور بیزار تھا ۔ اپنے آپ کو ایک نئی منزل کا مسافر سمجھتا اور گوشۂ تنہائی میں پڑا رہتا تھا ۔ ایک روز درویش بابا نے اچانک میرے ذہن کو نئی ٹھوکر لگائی ۔ ایک نیا سبق دیا اور کہا ۔

"جس قسم کی درویشی تم نے اختیار کر لی ہے ۔ وہ دُنیا پر بوجھ ہے ۔ سچا درویش وہ ہے جو زمانے کو بھی لگائے، معرفت اور سلوک کی راہ بھی اختیار کرے اور خدا کے بندوں کے کام بھی آئے ۔ دنیا کے رشتے توڑ دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی اپنے دِل کو بنجر بنا لے اور شفقتِ پدری کے جذبے سے بھی محروم ہو جائے ۔"

مُرشد کی اس نصیحت نے میرے اندر ایک اور تبدیلی پیدا کی ۔ اپنی بیٹی کو دیکھنے اور سینے سے لگا کر پیار کرنے کی خواہش مجھے کشاں کشاں صفدر نگر کھینچ لائی ۔ مَیں داراب کے پاس پہنچا اور پہلی نظر میں اس نے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا مگر میری آواز، لہجے، آنکھوں سے پہچان لیا اور مجھے زندہ سلامت دیکھ کر دنگ رہ گیا ۔ مَیں نے اُسے بتایا ۔

" مَیں دُنیا کے لیے مر چکا ہوں ۔ مجھے اپنی زندگی کی قبر میں لیٹے رہنے دو اور کسی کو میرے جینے کی خبر نہ سناؤ ۔"

داراب پر ایک سکتہ سا گزر گیا ۔ مَیں اسے بتانے لگا ۔

" صفدر نگر اس لیے آیا ہوں کہ گلنار کی قبر پر فاتحہ پڑھ سکوں اور کسی طرح اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر پیار کر سکوں ۔"

اُس نے ایک ننھا سا بچہ میری گود میں لا ڈالا ۔ بھلا مَیں اُس بچے کو کیسے بھول سکتا

پشت پہ ولی عہدی کا نشانِ شمشیر ثبت تھا - مَیں نے ننھے جواں بخت کو چھاتی سے لگایا۔ اُسے بے تحاشا چوما - دلراب نے میری خواہش بھی پوری کر دی - مجھے شاہی محلات کی ڈیوڑھی تک پہنچایا پھر ملکہ جہاں کی اجازت سے ننھی گلبانو اور اُس کی دایہ کو چند لمحوں کے لیے میرے پاس لے آیا تاکہ اپنے آقا کی صاحبزادی کے لیے درویش کی برکت اور دُعا حاصل کر سکے -

مَیں نے گلبانو کو گود میں لیا ، سینے سے لگایا - پیشانی چومی اور رقتِ دل کے ساتھ دُعا مانگی ——— " اے خدا ! اس بچّی کا اقبال بلند کر، اِسے زندگی کی خوشیاں نصیب ہوں اور یہ اپنے ماں باپ کا نام روشن کرے ۔"

اِن الفاظ کے سوا مَیں اور کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ میری آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھیں بھیگ گئی تھیں پھر اُس کی پیشانی پہ الوداعی بوسہ دے کر ڈیوڑھی سے نکلا - کوئی باپ اپنی بیٹی سے اس طرح جُدا نہ ہُوا ہوگا جس طرح مَیں ہُوا تھا ——— اُسی روز گلنار کی قبر پہ حاضری دی - فاتحہ پڑھی اور اپنے کچھ آنسو اس کی مٹی پہ بھی چھوڑ آیا۔

دوسرے روز جب صفدر نگر سے رخصت ہُوا - ننھا جواں بخت میری گود میں تھا - مَیں اُسے درویش بابا کی جھونپڑی میں لے آیا کیونکہ اپنی طرح اُسے ایک ایسا انسان بنانا چاہتا تھا جو دُنیا کی حشمتوں کو ٹھوکر مار سکے - وہ میرے سائے میں پلنے لگا - دوسرے سال درویش بابا کا انتقال ہو گیا لیکن مرنے سے پہلے مجھے اور نصیحت کی اور اپنی ڈوبتی آواز میں بتایا۔

" میری لاش اسی جگہ دفن کر کے خود گونا بستی چلے جانا کیونکہ اُس بستی کے لوگوں کا تم پہ ایک قرض ہے - اُن کا قرض ادا کرو اور وہ حقوق اُنہیں واپس دلاؤ جو اُن سے چھین لیے گئے ہیں ۔"

وصیت کے مطابق درویش بابا کو وہیں دفن کر دیا گیا - بہت سے لوگ اُن کے جنازہ میں شریک ہوئے - تدفین کے بعد اور لوگ تو رخصت ہو گئے مگر گونا بستی کا ملاح شاہو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہیں رہ گیا اور کہنے لگا -

" اب ہمارے مرشد آپ ہیں اور ہم آپ کو گونا بستی لے جانا چاہتے ہیں ۔"

مَیں نے انکار نہیں کیا دوسرے دِن اُن کے ساتھ بستی میں آ گیا - سب لوگوں نے مجھے اپنا شیخ اور مُرشد مان لیا - وہ ننھے جواں بخت کو " مُرشد زادہ " سمجھ کر بے حد پیار کرتے

تھے - مگر دو سال کے اندر اہلِ بستی کی حالت بے حد خراب ہو گئی تھی - وہ صفدر نگر کی بجائے مچھلی دیہات میں جا کر بیچتے اور محنت مشقت کے باوجود بہت کم پیسے کماتے تھے -

نیلی کی غرقابی اور سردار کی موت کے بعد چودھویں کا تہوار ختم کر دیا گیا تھا کیونکہ نہ کوئی سردار تھا نہ کوئی نیلی تھی جو پورنماشی کی رات کو رقص کرتی -

مَیں نے شاہو کو بستی کا سردار مقرر کیا - اس کی بچی کا نام جو ابھی ایک سال کی تھی - نیلوفر رکھا اور بتایا کہ ہم اُسے نیلی کہہ کر پکاریں گے اور وہی بڑی ہو کر " چودھویں کا رقص " کریگی -

اہلِ بستی مرنے والی نیلی اور شہزادہ اورنگ شہریار سے (جو اُن کے نزدیک نیلی کے ساتھ ہی دریا کے بھنور میں اُتر گیا تھا) بڑی عقیدت رکھتے تھے - اُنہوں نے سردار شاہو کی لڑکی کا نیا نام بڑی خوشی سے قبول کر لیا اور اُسے نیلی کہنے لگے - جُوں جُوں وہ بڑی ہوئی لوگوں کی اس کے ساتھ عقیدت بھی بڑھتی چلی گئی

ابھی مجھے بستی میں آئے ایک ہی سال گزرا تھا اور جواں بخت کی عمر تین برس کی تھی کہ اچانک وہ غائب ہو گیا - بستی والوں نے اُسے چاروں طرف تلاش کیا - جواں بخت تو نہ مِل سکا البتہ ساگا ندی کے کنارے اُس کی جُوتی کا ایک پَیر ضرور مِل گیا - جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے -"

یہ کہہ کر شیخ نے اپنے جُبّے سے ننھی مُنی جُوتی کا ایک پَیر نکال کر دکھایا اور کہا -

" جواں بخت میرا پیار تھا - اُس کی ہر شے مجھے پیاری تھی - جُوتی کا یہ پَیر چونکہ ندی کنارے مِلا تھا اس لیے سمجھ لیا گیا کہ وہ ندی میں ڈوب گیا ہے - مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ دریا میں ایک بار پھر جال ڈالے گئے - غوطہ خوروں نے غوطے لگائے پھر بھی نہ تو جواں بخت کی لاش دستیاب ہو سکی نہ کوئی کھوج مِل سکا - مَیں اس جُوتی کو چُومتا اور آہیں بھرتا تھا - شاید یہ بات خُدا کو منظور نہ تھی کہ کسی انسان کا پیار اُس کی محبت کی راہ میں حائل ہو لیکن مَیں جس قدر جواں بخت کو بھلانے اور اپنا دِل کسی اور طرف لگانے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی زیادہ یاد آتا تھا - کئی سال کے بعد اس کا غم غلط ہو سکا -

میری وفات کے بعد سلطان نے میرے نام پہ ایک سرائے " شہریار " تعمیر کرائی اور داراب ہی کو اُس کا منتظم مقرر کیا - وہ جانتا تھا - مَیں گونا بستی میں درویشی اور سلوک و معرفت کی زندگی بسر کر رہا ہوں -

اہلِ بستی پر چونکہ صفدر نگر کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے اس لیے مَیں نے داراب

رخت کا ایک انتظام کر دیا۔ داراب کے آدمی ہفتہ میں دو بار آتے اور ساری
یدکرلیے جاتے۔

اس طرح مچھلی کی خرید و فروخت کا انتظام ہوگیا اور بستی والوں کی ضرورتیں پوری ہونے لگیں۔ اب وہ لوگ پہلے سے کہیں زیادہ میرے گرویدہ ہوگئے۔ حق بات یہ ہے کہ اُن صاف دِل سیدھے سادے اور محنتی لوگوں کی خدمت کرکے میرے دل کو بھی ایک روحانی سکون ملتا تھا۔ اُن پر کئی مشکلیں اور مصیبتیں میری وجہ سے ٹوٹی تھیں اور اب میں اُن کا قرض ادا کر رہا تھا۔

پہلے میں نے گوا بستی کے سردار کی لڑکی نیلی سے محبت کی تھی۔ وہ محبت مجھے شاہی محلات سے نکال کر لے گئی اور میرے وجود پر جو سانحہ گزرا اُس سے ایک نئے شہریار نے جنم لیا۔ جو کائنات کے خالق و پروردگار کی معرفت، پہچان اور محبت کے تجربہ سے گزرنے لگا اس معرفت نے مجھے خدا کے ساتھ، خدا کے بندوں سے بھی محبت کرنا سکھائی اور لوگوں کی خدمت کرکے ایسی راحت ملنے لگی جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

میں نے بستی والوں کو مشکلوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرکے زندہ رہنے کے ڈھنگ سکھائے اِن میں باہمی سلوک، اتحاد اور بھائی چارے کا رشتہ مضبوط کیا۔ اب وہ دِن کے اجالے اور رات کے اندھیرے میں بھی محفوظ ہیں اور کوئی ڈاکو یا حملہ آور اُن کو لوٹ نہیں سکتا کیونکہ جب بستی کا سردار خطرے کا سینگ پھونکتا ہے سب لوگ آنِ واحد میں گھروں سے نکل آتے اور اپنے دُشمن کو گھیر لیتے ہیں۔

یہ بات پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میں نے سردار شاہو کی بیٹی کا نام نیلو فر رکھا اور اہلِ بستی کی قدیم تہذیبی روایت کو بحال کرنے کے لیے چودھویں رات کا تہوار از سرِ نو منانا شروع کیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ نیلی فنِ رقص میں کمال حاصل کرنے لگی اور بستی کی وہ تہذیبی رونق پھر لوٹ آئی جو چند سال پہلے ختم ہوگئی تھی۔

اگلے وقتوں کے لوگوں نے چاند کے مہینے کو دو حصوں یا دو پاکھوں میں بانٹ کر اُجالے کی تکمیل اور اندھیرے کی تکمیل کے جو نشان مقرر کیے تھے۔ وہ نشان دراصل روشنی سے انسان کی محبت کے مظہر تھے کیونکہ انہوں نے اُجالے کی تکمیل کو پورن ماشی یا چودھویں رات کے نام سے تعبیر کیا اور یہی رات اُن کی مسرت کی علامت ٹھہرائی تھی۔

میں نے بھی اُجالے کی تکمیل کا تہوار منانا ضروری سمجھا تاکہ چودھویں کے چاند کی

روشنی لوگوں کے دِلوں میں کائنات کا نور بن کر اُتر جائے اور وہ روشنی اُنہیں ایک دوسرے کے کچھ اور قریب کر دے مگر ہو سکتا ہے چودھویں رات کے جشن کی روایت میں نے اپنی برباد محبت کی یاد قائم رکھنے کے لیے دوبارہ شروع کی ہو۔ کیونکہ معرفت اور سلوک کی منزل میں داخل ہونے کے بعد کبھی کبھی مجھے اپنی وہ بھولی ہوئی منزل بھی یاد آیا کرتی تھی جس کا نام نیلی تھا اور سچ تو یہ ہے محبت کی اُسی بربادی ہی نے مجھے معرفت و سلوک کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ اس لیے میں نیلی اور اس کی محبت کو کبھی نہ بھول سکا جو میرے پیار کی پہلی منزل تھی۔

سردار شاہو کی بیٹی نیلی کی جوانی اپنے ساتھ بہت سی بہاریں، بہت سی قیامتیں اور بہت سے خطرے لے کر آئی۔ میں ڈرتا تھا کہیں یہ نیلی بھی حالات کے کسی بھنور میں نہ ڈوب جائے۔

دو سال پہلے شمشیر ڈاکو کا شہرہ ہوا جس کا مسکن سانگا جنگل ہی تھا اور یہ جنگل گوا بستی سے چند ہی میل دُور ہے۔ مگر شمشیر ڈاکو نے کبھی بستی کا رُخ نہیں کیا۔

میرے شہریار کے منتظم داراب کی معرفت میں صفدر نگر کے حالات سے باخبر رہتا اور اپنی بیٹی کی خیر و عافیت معلوم کر لیتا تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد ملکہ بیگم نے حکومت کے اختیارات سنبھال لیے تھے۔ اور وہ گلبانو سے بے حد پیار کرتی تھیں۔

سلطان مرحوم مرنے سے پہلے وصیت کر گئے تھے کہ گلبانو کی شادی شہزادہ خرم سے کی جائے اور اگر وہ اس شادی سے انکار کرے گا تو ولی عہدی سے محروم ہو جائے گا۔ صفدر نگر کے تخت و تاج کو حاصل کرنے کے لیے گلبانو سے اُس کی شادی ضروری تھی۔ اس شرط کے ساتھ سلطان مرحوم نے گویا سلطنت کا وہ حق جسے میں نے لینے سے انکار کر دیا۔ میری بیٹی کے لیے محفوظ رکھا تھا۔

یہ خبر بھی داراب ہی کے ذریعے ملی کہ پہاڑی قلعہ سے شہزادہ خرم ذی شان کی واپسی کے بعد نہ صرف گلبانو سے اُس کی شادی ہو جائے گی بلکہ ملکہ جہاں اقتدار اپنے بیٹے کو سونپ کر حکومت سے دست بردار ہو جائیں گی۔ چنانچہ میں نے منصوبہ تیار کیا کہ اس تقریب کے لیے جو دربار منعقد ہوگا اُس میں داراب کی معرفت نیلی کے رقص کا اہتمام کیا جائے۔ اگر اسے دربار میں رقص کی اجازت مل گئی تو وہ ایسے اعلیٰ رقص کا مظاہرہ کرے گی جسے دیکھ کر لوگ عش عش کر اُٹھیں اور ملکہ جہاں اُسے انعام دینے کا اعلان خود کریں گی۔

نیلی کا اصل انعام یہ تھا کہ گونابستی سے سرکاری پابندیاں ختم کر دی جائیں اور بستی کے لوگوں کو صفدر نگر میں داخلے کی اجازت ہو۔ چنانچہ نیلی کو اعلیٰ رقص کی تربیت دی جانے لگی۔

اس طرح میں گونابستی کا آخری قرض اتارنا چاہتا تھا مگر ایک عجیب و غریب اتفاق ہوا کہ چودھویں رات کے "اجالا پاکھ" پر جب نیلی اپنی تربیت کا آخری رقص کر چکی اور میں اسے "رقص کی رانی" کا اعزاز دے کر اپنی مسند سے جا چکا تھا۔ خون میں لت پت ایک زخمی سوار سانگا ندی کے کنارے کنارے بستی میں داخل ہوا جو اپنے گھوڑے کی پشت پر بے ہوش ہو چکا تھا۔

کوئی نہ جانتا تھا، وہ زخمی کون ہے اور اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ نیلی اور سردار شاہو نے اسے اپنے گھر پناہ دی، مرہم پٹی کی۔ اسی رات شمشیر ڈاکو نے بستی پر حملہ کیا۔ وہ اس زخمی سوار ہی کی تلاش میں آیا تھا۔ جسے سردار نے اپنے گھر میں چھپا لیا اور اس کی حفاظت کا فرض ادا کیا۔

زخمی نے بتایا، وہ صفدر نگر کا ایک "سوداگر" ہے جسے شمشیر ڈاکو نے جنگل میں گھیر لیا اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا مگر وہ جان بچانے میں کامیاب نکلا۔ اپنے زخموں کی وجہ سے اسے چار روز تک گونابستی ہی میں رہنا پڑا مگر دل ونگاہ کا وہ حادثہ پھر ظہور میں آیا۔ جو بیس برس پہلے مجھ پر گزرا تھا۔ نیلی اور "سوداگر" میں محبت کے عہد و پیمان ہو گئے اور زخمی مہمان نے ایک قیمتی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنا دی۔

چار دن کے بعد سوداگر جس کے زخم بھر گئے تھے۔ نیلی اور سردار شاہو کے ساتھ ہی صفدر نگر کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ داراب نے جشنِ دربار میں نیلی کے رقص کی اجازت حاصل کر لی تھی اور باپ بیٹی کو "سرائے شہریار" ہی میں قیام کرنا تھا۔ مگر جب نیلی رقص کے صلے میں ملکہ بیگم کی خوشنودی حاصل کر کے بستی میں لوٹی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے کیونکہ وہ "سوداگر" جو اس سے پیمانِ محبت باندھ کر گیا جشنِ دربار میں ملکہ جہاں کے پہلو میں ولی عہد شہزادہ خرم ذی شان کی حیثیت میں جلوس فرما تھا۔ جسے دیکھ کر نیلی دم بخود رہ گئی اور سردار شاہو بھی اس خیال سے کانپ اٹھا تھا کہ نجانے اب گونابستی پر کون سا عذاب نازل ہو گا۔

میں نے نیلی کے ہاتھ میں انگوٹھی دیکھی تو فوراً پہچان لی۔ وہ نوروز خاندان کی شاہی یادگار تھی جو صرف ولی عہد کو پہنائی جاتی تھی اور جسے بیس برس پہلے میں اپنے ہاتھ سے اتار کر شاہی محل سے نکل آیا تھا۔ انگوٹھی اس بات کا قطعی ثبوت ... شہزادہ خرم ہی گونابستی میں آیا اور اس نے اپنی شاہی انگشتری اقرار ... پہنا دی تھی۔

اس انکشاف نے مجھ پر بھی ایک لرزہ طاری کر دیا کیونکہ خرم کی منگنی میری بیٹی گلبانو سے ہو چکی تھی اور وہ اسی صورت میں صفدر نگر کے تاج و تخت کا مالک بن سکتا تھا جب گلبانو سے شادی کر لے مگر میں نے سنا، خرم نے جو ایک بار پھر بستی میں آیا نیلی کو یقین دلایا تھا۔ وہ اس کی خاطر تاج و تخت کو بھی ٹھوکر مار دے گا۔

میں حیران تھا، کیا قدرت محبت کے اسی افسانے کو مکمل کرنا چاہتی ہے جو بیس برس پہلے ادھورا رہ گیا تھا؟

یہ معاملہ بے حد عجیب اور حیرت انگیز تھا کہ بیس برس پہلے اگر میں نیلی سے محروم کر دیا گیا تو اب میری بیٹی اپنی خوشیوں سے محروم ہونے والی تھی کیونکہ ولی عہد اس کی خوشیوں کا مرکز بن چکا تھا اور اگر شہزادہ خرم نے فی الواقع نیلی کی خاطر تاج و تخت ٹھکرا دیئے تو صفدر نگر کے شاہی محلات پر جوکھوں کی ایک اور کڑی ساعت آنے والی تھی۔

شاید تقدیر خون، نسل اور خاندان کی ان دیواروں کو توڑ دینا چاہتی تھی جو بڑے لوگوں نے چھوٹے لوگوں کے سامنے کھڑی کر رکھی ہیں۔ میں نے اس انسانی مساوات کے لیے اپنی بیٹی کی خوشیوں کو بھی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا اور چاہا کہ شہزادہ خرم اور نیلی کا محبت کا افسانہ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور گونابستی میں چودھویں رات کے پیار کی کہانی مکمل ہو جو دراصل ایک عورت سے ایک مرد اور ایک انسان سے ایک انسان کے پیار کی کہانی ہے۔

میں نے اپنے عرفان سے معلوم کر لیا تھا کوئی ناقابلِ یقین واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ اور نیلی کو بھی تسلی دے دی تھی کہ وہ اپنے محبوب کو حاصل کر لے گی۔ پھر بھی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ تقدیر محبت کی کہانی کو جو بیس برس پہلے ادھوری رہ گئی تھی کس طرح پوری کرتی ہے اور ملکہ جہاں کا تدبر کہاں ٹھوکر کھاتا ہے، مگر اس بار تقدیر کا تانا بانا اتنا پھیلا ہوا اور مضبوط تھا کہ اس سے بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ قدرت نے ملکہ بیگم کے شاہی غرور کو توڑنے کے لیے کوئی اور ہی انتظام کیا تھا۔

سب لوگ سن چکے ہیں کہ نیلی اور سردار شاہو نے جشنِ دربار میں جس شہزادہ خرم کو

"۔۔۔وہ خرم نہیں بلکہ اس کا ہم شکل بڑا بھائی جوان بخت تھا۔ جسے تقدیر نے تین برس کی عمر میں مجھ سے چھین لیا اور شمشیر ڈاکو بنا دیا تھا۔

اپنی پیدائش کے اعتبار سے صفدر نگر کا اصل ولی عہد اور سلطنت کا حقدار وہی تھی میں نے اُسی وقت جب اپنی ننھی گلبانو کو چھاتی سے لگا کر زندگی کی دُعا دی اور کسی جواں بخت کو باندوں میں لے کر صفدر نگر سے لوٹا تھا، دل میں ٹھان لی تھی کہ اس بچے کو فقیر بناؤں گا اور جب یہ جوانی کی عمر کو پہنچے گا۔ اس کے لیے ملکہ جہاں سے اپنی بیٹی گلبانو کا رشتہ طلب کروں گا اور یہ سب کچھ اس لیے سوچا تھا کہ دُنیا کو بتا سکوں بادشاہت اور فقیری ایک خاندان میں بھی تقسیم ہو سکتی ہے مگر قدرت کی تدبیریں انسان کی تدبیروں سے بالاتر ہیں۔ اس نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ غلط تربیت ایک عالی نسب لڑکے کو ڈاکو بھی بنا سکتی ہے اور وہ اس حکومت و سلطنت پر بھی ڈاکہ ڈال سکتا ہے جو درحقیقت اسی کا حق ۔۔۔۔"

یہ کہہ کر شیخ نے شہزادہ جواں بخت کی طرف ہاتھ اُٹھایا جو بے حد شرمسار نظر آتا تھا اور کہا ۔۔۔۔

"میرے بیٹے! تُو اپنی پچھلی زندگی پر شرمسار ہے مگر شرمسار تو مجھے ہونا چاہیے جو تیری حفاظت نہ کر سکا۔ اگر معلوم ہوتا تجھے سانگا جنگل کے ڈاکو اُٹھا کر لے گئے ہیں تو موت سے کھیل کر بھی ان سے چھین لاتا مگر قدرت کو یہی منظور تھا، تُو ایک درویش کی بجائے ایک ڈاکو کی تربیت حاصل کرے اور اپنے حق پر آپ ہی ڈاکہ ڈالے۔ قدرت تیرے ذریعے تیری ماں کو ایک سبق دینا چاہتی تھی اور ایسا تھا یہ سبق کہ ہم نے بہت کچھ کھو دیا ۔۔۔۔ بہت کچھ پا لیا ۔۔۔۔"

پھر شیخ مسند سے اُٹھا اور ملکہ جہاں سے مخاطب ہوا۔

"ملکہ بیگم! بے شک سُلطان مرحوم نے میری بیٹی کی منگنی شہزادہ خرم سے طے کی تھی مگر باپ کی حیثیت سے جو حق مجھے حاصل ہے اس سے کام لے کر میں گلبانو کی شادی جواں بخت سے تجویز کرتا ہوں۔ رات میں نے اپنی بیٹی سے بھی بات کر لی ہے۔ اُس نے گونابستی کی ادھوری کہانی کو مکمل کرنے کی خاطر سردار شاہو کی بیٹی کا راستہ صاف کر دیا اور خرم کی بجائے جواں بخت سے عقد منظور کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے آپ خرم اور نیلی کے درمیان شاہی خون اور نسل اور خاندان کی کوئی دیوار کھڑی نہیں کریں گی۔ کیونکہ ان دیواروں نے

انسانیت کو تقسیم کر دیا ہے

سردار شاہو کی بیٹی نیلوفر بانو نے مجھ سے تربیت پائی ہے وہ نورعز خاندان کے ہر معیار پر پُوری اُترے گی۔ اگر آج بھی آپ نسل اور خاندان کی دیواروں کے حصار میں گھری رہیں تو اس بار سانگا ندی میں آنے والی طوفان کی باڑھ سب کچھ بہا کر لے جائے گی۔ میں نے اپنی ایک بیٹی جواں بخت کے عقد میں دے دی ہے۔ اپنی دوسری بیٹی کے لیے خرم کا طلب گار ہوں۔"

ملکہ جہاں نے جواب بیٹھ کر نہیں مسند سے کھڑے ہو کر دیا۔

"شہریار! تمہیں جو کچھ کہنا تھا ہمیں جو کچھ سننا تھا۔ وہ کتابِ تقدیر کا لکھا ہے۔ بیس برس پہلے ہم نے خدا کے قانونِ مساوات کو چھوڑ کر جو غلطی کی تھی۔ اُس کا خمیازہ تھا کہ ہمارا لختِ جگر زندہ تھا اور ہم بیس برس تک اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتے رہے تم سلامت تھے اور ہم تمہیں مُردہ سمجھ کر آنسو بہاتے رہے۔ اگر جواں بخت نے ہمارے سائے میں پرورش پائی ہوتی تو شمشیر ڈاکو نہ بنتا۔ اگر تم ہمیں چھوڑ کر نہ جاتے تو گلنار ہم سے رُوٹھ نہ جاتی۔ مگر یہ سب کچھ جو پیش آیا ہمارے مقدر میں تھا۔ آج ہم بیس برس پہلے کی غلطی دہرائیں گے نہیں اور خرم کے لیے سردار شاہو کی بیٹی نیلوفر بانو کا رشتہ قبول کرتے ہیں اور ہم نے بھی یہ رشتہ رات ہی طے کر لیا تھا۔ اب ہم سردار شاہو سے باقاعدہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی ہمیں بخش دے ۔۔۔۔"

ملکہ جہاں کی زبان سے یہ الفاظ سُنتے ہی سردار شاہو کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے اُسی حالت میں کورنش ادا کی اور بولا۔

"ملکہ حضور! نیلی میری بیٹی ضرور ہے لیکن وہ آپ کی باندی ہے۔ میں آپ کے حکم سے کیسے انکار کر سکتا ہوں ۔۔۔۔"

"سردار شاہو! نیلوفر باندی نہیں ہماری بہو بن کر شاہی محل میں آئے گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ملکہ جہاں نے ایک اور انکشاف کیا۔

"جواں بخت بڑا ہونے کے باوجود خرم کے حق میں ولی عہدی سے دستبردار ہو گیا ہے۔ اب تاجِ شاہی خرم ہی پہنے گا اور نیلوفر بانو ملکہ کی حیثیت میں اُس کے ساتھ صفدر نگر کے تخت پر جلوس کرے گی"۔

یہ اعلان بے حد مسرت انگیز بھی تھا اور انتہائی سنسنی خیز بھی ۔ صفدر نگر کے تخت پر ہر سلطان کے ساتھ نوروز خاندان کی کوئی نہ کوئی شہزادی ہی ملکہ کی حیثیت میں جلوس فرما ہُوا کرتی تھی کیونکہ یہ حق صرف شاہی خاندان کی لڑکیوں کے لیے مخصوص تھا لیکن صفدر نگر کی تاریخ میں پہلی بار گونا بستی کے ایک ملّاح کی بیٹی کو ملکہ کا اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔

یہ ایک ایسی انوکھی بات تھی جس نے سردار شاہو پر سکتہ طاری کر دیا ۔ شاید اُس نے کبھی ایسا خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا ۔ مارے حیرت کے زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی ۔ مگر شیخ نے یہ سُن کر کہ نیلی صفدر نگر کی ملکہ بنے گی اپنا عصا بلند کر دیا اور کہا۔

" ملکہ بیگم ! صفدر نگر کی ایک تاریخ ختم ہو گئی اور ایک تاریخ شروع ہو رہی ہے ۔ نیا دور لوگوں کے لیے خوشیاں لے کر آئے گا "

سردار شاہو کی بیٹی نے بھی یہ ساری باتیں سُن لی تھیں ۔ جو شاہی محل میں ملکہ بیگم کی مہمان اور اس وقت قصرِ خاص کے ایک الگ تھلگ حجرے میں دلآرام کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جب ملکہ بیگم نے اُس کی نئی حیثیت کا اعلان کیا ۔ دلآرام ادب سے اُس کے سامنے جُھک گئی مگر نیلی جواب نیلوفر بانو تھی کتاب پر لکھے ہوئے ایک نقطہ کی طرح ساکت اور خاموش رہی حالانکہ یہی ایک لفظ اب پوری کتاب کا عنوان تھا ۔

ٹھیک تیسرے دن صفدر نگر شہنائیوں سے گُونج رہا تھا ۔

ملکہ جہاں چاہتی تھی ۔ نیلوفر اور خرم کی شادی کی یہ تقریب شاہی محل میں ادا کی جائے۔ مگر شیخ نے اُسے منظور نہیں کیا اور کہا کہ لڑکی اپنے گھر سے وداع ہو گی ۔ چنانچہ ملکہ جہاں امرائے سلطنت کے ہمراہ شہزادہ خرم ذی شان کی برات لے کر پورے تزک و احتشام کے ساتھ گونا بستی پہنچی اور دُنیا کی نگاہوں نے صفدر نگر کے شاہی خاندان کو ایک غریب ملّاح کے دروازے پر حاضر ہوتے دیکھا بستی کی رسم کے مطابق ڈھولک بجی ، سکھیوں نے گیت گائے۔ نیلی دُلہن بنی شیخ اُسے خود پالکی کے پاس لے کر آیا اور ملکہ جہاں کی طرف دیکھ کر بچشمِ تر بولا۔

" میری ایک بیٹی پہلے ہی آپ کے پاس صفدر نگر میں موجود ہے ۔ اپنی دوسری بیٹی کو گونا بستی سے وداع کر رہا ہوں ۔ آج میرا سَر آپ کے سامنے جُھک گیا ہے اور اس جُھکے ہوئے سَر کے ساتھ التجا کرتا ہوں کہ اگر نیلی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو درگزر کیجیئے گا "۔

ملکہ جہاں نے اسی جگہ سب لوگوں کے سامنے دُلہن کو گلے [illegible] دیا

" شہریار ! نیلوفر بانو تو خود ہماری غلطی کی تلافی ہے ۔ ہم اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں گے "۔

جب نیلی کی ڈولی رخصت ہوئی ، بستی کے ہر مرد ، ہر عورت کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اُن کی گود کھلائی لڑکی صفدر نگر کی تقدیر بن گئی تھی ۔

سردار شاہو کے گھر کا آنگن سُونا ہو گیا مگر دل کا آنگن خوشیوں سے بھر گیا تھا جب بیٹی کی بارات بستی سے نکل گئی ۔ وہ بے اختیار شیخ کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا

شیخ نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کے اُٹھایا اور کہا ۔

" شاہو ! یہ قدرت کے کھیل ہیں ۔ بیس برس پہلے مَیں اسی بستی کی ایک لڑکی کے لیے تخت و تاج کو ٹھوکر مار کے آ گیا تھا اور بیس برس کے بعد آج اسی بستی کی ایک لڑکی صفدر نگر کی ملکہ بن رہی ہے "۔

سردار شاہو کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہ سکا اور شیخ اُس کا کندھا تھپتھپاتا آگے بڑھ گیا۔

اُسی روز تیسرے پہر وہ صفدر نگر کے شاہی محل میں موجود تھا جہاں شہزادہ جواں بخت اور شہزادی گلبانو کا عقد پڑھا گیا ۔

شیخ نے اپنی بیٹی کی پیشانی پر شفقت کا بوسہ دے کر کہا ۔

" گلبانو ! تُو صفدر نگر کے تخت پر نہیں بیٹھی مگر تُو نے وہ تخت چھوڑ کر اپنے باپ کو سر بلند کیا ہے "۔

" اُس تخت کے عوض بیٹی کو آپ کی شفقت جو مل گئی "۔

یہ کہہ کر گلبانو باپ کے قدموں میں جُھک گئی اور شیخ نے اپنی دوسری بیٹی بھی جو اُس کے صُلب سے تھی ملکہ جہاں کو پیش کر دی۔

شاہی محل میں یہ دوسری شادی تھی جس سے صفدر نگر کی رونقیں دوبالا ہو گئیں ، مگر اُسی روز وہاں تیسری شادی بھی ہوئی ۔ شاہی محلات کی کنیزِ خاص دلآرام کے ساتھ ظریف کماندار کا ٹانکا بھر دیا گیا ۔

صفدر نگر میں ایک فقید المثال چراغاں ہُوا ۔

دوسرے روز دربارِ جلوس میں جہاں امرائے سلطنت ، خاندانِ نوروز کے صاحبزادہ

اور حاضرین خاص کے درمیان سردار شاہو بھی گونابستی کے چند بڑے بوڑھوں کے ہمراہ موجود تھا۔ ملکہ جہاں نے اختیاراتِ حکومت شہزادہ خرم ذی شان کو سونپ دیے اور اُسے صفدر نگر کے نئے سُلطان کی حیثیت میں تاجِ شاہی پہنایا پھر سردار شاہو کی بیٹی نیلوفر خانم سلطان کے ساتھ تختِ حکومت پر بیٹھی۔

اس خوشی میں نئے سُلطان نے اپنے بھائی شہزادہ جوان بخت کو ولی عہد اور نائب سلطنت بنایا۔ ظریف کماندار کو خدمت کا اعلیٰ اعزاز دے کر مشیرِ خاص مقرر کیا۔ گونابستی کا سارا علاقہ سردار شاہو کو جاگیر میں دے دیا۔ سرائے شہریار کے جھکی منتظم داراب کو اس کی اعلیٰ انسانی خدمات کے صلے میں داروغۂ شہر کا اعزاز دیا گیا۔

اسی طرح وفادارانِ سلطنت کے مرتبے بڑھائے، انعامات دیے، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کے وظیفے مقرر کیے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کئی منصوبوں کا اعلان کیا۔

ملکہ جہاں اپنے بیٹے کے اس اندازِ حکمرانی پر سجدۂ شکر بجا لائی۔

شیخ دربارِ جلوس میں شریک ضرور ہُوا لیکن صرف اس لیے کہ اپنی آنکھوں سے نیلی کو تخت پر جلوس آرا ہوتے دیکھ لے۔

ملکہ بیگم کے علاوہ خرم، جوان بخت اور وزیرِ اعظم شاہ بانی خاں نے بھی شیخ سے درخواست کی تھی، وہ صفدر نگر میں لوٹ آئے اور سلطنت کی نگرانی قبول کرے مگر اس نے دُنیا کے بکھیڑوں میں اُلجھنے سے انکار کر دیا اور جواب دیا۔

"مَیں نے ایک منزل کھو کر دوسری منزل پائی ہے۔ اب اس منزل کو کھونا نہیں چاہتا۔"

یہ کہہ کر شیخ دربار سے، صفدر نگر سے رُخصت ہو گیا۔

شمشیر ڈاکو کی محبوبہ سلطانہ اُس کے صفدر نگر چلے جانے کے بعد سانگا جنگل کی حویلی ہی میں اُس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی مگر یہ خبر سُن کر دم بخود رہ گئی کہ شمشیر دراصل نوروز خاندان کا چشم و چراغ شہزادہ جوان بخت تھا جس کی شادی شہزادی گلبانو کے ساتھ ہو گئی ہے۔ یہی خبر بجلی بن کر گری اور سلطانہ کے دل کی حرکت بند ہو گئی۔

اس انکشاف کے بعد شمشیر ڈاکو کے بقیہ ساتھی جو حویلی میں مقیم تھے سانگا جنگل سے ہمیشہ کے لیے رُخصت ہو گئے۔ اب انہیں اپنا سردار واپس نہیں مل سکتا تھا اور وہ

شاید اپنی فطرت نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

نائب سلطنت شہزادہ جوان بخت کے حکم پر جنگل کی حویلی سرکاری چوکی میں تبدیل کر دی گئی جہاں صفدر نگر کا ایک فوجی دستہ رہنے لگا تاکہ جنگل کے راستہ کی حفاظت کر سکے جو پہاڑی قلعہ کی طرف جاتا تھا۔

چند ہی روز کے اندر شیخ کی شہرت دُور دُور تک جا پہنچی۔ قرب و جوار کے لوگ اُس درویش مرد کو دیکھنے اور فیضِ معرفت حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق گونابستی آنے لگے جس نے صفدر نگر کے شاہی محلات کو چھوڑ کر بستی میں ڈیرہ جما لیا اور عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی راہ پر گامزن تھا مگر شیخ تھوڑی دیر کے لیے اپنے حجرے سے باہر آتا اور لوگوں کو قانونِ مساوات کی تعلیم دیتا تھا۔

اُس کا ایک ہی پیغام تھا کہ سب انسان برابر اور بھائی بھائی ہیں۔ جو ان کے درمیان نسل، خون اور خاندانی برتری کی دیواریں کھڑی کرے گا خُدا کو جواب دہ ہو گا۔

نئے چاند کی چودھویں رات کو سانگا ندی کے کنارے قدیم الایام رقص گاہ میں ایک بار پھر مشعلیں فروزاں تھیں اور گونابستی کے باسیوں کے علاوہ اردگرد کے کئی لوگ بھی اس تقریب کا تماشا دیکھنے کے جمع تھے جو نئی نیلی کی خاطر منعقد ہوئی تھی۔

سردار شاہو بستی کی ایک نئی لڑکی کو نیلوفر کے رُوپ میں پیش کرنے والا تھا جسے نیلی کے بعد چودھویں کا رقص کرنا تھا۔ بستی والے "اُجالا پاکھ" کی پُرانی رسم جاری رکھنا چاہتے تھے۔

گونابستی کی رقص گاہ میں غیر معمولی ہجوم کا ایک سبب اور بھی تھا۔ صفدر نگر کا سُلطان خُرم ذی شان اور اس کی ملکہ نیلوفر خانم "چودھویں کا رقص" دیکھنے آئے تھے جو شیخ کی رُوحانی تسکین کا ذریعہ بن چکا تھا۔ ولی عہد جوان بخت، شہزادی گلبانو، ظریف کماندار اور دلارام کے نو بیاہتا جوڑے بھی ساتھ آئے تھے۔

رقص گاہ میں اُن کی نشستوں کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور نیلوفر خانم کی نظریں اس راستے پر بچھی تھیں جس راستے شیخ رقص گاہ میں آیا کرتا تھا۔ اچانک سینگ کی آواز بلند ہوئی اور لوگوں نے اُسے رقص گاہ کی طرف آتے دیکھا۔

جونہی وہ اس چبوترے کی طرف بڑھا جو رقص کے لیے مخصوص تھا۔ صفدر نگر کی ملکہ

اپنے مرشدِ رُوحانی کے پاؤں تھامنے کے لیے لپکی مگر شیخ نے اپنے پیر پیچھے ہٹا لیے اور کہا۔

"نیلوفر خانم! کسی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ انسان کے قدموں میں گرے خواہ وہ مُرشد ہی کیوں نہ ہو"۔

یہ سبق دے کر وہ چبوترے پر آیا اور اپنی مسند پر بیٹھا تو سردار شاہو نے نئی نیلی کو پیش کرنے کی اجازت طلب کی مگر شیخ نے جواب دیا۔

"سردار شاہو! گونا بستی کی ادھوری کہانی پُوری ہو گئی۔ میری بے چین رُوح کو قرار آگیا۔ اب کسی نیلی کے رقص کی ضرورت نہیں۔ اُجالا پاکھ کا رقص میں خود کرونگا"۔

یہ کہہ کر شیخ نے اپنا عصا دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "حق ہُو" کا نعرۂ مستانہ لگایا اور جھوم جھوم کر "رقصِ درویشی" کرنے لگا۔ لوگ اُس مردِ طریقت کو ناچتے اور وجد و کیف کے عالم میں رقص کرتے دیکھ کر بُت سے بن گئے پھر اُنہوں نے شیخ کے پاؤں میں بندھے گھنگروؤں کے چھنکے سُنے اور اُن چھناکوں کی گت پر چاندی کی موٹھ والے عصا کو لہراتے دیکھا۔ شیخ پر جذب و مستی کا عالم طاری تھا اور وہ "حق ہُو" اُلاپتا ہُوا ایک انوکھا رقص کر رہا تھا۔ جو گونا بستی کے لوگوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

چاند کی چودھویں رات کو سانگا ندی کے کنارے قدیم الایام رقص گاہ شعلوں کی روشنی میں ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔

تمت بالخیر

کتابت : خان کاشمیری

اُردو کے صاحبِ طرز ادیب

قمر اجنالوی

کے تاریخی شاہکار ناول

ولی عہد

جب کمپنی سرکار والیانِ ریاست کا شکار کھیل رہی تھی۔
جب انگریز حکمرانِ اعلیٰ کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔
آزادی کی عجیب و غریب لرزہ خیز داستان جسے قمر اجنالوی کے تاریخ ساز قلم نے لکھا۔
سفید کاغذ، خوب صورت گرد پوش، عمدہ کتابت و طباعت

مقدّس مُورتی

اُردو اَدب میں ایسا سنسنی خیز ناول آج تک نہیں لکھا گیا۔ بُدھ تاریخ کے آثار کے پس منظر میں وہ عجیب و غریب کہانی جس کے اسرار و تحیّر نے پڑھنے والوں کو جکڑ لیا۔ بہترین تحریر، بہترین ناول
ارضِ مشرق کی حسین و دلآویز کہانی جسے ۱۹۸۲ء کا دوشیزہ ایوارڈ دیا گیا۔
زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔
بڑا سائز، سفید کاغذ، عمدہ کتابت و طباعت تقریباً ایک ہزار سے زائد صفحات۔

چاہِ بابل

دُنیا کی سب سے بڑی داستانِ عشق ، ایک عظیم ناول ، تاریخ کے سینے سے کشید کی ہوئی ایک لافانی کہانی جسے جناب قمر اجنالوی نے ۳ سال کی ریسرچ کے بعد قلم بند کیا ۔

جنگِ مُقدّس

چونکا دینے والا ولولہ انگیز تاریخی ناول ، ساحلِ فلسطین پر ۲½ سال تک ایک خونریز جنگ لڑی گئی ۔ قمر اجنالوی صاحب یورپ اور ایشیا کی اس ہولناک لڑائی کو "جنگِ مقدس" کے نام سے پیش کرتے ہیں ۔

پرتھال

جناب قمر اجنالوی کی ایک عظیم تاریخی پیش کش جسے پاکستان اور بھارت میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی جس کے متعدد ایڈیشن فروخت ہو چکے ہیں ۔

پنڈارے

قمر اجنالوی کا مخصوص و منفرد اندازِ تحریر ۔

○

جدہ جلد ساز

مین روڈ محبوب کالونی جدہ چوک چشتیاں

ناشر

مکتبہ القریش ○ چوک اُردو بازار ○ لاہور ۲